دار الافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور
سے جاری شدہ فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ عثمانیہ

مفتی غلام الرحمٰن
رئیس دار الافتاء

زیرِ نگرانی

مفتی نجم الرحمٰن
نائب رئیس دار الافتاء

جلد دہم

الحظر والاباحة، الوصايا، الميراث

العصر اکیڈمی پشاور

فتاویٰ عثمانیہ

جلد دہم

علمی افادات: شیخ التفسیر والحدیث
حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن مدظلہ
مہتمم ورئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور

زیر نگرانی: حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن مدظلہ
استاذ الحدیث ونائب رئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور

تحقیق وتبویب: شرکائے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء

باہتمام: احسان الرحمٰن عثمانی

سنِ طباعت اشاعت ہفتم:
ذی الحجہ 1442ھ / جولائی 2021ء

سنِ طباعت اشاعت اوّل:
جمادی الثانیہ 1437ھ / مارچ 2016ء
سنِ طباعت اشاعت دوم:
جمادی الاولیٰ 1438ھ / فروری 2017ء
سنِ طباعت اشاعت سوم:
رجب المرجب 1439ھ / اپریل 2018ء
سنِ طباعت اشاعت چہارم:
ربیع الثانی 1440ھ / دسمبر 2018ء
سنِ طباعت اشاعت پنجم:
ربیع الاول 1441ھ / نومبر 2019ء
سنِ طباعت اشاعت ششم:
رجب المرجب 1442ھ / دسمبر 2020ء

Ihsan.usmani@gmail.com
+92 333-9273561 / +92 321-9273561
+92 312-0203561 / +92 315-4499203

ملنے کا پتہ
مکتبہ العصر
احاطہ جامعہ عثمانیہ پشاور
عثمانیہ کالونی نوتھیہ روڈ پشاور کینٹ
صوبہ خیبر پختونخوا، پاکستان
رابطہ: 0314 9061952 / 0348 0191692

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست جلد۱۰

باب الأكل والشرب

(مسائل)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	باب اللباس	
	(مباحث ابتدائیه)	
61	لباس کی مشروعیت کی حکمت	54
62	لباس کی اہمیت	54
63	لباس پر تہذیب وتمدن اور اسلامی احکام کے اثرات	55
64	لباس کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ	55
65	لباس کے مختلف احکام	56
66	(۱)......فرض	56
67	(۲)......مستحب	56
68	(۳)......مباح	56
69	(۴)......مکروہ	57
70	(۵)......حرام	57
71	لباس کے بارے میں شرعی اصول وضوابط	58
72	مردوں کے لیے ریشم کا استعمال	61
73	مردوں کے لیے ریشم کے جواز وعدم جواز کا قاعدہ کلیہ	62
74	بچوں کے لیے ریشم کا لباس	63
75	مردوں کے لیے ٹخنے چھپانے کا حکم	63
	❁❁❁	
	باب اللباس	
	(مسائل)	
76	لباس کے لیے شرعی ضابطے	64

باب الحجاب

(مباحث ابتدائیہ)

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
	باب الحجاب	
	(مسائل)	
86	پردہ کی شرعی حیثیت	118
87	عورت کس سے پردہ کرے	119
88	مشترکہ گھر میں شرعی پردے کا حکم	120
89	رضاعی بہن بھائیوں سے پردہ کرنا	121
90	عورت کے شرعی پردہ کی حدود	122
92	بھابھی کے ساتھ ہاتھ ملانا	123
93	لے پالک سے پردہ کرنا	124
94	بداخلاق اور بدخصلت خاتون سے پردہ کرنا	125
94	گھر کے اندر عورت کا سر چھپانا	126
95	عورت کی آواز	127
96	مرد کا بالغ لڑکیوں کو پڑھانا	128
97	عورتوں کی مخلوط ملازمت	129
99	مخلوط تعلیم	130
100	لڑکیوں کا نعتیہ مقابلہ میں حصہ لینا	131
101	پرنسپل کا تعلیمی امور میں استانیوں سے بغیر پردہ کے مشورہ کرنا	132
102	ہسپتال اور ہوائی سفر میں خواتین سے بات کرنا	133
103	مجبوری کی حالت میں دوسرے آدمی کا ستر دیکھنا	134
104	ضرورت کے وقت ستر کھلا رہنا	135
105	ضرورت کے وقت عورت کے لیے گھر سے نکلنا	136
106	عورتوں کے لیے فصل کی کٹائی اور پہاڑوں سے لکڑی لانا	137

باب الشعر والشارب واللحية والأظفار والختان

(مباحث ابتدائیه)

❁❁❁

باب الشعر و الشارب و اللحیة و الأظفار و الختان

(مسائل)

باب کسب الحلال والحرام

(مسائل)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

باب المال الحرام ومصرفه

(مسائل)

باب الرشوة

(مباحث ابتدائیه)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	باب الرشوة	
	(مسائل)	
232	رشوت کا شبہ پائے جانے والے مال کا کھانا	187
233	رپورٹنگ میں ملنے والی رقم	188
234	انسپکٹر کا ٹھیکے دار سے کھانا کھانا	189
235	نوکری کے حصول کے لیے رشوت دینا	190
236	میٹر ریڈر کو پیسے دینا	191
	❁❁❁❁❁	
	باب التداوی والمعالجات	
	(مباحث ابتدائیہ)	
237	تعارف اور حکمتِ مشروعیت	193
236	تداوی کا لغوی اور اصطلاحی معنی	193
239	تداوی سے ملتی جلتی اصطلاحات	194
240	تداوی کی مشروعیت	194
241	تداوی اور علاج معالجے کا شرعی حکم	195
242	علاج معالجے اور دوائی کے استعمال سے متعلق عام اصول	196
243	علاج کی قسمیں	197
244	علاج کی مختلف صورتیں	198
245	اضطرار اور ضرورت کے وقت حرام، نجس اور خبیث اشیا سے تداوی کا حکم	199
246	انسانی اعضا و اجزا سے علاج کی صورتیں	200
247	علاج سے متعلق چند اہم مسائل	201

باب فی الرقیٰ والتمائم والأذکار الواردة والأشیاء المقدسة

(مباحث ابتدائیہ)

❁❁❁

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
	فصل فی الأذکار الواردة	
	(مختلف مسنون وغیر مسنون اذکار کا بیان)	

❁❁❁

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
	فصل فی الأشیاء المقدسة	
	(مقدس اشیا کا بیان)	

باب السلام والمصافحة

(مسائل)

باب الزينة

(مسائل)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	باب التشبہ	
	(مباحث ابتدائیہ)	

❁❁❁

باب الملاهي، والملاعبات واقتناء الكلاب والحمامات

(مسائل)

باب المسائل المتفرقة

(مسائل)

كتاب الوصية

مباحث ابتدائية

مسائل باب الوصية

كتاب الميراث

مباحث ابتدائية

3

متفرق مسائل کتاب المیراث

کتاب الحظر والإباحة

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف:

شریعتِ اسلامیہ کا مزاج انسانی طبیعت اور اس کی ضروریات کے عین مطابق اور موافق ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام احکامِ شرعیہ میں آسانی اور سہولت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے اور جہاں کہیں کسی چیز کے متعلق عدمِ جواز اور حرمت کی کوئی ٹھوس دلیل نہ ہو اور اس کے ارتکاب سے اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی معاشرے کو کوئی متعدی نقصان نہ ہو تو اس کے حکم کو مبتلیٰ بہ کی ذاتی رائے، اس کی نیت وارادے اور اس فعل پر مرتب ہونے والے اثرات ومقاصد پر منحصر رکھا گیا ہے۔ ایسے امور زیادہ تر وہ ہیں جن کا تعلق انسان کی روزمرہ زندگی سے ہے، جن کو بہ الفاظ دیگر عادات واطوار، طبعی ضروریات اور تہذیب وثقافت یا معاشرت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ان امور میں بعض ایسے بھی ہیں جو اپنی ذاتی روح کے اعتبار سے حرام کے قریب ہیں، ایسے بھی ہیں جن کا ارتکاب سنت یا استحباب کے درجے میں آتا ہے، کچھ ایسے بھی ہیں جو خلافِ مروت یا خلافِ طبیعت ہونے کی وجہ سے مکروہ وناگوار ہیں؛ البتہ زیادہ تر امور وہ ہیں جن کو لوگ کسی خاص نیت وارادے کے بغیر کسی طبعی، عرفی، سماجی یا خاندانی رسم ورواج کے تحت سرانجام دیتے ہیں۔ فقہائے کرام ان ہی امور پر مشتمل ابواب کو ''كتاب الحظر والاباحة، كتاب الكراهية، كتاب الاستحسان یا كتاب الزهد والورع'' کے تحت لاتے ہیں۔

حظر واباحت کا لغوی معنیٰ:

حظر کا لغوی معنیٰ ''روکنا اور منع کرنا'' ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا﴾(۱)

اور تیرے رب کی بخشش کسی نے روکی نہیں۔ (یعنی تیرے رب کا رزق صالح اور فاجر سے بند نہیں کیا گیا ہے)۔

اصطلاحِ شریعت میں حظر سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے شرعاً منع کیا گیا ہو۔

''مامنع من استعماله شرعا''.

---

(۱) الإسراء: ۲۰

اصطلاحی تعریف میں حظر بمعنی ''محظور'' ہے جو مباح کی ضد ہے، لہٰذا مباح کے مقابلے میں جو بھی چیز ہو، وہ محظور ہوگی، چاہے حرام ہو، مکروہ تحریمی ہو، مکروہِ تنزیہی ہو یا خلافِ ادب و مروت ہو۔

اباحت کا لغوی معنیٰ ''جواز اور اطلاق'' ہے، جب کہ اصطلاحِ شرع میں اباحت سے مراد ہر وہ فعل ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار، ثواب یا عقاب کے بغیر مکلفین کو حاصل ہو، یعنی مکلف کو کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہو۔(۱)

کتاب الحظر والاباحة کے اہم مباحث اور مشتملات:

عام نوعیت کے مذکورہ مسائل کے لیے کتبِ فقہ میں مستقل کتاب کا عنوان قائم کرنا حنفیہ کا خاصہ ہے۔ مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے فقہی ذخائر میں یہ مسائل کہیں بھی یکجا نہیں پائے جاتے، بلکہ معمولی مناسبت کی وجہ سے ان مسائل کو دوسرے ابواب کے ساتھ ضمناً ذکر کیا جاتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں عمومی طور پر کتاب الحظر والاباحۃ میں درج ذیل عنوانات سے بحث کی جاتی ہے۔

☆......مرد و عورت کا مختلف حالات میں ایک دوسرے کو دیکھنے اور چھونے کے احکام، یعنی حجاب اور پردے سے متعلقہ مباحث

☆......لباس کے مباحات اور ممنوعات

☆......کھانے پینے سے متعلق جائز اور مکروہ امور

☆......سونے چاندی وغیرہ کے برتنوں کا استعمال

☆......ضیافت (مہمان نوازی) اور ہدایا (تحائف) کے مختلف احکام

☆......غیر مسلموں سے متعلق معاشرتی احکام

☆......مساجد سے متعلقہ عام مسائل

☆......مختلف پیشوں سے متعلقہ احکام

☆......زیارتِ قبور اور مقابر سے متعلقہ مسائل

☆......لہو ولعب اور غنا (موسیقی) سے متعلقہ مسائل

☆......علاج معالجہ، تعویذ اور دم وغیرہ کا حکم ☆......بال، ناخن، داڑھی، مونچھوں اور ختنہ وغیرہ کے مسائل

☆......زیب و زینت سے متعلقہ مسائل ☆......بچوں کے نام اور کنیت رکھنے کے احکام

☆......معاشرتی کمزوریاں، یعنی بغض، حسد، چغل خوری، خوشامد وغیرہ کے احکام

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة: ۹/ ۴۸۵، ۴۸۶

☆......خرید وفروخت سے متعلق عام قسم کے مسائل ☆......معاشرت اور حقوق العباد سے متعلقہ مسائل
☆......ذکر واذکار اور مقدس اشیا سے متعلقہ مسائل ☆......رسم ورواج اور تشبیہ بالاقوام سے متعلقہ مسائل
☆......خبر واحد، غالب گمان اور تحری (سوچ وفکر سے کسی طرف میلان) پر عمل کرنے کے احکام

عالمگیری نے تیس عنوانات کے تحت مختلف مسائل جمع کیے ہیں، تاہم زیادہ تر فقہا عنوانات کی قلت کے باوجود تقریباً تمام مذکورہ مسائل کو زیر بحث لاتے ہیں۔(۱)

کتاب الحظر والاباحۃ کے مختلف نام اور وجہ تسمیہ:

فقہائے حنفیہ باوجود یہ کہ "کتاب الحظر والاباحۃ" کے عنوان رکھنے میں دوسرے فقہائے کرام سے منفرد ہیں، لیکن ان کے ہاں بھی عنوانات میں اتحاد نہیں پایا جاتا، بلکہ ہر فقیہ نے اپنے ذوق کے مطابق ان مسائل کے لیے عنوانات مقرر کیے ہیں، مثلاً:

(۱)......مبسوط، ذخیرہ اور بدائع الصنائع میں ان مسائل کو کتاب الاستحسان سے ملقب کیا گیا ہے، اس لیے کہ مذکورہ باب میں ان چیزوں کا بیان ہے جن کو شریعت یا عقل نے مستحسن یا قبیح شمار کیا ہو یا مذکورہ باب میں ان چیزوں کا بیان ہے جن کو خلاف القیاس استحسان کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہو۔

(۲)......جامع الصغیر، ہدایہ، بزازیہ، مجمع الانہر، کنز الدقائق اور البحر الرائق وغیرہ میں اس کو "کتاب الکراهية" سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لیے کہ مذکورہ ابواب کے اکثر مسائل کراہت (تحریمی، تنزیہی، حرمت) پر مشتمل ہیں۔ یہاں پر کراہت جواز اور اباحت کے مقابلے میں ہے، لہٰذا جو چیز جس درجے میں بھی ناجائز ہو، مکروہ کہلائے گی۔

(۳)......علامہ حصکفیؒ، علامہ شامیؒ، قاضی خانؒ، صاحبِ تحفہ وصاحبِ قدوری وغیرہ نے اس کو کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان دیا ہے۔ یہ عنوان دوسرے عنوانات کے مقابلے میں زیادہ مناسب اور عمدہ ہے، اس لیے کہ اس عنوان کے تحت وہ تمام مسائل آجاتے ہیں جو شرعاً ممنوع یا مباح ہیں۔

(۴)......بعض فقہائے کرام نے اس کو کتاب الزہد والورع کا عنوان دیا ہے، اس لیے کہ اس میں بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی شریعت نے اجازت دی ہے، لیکن زہد وتقوی کا تقاضا ان کے ترک، یعنی چھوڑنے کا ہے۔(۲)

(۱) ملخص از الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية: ۳۰۸/۵۔۳۷۲، الموسوعة الفقهية، مادة حظر: ۳۲۰/۱۷، ۳۲۱

(۲) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة: ۴۸۵/۹، بدائع الصنائع مع الحاشية، كتاب الاستحسان: ۴۸۱/۶۔۴۸۳

باب الأکل والشرب

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو زندگی کے کسی بھی موڑ پر آزاد اور خود مختار نہیں چھوڑنا چاہتا، یہاں تک کہ طبعی امور (کھانے، پینے اور سونے) میں بھی ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اگر خدانخواستہ ان طبعی امور میں اسلام کی تعلیمات نہ ہوتیں تو آج غیر مسلم مادہ پرست قوموں اور مسلمانوں کے مابین کسی قسم کا فرق نہ ہوتا، یعنی جیسے کافر جانوروں کی طرح حلال وحرام اور پاک وناپاک کی تمیز کیے بغیر کھاتے پیتے رہتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کا بھی یہی مقصد بن جاتا، حالانکہ اسلامی نقطہ نظر سے انسانی زندگی کا مقصد حضرت محمد ﷺ کے مبارک نقش قدم پر چل کر اللہ تعالیٰ کی بندگی اور خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے انسان کو کھانے پینے اور دوسری طبعی ضروریات بھی پوری کرنی ہوں گی، لیکن ان ضروریات کے حصول میں وہ جانوروں کے برعکس تہذیب وتمدن اور اشرف المخلوقات ہونے کا عملی مظاہرہ پیش کرے گا، لہٰذا کھانے پینے سے اس کا مدنظر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے حلال طریقے سے فائدہ اٹھا کر جسم کو عبادات کے لیے تیار کرنا ہوگا اور ہر اس اقدام سے پرہیز کرنا ہوگا جس سے:

(۱) سنتِ نبوی کی مخالفت، اغیار اقوام سے مشابہت یا بے مروتی اور بدتہذیبی نمایاں ہو۔

(۲) فخر ومباہات اور تکبر کی بد بو آتی ہو۔

(۳) رزق کی ناقدری اور اسراف وتبذیر کا شائبہ ہو۔

(۴) کمیت وکیفیت میں عدم توازن کی وجہ سے صحتِ انسانی پر مضر اثرات مرتب ہوتے ہوں۔

(۵) یا رزق کے حصول وکمائی میں بے احتیاطی کی وجہ سے حرمت یا اشتباہ کا راستہ کھلتا ہو۔

اکل وشرب کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

اکل کا معنیٰ ہے ''کھانا'' جب کہ شرب ''پینے'' کو کہا جاتا ہے، خواہ وہ پانی ہو یا دوسری چیز۔

اصطلاحِ شریعت میں اکل وشرب کی وہ تعریف جس سے نماز یا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یہ ہے:

(۱) ملخص أز الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة:۹/۴۸۸، ۴۸۹، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، کتاب الحظر والإباحة، فصل في الأکل:۲/۵۲۴-۵۲۶

"الأكل أن يوصل إلىٰ جوفه مايتأتىٰ فيه الهشم والمضغ،سواء مضغه ثم ابتلعه أوابتلعه غيرممضوغ،والشرب أن يوصل إلىٰ جوفه مالايتأتىٰ فيه الهشم في حال وصوله كالماء والنبيذ واللبن".(۱)

کھانا یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز اپنے پیٹ تک پہنچائے جس میں توڑنے اور چبانے کا عمل پایا جاتا ہو، چاہے اس کو چبا کر نگل لیا ہو یا بغیر چبائے نگل لیا ہو، اور پینا یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز اپنے پیٹ تک پہنچائے جس میں پیٹ تک پہنچانے کے دوران توڑنے اور ٹکڑے کرنے کا عمل نہ آتا ہو، جیسے: پانی، نبیذ اور دودھ۔

مختلف حالات میں کھانے کی قسمیں اور شرعی احکام:

انسان کا جسم اللہ تعالیٰ کے بیش بہا انعامات میں سے ایک عظیم نعمت ہے اور اس کی حفاظت ونگہداشت کی خاطر کھانا پینا ایک ضروری امر ہے، تاہم مختلف حالات کے اعتبار سے فقہائے کرام نے قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱)......فرض:

اضطراری حالت میں، یعنی زندگی اور موت کی کشمکش کے وقت رمق حیات کو قائم رکھنے کے لیے کھانا پینا فرض ہے، اگر کسی شخص نے ایسی حالت میں کھانے پینے کو بالکل ترک کر دیا، حتی کہ وہ ہلاک ہو گیا تو وہ گنہگار ہوگا، اگرچہ یہ کھانے پینے کی چیز حرام یا مردار یا کسی اور کی ملکیت کیوں نہ ہو، تاہم اگر کسی اور کی ملکیت ہو تو بعد میں ضمان ادا کرنا ہوگا۔ یہی حکم ستر عورت (پردہ چھپانے) یا گرمی اور سردی کی شدت کے وقت کپڑے کا بھی ہے۔

مذکورہ صورت میں حرام یا مردار مال سے اتنا ہی استعمال کرے، جتنا بقائے زندگی کے لیے ضروری ہو۔ اضطراری حالت میں علاج معالجے یا دوائی کے عدم استعمال پر کوئی گناہ نہیں، اس لیے کہ کھانے پینے سے موت کا خطرہ ٹل جانا یقینی ہے اور تداوی میں یقینی نہیں۔(۲)

(۲)......مندوب (مستحب):

کھانے پینے کی اتنی مقدار استعمال کرنا جس سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا یا سہولت کے ساتھ روزہ رکھنا آسان ہو جائے، مندوب ومستحب ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے کسی نے افضل اعمال کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

(۱) البخاري،طاهربن عبدالرشيد،خلاصة الفتاوىٰ،كتاب الايمان،الفصل الثاني عشرفي اليمين في لأكل:۱٤۹/۲

(۲) الدرالمختارمع ردالمحتار،كتاب الحظروالإباحة:٤۸۸/۹،مجمع الأنهرفي شرح ملتقى الأبحر، كتاب الحظروالإباحة، فصل في الأكل:۵۲۵،۵۲٤/۲

"الصلوة وأكل الخبز". یعنی نماز اور روٹی کھانا افضل اعمال ہیں۔

اس لیے کہ نماز اور دوسری عبادات کے لیے مقوی کھانا پینا ہی ہے۔

(۳)......مباح:

قدر ضرورت سے زیادہ، یعنی سیر ہو کر کھانا مباح ہے، تاکہ بدن کی قوت زیادہ ہو۔ اس میں نہ کوئی ثواب ہے اور نہ گناہ، البتہ اگر کوئی شخص تعلیم و تعلم یا کسی جائز مقصد کے لیے خوب سیر ہو کر کھاتا ہے تو اس کی نیت کی وجہ سے اسے ثواب ملے گا۔(۱)

(۴)......مکروہ:

فقہائے کرام کے ہاں موٹاپے کی نیت سے بسیار خوری مکروہ ہے، البتہ جو شخص خلقتاً موٹا ہو تو اس کے لیے زیادہ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ کھانے پینے کی جن صورتوں میں محض تلذذ اور تنعم، شہوت اور حرص، اسراف، تکبر اور توہین رزق کا شبہ موجود ہو، وہ تمام صورتیں مکروہ ہیں۔(۲)

(۵)......حرام:

سیر ہونے سے زیادہ کھانا حرام ہے، کیوں کہ یہ مال کا ضیاع اور اپنی صحت کو نقصان پہنچانا ہے اور یہ اسراف وتبذیر میں بھی شامل ہے، ہاں اگر اس سے اگلے دن کے روزے کا ارادہ ہو یا اس لیے زیادہ کھائے کہ مہمان شرم نہ کرے تو پھر سیر ہونے کے بعد بھی کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حلال غذا جو بھی میسر ہو، کھائی جا سکتی ہے، البتہ کھانے کی نوعیت میں اعتدال ہونا چاہیے۔ فضول خرچی اور پیسوں کا ضیاع نہ ہو، چنانچہ لذیذ غذائیں وغیرہ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح کھانے کی مقدار کو کم کرنے کی ریاضت کرنا (Dieting) جس کی وجہ سے فرائض کی ادائیگی میں کمزوری اور ضعف لاحق ہو جاتا ہو، جائز نہیں۔ ہاں! اگر علاج کے لیے خوراک میں کمی کی جائے اور عبادات میں سستی کا سبب نہ ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔(۳)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة:۹/۴۸۹، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الأكل:۲/۵۲۴

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار أيضاً:۹/۴۸۹، مجمع الأنهر، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الأكل:۲/۵۲۵

(۳) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل......:۵/۳۳۶، الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة:۹/۴۸۹، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، حواله بالا:۲/۵۲۵

کھانے کی سنتیں اور آداب:

☆......کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد دونوں ہاتھ دھونا مسنون ہے۔کھانے سے پہلے ہاتھ دھو کر تولیہ سے نہ پونچھے، تاکہ کھانے کے وقت دھونے کا اثر باقی رہے اور کھانے کے بعد جب ہاتھ دھوئے تو ہاتھوں کو تولیہ سے پونچھ لے، تاکہ کھانے کا اثر بالکل ختم ہو جائے۔(۱)

☆......کھانے کی سنت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے "بسم اللہ" پڑھے اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھے: "الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمين" یا یہ پڑھے: "الحمد لله الذي أطعمني هذا ورزقنيه من غير حول مني ولا قوة" اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے مجھے رزق دیا، حالانکہ اس کے حصول میں میری قوت کا کوئی دخل نہیں تھا۔(۲)

☆......اگر ابتدا میں بسم اللہ کہنا بھول جائے تو جب یاد آئے تو "بسم الله أوله وآخره" پڑھ لے۔

☆......کھانے سے پہلے یا کھانے کے بعد خود پانی ڈال کر ہاتھ دھوئے کسی اور سے نہ دھلوائے۔ایک ہاتھ یا چند انگلیاں دھونے سے سنت پوری نہیں ہوتی۔

☆......دسترخوان پر ضرورت سے زیادہ کھانا رکھنا اسراف ہے، ہاں اگر مہمان زیادہ ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

☆......روٹی کا درمیانی حصہ کھانا اور کناروں کو چھوڑ دینا یا روٹی کا پھولا ہوا حصہ کھانا اور باقی چھوڑ دینا بھی اسراف ہے، ہاں اگر کوئی دوسرا شخص اس کو کھالے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

☆......اگر ہاتھ سے لقمہ گر جائے اور اس کو اُٹھا کر نہ کھائے تو یہ اسراف ہے (البتہ اگر مٹی وغیرہ لگ جائے تو چھوڑنا بہتر ہے)

☆......کھانا حاضر ہونے کے بعد کھانے کا انتظار نہ کیا جائے۔

☆......ہاتھ دھونے سے پہلے انگلیاں چاٹنا سنت ہے۔

☆......جب تک تمام ساتھی کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں، بہ آواز بلند "الحمد للہ" نہ کہے، جب کہ ابتدا میں تلقین کے لیے بہ آواز بلند "بسم اللہ" کہنا مناسب ہے۔

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظروالإباحة:۹/ ۴۹۰، الترمذي، محمدبن عيسىٰ بن سورة، جامع الترمذي، شمائل الترمذي، باب ماجاء في صفة وضوء رسول الله ﷺ عندالطعام: ص ۶۲۹، ایچ، ایم سعید، کراچی

(۲) جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب مايقول إذاأكل طعاما، باب مايقول إذافرغ من الطعام: ۲/ ۱۸۳، ۱۸۴، المستدرك على الصحيحين، كتاب الدعاء والتكبير ......، وكتاب اللّباس رقم (۱۸۷۰/ ۷۰ و ۷۴۰۹/ ۵۶: ص ۱/ ۶۸۷، ۴/ ۲۱۳

☆......راستہ میں کھانا مکروہ ہے، اور ننگے سر کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

☆......اگر تکبر نہ ہو تو تکیہ لگا کر (ٹیک لگا کر) کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

☆......کھانا برتن کے کنارے سے لیا جائے، برتن کے وسط (درمیان) سے کھانے کی ابتدا کرنا مکروہ ہے۔

☆......عورت یا مرد اگر جنبی ہو تو اس کا ہاتھ دھونے اور کلی کرنے سے پہلے کوئی چیز کھانا اور پینا مکروہ ہے، البتہ حائضہ کے لیے مکروہ نہیں ہے۔

☆......کھانا دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیے۔ بلا عذر بائیں ہاتھ سے کھانا مکروہ ہے۔

☆......تین انگلیوں سے کھانا بھی مسنون ہے یعنی ضرورت سے زیادہ انگلیاں استعمال نہ کی جائیں، بہتر ہے کہ کھانے کے بعد پلیٹ یا برتن کو انگلیوں سے چاٹ لیا جائے۔

☆......آپ ﷺ سے تین طریقوں سے کھانا کھانے کے لیے بیٹھنا ثابت ہے: (۱) اُکڑوں بیٹھنا یعنی دو زانو (۲) ایک پاؤں بچھا کر اور دوسرا اٹھا کر کھانا (۳) تورّک (سرین پر بیٹھنا)۔

☆......پکا ہوا گوشت چاقو سے کاٹ کر کھانا پسندیدہ نہیں۔ آپ ﷺ نے اس کو عجمیوں کا طریقہ قرار دے کر اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے دانتوں سے نوچ کر گوشت کھانے کا حکم دیا ہے، کیوں کہ اس میں زیادہ لذت ہوتی ہے اور جلدی ہضم ہو جاتا ہے۔

☆......زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا افضل ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، بلکہ دسترخوان کا استعمال فرمایا ہے۔(۱)

حرام خوری سے اجتناب:

چوں کہ انسان کی نشو نما میں خوراک کا بنیادی اثر ہوتا ہے، اسی سے انسان کا جسم بنتا ہے اور اس کے اثرات اخلاق وعادات پر مرتب ہوتے ہیں اور پھر یہی اخلاق وعادات صحیح عمل اور عبادت تک رسائی کا ذریعہ بنتے ہیں، اس لیے حرام خوری سے اجتناب بھی انتہائی ضروری ہے۔ حرام خوری صرف یہ نہیں کہ بندہ خود حرام کمانے سے بچا رہے، بلکہ جن لوگوں کی کمائی کے متعلق حرام ہونے کا یقین ہو تو ان لوگوں کے ہاں کھانا پینا بھی حرام خوری ہے۔

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل وما يتصل به: ٣٣٦/٥، ٣٣٧، البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ٣٣٦/٨ـ٣٣٩، البخاري، محمد بن اسماعيل، صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب الخبز المرقق والأكل على الخوان والسفرة: ٨١١/٢

مسائل أکل وشرب

(کھانے اور پینے کے مسائل کا بیان)

کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا

سوال نمبر(1):

اگرکوئی کھانا کھاتے وقت " بسم اللہ و علی برکۃ اللہ" نہ پڑھے اور عام بسم اللہ پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے سنت ادا ہوجائے گی یا نہیں؟　بیّنوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

کھانا کھانے کے شروع میں ''بسم اللہ'' پڑھنا اور آخر میں ''الحمدللہ'' پڑھنا مسنون ہے۔تسمیہ (بسم اللہ) میں کوئی بھی الفاظ استعمال کیے جائیں تو سنت ادا ہو جائے گی ،تاہم رسول اللہ ﷺ سے ''بسم اللہ و برکۃ اللہ '' کے الفاظ منقول ہیں،اس لیے بہتر یہ ہے کہ اِن الفاظ کے ساتھ تسمیہ پڑھی جائے۔

والدّليل على ذلك:

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم وأبا بكر وعمر رضي الله عنهما أتوا بيت أبي أيوب فلما أكلوا وشبعوا قال النبي صلى الله عليه وسلم: "خبز ولحم وتمر وبسر ورطب إذا أصبتم مثل هذا فضربتم بأيديكم فكلوا بسم الله وبركة الله." (١)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ ،حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔وہاں جب کھانا کھایا اور سیر ہو گئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''روٹی، گوشت، کھجور، کچی اور تازہ ،جب تمہیں اس طرح نعمتیں مل جائیں اور تم اُس میں ہاتھ ڈال کر کھانا شروع کرو تو ''بسم اللہ و برکۃ اللہ'' کے ساتھ کھاؤ۔

❁❁❁

(١) الحاكم النيسابوري، المستدرك على الصحيحين، كتاب الأطعمه، إذا أكل أحدكم طعاماً فليقل بسم الله:٤/ ١٢٠

کھانے کے دوران خاموش رہنا

سوال نمبر (2):

ایک عالم سے ہم نے یہ سنا ہے کہ کھانے کے دوران خاموش رہنا مجوسیوں کی عادت ہے، جب کہ لوگ عام طور پر کھانے کے دوران باتیں بھی کرتے ہیں۔ کیا واقعی ان کا قول درست ہے؟ بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ دین اسلام نے ہم کو کافروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔ چوں کہ مجوسیوں کی عادت تھی کہ کھانے کے دوران وہ بالکل خاموش رہتے تھے، اس لیے مسلمانوں کے لیے کھانے کے دوران خاموش رہنا مکروہ ہے، تاہم اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہر قسم کی فضول باتوں سے اجتناب کیا جائے، بلکہ اچھی اور اصلاح کی باتیں کرنی چاہیے۔

والدّلیل وعلی ذلك:

يكره السكوت حالة الأكل ؛لأنه تشبه بالمجوس.(١)

ترجمہ: کھانے کے دوران خاموشی اختیار کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ مجوسیوں سے مشابہت ہے۔

❁❁❁

کھڑے ہو کر کھانا

سوال نمبر (3):

آج کل عموماً دعوتوں میں کھڑے ہو کر کھانا کھلایا جاتا ہے۔ کیا شرعاً یہ جائز ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

دین اسلام ہمیں کھڑے ہو کر کھانے پینے سے کفار اور متکبرین لوگوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے منع کرتا ہے، لہٰذا کسی شرعی ضرورت کے بغیر کھڑے ہو کر کھانے پینے سے احتراز کرنا چاہیے۔

---

(١) الفتاوى الهنديه، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشرفي الهداياو الضيافات :٣٤٥/٥

جہاں کہیں کپڑے گندہ ہونے کا خطرہ ہو یا بیٹھ کر کھانے کی جگہ موجود نہ ہو تو وہاں کھڑے ہو کر کھانے پینے کی گنجائش ہے۔ یہ جو عام طور پر دعوتوں میں کھڑے ہو کر کھانا کھلایا جاتا ہے تو وہاں اہل علم اور مقتدیٰ حضرات کی شرکت بالکل مناسب نہیں، بلکہ ایسے مواقع پر فساق وفجار کے طرز عمل کو تقویت دینے کی بجائے اس سے اجتناب کرنا چاہیے، کیوں کہ کھڑے ہو کر کھانا حضور ﷺ کی پیاری سنت کے خلاف ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أنس رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ: نهى أن يشرب الرجل قائما. فقيل الأكل؟ قال: ذاك أشد.(١)

ترجمہ:

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ ان سے کھانے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ تو اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

❁❁❁

چائے پینے کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(4):

بعض لوگ کہتے ہیں کہ چائے بھی ایک نشہ آور چیز ہے، اس لیے اس کا پینا جائز نہیں، شرعاً ان کی اس بات کی کیا حقیقت ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

چائے بذاتِ خود ایک مباح چیز ہے، بلکہ آج کل تو عام انسانوں کی بنیادی ضروریات میں داخل ہو چکی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں شامل ہوتی ہیں: جیسے دودھ، پانی، چینی وغیرہ، اور اس میں سکر (نشہ) نہیں لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چائے پینا ناجائز ہے اور اس میں نشہ ہے، ان کی بات غلط ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

مطلب المختار أن الأصل في الأشياء الإباحة أقول: وصرح في التحرير بأن المختار أن الأصل

(١) جامع الترمذي، أبواب الأشربة، باب ماجاء في النهي عن الشرب قائما: ٢/٤٥٢

الإباحة عند الجمهور من الحنفية والشافعية .(١)

ترجمہ:

مختار قول یہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ (علامہ شامی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ تحریر میں یہ تصریح کی ہے کہ جمہور احناف اور شوافع کے ہاں اصل اباحت ہے۔

❁❁❁

جنبی شخص کا کھانا پینا

سوال نمبر(5):

ایک آدمی اگر جنابت کی حالت میں ہو۔اس حالت میں اس کے لیے کھانا پینا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بیوی سے صحبت یا احتلام کے بعد غسل کرنے سے پہلے اگر کسی کو کھانے پینے کی ضرورت پیش آئے تو کھانے سے پہلے وضو کرنا چاہیے، تاہم اگر صرف ہاتھ منہ دھولے تو بھی کافی ہے۔ ہاتھ منہ دھونے سے پہلے جنبی کا کھانا مکروہ ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ مرد وعورت دونوں کا ایک ہی حکم ہے، تاہم حائضہ عورت اس سے مستثنیٰ ہے اس کے لیے کھانا پینا مکروہ نہیں ہے، البتہ سب کے لیے ہاتھ دھونا مستحب ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ویکره للجنب رجلا كان أوامرأة أن يأكل طعاما، أو يشرب قبل غسل اليدين والفم، ولا يكره ذلك للحائض، والمستحب تطهير الفم في جميع المواضع.(٢)

ترجمہ:

جنبی شخص خواہ مرد ہو یا عورت اس کے لیے ہاتھ منہ دھونے سے پہلے کھانا پینا مکروہ ہے اور حائضہ عورت کے لیے ایسا کرنا مکروہ نہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ سب مواضع میں منہ پاک کرے (یعنی کلی کرے)

---

(١) ردالمحتار، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب المختار... ١/

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشرفي الكراهة في الأكل :٥/٣٣٦

متعدی مرض میں مبتلا مریض کے ساتھ کھانا پینا

سوال نمبر(6):

بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جن کے بارے میں ماہرین طب کا کہنا ہوتا ہے کہ یہ ایک شخص سے دوسرے کو لگ سکتی ہیں، لہٰذا ایسی بیماری میں مبتلا شخص کے ساتھ مل کر کھانا پینا چاہیے یا الگ کھانا چاہیے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

متعدی بیماریوں کے متعلق شریعتِ مطہرہ میں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی نہ صرف اجازت ہے، بلکہ بعض خاص قسم کی بیماریوں میں مبتلا شخص سے خود آپ ﷺ نے احتیاط برتنے کا حکم فرمایا ہے، لہٰذا جن بیماریوں میں مبتلا شخص کے بارے میں ماہرین طب یہ ہدایات دیں کہ ان کا کھانا پینا الگ ہونا ضروری ہے تو احتیاط اور استحباب کا درجہ یہ ہے کہ اس کا کھانا پینا تندرست لوگوں سے الگ ہو۔

دوسری جانب یہ بھی منقول ہے کہ جذام میں مبتلا شخص کے ساتھ آپ ﷺ نے کھانا تناول فرمایا تھا اور آپ ﷺ نے اس دوران یہ بھی فرمایا تھا کہ "ثقة باللّٰہ و توکلا علیه" کہ اللہ کی ذات پر اعتماد اور توکل کے ساتھ (کھانا تناول کرتا ہوں) لہٰذا اس روایت کو سامنے رکھتے ہوئے اگر کسی شخص کا اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد مضبوط ہو تو اُس کے لیے متعدی بیماری میں مبتلا مریضوں کے ساتھ اکٹھا کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

فذهب عمر وجماعة من السلف إلى الأكل معه، ورأوا أن الأمر باجتنابه منسوخ، وممن قال بذلك عيسى بن دينار من المالكية، قال(عياض):والصحيح الذي عليه الأكثر ويتعين المصير إليه: أن لانسخ بل يجب الجمع بين الحديثين، وحمل الأمرباجتنبابه والفرارمنه على الاستحباب والاحتياط، والأكل معه على بيان الجواز.(١)

(١) فتح الباري، كتاب الطب، باب الجذام، رقم الحديث (٥٧٠٧): ٣٠٨/١١

ترجمہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور سلف میں سے ایک جماعت کی رائے مجذوم کے ساتھ کھانا کھانے کی ہے اور اس سے اجتناب کرنے والی حدیث منسوخ ہے اور مالکیہ میں سے یہ عیسیٰ بن دینارؒ کی رائے ہے (قاضی عیاض نے) فرمایا: صحیح مسلک وہ ہے جو جمہور علما کا ہے اور اسی کو اختیار کرنا متعین ہے، وہ یہ ہے کہ: ان روایات میں منسوخ ہونے کی کوئی بات نہیں، بلکہ تمام احادیث میں تطبیق ضروری ہے، وہ اس طرح کہ مجذوم سے اجتناب کرنے اور اس سے بھاگنے والی روایات کو استحباب اور احتیاط پر محمول کیا جائے اور اس کے ساتھ کھانا کھانے کو جواز پر محمول کیا جائے۔

۞۞۞

مردار مرغی کے پیٹ میں سے انڈے نکال کر کھانا

سوال نمبر (7):

ہمارے علاقے میں فارمی مرغیاں گاڑیوں میں لائی جاتی ہیں۔ کبھی ان گاڑیوں کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے بہت ساری مرغیاں مرجاتی ہیں اور ان میں بعض مرغیاں ایسی بھی ہوتی ہیں، جن کے پیٹ میں انڈے ہوتے ہیں تو کیا ان انڈوں کا کھانا جائز ہے؟ مردار جانور کے کسی عضو کا استعمال کرنا اس پر صادق تو نہیں آتا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

خنزیر اور انسان کے علاوہ جتنے بھی حیوانات ہیں، چاہے ان کا گوشت حلال ہو یا حرام، اگر اپنی موت مرجائیں تو ان کے وہ اجزا جن کے ساتھ موت وحیات کا تعلق نہیں، جیسے ہڈیاں اور بال وغیرہ ان کا استعمال شرعاً جائز ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جب مردار مرغیوں کے پیٹ کے اندر انڈے مل جائیں تو ان انڈوں کا کھانا جائز ہے۔ یہ مردار جانور کے عضو استعمال کرنے کے قبیل سے نہیں ہے، کیوں کہ انڈا ایسا عضو نہیں جس کے اندر موت وحیات حلول کرتا ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

البیضة إذا خرجت من دجاجة میتة أکلت، و کذاللبن الخارج من ضرع الشاة المیتة .(۱)

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الحادي عشرفي الکراهة في الأکل : ٥/٣٣٩

ترجمہ:

انڈا جب مردار مرغی سے نکلے تو وہ کھایا جاسکتا ہے، یہی حکم مردار بکری کے تھنوں سے نکلنے والے دودھ کا ہے (یعنی اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے)۔

❁❁❁

اوجھڑی، مرغی کے پر اور ٹانگیں کھانا

سوال نمبر (8):

آج کل بازاروں میں مرغیوں کے پر اور ٹانگیں فروخت ہوتی ہیں، ان کا کھانا شرعاً کیسا ہے؟ نیز گائے وغیرہ کی اُوجھڑی کا کھانا کیسا ہے؟ جب کہ اس کو پانی سے خوب صاف کیا گیا ہو؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور میں سات اعضا کا کھانا حرام ہے، باقی حلال ہیں۔ وہ سات اعضا یہ ہیں: ۱- بہتا ہوا خون، ۲- آلہ تناسل، ۳- خصیتین (کپورے)، ۴- مادہ جانور کے پیشاب کی جگہ، ۵- غدود، ۶- مثانہ، ۷- پتہ

اوجھڑی، مرغیوں کے پر اور ٹانگ ان سات اعضا میں داخل نہیں لہٰذا ان کا کھانا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وأمّا بیان مایحرم أکلہ من أجزاء الحیوان المأکول، فالّذي یحرم أکلہ منہ سبعۃ: الدّم المسفوح، والذّکر، والأنثیان، والقبل، والغدّۃ، والمثانۃ، والمرارۃ.(۱)

ترجمہ:

وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، اُن کے اعضا میں سے سات چیزوں کا کھانا حرام ہے: بہتا ہوا خون، آلہ تناسل، خصیتین، مادہ جانور کے پیشاب کی جگہ، غدود، مثانہ اور پتہ۔

❁❁❁

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود، فصل فی مایحرم اکلہ من اجزاء الحیوان :۲۷۲/۶

مزارات کے لنگر سے کھانا کھانا

سوال نمبر(9):

آج کل مزارات پر جو لنگر کے کھانے تقسیم ہو کر کھائے جاتے ہیں، پتہ نہیں لگتا کہ لوگ کس نیت سے یہاں پر کھانا تقسیم کرتے ہیں۔ان کھانوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے جو حیوان غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے یا جو چیز غیر اللہ کے نام پر نذر ہو وہ "ما اهل لغير الله" کے حکم میں ہو کر حرام اور ناجائز ہے۔تاہم اگر کسی جگہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ثواب کی نیت سے کھانا وغیرہ صدقہ کیا جائے یا مہمان کی مہمان نوازی کی خاطر تیار کیا جائے تو ایسا کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

آج کل مزارات پر جو کھانا تقسیم ہوتا ہے، اس میں اگر یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ اس بزرگ کے نام پر تقسیم ہو رہا ہے یا اس کی تعظیم کے لیے تقسیم ہو رہا ہے تو اس کا کھانا حرام ہے، البتہ اگر کوئی شخص مزارات میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھانا تقسیم کر رہا ہو تو اس سے کھانا جائز ہے۔بہر حال ایسی جگہ خیرات کھانے سے پرہیز کرنا چاہیے جہاں پر غیر اللہ کے نام پر کھانا تقسیم ہونے کا شبہ ہو۔نیز آج کل شاذ و نادر مزارات بدعات اور شرکیہ افعال سے خالی ہوتے ہیں، خصوصاً لنگر کا انتظام عموماً فاسد عقیدہ والے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے، اس لیے مزارات میں کھانا مال مشتبہ کے حکم میں ہو کر احتیاط کا متقاضی ہے۔

والدّليل على ذلك:

و في المشكل ذبح عند مرأى الضيف تعظيمًا له لا يحل أكله، و كذا عند قدوم الأمير أوغيره تعظيما، فأما إذا ذبح عند غيبة الضيف لأجل الضيافة لا بأس به. (١)

ترجمہ:

مشکل نامی کتاب میں ہے کہ اگر کوئی مہمان کی تعظیم کے طور پر اُس کی موجودگی میں جانور ذبح کرے تو اس کا کھانا حلال نہیں، اسی طرح امیر (حاکم) وغیرہ کی آمد پر اس کی تعظیم کے لیے ذبح کرے (تو کھانا حلال نہیں)، تاہم

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه :٥/٢٨٦، ٢٨٧

اگر مہمان کی غیر موجودگی میں اُس کی مہمان نوازی کی خاطر ذبح کرے تو اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

❁❁❁

پان کھانا

سوال نمبر (10):

ہمارے ملک میں بعض لوگ پان کھانے کے عادی ہیں اور بڑے شوق سے کھاتے ہیں، جب کہ پان میں چونا اور تمباکو کا عنصر شامل ہے جو کہ صحت کے لیے مضر ہے۔ شرعاً اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بازار میں پان کی کئی قسمیں فروخت ہوتی ہیں: اِن میں سے جو پان نشہ آور اور مضرِ صحت نہ ہو اُس کا استعمال مباح ہے اور جو نشہ آور ہو یا مضرِ صحت اجزا پر مشتمل ہو اُس کا استعمال جائز نہیں۔

جہاں تک تمباکو کا تعلق ہے تو یہ ایک مباح پودا ہے جو اتنی مقدار میں استعمال کرنا تو جائز نہیں کہ نشہ چڑھ جائے البتہ تھوڑی مقدار میں کھانے کی گنجائش ہے۔ اور چونا اگرچہ مٹی کی ایک قسم ہے اور مٹی کھانے سے فقہا نے منع کیا ہے لیکن وہ مٹی کی نجاست کی وجہ سے نہیں بلکہ مضرِ صحت ہونے کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ اگر تھوڑی مقدار میں چونا بھی پان میں شامل ہو جو مضرِ صحت نہ ہو تو اِس سے پان حرام نہیں ہو جائے گا۔

جو لوگ پان کھانے کے عادی ہوتے ہیں، اُن کو پان کھائے بغیر سکون حاصل نہیں ہوتا، طبیعت پریشان رہتی ہے اور کام کرنا ان کے لیے دُشوار ہوتا ہے، ایسی صورت میں پان جیسی مباح شے پر مداومت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

الاستفسار: هل يجوز أكل النورة في الورق المأكول في أمصارِ الهند، وهو التنبول؟

الاستبشار: نعم، في نصاب الاحتساب وذكر الحلواني أن أكل الطين إن كان يضرّ يكره، وإلا فلا، وإن كان يتناوله قليلاً، أو يفعله أحيانا لايكره.(۱).

(۱) نفع المفتي والسائل، كتاب الحظر والإباحة، ما يتعلق بالأكل والشرب :ص ۹۳

ترجمہ:

سوال: کیا ہندوستان کے شہروں میں پان کی پتی میں چونا جو کھاتے ہیں یہ جائز ہے؟

جواب: ہاں (جائز ہے)، نصاب الاحتساب نامی کتاب میں ہے کہ حلوانی نے ذکر کیا ہے مٹی کا کھانا اگر مضرِ صحت ہو تو مکروہ ہے، ورنہ نہیں۔ اور اگر تھوڑی مقدار میں کھاتا ہو یا کبھی کبھی کھاتا ہو تو مکروہ نہیں۔

❁❁❁

نسوار کا استعمال

سوال نمبر (11):

بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ نسوار کا استعمال مباح ہے جب کہ بعض لوگ اس کو دوسروں کے لیے باعثِ تکلیف کہہ کر مکروہ سمجھتے ہیں۔ مفصل شرعی حکم صادر فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نسوار تمباکو سے بنتا ہے جو ایک مباح چیز ہے، اس لیے نسوار کا استعمال شرعاً جائز اور مباح ہے، البتہ جہاں کہیں مباح چیز کے استعمال سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہو تو اس کا استعمال مکروہ ہوتا ہے۔ نسوار اگر آدابِ مجلس کی رعایت رکھتے ہوئے احتیاط سے استعمال کیا جائے اور صفائی کا اہتمام رکھا جائے تو مکروہ نہیں، لیکن بے تہذیبی سے استعمال کرنے اور صفائی کا اہتمام نہ کرنے کی صورت میں لوگوں کو اذیت پہنچتی ہے اِس لیے اس صورت میں اس کا استعمال مکروہ ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

(وأکل نحو ثوم) أي کبصل، و نحوه مماله رائحة کریهة......قلت علة النهي أذی الملائکة، وأذی المسلمین.(۱)

---

(۱) ردالمحتارعلی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها :۲/۴۳۵

ترجمہ:

لہسن یااس کی طرح پیاز یا کوئی اور بدبودار چیز کھانا مکروہ ہے۔۔۔۔۔علامہ شامی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ممانعت کی علت فرشتوں اور مسلمانوں کی ایذارسانی ہے۔

❁❁❁

کم مقدار میں شراب پینا

سوال نمبر(12):

ایک شخص کہتا ہے کہ شراب کی حرمت اس لیے ہے کہ اس کے پینے سے آدمی پر نشہ طاری ہوتا ہے، عقل کام چھوڑ دیتی ہے اور آدمی ماں بیوی میں تمیز کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر نشہ اس حد تک نہ پہنچے، تو پھر جائز ہونی چاہیے، جیسے پانی میں سکون حاصل کرنے کے لیے تھوڑی سی شراب ڈالی جائے اور اس میں نشہ نہ ہو تو جائز ہے۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شراب کی مختلف قسمیں ہیں: (۱) وہ شراب جو کچا یا پختہ انگور سے بنائی جاتی ہے، یا کھجور اور زبیب سے بنائی جاتی ہے، اس کا ایک قطرہ بھی نجس اور حرام ہے، چاہے نشہ آور ہو یا نہ ہو، بہرصورت اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ البتہ انگور و کھجور کے علاوہ دیگر اشیا مثلاً: گندم، جو، شہد، مکئی، گنے وغیرہ سے جو شراب تیار کی گئی ہو، شیخین (امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف رحمہما اللہ) کے ہاں یہ نجس نہیں اور لہو ولعب اور نشہ کی نیت سے پینا تو حرام اور ناجائز...... لیکن تقویٰ علی العبادۃ (عبادت پر قوت حاصل کرنے)، دوا، یا کھانے کو ذائقہ دار بنانے کی نیت سے اِس کا استعمال حلال ہے جب کہ امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں یہ بھی مطلقاً ناجائز ہے۔ عموماً فقہا امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وحرم قلیلها وكثيرها بالاجماع لعينها أى لذاتها ...... وهي نجسة نجاسة مغلظة كالبول.(۱)

---

(۱) الدّرّالمختار علی صدر رد المحتار: ۱۰/۲۷

ترجمہ: خمر بالاجماع حرام ہے، خواہ وہ تھوڑی ہو یا زیادہ، کیونکہ اِس کی ذات حرام ہے۔ اور یہ پیشاب کی طرح نجاستِ مغلظہ ہے۔

قال: ونبیذ العسل والتین ونبیذ الحنطة والذرة والشعیر حلال وإن لم یطبخ وهذا عند أبی حنیفة وأبی یوسف رحمهما الله إذا کان من غیر لهو وطرب لقوله علیه الصلاة والسلام: الخمر من هاتین الشجرتین وأشار إلی الکرمة والنخلة...(۱)

ترجمہ:

شہد، انجیر، گندم، مکئی اور جَو سے بنائی گئی نبیذ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے ہاں حلال ہے، اگرچہ وہ پکائی گئی نہ ہو۔ بشرطیکہ لہو ولعب اور مستی کے طور پر اِسے استعمال نہ کرے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انگور اور کھجور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: شراب اِن دو درختوں سے ہوتی ہے۔

❁❁❁

ولدالزنا کی دعوت قبول کرنا

سوال نمبر(13):

جو شخص ولدالزنا (حرامی) ہو اس کا ہدیہ قبول کرنا یا اس کے صدقات قبول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

زنا اگرچہ فی نفسہٖ ایک حرام، قبیح اور شنیع فعل ہے لیکن زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا اس میں کوئی قصور اور گناہ نہیں ہوتا۔ شریعتِ مطہرہ اس کی پرورش اور صحیح تعلیم و تربیت کا حکم دیتی ہے۔

جہاں تک اس کی کمائی اور اس سے ہدیہ قبول کرنے کا مسئلہ ہے تو محض ولدالزنا ہونے کی وجہ سے کسی کا مال حرام نہیں ہو جاتا۔ اگر حلال طریقے سے مال کمایا ہو تو وہ حلال ہوگا لہٰذا اُس کا استعمال اور اُس سے ہدیہ لینا جائز ہے اور اگر حرام سے حاصل کیا ہو تو اُس کا استعمال یا اس سے ہدیہ قبول کرنا ناجائز ہے۔

---

(۱) الهدایة، کتاب الأشربة، أنواع الأشربة المحرمة :۴/۴۹۷

والدّليل على ذلك:

إذا الجريمة جريمة الأم، فلا يعاقب الولد بجريمة أمه. (١)

ترجمہ: جب یہ گناہ ماں کا ہے اور ماں کے گناہ کی وجہ سے بیٹے کو سزا نہیں دی جائے گی۔

قال في المنح: وتقبل شهادة ولد الزنا؛ لأن فسق الأبوين لا يوجب فسق الولد ككفرهما. (٢)

ترجمہ:

منح نامی کتاب میں ہے کہ حرامی کی شہادت قبول کی جائے گی کیوں کہ والدین کے فسق سے اولاد کا فسق لازم نہیں آتا، جیسا کہ والدین کے کفر سے اولاد کا کفر لازم نہیں۔

❁❁❁

کھال سمیت حیوان پکا کر کھانا

سوال نمبر (14):

ہمارے علاقے میں عام طور پر لوگ جب بھیڑ بکری وغیرہ ذبح کرتے ہیں تو کھال نکالے بغیر ہاتھوں سے اُسے صاف کر کے کھال کے ساتھ پکاتے ہیں اور کھا لیتے ہیں۔ کیا اس طرح جانور کا کھال سمیت کھانا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

بھیڑ، دُنبہ یا کسی اور حلال جانور کا چمڑہ نکالے بغیر اُسے پکانے اور کھال سمیت کھانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، کیوں کہ فقہائے کرام نے جانور میں جن سات چیزوں کے کھانے کو مکروہ کہا ہے، ان میں کھال کا ذکر نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کھال کے کھانے میں گنجائش پائی جاتی ہے۔

والدّليل على ذلك:

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول، فالذي يحرم أكله منه سبعة: الدم

---

(١) الفقه الاسلامي وأدلته، الباب السادس، الفصل السابع عشر، المبحث السابع: ١٠/٧٩٠٦

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الشهادات، باب من يجب قبول شهادته على القاضي: ١٩٠/٨

المسفوح، والذکر، والأنثیان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة.(۱)

ترجمہ:

وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، اُن کے اعضا میں سے سات چیزوں کا کھانا حرام ہے: بہتا ہوا خون، آلہ تناسل، خصیتین، مادہ جانور کے پیشاب کی جگہ، غدود، مثانہ اور پتہ۔

❁❁❁

جمعہ کی شب خیرات کرنا

سوال نمبر(15):

ہمارے علاقے میں بعض لوگ صرف جمعہ کی شب خیرات کرتے ہیں۔ شرعاً اس شب خیرات کی تخصیص کی کیا حیثیت ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی اضافی فضیلت کا اعتقاد رکھے بغیر کسی اچھے کام کے لیے جگہ یا وقت مقرر کرنا تعیین کہلاتا ہے اور اگر کسی کام کو مخصوص وقت یا مخصوص جگہ میں اضافی فضیلت وثواب سمجھ کر کیا جائے تو یہ تخصیص کہلاتا ہے۔ تعیین تو ہر کار خیر میں جائز ہے البتہ تخصیص کے لیے شرعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر شرعی دلیل کے طاعات میں اس طرح کی تخصیص جائز نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں اگر جمعہ کی رات خیرات وصدقات کو ضروری سمجھ کر کرتے ہوں یا مسنون اور اضافی فضیلت کا عقیدہ رکھتے ہوں تو چونکہ اس پر کوئی دلیل شرعی نہیں اس لیے یہ تخصیص جائز نہ ہوگی۔ ہاں اگر جمعہ کی رات خیرات صدقات کسی اضافی فضیلت کی نیت سے نہ ہو، بلکہ اتفاقی طور یا کسی انتظامی ضرورت کی بنا پر کریں تو یہ صورت جائز رہے گی۔

والدّلیل علی ذلک:

ولأن ذکر اللہ إذا قصد به التخصیص بوقتٍ دون وقتٍ أو بشيءٍ دون شيءٍ لم یکن مشروعا

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود، فصل فیمایحرم أکله من أجزاء الحیوان :۶/۲۷۲

حیث لم یرد الشرع به لأنه خلاف المشروع.(۱)

ترجمہ:

اوراس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بارے میں جہاں شریعت میں (کسی وقت یا چیز کے ساتھ) تخصیص وارد نہ ہو وہاں جب کسی خاص وقت یا کسی خاص چیز کا قصد کیا جائے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ خلافِ شریعت ہے۔

❁❁❁

بارہ ربیع الاول کو کھانا کھلانا

سوال نمبر(16):

بعض لوگ بارہ ربیع الاول کے دن چاول اور حلوہ پکا کر لوگوں کو کھلاتے ہیں اور اسے باعثِ ثواب سمجھتے ہیں اور حضور ﷺ کے ساتھ عشق ومحبت کی علامت سمجھتے ہیں۔کیا یہ صحیح ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ کے ساتھ عقیدت اور عشق ومحبت عین ایمان ہے اور آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے لے کر وفات تک کے ہر شعبے کے صحیح حالات اور واقعات اور آپ ﷺ کے اقوال وافعال کو بیان کرنا باعثِ نزولِ رحمت ہے۔سال بھر کسی بھی وقت آپ ﷺ کے حالات بیان کرنا اور سننا ممنوع نہیں،لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو متعین کرکے اس میں فقرا ومساکین کو کھانا کھلانا خیر القرون کے زمانہ میں ثابت ہے؟اگر نہیں، تو پھر دین میں زیادتی شمار ہو کر جائز نہ ہوگی، ہمارے علم کے مطابق خیر القرون کے دور میں اس کا ثبوت مشکل ہے،اس لیے بارہ ربیع الاول کے دن کو کھانا کھلانے وغیرہ کے لیے خاص کرنے کو علمانے مکروہ قرار دیا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات، وإظهار الشعائر،

---

(۱) البحرالرائق، باب العدین:۲/۱۵۹

مایفعلونه في شهر ربیع الأول من المولد...... فإن خلا منه وعمل طعاماً فقط، ونوی به المولد، ودعا إليه الإخوان وسلم من کل ماتقدم ذکره فهو بدعة بنفس نیته فقط، إذ أنّ ذلك زیادة في الدین، ولیس من عمل السلف الماضین، واتباع السلف أولی...إلخ.(۱)

ترجمہ: لوگوں کی ان بدعتوں میں سے جن کو وہ بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور جن کے کرنے کو وہ شعائر اسلامیہ کا اظہار سمجھتے ہیں، ربیع الاول کے مہینہ میں مجلس میلاد کا انعقاد ہے...... اگر (سماع وغیرہ) مفاسد سے یہ مجلس خالی بھی ہو اور صرف کھانا تیار کرکے اس میں میلاد کی نیت کرے اور اس کے لیے دوستوں کو بلائے اور بقیہ تمام مفاسد سے محفوظ بھی رہے تو صرف اس نیت سے بھی یہ بدعت متصور ہوگی، کیوں کہ یہ دین میں زیادتی ہے اور گزشتہ اسلاف کا عمل یہ نہیں ہے حالانکہ اسلاف ہی کا اتباع بہتر راستہ ہے۔

۞۞۞

غیر مسلم کی دعوت قبول کرنا

سوال نمبر (17):

میں غیر مسلم ملک میں نوکر ہوں۔ وہاں میرے ساتھیوں میں سے ایک مجوسی شخص بھی ہے۔ کیا میں ان کی دعوت قبول کرسکتا ہوں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان کے لیے غیر مسلموں سے رواداری، ہمدردی اور احسان کا سلوک کرنا جائز ہے، لیکن ان سے ایسی گہری دوستی اور اختلاط جس سے اسلام کے امتیازی نشانات متاثر ہو جائیں، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر ساتھی غیر مسلم ہو تو اس کے ساتھ گہری دوستی اور اس کو راز دار بنانا جائز نہیں، البتہ ہمدردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی دعوت قبول کرنا جائز ہے۔ البتہ یہ یاد رہے کہ مجوسی کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے۔

---

(۱) المدخل، فصل في المولد ۲/۲۲۹۔ ۲۳٤

والدّليل على ذلك:

ولابأس بطعام المجوس كله إلا الذبيحة، فإن ذبيحتهم حرام. (۱)

ترجمہ:

مجوسیوں کا کھانا کھانے میں مضائقہ نہیں، سوائے ذبیحہ کے، کیونکہ اِن کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے۔

۞۞۞

عیسائی کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کھانے کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(18):

ہمارا ایک عیسائی پڑوسی ہے۔وہ کبھی کبھی اپنے گھر سے کھانا بھیج دیتا ہے۔کیا ہمارے لیے اُس کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اسلام ایک ایسا عادلانہ مذہب ہے جو ہر انسان کے ساتھ حسنِ معاشرت اور اچھے برتاؤ کی ترغیب دیتا ہے، اس میں مسلمان اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں۔اس لیے انسان خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اس کی انسانی شرافت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے ہاتھ کا کھانا اور اس کے برتن استعمال کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ کھانا حرام نہ ہو یا حلال کے ساتھ حرام چیز ملی ہوئی نہ ہو، اسی طرح برتن نجس نہ ہوں اور سونے چاندی کے نہ ہوں یا خنزیر کی کھال سے بنے ہوئے نہ ہوں اور استعمال سے قبل اُسے خوب پاک کیا جائے۔ان شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے ان کے ہاتھ کا کھانا اور برتن استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّليل على ذلك:

ولا بأس بالأكل والشرب والطبخ في آنية الكفار كلهم، مالم تكن ذهباأو فضة أو جلد خنزير، بعد أن تغسل وتغلى؛ لأنهم لايتوقون النجاسات ويأكلون الميتات. (۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشرفي أهل الذمة: ۳٤٧/٥

(۲) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي،الأنعام (۱۲۲): ٦/ ۷۸

ترجمہ:

سب کفار کے برتنوں میں کھانے، پینے اور پکانے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ یہ برتن سونے، چاندی یا خنزیر کی کھال سے بنے ہوئے نہ ہوں۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ استعمال سے قبل اُسے دھویا جائے اور اُس میں پانی اُبالا جائے (تاکہ خوب پاک ہوجائیں) کیونکہ کفار نجاسات سے اپنے آپ کو نہیں بچاتے اور مردار چیزیں بھی کھاتے ہیں۔

❁❁❁

اجنبی مردوعورت کاایک دوسرے کاجوٹھا استعمال کرنا

سوال نمبر(19):

اگر کسی گھر پر کوئی اجنبی روٹی کھالے اور اس سے کچھ بچ جائے تو کیا اسے گھر کی عورتیں یا مرد کھاسکتے ہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کا جوٹھا چاہے مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت پاک ہے، تاہم فقہائے کرام نے بعض عوارض کی وجہ سے نامحرم کا جوٹھا مکروہ لکھا ہے۔ چنانچہ اگر شوہر یا محارم کا جوٹھا رہ جائے تو عورت کے لیے اس کا کھانا جائز ہے، اسی طرح اگر عورت کا جوٹھا رہ جائے تو شوہر یا محارم اُسے کھاپی سکتے ہیں، تاہم نامحرم سے بچا ہوا کھانا عورت کے لیے استعمال کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح نامحرم عورت سے بچا ہوا کھانا اجنبی مرد کے لیے استعمال کرنا مکروہ ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر اجنبی مرد کھانا کھائے تو عورتیں اُس سے باقی ماندہ کے کھانے سے احتراز کریں اور اگر اجنبی عورت کھائے تو مرد اُسے نہ کھائیں۔

والدّلیل علی ذلك:

وما في المجتبى من كراهة سؤرها لأجنبي كسؤره لها، ليس لعدم طهارته، بل للالتذاذ الحاصل للشارب أثر صاحبه. (۱)

---

(۱) النهرالفائق، كتاب الطهارة، فصل في الأبار:۱/ ۹۲

ترجمہ:

اور مجتبیٰ میں جو لکھا ہے کہ عورت کا جوٹھا اجنبی مرد کے لیے اور اسی طرح اجنبی مرد کا جوٹھا اجنبی عورت کے لیے مکروہ ہے، یہ اس وجہ سے نہیں کہ یہ ناپاک ہے، بلکہ یہ کراہت اِس لیے ہے کہ بعد میں پینے والا اُس چیز سے لذت حاصل کرتا ہے۔

۞۞۞

دوسرے کے مال کی موجودگی میں مردار کھانا

سوال نمبر(20):

اگر ایک بھوکا شخص حالتِ اضطرار میں ہو۔ اِس حالت میں اُسے ایک طرف مردار چیز کھانے کو ملے اور دوسری طرف کسی دوسرے شخص کا حلال مال اُسے کھانے کو ملے تو کیا اس کو دوسرے کی ملکیت والی حلال چیز کھانی چاہیے یا مردار چیز کھائے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کسی شخص پر سخت بھوک کی وجہ سے ایسی حالت طاری ہوجائے کہ اس کی موت واقع ہونے کا خطرہ ہو، اور اس کے ساتھ کھانے کے لیے کوئی حلال چیز موجود نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے اپنی جان بچانے کی خاطر بقدرِ ضرورت مردار چیز کھانے کی اجازت ہے۔ تاہم اگر ایسی حالت میں اسے کوئی حلال چیز ملے جو دوسرے کی ملکیت ہو تو اس کے لیے مردار کھانا جائز نہیں، بلکہ دوسرے کا مال استعمال کر کے بعد میں اُس کا ضمان ادا کرے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

إذا اضطر إلی مال مسلم ومیتة یأکل مال المسلم ویترک المیتة؛ لأنه یباح أخذ مال الغیر عند الضرورة بشرط الضمان.(۲)

ترجمہ:

جب کوئی آدمی دوسرے مسلمان کے مال یا مردار کے کھانے پر مجبور ہوجائے تو دوسرے مسلمان کے مال

(۲) الجوهرة النیرة، کتاب الحج، باب الجنایات، تحت قوله (فإن اضطر المحرم): ۱/ ٤١٦

کو کھائے اور مردار چھوڑ دے، کیوں کہ ضرورت کے وقت دوسرے کا مال استعمال کرنا مباح ہے، بشرطیہ کہ بعد میں اس کا ضمان ادا کردے۔

❁❁❁

بدفعلی کیے گئے جانور کا گوشت کھانا اور اس سے دودھ لینا

سوال(21):

اگر کسی شخص نے حلال جانور (بھینس، گائے، بکری وغیرہ) کے ساتھ بدفعلی کی تو اس جانور کا کیا حکم ہے؟ کیا اس جانور کا کھانا اور اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی جانور سے بدفعلی کرنا ایک قبیح اور ناجائز عمل ہے، لیکن اس قبیح امر کے ارتکاب سے جانور کا گوشت حرام نہیں ہو جاتا۔ البتہ اس قبیح فعل کی شناعت اور اس سے نفرت دلانے کے لیے شریعت ایسے حیوان کو ذبح کر کے اس کو جلانے کا حکم دیتی ہے تاکہ اس جانور کو دیکھ کر لوگ اس قبیح عمل کو یاد نہ کریں۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ ممکن ہو، مثلاً اس حیوان کو کہیں دور فروخت کیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

(ومن وطئ بهيمة فلا حد عليه)؛ ... والذي يروى أنه تذبح البهيمة و تحرق فذلك لقطع التحدث به وليس بواجب.(۱)

ترجمہ: اور جس شخص نے کسی جانور سے وطی کی تو اس پر حد واجب نہیں....اور ایسے جانور کے بارے میں یہ جو روایت کیا جاتا ہے کہ اِس کو ذبح کر کے جلا دیا جائے تو اِس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس کے متعلق گفتگو کرنا چھوڑ دیں۔ اِس لیے نہیں کہ ایسا کرنا ضروری اور واجب ہے۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) الهداية، كتاب الحدود، باب الوطئ الذي يوجب الحد : ۲/ ۵۰۸

فصل فی الولیمة

(ولیمہ کے مسائل کا بیان)

دعوتِ ولیمہ میں میوزک وغیرہ کا انتظام ہو تو اس میں شرکت کرنا

سوال نمبر (22):

شادی بیاہ کی تقریبات جہاں میوزک، فوٹو گرافی و دیگر خرافات ہوں۔ ایسی تقریبات میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب و باللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان کی دعوت قبول کرنی چاہیے، لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی شرعی عذر موجود نہ ہو، جہاں کہیں کوئی شرعی عذر دعوت قبول نہ کرنے کا متقاضی ہو وہاں قبول نہ کرنا ضروری ہے۔

شادی بیاہ کی جن تقریبات میں خرافات اور فحاشی کا دور دورہ ہوتا ہے، اور پہلے سے اِس بات کا یقینی علم ہو کہ وہاں فوٹو گرافی اور میوزک وغیرہ خرافات کا ارتکاب کیا جا رہا ہے تو ایسی دعوت میں شرکت جائز نہیں، تاہم اگر پہلے سے علم نہ ہو اور وہاں جانے کے بعد اس کا علم ہو جائے تو عام آدمی کے لیے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ جب کہ علما اور پیشوا لوگوں کے لیے ایسی صورت میں دعوت کی مجلس سے اُٹھ کر جانا چاہیے تاکہ ان کی ناراضگی واضح ہونے سے لوگ عبرت حاصل کریں اور دین کی بدنامی نہ ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

(دعي إلى وليمة و ثمة لعب أو غناء قعدوأكل......إن لم يكن ممن يقتدى به، فإن كان) مقتدى (ولم يقدر على المنع خرج ولم يقعد)لأن فيه شين الدين......(وإن علم أولاً) باللعب(لا يحضر أصلاً).(۱)

ترجمہ: کسی کو ولیمہ میں مدعو کیا گیا اور وہاں لہو ولعب اور گانا بجانے کا ارتکاب ہو رہا ہو تو یہ بیٹھ کر کھالے۔۔۔۔ بشرطیکہ یہ شخص پیشوا نہ ہو، چنانچہ اگر وہ پیشوا ہو اور روکنے پر قادر نہ ہو تو وہاں سے نکلے اور بیٹھے نہیں، کیوں کہ اس میں دین کی بدنامی ہوگی۔۔۔۔ اور اگر لہو ولعب کا علم پہلے سے ہو تو پھر وہاں سرے سے جانا جائز نہیں۔

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة :۹/ ۵۰۱ ،۵۰۲

دعوتِ ولیمہ کا وقت

سوال نمبر (23):

ولیمہ کس وقت مستحب ہے؟ مثلاً جمعہ کو نکاح ہو جائے اور ہفتہ کی شام رخصتی ہو تو کیا ہفتہ کے دن ولیمہ کریں یا رخصتی کے بعد اتوار کو ولیمہ کریں۔ وضاحت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

بینوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

نکاحِ مسنون کے بعد عزیز و اقارب اور قرب و جوار کے لوگوں کو جو کھانا کھلایا جاتا ہے، وہ ولیمہ کہلاتا ہے۔ یہ ایک سنت عمل ہے۔ خود حضور ﷺ نے نکاح کے بعد اس کا اہتمام فرمایا۔ اس کا بہترین وقت میاں بیوی کے ملنے کے بعد ہے، تاہم فقہائے کرام کے اختلاف کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس بات کی گنجائش نکلتی ہے کہ نکاح ہو جانے کے بعد بھی ولیمہ کر سکتے ہیں، البتہ نکاح سے پہلے کھانا کھلانا اگرچہ ایک دعوت کی حیثیت رکھتا ہے، مگر ولیمہ کی سنت اس سے ادا نہیں ہوتی۔ بہر حال بہتر یہ ہے کہ نکاح، رخصتی اور زفاف کے بعد ولیمہ کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

وقد اختلف السلف في وقتها هل هو عند العقد أو عقبه أو عند الدخول أو عقبه أوموسع من ابتداء العقد إلى انتهاء الدخول.......... والمنقول من فعل النبي ﷺ أنها بعد الدخول، كأنه يشير إلى قصة زينب بنت جحش رضي الله عنها.(۱)

ترجمہ: ولیمہ کے وقت کے بارے میں ائمہ سلف کا اختلاف ہے کہ کیا ولیمہ عقد کے وقت سنت ہے یا اس کے بعد اور یا دخول کے وقت یا اس کے بعد یا ابتدائے عقد سے لے کر انتہائے دخول تک......تاہم حضور ﷺ کے عمل سے ولیمہ دخول کے بعد منقول ہے، گویا اس میں زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے قصہ نکاح کی طرف اشارہ ہے۔

❁❁❁❁❁

(۱) فتح الباري، كتاب النكاح، باب الوليمة حق، رقم الحديث (٥١٦٦): ۱۰/۲۸۸

باب الأسماء والکنیٰ والعقیقۃ

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

ناموں کی حیثیت کسی قوم اور معاشرے میں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ ناموں کے ذریعے نہ صرف یہ کہ مذہب اور فکر وعقیدے کا اظہار ہوتا ہے، بلکہ اس سے کسی قوم کی تہذیب وتمدن اور اخلاقی حالت بھی اجاگر ہوتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے اس سلسلے میں ہمیں حکم دیا ہے کہ نام رکھنے میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ اس میں اسلامی تشخص نمایاں ہو اور اس سے جاہلیت یا کفر وشرک کی بو نہ آرہی ہو، نہ ہی یہ نام کسی غیر فطری عمل یا بدشگونی اور بدفالی کی عکاسی کر رہا ہو۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"إنکم تدعون یوم القیامۃ بأسمائکم وأسماء آبائکم فأحسنوا أسماء کم". (۱)

قیامت کے دن تم کو تمہارے ناموں اور آباؤ واجداد کے ناموں سے پکارا جائے گا، پس تم اچھے نام رکھا کرو۔

نام رکھنے کے لیے چند بنیادی اصول:

چونکہ نام ہی کسی شخص کے وقار اور عزت کا سب سے اہم اور بنیادی ذریعہ ہے، اس لیے شریعتِ مطہرہ میں نام رکھنے سے متعلق درج ذیل اصول کی رعایت ضروری ہے:

(۱) کوئی بھی مسلمان بغیر نام کے نہ ہو:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کی پیدائش کے بعد اس کے لیے اچھا نام تجویز کریں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے ولادت کے فوراً بعد مرنے والے بچے کو اس وقت تک دفن کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، جب تک اس کا صحیح اسلامی نام نہ رکھا جائے۔ (۲)

---

(۱) أبو داؤد، سلیمان بن أشعث السجستاني، سنن أبي داؤد، کتاب الأدب، باب في تغییر الأسماء: ۲/۳۲۰، ایچ ایم سعید

(۲) ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ، فصل في البیع: ۹/۵۹۹

(۲) نام سے عبدیت اور بندگی مترشح ہو:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ کے ہاں محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس جیسے تمام نام، جیسے عبدالرحیم، عبدالکریم، عبدالملک وغیرہ اچھے نام ہیں۔ ان ناموں کی فضیلت وہاں بہت زیادہ ہوگی جہاں لوگ غیراللہ کی بندگی پر نام رکھنے کے عادی ہوں۔ (۱)

(۳) بہترین ناموں میں سے محمد اور احمد بھی ہیں۔ اسی طرح ابراہیم، اسماعیل وغیرہ دوسرے انبیائے کرام کے نام رکھنا بھی افضل ہے۔

علامہ شامیؒ نے ابن عساکر کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

"من وُلدله مولود، فسماه محمداً، كان هو ومولوده في الجنة". (۲)

جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس نے اس کا نام محمد رکھا تو وہ شخص اور بچہ دونوں جنت میں ہوں گے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے وہ صفتی نام جو معنی کے اعتبار سے مخلوق کے لیے بھی استعمال ہو سکیں، ان کا رکھنا جائز ہے، جیسا کہ: العلی، الرشید، الکبیر، البدیع وغیرہ۔ اس لیے کہ یہ اسما ایسے ہیں کہ بندہ کی طرف ان کی نسبت کی جائے تو معنی کچھ اور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی جائے تو معنی بدل جاتا ہے۔ (۳)

(۵) جن علاقوں کے لوگ ناموں کی عظمت اور مقام نہ جانتے ہوئے ناموں کو بگاڑنے کے عادی ہوں تو وہاں پر اللہ تعالیٰ کے ناموں کا استعمال، یعنی عبدالرحیم، عبدالقادر، عبدالعزیز وغیرہ نام نہیں رکھنا چاہیے، اس لیے کہ لوگ عبد کو ہٹا کر صرف اسم صفتی بولتے ہیں اور بعض جگہوں میں اسم صفتی کو تصغیر یعنی "کریم، عزیز، قُویدر وغیرہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ بالقصد والارادہ اللہ کے ناموں کی تصغیر بنانا کفر ہے، البتہ اگر قصد وارادہ نہ ہو تو کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، لیکن سننے والے پر تصحیح اور تنبیہ ضروری اور واجب ہے۔ (۴)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۹/۵۹۷، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد وكناهم والعقيقة: ۵/۳۶۲

(۲) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۹/۵۹۸

(۳) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۹/۵۹۸

(۴) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۹/۵۹۸، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد وكناهم والعقيقة: ۵/۳۶۲

(۶) نام رکھنے میں تین امور کی رعایت ضروری ہے:

(الف) وہ نام اللہ نے اپنے بندوں کے لیے استعمال کیا ہو۔

(ب) وہ نام رسول اللہ ﷺ نے استعمال کیا ہو۔

(ج) وہ نام اسلامی معاشرے میں معروف ومشہور ہو اور کسی صاحب علم نے اس پر اپنے تحفظات ظاہر نہ کیے ہوں۔

ان تین قسموں کے علاوہ جو بھی نام ہو، اس سے احتراز کرنا مناسب اور اولیٰ ہے، اگرچہ اس میں کوئی اور ضرر نہ ہو۔(۱)

(۷) جس شخص کا نام محمد ہو، اس کو ابوالقاسم کہنا درست ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی کنیت استعمال کرنے سے منع فرمایا تھا لیکن یہ ممانعت ان کی زندگی تک محدود تھی، اس لیے کہ اُس وقت یہود کی مخالفت اور آپ ﷺ کے ساتھ مشارکت سے ممانعت مقصود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کی کنیت ابوالقاسم رکھی تھی۔(۲)

(۸) جن ناموں سے بدفالی لی جاتی ہو، ان کے ساتھ نام رکھنا درست نہیں۔ آپ ﷺ ایسے نام کو تبدیل فرمایا کرتے تھے، لہٰذا ایک شخص جس کا نام اصرم تھا، آپ ﷺ نے اس کا نام تبدیل کر کے زرعۃ، یعنی خوشحال رکھا۔ ایک دوسرا شخص تھا جس کا نام حزن (غم) تھا، آپ ﷺ نے اس کا نام سہل رکھا۔

(۹) جن ناموں کا معنیٰ ومقصد غلط ہو، ان کو بدلنا ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں برے نام حرب (بمعنیٰ جنگ وجدال، فساد، قتل وقتال، زوال) اور مرۃ (بمعنیٰ کڑواہٹ، تلخی، بدبختی، ترش روئی) ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ ایسے ناموں کو تبدیل فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کی بیٹی عاصیہ (بمعنیٰ نافرمان، گنہ گار) کا نام تبدیل کر کے جمیلۃ رکھا۔(۳)

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، تتمة:۹/۵۹۹، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد وكناهم والعقيقة:۵/۳۶۲

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع:۹/۵۹۸، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد وكناهم والعقيقة:۵/۳۶۲

(۳) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع:۹/۵۹۹، أبو داؤد، كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء:۲/۳۲۰، ۳۲۱

(۱۰) آپ ﷺ نے ایسا نام رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے جو ذاتی طور پر تو درست ہو، لیکن مسمیٰ (جس کا نام ہو) کی غیر موجودگی کی خبر دیتے وقت اس سے بدفالی مترشح ہو، جیسے کسی شخص کا نام برکت، نافع، یسار، نجیح وغیرہ۔ اگر کوئی پوچھے کہ گھر میں برکت یا یسار وغیرہ ہے؟ اور وہ نہ ہو تو مجبوراً کہنا پڑے گا کہ گھر میں برکت، یسار اور نجیح نہیں، اس لیے آپ ﷺ نے ایسے نام رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

(۱۱) ایسا نام رکھنا جس میں تکبر و تعلّی ہو، جائز نہیں، جیسے شہنشاہ۔

حدیث نبوی ہے:

"أخنع إسم عندالله يوم القيامة رجل يسمىٰ بملك الأملاك". (۱)

اسی طرح ایسا نام رکھنا جس سے کسی شخص کی گناہوں سے برأت اور تزکیہ معلوم ہو، یہ بھی مناسب نہیں۔ (۲)

(۱۲) ایسا نام رکھنا بھی جائز نہیں، جس سے شرک کا اظہار یا اس کا شبہ پیدا ہوتا ہو یا وہ غیر مسلموں اور جاہلیت کے ناموں سے مشابہ ہو، جیسے: عبدالدار، عبدالنبی یا کسی اور مخلوق کی طرف اپنی بندگی اور غلامی کی نسبت کرنا درست نہیں، اس لیے کہ ان ناموں میں شرک کی بو بھی ہے اور یہ اہل جاہلیت سے مشابہت بھی ہے۔

(۱۳) کوئی بھی ایسا لقب رکھنا جس سے مبالغہ آرائی اور جھوٹ کی بو آتی ہو، مکروہ ہے، جیسے: کسی نیک شخص کو محیی الدین یعنی دین کو زندہ کرنے والا، شمس الدین، قمرالدین وغیرہ۔ علامہ شامیؒ نے بعض اکابر کے حوالے سے اس پر خوب بحث فرمائی ہے۔

(۱۴) نیک فالی کے طور پر اپنے بچوں کو ابوبکر وغیرہ کنیت سے یاد کرنا جائز ہے۔ (۳)

(۱۵) اپنے والد، شوہر یا کسی اور بزرگ کو نام سے پکارنا مکروہ ہے، تاہم اس میں عرف و رواج اور ذاتی تعلقات کا بھی عمل دخل ہوسکتا ہے۔ (۴)

---

(۱) أبو داؤد، كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء: ۲/۳۲۱، ۳۲۲

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۹/۵۹۹

(۳) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۹/۵۹۹، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد وكناهم والعقيقة: ۵/۳۶۲

(٤) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۹/۵۹۹، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد وكناهم والعقيقة: ۵/۳۶۲

بچوں کی طرح بچیوں کے نام رکھنے میں بھی دین دوستی اور ایمانی جذبہ کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ایسے نام کے رکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے جو کسی رقاصہ، فلمی شخصیت یا بے دینی سے شہرت رکھنے والے لوگوں کا نام ہو۔نام کا بڑا اثر ہوتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ فسق و فجور کے علم بردار لوگوں کے نام رکھنے کی وجہ سے ان کے نقش قدم پر چلنے لگے۔اس کی جگہ علما، صلحا اور نیکی سے شہرت رکھنے والوں کے نام رکھے جائیں۔اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کوئی شخص اسم علم کے علاوہ اپنے لیے کوئی کنیت یا لقب منتخب کرے اور لوگوں میں اس نام سے شہرت پائے۔کئی محدثین ایسے ہیں جن کے تذکرہ میں شاگرد کو مشہور نام ذکر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہر نام رکھنے میں مقبولیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔مہمل اور بے معنی نام رکھنا اسلامی معاشرہ کا شیوہ نہیں۔

تحنیک کا حکم:

تحنیک یعنی کسی نومولود بچے کے منہ میں کسی بزرگ شخص کی طرف سے کھجور یا کوئی اور میٹھی چیز چبا کر ڈالنا سنت ہے۔ آپ ﷺ نے انصار کے ایک نومولود بچے کے منہ میں کھجور کا ٹکڑا چبا کر ڈالا تو وہ بچہ اس کو زبان سے ٹٹول کر کھانے لگا۔(۱)

عقیقہ کا حکم:

بچے کی ولادت کے بعد ساتویں دن بچے کے بال منڈوانا، بکری وغیرہ ذبح کرکے لوگوں کو کھلانا مباح ہے۔ حنفیہ کے ہاں عقیقہ واجب یا سنت نہیں البتہ مباح ہے، جو شکر کی نیت سے ہو تو مستحب اور باعثِ ثواب بھی ہوگا۔شوافع اور حنابلہ کے ہاں سنتِ مؤکدہ ہے جب کہ موالک اِسے مندوب یعنی مستحب قرار دیتے ہیں۔(۲)

عقیقہ کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کے ہاں بچہ یا بچی پیدا ہو تو ساتویں دن اس کا نام رکھے اور اس کا سر منڈوائے اور بچے کی طرف سے دو دنبے یا دو بکرے جب کہ بچی کی طرف سے ایک دنبہ یا بکرا ذبح کرے۔اور اس بچہ کے سر کے بالوں کے وزن کے بقدر چاندی صدقہ کرے۔ جو جانور ذبح کیا جائے وہ ایسا ہونا چاہیے کہ اس پر قربانی جائز ہو۔اس کا گوشت کچا بھی تقسیم کرسکتے ہیں اور پکا کر بھی۔(۳)

❁❁❁❁❁

---

(۱) أبو داؤد، کتاب الأدب، باب في تغییر الأسماء:۲/۳۲۱

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثاني والعشرون:۵/۳۶۲، الموسوعة الفقهیة:العقیقة

(۳) ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الأضحیة :۹/۴۸۵

باب الأسماء والكنىٰ والعقيقة

(نام رکھنے اور عقیقہ کرنے کے متعلق مسائل)

بچے کا نام رکھنے کی ذمہ داری

سوال نمبر (24):

بچے کی پیدائش کے بعد نام رکھنے کا مرحلہ درپیش ہوا کرتا ہے۔اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ کس کی ذمہ داری ہے؟ آیا والدین نام خود تجویز کریں یا کسی اور سے تجویز کرواسکتے ہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بچے کی ولادت کے بعد والدین پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ان میں سے ایک ذمہ داری بچے کے لیے اچھا نام تجویز کرنا بھی ہے۔اچھے نام کے اچھے اثرات ہوتے ہیں۔حدیث شریف میں بھی اس کی تاکید آئی ہے۔اس لیے بہتر یہ ہے کہ والدین ہی بچے کے لیے اچھا نام تجویز کریں۔اگر والدین ان پڑھ ہوں یا اچھا نام منتخب نہیں کرسکتے تو ایسی صورت میں کسی عالم دین یا بزرگ شخص سے نام تجویز کرانے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

عن أبي الدرداءؓ قال :قال رسول الله ﷺ :إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم وأسماء آباء كم فأحسنوا أسمائكم.(١)

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ نقل کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تم کو تمہارے ناموں اور تمہارے باپ کے ناموں سے پکارا جائے گا پس تم اچھے نام رکھا کرو۔

(١) سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی تغیر الأسماء: ٢/٣٢٠

عبدالرحمٰن نام رکھنا

سوال نمبر(25):

عبدالرحمٰن یا عبدالوحید اور عبداللہ نام رکھنا کیسا ہے؟ اگر معاشرہ میں لفظِ عبد حذف کر کے صرف رحمٰن سے پکارا جاتا ہو تو پھر شریعت کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ہر وہ نام جسے حضور ﷺ صحابہ کرامؓ یا قرونِ ماضیہ میں علما وصلحائے اُمت نے استعمال کیا ہو ایسا نام رکھنا جائز اور مستحب ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ناموں میں سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ عموماً عرب ناموں کو اپنی اصل حالت پر برقرار رکھ کر پورا نام لے کر پکارتے ہیں، اس لیے ان کے لیے سوال میں مذکورہ نام رکھنا پسندیدہ ہے۔ لیکن عجم کی عادت یہ ہے کہ ناموں کو بگاڑ کر کمی بیشی کے ساتھ نام لیتے ہیں مثلاً عبدالرحمٰن کو رحمٰن، عبدالقدوس کو قدوس وغیرہ سے پکارتے ہیں، چونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے ناموں کی بے ادبی اور ان صفات میں اللہ کے ساتھ شرک کا اندیشہ ہے اس لیے جہاں کہیں نام بگڑنے کا خطرہ ہو تو وہاں ایسا نام نہ رکھنا بہتر ہے۔

والدّليل على ذلك:

أحبّ الأسماء إلى الله تعالى عبدالله وعبدالرحمٰن ،لكن التسمية بغير هذه الأسماء في هذا الزمان أولى؛ لأن العوام يصغرون هذه الأسماء للنداء.(۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں ناموں میں سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، لیکن اس زمانے میں ان ناموں کے علاوہ نام رکھنا بہتر ہے، کیونکہ عوام بلانے میں ان ناموں کی تصغیر بناتے ہیں (یعنی نام لیتے وقت اختصار کے ساتھ نام لیتے ہیں)

❁❁❁

جلال اللہ اور نیاز محمد نام رکھنا

سوال نمبر(26):

ہمارے خاندان میں دو بچے ہیں۔ ایک کا نام ہم نے جلال اللہ اور دوسرے کا نام نیاز محمد رکھا ہے۔ اب کسی نے

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهيه، الباب الثانى والعشرون فى تسمية الاولاد : ٥/٣٦٢

یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ دونوں نام مناسب نہیں۔ان ناموں میں شرعاً کوئی قباحت ہے؟ نیز جلال اور نیاز کا کیا معنی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی بچے کا ایسا نام رکھنا جس کا ذکر کتاب اللہ اور احادیث مبارکہ میں ہو یا اسلامی معاشرہ میں اس کا استعمال ہوتا ہو، زیادہ بہتر ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جلال کا معنی ''عظمت'' ہے اور نیاز کا معنی ''تبرک''، لہٰذا اگر جلال کی اضافت اللہ اور نیاز کی اضافت محمد کی طرف کی جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں جیسا کہ کبیر، بدیع اور علی نام رکھنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

والتسمية باسم يوجدفي كتاب الله تعالى كالعلي والكبير والرشيد والبديع جائزة؛ لأنه من الأسماء المشتركة، ويراد في حق العباد غير مايرادفي حق الله تعالى .(١)

ترجمہ: ایسا نام رکھنا جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پایا جاتا ہو، جائز ہے۔مثلاً: علی، کبیر، رشید، بدیع وغیرہ اس لیے کہ یہ مشترک ناموں میں سے ہیں اور بندوں کے حق میں ان سے جو معنی مراد لیا جاتا ہے، وہ اس معنی سے مختلف ہے جو اللہ تعالیٰ کے حق میں مراد لیا جاتا ہے۔

۞۞۞

وقاص نام رکھنا

سوال نمبر(27):

کسی کا نام ''وقاص'' رکھنا صحیح ہے یا غلط؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نام رکھنے میں اسلامی تشخص کو نمایاں رکھنا چاہیے، اس لیے جو نام اسلامی معاشرہ میں رائج ہو اور اُس کا معنی غلط نہ ہو، اُس کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں، چونکہ وقاص نام رکھنا پہلے سے اسلامی معاشرہ میں استعمال ہوا ہے، اس لیے اس نام کے رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، اگرچہ اس کا معنی ''زیادہ چھوٹی گردن والا ہونا'' ہے۔

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون في تسميه الأولاد :٥/ ٣٦٢

والدّليل على ذلك:

وفي الفتاوى التسمية باسم لم يذكره الله تعالى في عباده، ولاذكره رسول الله ﷺ ولا استعمله المسلمون تكلموافيه، والأولى أن لايفعل .(١)

ترجمہ:

اور فتاوی میں ہے کہ ایسے نام رکھنے میں مشائخ نے کلام کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ذکر نہیں کیے ہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو ذکر کیا ہو اور نہ مسلمانوں نے اس کو استعمال کیا ہو۔ بہتر یہ ہے کہ ایسا نام نہ رکھا جائے۔

۞۞۞

مرزا نام رکھنے کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(28):

مرزا نام رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ کیا اس کو تبدیل کرنا چاہیے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

اردو لغت کے اعتبار سے ''مرزا'' نام کے معنی میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، کیوں کہ اس کا معنی امیر زادہ اور شہزادہ ہے، لیکن احادیث میں اچھے نام رکھنے کی ترغیب آئی ہے، جو کسی پیغمبر یا صحابی یا سلف صالحین میں سے کسی کا نام ہو۔

صورتِ مسئولہ میں اگر سائل مرزا نام کو تبدیل کرنا چاہتا ہو تو مرزا کی بہ نسبت عبدالرحمٰن یا عبداللہ نام زیادہ معنی خیز اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں، لہٰذا ''مرزا'' نام کی بجائے عبدالرحمٰن یا عبداللہ نام رکھنا بہت اچھا ہے۔ تاہم چونکہ مرزا نام بھی مسلمانوں میں رکھا جاتا ہے اس لیے تبدیل کرنا ضروری نہیں۔

والدّليل على ذلك:

أحب الأسماء إلى الله تعالىٰ عبدالله وعبدالرحمٰن ....والتسمية بإسم يوجدفي كتاب

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثانى والعشرون فى تسمية الاولاد :٥/٣٦٢

اللّٰہ تعالی کالعلی والکبیر والرشید والبدیع جائزة......وفي الفتاوی التسمیة بإسم لم یذکرہ اللّٰہ تعالی في عبادہ، ولاذکرہ رسول اللّٰہ ﷺ ولااستعمله المسلمون تکلموافیه، والأولی أن لایفعل .(۱)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ کے ہاں ناموں میں سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں......ایسا نام رکھنا جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پایا جاتا ہو، جائز ہے مثلاً علی، کبیر، رشید، بدیع وغیرہ......اور فتاوی میں ہے کہ ایسے نام رکھنے میں مشائخ نے کلام کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ذکر نہیں کیا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو ذکر کیا ہو اور نہ مسلمانوں نے اس کو استعمال کیا ہو۔ بہتر یہ ہے کہ ایسا نام نہ رکھا جائے۔

❁❁❁

شہنشاہ نام رکھنا

سوال نمبر(29):

اگر کوئی آدمی اپنے بیٹے کا نام شہنشاہ رکھے یا کسی بڑے آدمی کو شہنشاہ کے نام سے پکارا جائے تو یہ نام رکھنے یا لینے میں شرعاً کوئی گناہ تو نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ شہنشاہ کا معنی ''بادشاہوں کا بادشاہ'' ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ اس وصف میں کسی مخلوق کے شریک ہونے کا وہم وگمان بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ تمام دنیا کی شہنشائیت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''ملک الأملاک'' کو بدترین نام قرار دیا جس کا ترجمہ شہنشاہ ہے۔

لہٰذا اپنے بیٹے کا نام شہنشاہ رکھنا یا کسی اور کو اس نام سے پکارنا جائز نہیں۔ اگر پہلے سے یہ نام رکھا ہو تو اس کو تبدیل کر کے بہتر نام تجویز کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلك:

"عن أبي هریرةؓ قال :قال رسول اللّٰہ ﷺ: أخنع الأسماء عنداللّٰہ رجل تسمی ملك الأملاك.

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثاني والعشرون في تسمیة الاولاد :۳۶۲/۵

قال سفیان: یقول غیره :تفسیره شاهان شاه.(١)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین نام اس شخص کا ہے جو "ملک الاملاک" سے موسوم ہو۔ سفیان بن عینیہؒ کہتے ہیں کہ ابوزناد کے علاوہ راویوں نے ملک الاملاک کی تفسیر لفظ شہنشاہ سے کی ہے۔

❁❁❁

عبدالنبی نام رکھنا

سوال نمبر (30):

عبدالنبی نام رکھنا کیسا ہے؟ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ جب کہ ہمارے علاقے کے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ نام صحیح نہیں ہے۔

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

شریعت کی رو سے معنی خیز اسلامی نام کا مسمّٰی پر اچھا اثر ہوتا ہے۔ خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ہو یا آپ ﷺ کا نام ہو۔ اس کے علاوہ دیگر نام رکھنا جن سے شرک کا توہم نہ ہو جائز ہے۔

عبدالنبی میں چونکہ عبد کی اضافت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے جس سے شرک ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے، اس لیے یہ نام رکھنا جائز نہیں۔ شاید مجازی معنیٰ 'تابعداری اور غلامی' کو مدنظر رکھ کر بعض لوگ رسول اللہ ﷺ سے عشق ومحبت کے اظہار کے طور پر یہ نام رکھتے ہیں، لیکن چونکہ عشق ومحبت کا اظہار اس طریقہ پر مناسب نہیں کہ اُس سے شرک کی بو آئے۔ اس لیے عبدالنبی نام تبدیل کر دینا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولا یسمیه حکیما ولا اباالحکم، ولاأباعیسیٰ، ولا عبد فلان.........أقول و یؤخذ من قوله

---

(١) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ابغض الاسماء الی اللہ تعالیٰ: ٩١٦/٢

ولاعبد فلان منع التسمية بعبدالنبي.(١)

ترجمہ: کسی کا حکیم، ابوالحکم، ابوعیسیٰ اور عبدِفلان (فلاں کا بندہ) نام نہ رکھا جائے......ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ عبدِفلان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عبدالنبی نام رکھنا منع ہے۔

❁❁❁

تاراج نام رکھنا

سوال نمبر(31):

میرا نام تاراج ہے۔کیا یہ نام درست ہےاوراس کا معنی کیا ہےاورمیرے لیے اس کوتبدیل کرنا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و بالله التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے ایسا اچھااور بامعنی نام رکھنا نہایت اہم اورضروری ہے جواللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند کیا ہو یا رسول اللہ ﷺ نے ذکر فرمایا ہو یا وہ مسلمانوں میں رائج ہو۔اس کے علاوہ جو نام ایسا ہو کہ حضور ﷺ یا حضرات صحابہ کرامؓ یا علما وصلحاے امت نے اُسے استعمال نہ کیا ہواور نہ ہی وہ کوئی اچھے معنی والا ہوتواس کوتبدیل کرکے اچھانام تجویز کرنا ضروری ہے۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ تاراج نام لوٹ مار، غارت گری اور بربادی کے معنی پر مشتمل ہے، اس لیے اس کوتبدیل کرکے اچھانام رکھنا ضروری ہے۔

والدّليل على ذلك:

كان رسول الله ﷺ يغير الاسم القبيح إلى الحسن، جاءه رجل يسمى أصرم، فسماه زرعة.(٢)

ترجمہ:

حضور ﷺ بُرے نام کوتبدیل کرکے اچھانام رکھتے تھے۔ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا،اس کانام اصرم تھا

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغيره :٥٩٩/٩

(٢) أيضاً

حضور ﷺ نے اُس کا نام تبدیل کرکے زرعۃ رکھ دیا۔

❁❁❁

'رحمان زمین' نام رکھنا

سوال نمبر (32):

میں ایک دینی مدرسہ کا طالب علم ہوں۔ باپ نے میرا نام رحمان زمین رکھا تھا۔ اب جب میں نے مدرسہ میں داخلہ لیا تو ایک مولانا صاحب نے اس نام کو غلط قرار دے کر تبدیل کرنے کو کہا ہے۔ میرے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

اہلِ لغت کی تصریح کے مطابق لفظِ رحمٰن کا اطلاق ایسی ذات پر ہوتا ہے جو رحمت اور مہربانی کے کمال درجہ سے متصف ہو۔ صاحبِ منجد لفظ رحمٰن کی تشریح یوں کرتے ہیں "مہربانی کرنے والا"۔ نیز یہ اسماء الحسنٰی میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے اسم ذات 'اللہ' کی طرح لفظِ رحمان بھی بغیر اضافت کے کسی غیر اللہ کا نام رکھنا جائز نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں 'رحمان زمین' نام میں لفظِ رحمان اگرچہ زمین کی طرف مضاف ہوا ہے جس کی وجہ سے اس کے مفہوم میں کچھ نہ کچھ تبدیلی آگئی ہے کہ اس کا مفہوم زمین کے ساتھ مقید ہو کر اس کی وسعت باقی نہیں رہی، لیکن اس کے باوجود اس کا ذاتی معنی بحال ہے۔ نیز اس نام کا معنی چونکہ حقیقت حال سے ہم آہنگ نہیں ہے اور اس میں تعلّی بھی ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ نام تبدیل کرکے کوئی ایسا نام تجویز کیا جائے جس سے عبدیت کا پہلو نمایاں ہو مثلاً عبدالرحمٰن، عبداللہ وغیرہ۔

والدّليل على ذلك:

ومعناه عند أهل اللغة ذوالرحمة التي لا غاية بعدها في الرحمة ؛لأن فعلان بناء من أبنية المبالغة.........قال الأزهري ولايجوز أن يقال: رحمٰن إلا لله عزوجل، وفعلان من أبنية مابالغ في وصفه، فالرحمٰن الذي وسعت رحمته كل شيء، فلا يجوز أن يقال: رحمٰن لغيرالله.(۱)

(۱) محمد بن منظور، لسان العربی، باب الراء: ۱۷۳/۵، ۱۷۴، داراحیاء التراث العربی بیروت

ترجمہ:

اہلِ لغت کے ہاں رحمٰن کا معنی ہے: "اُس رحمت اور مہربانی والا جس کی رحمت کی کوئی انتہا نہ ہو۔" کیونکہ فعلان مبالغہ کے اوزان میں سے ہے۔۔۔۔امام ازہریؒ کے نزدیک سوائے اللہ کے کسی اور کو رحمٰن کہنا جائز نہیں ہے اور فعلان ان اوزان میں سے ہے، جن میں وصف میں مبالغہ مقصود ہوتا ہے۔ پس رحمان وہ ذات ہے، جس کی مہربانی ہر شی پر محیط ہو، اس وجہ سے غیر اللہ کو رحمٰن کے نام سے پکارنا جائز نہیں۔

❁❁❁

مدرسہ کا نام جامعہ الٰہیہ رکھنا

سوال نمبر (33):

ہم نے مدرسہ کا نام جامعہ الٰہیہ رکھا ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے، لیکن کسی نے ہمیں اس نام کے رکھنے سے منع کیا، حالانکہ ہم نے بعض مدارس کا نام نصرت الٰہیہ یا نعمت الٰہیہ وغیرہ سنا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

واضح رہے اگر جامعہ الٰہیہ نام رکھنے میں نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، اور مقصد یہ ہو کہ "یہ ایک ایسا جامعہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کا درس دیا جاتا ہے" تو ٹھیک ہے، لیکن چونکہ لفظِ الٰہ کا مفہوم وسیع ہے۔ آلہہ باطلہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، لہٰذا اگر اس کے متبادل ایسا نام رکھا جائے، جس میں کسی طرح کا شائبہ نہ ہو تو اولیٰ اور بہتر ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

عن أبي الحوراء السعدي قال :قلت للحسن بن علي ماحفظت من رسول الله؟ قال: حفظت من رسول الله ﷺ: دع مايريبك إلى مالايريبك، فإن الصدق طمأنينة، وإن الكذب ريبة.(۱)

ترجمہ:

ابوالحوراء سعدی کہتے ہیں کہ میں نے علیؓ کے بیٹے حسنؓ سے کہا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے کون سی بات یاد کی

(۱) جامع الترمذی، ابواب صفة القيمة :۲/۳۰ ۵

ہے؟تو آپؓ نے جواب دیا کہ: "میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات یاد کی ہے کہ جو چیز تمھیں شک میں ڈالے، اس کو چھوڑو، اس چیز کو اختیار کرو جو تجھے شک میں نہ ڈالے، کیوں کہ سچ ذریعہ اطمینان ہے اور جھوٹ شک میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہے"۔

❁❁❁

حارث نام رکھنا

سوال نمبر (34):

میں نے اپنے بیٹے کا نام حارث رکھا ہے۔ایک آدمی مجھ سے یہ کہہ رہا ہے کہ شرعاً یہ نام رکھنا درست نہیں؟ وضاحت فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

بیّنوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

اسلام نے بچے کے لیے اچھے نام کے انتخاب کو اس کے حقوق میں شمار کیا ہے۔والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچے کے لیے ایسے نام کا انتخاب کریں جو بامعنی ہو اور کسی نبی، صحابی یا اُمت کے نیک صالح بندے کا نام ہو۔اس کے علاوہ جو نام بے معنی اور شرکیہ ہو، اس سے احتراز ضروری ہے۔جہاں تک حارث نام کا تعلق ہے تو شرعی اعتبار سے یہ نام رکھنا جائز ہے، بلکہ نبی کریم ﷺ نے اس نام کی تعریف فرمائی ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أبي وهب الجشمي و كانت له صحبة قال: قال رسول الله ﷺ: تسمّوا بأسماء الأنبياء، وأحبّ الأسماء إلى الله عبدالله و عبدالرحمٰن، وأصدقها حارث وهمام، وأقبحها حرب ومرة .(۱)

ترجمہ:

حضرت ابووہب جشمیؓ صحابی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انبیائے کرام کے ناموں پر اپنے نام رکھو۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اور زیادہ سچے نام حارث اور ہمام ہیں اور سب سے بُرے نام حرب اور مرہ ہیں"۔

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في تغير الأسماء :۲/۳۲٤

صحیح معنی والا نام تبدیل کرنا

سوال نمبر(35):

میرے والد صاحب نے میرا نام شائستہ گل رکھا ہے۔اب میں اپنے اس نام کو تبدیل کر کے دوسرا نام رکھنا چاہتا ہوں۔کیا شریعتِ مطہرہ مجھے اس کی اجازت دیتی ہے؟

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

نام رکھنے میں معنی کی رعایت رکھنا ضروری ہے کیونکہ اچھے اور بامعنی نام کا اثر اچھا ہوتا ہے اور برے نام کا برا۔ اس لیے اگر کسی شخص نے اپنے بچے کا نام ایسا رکھا ہو، جو معنی کے لحاظ سے اچھا نہ ہو تو اس کا تبدیل کرنا ضروری ہے، اور اگر کسی شخص کا نام معنی کے لحاظ سے درست ہے لیکن وہ اس سے بہتر نام رکھنے کا خواہش مند ہے تو یہ بھی جائز ہے، کیوں کہ نام کی تبدیلی حضورﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔حضرت زینبؓ کا نام بَرّہ تھا، آپﷺ نے تبدیل کر کے زینبؓ رکھ دیا۔

پشتو زبان میں شائستہ گل (خوبصورت پھول) معنی کے لحاظ سے کوئی بُرا نام نہیں اس لیے اِس کو تبدیل کرنا ضروری نہیں،البتہ اگر آپ اِس سے بہتر نام اپنے لیے رکھنا چاہتے ہیں مثلاً کسی نبی یا صحابی کا نام، تو شرعاً اس میں بھی کوئی قباحت نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

عن أبي هريرةؓ أن زينب كان إسمها برّه فقيل:تزكي نفسها فسما هارسو ل اللهﷺ زينب.(۱)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ:"زینب بنت ابی سلمہؓ کا نام بَرّہ تھا۔کسی نے آپؓ سے کہا کہ آپؓ خود اپنی پاکی بیان کرتی ہیں تو حضورﷺ نے اُن کا نام تبدیل کر کے زینب رکھا"۔

۞۞۞

(۱) صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب تحويل الاسم إلى إسم هو أحسن: ۹۱٤/۲

''محمد'' نامی شخص کو پکارتے وقت درود پڑھنا

سوال نمبر (36):

کیا ''محمد'' نام والے کو بلاتے وقت اس کے نام کے ساتھ درود شریف پڑھنا لازمی ہے؟

الجواب وبالله التوفيق:

حضور اقدس ﷺ کے اسمِ گرامی ''محمد'' کا جب کسی مجلس میں تذکرہ ہو اور مراد بھی آپ ﷺ ہی ہوں تو ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے، جب کہ بعد میں مستحب ہے۔ لیکن اگر ''محمد'' کسی دوسرے شخص کا نام ہو یا اس کے نام کا جز ہو اور ذکر کرتے وقت وہ دوسرا شخص مراد ہو تو اس صورت میں درود شریف پڑھنا یا لکھنا ٹھیک نہیں، کیونکہ حضورِ اقدس ﷺ اور انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر مستقل درود شریف پڑھنا جائز نہیں۔

والدّليل على ذلك:

وقيل: تجوز تبعاً مطلقاً ولاتجوز استقلالاً، ونسب إلى أبي حنيفةؒ وجمع، وفي تنويرالأبصار: ولايصلي على غيرالأنبياء والملائكة، إلا بطريق التبع.........لكن ذكر البيرى من الحنفية من صلى على غيرهم أثم، وكره وهو الصحيح..........وفي رواية عنه (أي عن ابن عباسؓ) ماأعلم الصلوة تنبغي على أحدمن أحدإلاعلى النبي ﷺ، ولكن يدعى للمسلمين والمسلمات بالاستغفار. (۱)

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ (حضور ﷺ کے علاوہ دیگر حضرات پر) درود شریف تبعاً پڑھنا مطلقاً جائز ہے، جب کہ مستقلاً پڑھنا جائز نہیں اور یہ قول امام ابوحنیفہؒ اور ایک جماعت کی طرف منسوب ہے اور تنویر الابصار میں ہے کہ انبیاے کرام اور ملائکہ علیہم السلام کے علاوہ کسی پر مستقلاً درود پڑھنا جائز نہیں، تبعاً جائز ہے......احناف میں سے بیری نے ذکر کیا ہے کہ جس نے انبیاے کرام اور ملائکہ علیہم السلام کے علاوہ کسی دوسرے پر درود پڑھا تو وہ گناہ گار ہوا اور اس کا یہ کام مکروہ ہے اور یہ صحیح قول ہے۔۔۔۔اور ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ میں کسی کا نبی علیہ السلام کے علاوہ کسی پر درود بھیجنا مناسب نہیں سمجھتا، البتہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے استغفار کی دعا کرنی چاہیے۔

(۱) علامه آلوسي، محمود، روح المعاني، بيان حكم الصلاة على غيرالأنبياء: ۸۵/۲۲، دارإحياء التراث العربي بيروت

نسبتی نام رکھنا

سوال نمبر(37):

کچھ لوگ اپنے لیے نسبتی نام منتخب کرتے ہیں۔اس کا کیا حکم ہے؟اوراگر جائز ہے تو پھراس میں نسب ونسبت کا اعتبارضروری ہے یا نہیں؟　بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عام طور پر لوگ اپنے نام کے ساتھ نسبتی نام لگاتے ہیں جس سے نسل ونسب یا علاقہ کے ساتھ اس کا تعلق ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔البتہ اگرکوئی شخص اپنے نسب یا قبیلہ میں عار وعیب تصور کرکے دوسرے اعلیٰ نسب یا قبیلہ کی طرف نسبت کرے تو یہ حرکت شرعاً ناجائز ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اِس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف جھوٹی نسبت کرے،اور ایسے شخص کو ملعون قرار دیا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من انتسب إلى غير أبيه أو تولى غير مواليه فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين. (١)

ترجمہ:حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:جوشخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کرے یا اپنے آزادکردہ شخص وقبیلہ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کرے تو اُس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت ہوتی ہے۔

أي انتسب لغير أبيه رغبة عنه مع علمه به، وهذا إنمايفعله أهل الجفاء والجهل والكبر؛ لخسة منصب الأب ودناء ته،فيرى الانتساب إليه عارا ونقصا في حقه،ولاشك في أن هذا محرم معلوم التحريم.(٢)

ترجمہ:یعنی اپنے باپ سے اعراض کرکے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے،باوجود یہ کہ وہ جانتا بھی ہو اور عام طور پر یہ اعرابی، جاہل اور متکبر لوگ کیا کرتے ہیں، اپنے باپ کے منصب کی کمزوری اور کمینگی کی وجہ سے کہ اس کی طرف نسبت کرنا اپنے حق میں نقص اور عیب سمجھتے ہیں اور اس میں شک کوئی نہیں کہ یہ حرام ہے اور اس کی یہ حرمت معلوم بھی ہے۔

(١) سنن ابن ماجة، الحدود، باب من ادعى إلى غير أبيه: /

(٢) ابراهيم القرطبي، المفهم (شرح صحيح مسلم) كتاب الإيمان،باب إثم من كفر مسلما : ٢٥٤/١، دارابن كثيردمشق

فصل في العقيقة

(عقیقہ سے متعلق مسائل کا بیان)

عقیقہ کا شرعی حکم

سوال نمبر:(38):

عقیقہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ عموماً عوام اِسے لازم سمجھتے ہیں کیا یہ واقعتاً لازم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی کے ہاں بیٹا یا بیٹی پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کی خوشی میں ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کے طور پر لڑکے کی طرف سے دو بکریاں یا دو مینڈھے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری یا ایک مینڈھا ذبح کرنا مستحب ہے۔ احناف کے ہاں یہ لازم وواجب نہیں۔ ہر شخص کی مرضی ہے چاہے تو کرے، نہ چاہے تو نہ کرے۔

والدّليل على ذلك:

قال فی السراج الوهاج فی كتاب الأضحية ما نصه مسألة العقيقة تطوع إن شاء فعلها، وإن شاء لم يفعل.(۱)

ترجمہ:

السراج الوہاج کے کتاب الأضحیۃ کی عبارت میں ہے کہ: ''مسئلہ: عقیقہ مستحب ہے، اگر کوئی چاہے تو کرے، یا چاہے تو نہ کرے۔

❁❁❁

(۱) تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الذبائح، العقيقة: ۲/ ۲۳۲

عقیقہ میں بچی کے بال منڈوانا

سوال نمبر (39):

عقیقہ کے دوران لڑکی کے بال منڈوانا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عقیقہ میں بچے کے بال منڈوانے کے بارے میں جن احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے، ان میں "أمیطوا عنه الاذی" (اُس سے اذیت کی چیز دور کرو) کے الفاظ آئے ہیں۔ محدّثین نے ان الفاظ کی تشریح سر کے بالوں سے کی ہے اور حدیث کے الفاظ عام ہونے کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی دونوں کو شامل ہیں، لہٰذا عقیقہ میں لڑکی کے بال منڈوانے میں کوئی قباحت نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

عن محمد بن سيرينؒ حدّثنا سلمان بن عامر الضبي قال سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: مع الغلا م عقيقة، فأهريقوا عنه دمًا وأميطوا عنه الأذى.(۱)

ترجمہ:

محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ سلمان بن عامرؓ نے ہمیں حدیث بیان کی ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکے کا عقیقہ ہے، اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف دہ چیز زائل کرو۔

قوله: وأميطوا عنه الأذى: ومن جملة الأذى شعر رأسه الملوث من البطن وبعمومه يتناول الذكر والأنثى.(۲)

ترجمہ: اور من جملہ اذیت والی چیزوں میں سر کے بال بھی ہیں جو پیٹ (یعنی رحم کے خون) سے گندا ہوتا ہے۔ اور حدیث اپنے عموم کی وجہ سے مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب العقيقة، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة:۲/۸۲۲

(۲) عمدة القاري شرح البخاري، كتاب العقيقة، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة :۲۱/۸۸

عقیقہ کا حکم اور اس کا طریقہ

سوال نمبر (40):

عقیقہ کرنا مستحب ہے یا سنت؟ اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عقیقہ کرنا مستحب ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ بچے کی ولادت کے ساتویں دن اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کے بال منڈوائے جائیں اور بالوں کے وزن کے بقدر چاندی یا سونا صدقہ کیا جائے،لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا ذبح کیا جائے،لڑکے کی طرف سے ایک بکرا ذبح کرنا بھی جائز ہے،اس گوشت کو کچا بھی تقسیم کر سکتے ہیں اور پکا کر بھی۔اسی طرح غنی اور فقیر سب کو یہ کھلایا جاسکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه ويحلق رأسه، ويتصدق عند الأئمة الثلثة بزنة شعره فضة او ذهبا ثم يعق عند الحلق عقيقة إباحة على مافي الجامع المحبوبي أو تطوعا على مافي شرح الطحاوي، وهي شاة تصلح للأضحية تذبح للذكر والأنثى سواء فرّق لحمها نيئا أو طبخه.(١)

ترجمہ:

جس شخص کا بچہ پیدا ہو تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ ساتویں دن اس کا نام رکھے اور اس کا سر منڈوائے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس بچہ کے سر کے بالوں کے وزن کے بقدر چاندی یا سونا صدقہ کرے، پھر سر منڈواتے وقت عقیقہ کرے جو"الجامع المحبوبی" کی روایت کے مطابق مباح ہے، جب کہ شرح الطحاوی کی عبارت کے مطابق مستحب ہے اور عقیقہ میں ایسی بکری ذبح کرے کہ قربانی میں اس کا ذبح کرنا جائز ہو۔لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے ایک کا ذبح کرنا درست ہے۔چاہے اس کا گوشت کچا تقسیم کرے یا پکا کر تقسیم کرے۔

۞۞۞

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأضحية :٩/٤٨٥

عقیقہ میں ساتویں یا چودھویں دن کی رعایت کرنا

سوال نمبر(41):

بچے کے عقیقہ میں ساتویں یا چودھویں دن کی رعایت کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر بچے کی پیدائش کے ساتویں دن سے پہلے یا بعد میں عقیقہ کرلیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مستحب یہی ہے کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے، اگر اس دن نہ ہوسکے تو پھر چودھویں دن کیا جائے اور اگر اس دن بھی رہ جائے تو پھر اکیسواں دن عقیقہ کرنے کے لیے مستحب ہے اور اسی طرح اکیسویں دن کے بعد بھی ساتویں دن کی رعایت کرنا مستحب ہے۔ متقدمین میں سے ابن سیرین رحمہ اللہ کے ہاں ساتواں دن ضروری نہیں۔ چنانچہ اس کی رعایت رکھے بغیر اگر ساتویں دن سے پہلے یا بعد میں عقیقہ کیا جائے تو بھی جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

إن لم تذبح في السابع ذبحت في الرابع عشر وإلافقي الحادي والعشرين ثم هكذا في الأسابيع. (۱)

ترجمہ:

اگر ساتویں دن (بکری وغیرہ) ذبح نہ کی گئی تو چودھویں دن ذبح کی جائے اور اگر اس دن بھی نہ ہوئی تو اکیسویں دن ذبح کی جائے اور پھر بھی اسی طرح ساتویں دن کی رعایت رکھی جائے۔

عن ابن سيرين قال: كان لايرى بأساً أن يعقّ قبل السابع أو بعده. (۲)

ترجمہ:

ابن سیرین سے مروی ہے کہ وہ ساتویں دن سے پہلے یا بعد میں عقیقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

❁❁❁

---

(۱) إعلاء السنن، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۳۱/۱۷

(۲) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب العقيقة: ۳۲۷/۱۲

عقیقہ میں بکری ذبح کرنے کی بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا

سوال نمبر(42):

اگر کوئی شخص اپنے بچے کا عقیقہ کرنے کے موقع پر بکری ذبح نہ کرے، بلکہ بکری کی قیمت کے برابر پیسے صدقہ کرے تو ایسا کرنے سے عقیقہ ادا ہوتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قربانی کی طرح عقیقہ میں بھی حلال جانور کا خون بہانا مقصود ہوتا ہے۔احادیث میں بچے کے عقیقہ کے موقع پر بکری یا بکرا ذبح کرنے کا حکم وارد ہے۔اس لیے بکری ذبح کرنے کی بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنے سے عقیقہ ادا نہیں ہوتا۔

والدّلیل علی ذلک:

عن یوسف بن ماھك :أنھم دخلوا علی حفصه بنت عبدالرحمن فسألوھا عن العقیقة، فأخبرتھم أن عائشةؓ أخبرتھا أن رسول اللہ ﷺ أمرھم عن الغلام شاتان مکافئتان وعن الجاریة شاة.(۱)

ترجمہ:

یوسف بن ماہک سے روایت ہے کہ وہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عقیقہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے ان کو بتایا کہ حضرت عائشہؓ نے انہیں خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا ہے کہ لڑکے سے دو ہم عمر بکریاں اور لڑکی سے ایک بکری (ذبح کی جائے)

(۱) جامع الترمذي، أبواب الأضاحي، باب ماجاء في العقیقة :۱/ ۴۱۰

باب اللّباس

(مباحثِ ابتدائیہ)

لباس کی مشروعیت کی حکمت:

انسان کے سوا جتنی مخلوقات ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لیے موسمی اثرات سے تحفظ کے طور پر قدرتی لباس کا انتظام فرمایا ہے۔ نباتات کے لیے ان کی چھال گویا ان کا لباس ہے، حیوانات کے لیے ان کی جلد اور بالوں کی موجودگی لباس کا کام دیتی ہے جس کے ذریعے سردی وگرمی برداشت کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ اس کے برعکس انسانی جسم اور انسانی جلد قدرتی طور پر نرم بھی ہے، بیرونی اثرات کو جلد قبول کرنے والی بھی اور فطری طور پر دوسرے حیوانات سے ممتاز ہو کر چھپا کر رکھنے والی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ انسان فطری طور پر خارجی لباس کا زیادہ محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو قدرتی لباس شاید اس لیے نہیں دیا کہ اس طرح وہ لباس کی رنگینی اور تراش خراش کے تنوع سے محروم رہ جاتا۔

چوں کہ انسان کے اندر خدا تعالیٰ نے زیبائش وآرائش اور سنوار وسنگار کا عجیب ذوق رکھا ہے اور وہ نت نئی ایجادات واختراعات کے ذریعے اس جذبہ کی تسکین کا سامان مہیا کر رہا ہے، اس لیے انسان کے لیے دوسری مخلوقات کے مقابلے میں ایک خاص حاجت "لباس" کی ہے جو اس کے اشرف المخلوقات ہونے کا عقلی وطبعی تقاضا ہے۔ اس لیے کہ برہنگی فطرت کے خلاف ایک بہیمانہ اور غیر سنجیدہ عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تخلیق انسانی کے بعد ہر دور میں اصحابِ عقل وشرافت نے اس بے حیائی کو قبول کرنے سے انکار کر کے ستر پوشی کو اپنا وطیرہ بنایا۔ قرآن مجید بھی بتاتا ہے کہ جب حضرت آدمؑ وحوا کے لیے جنت سے اخراج کا فیصلہ ہوا اور لباس جنت ان سے اتار لیا گیا تو ان حضرات نے اضطرابی طور پر درختوں کے پتوں سے ستر پوشی کی کوشش کی (۱)۔ یہ گویا اصل فطرت انسانی ہے جو کائنات کے پہلے مرد وعورت کے عمل سے ظاہر ہے۔ (۲)

لباس کی اہمیت:

انسان کے لباس کا اس کی زندگی وکردار پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ یہ محض ایک کپڑے کا ٹکڑا نہیں جو انسان نے اٹھا کر پہن لیا، بلکہ یہ ایک ایسی شے ہے جو لاشعوری طور پر انسان کے طرزِ فکر اور اس کی سوچ پر اثر انداز ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ

(۱) الاعراف:۲۲

(۲) ملخص أز قاموس الفقہ، مادۃ لباس: ۵۷۲/۴، ۵۷۳، الموسوعۃ الفقہیۃ، مادۃ ألبسۃ: ۱۳۰/۶

اقوام عالم کے خیالات اور تہذیب وتمدن کا اندازہ محض ان کے لباس کو دیکھ کر کیا جاسکتا ہے، اس لیے شریعتِ مطہرہ نے لاشعوری طور پر اثر انداز ہونے والے اس بڑے محرک کو آزاد چھوڑنے کی بجائے اس کے لیے مقاصد اور اصول وضوابط متعین کر دیے، تاکہ اسلامی معاشرے اور مسلمانوں کی امتیازی شان پر اس کے منفی اثرات مرتب نہ ہوسکیں۔

لباس پر تہذیب وتمدن اور اسلامی احکام کے اثرات:

لباس کے بارے میں یہ نظریہ رکھنا کہ اس کے بارے میں کوئی اسلامی تعلیم ہی نہیں اور اس کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں، بلکہ یہ ایک خالص ثقافتی اور تمدنی عنصر ہے، بالکل نامناسب اور غیر حقیقت پسندانہ نظریہ ہے۔ اس کے برعکس یہ نظریہ بھی غلط ہے کہ اسلام نے لباس کی ایک خاص شکل اور وردی متعین کر کے یہ کہہ دیا ہو کہ یہی اسلامی لباس ہے اور ہر ایک کو یہی پہننا پڑے گا، اس سے ہٹ کر کوئی اور لباس نہیں پہنا جاسکتا، بلکہ دوسرے امور عادیہ (عادات اور طبعی ضروریات سے تعلق رکھنے والے امور) کی طرح یہاں بھی اسلام نے کچھ اصول متعین کر دیے ہیں، مثلاً یہ کہ لباس ساتر ہو، تکبر اور خود پسندی کا باعث نہ ہو وغیرہ وغیرہ اور کچھ جزئیات بھی بیان کر دیے کہ مرد ریشم نہ پہنیں اور لباس ٹخنوں سے نیچے نہ ہو وغیرہ۔ کچھ اصول اور جزوی مسائل بیان کر کے شریعت نے آزاد چھوڑ دیا کہ ان اصول اور جزوی مسائل کی پابندی کرتے ہوئے اپنے علاقے کے رسم ورواج کے مطابق یا اپنی پسند کے مطابق جو لباس تم پہن لوگے، وہ شریعت کی نظر میں درست ہے، لہٰذا لباس پر تہذیب وتمدن اور اسلامی تعلیمات میں سے ہر ایک کا اثر انداز ہونا عقل وفطرت کے عین مطابق ہے۔(۱)

لباس کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

لباس عربی زبان کا لفظ ہے اور لغت کے اعتبار سے لباس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو بدن کو چھپادے اور گرمی سردی سے حفاظت کرے۔ شرعی اصول وقواعد کی روشنی میں لباس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

"هو مايلبس ستراً للعورة وتجملاً به من غير تشبه وتكبر".(۲)

لباس شرعی ہر وہ لباس ہے جو ستر عورت اور زینت کی خاطر اس طور پر پہنا جائے کہ اس سے (کسی قوم کے ساتھ) مشابہت یا (دوسرے لوگوں پر) تکبر مقصود نہ ہو۔

---

(۱) ملخص أز أشرف التوضيح، كتاب اللّباس، لباس قومی مسئلہ ہے یا دینی؟:۳/۲۶۳-۲۶۵

(۲) الموسوعة الفقهية، مادة ألبسة:۶/۱۲۸

لباس کے مختلف احکام:

مختلف اعتبارات سے لباس کے احکام مختلف ہو سکتے ہیں:

فرض، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام۔

(۱)......فرض:

لباس کی وہ مقدار جس سے مرد وعورت کا حصہ ستر چھپ جائے، فرض ہے۔اسی طرح گرمی اور سردی کی شدت سے بچنے کے لیے لباس کا اتنا استعمال بھی فرض ہے جس سے صحتِ جسمانی کی حفاظت ہو سکے۔(۱)

(۲)......مستحب:

حصہ ستر چھپانے کے بعد جو زائد لباس استعمال کیا جائے اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا اظہار اور زینت کا حصول ہو تو یہ لباس مستحب ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تبارک وتعالی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنی نعمتوں کا اثر اپنے بندوں پر دیکھ لے۔اور ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾(۲) میں بھی اسی نکتے کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا استطاعت اور گنجائش کے باوجود معمولی درجے کا لباس اختیار کرنا جس سے خسیس اور حقیر ہونے کا گمان ہونے لگے، نامناسب ہے۔فقہائے کرام کا یہ بھی کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لباس جیسا لباس یا اس سے ملتا جلتا لباس پہننا مستحب ہے۔یہ بھی کہتے ہیں کہ عالم دین، فقیہ اور صاحبِ مروت وشرافت لوگوں کے لیے جبہ، عمامہ اور کشادہ لباس کا استعمال زیادہ بہتر ہے۔

(۳)......مباح:

عیدین، جمعہ یا کسی اور مجمع (شادی بیاہ وغیرہ) کے موقع پر زینت اختیار کرنے کے لیے نئے یا قیمتی لباس کا استعمال مباح ہے، بشرط یہ کہ اس میں تکبر اور اسراف وغیرہ نہ ہو۔حضرت عائشہؓ کی روایت میں بھی یہی مضمون ہے کہ صاحبِ وسعت لوگوں کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ جمعہ کے دن کے لیے الگ لباس بنالیں۔علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ایسا قیمتی لباس ہر وقت استعمال کرنا مناسب نہیں، اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس سے محتاجوں اور فقیروں

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۵۰۵/۹، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، کتاب الکراهية، فصل في اللبس: ۵۳۱/۲

(۲) الضحیٰ: ۱۱

کو رشک کی وجہ سے تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔(۱)

(۴)......مکروہ:

ایسا لباس جس کے پہننے کا مقصد تکبر، خود پسندی اور کسی کی حقارت ہو، مکروہ ہے۔ اسی طرح لباس میں غلو اور حد سے زیادہ اخراجات یعنی اسراف وتبذیر بھی مکروہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''کھاؤ پیو اور پہنو، مگر اسراف وتکبر سے بچو''۔ مردوں کے لیے لباس میں خالص سرخ اور زرد رنگ کا استعمال فقہا کے ہاں مکروہ ہے، بقیہ رنگوں کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ سے سرخ چادر یا جوڑے کا استعمال ثابت ہے، لیکن وہ لباس صرف سرخ دھاریوں پر مشتمل تھا، خالص سرخ رنگ کا نہیں تھا۔(۲)

(۵)......حرام:

مردوں کے لیے ریشم اور سونے کا استعمال حرام اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔(۳)

اسی طرح آپ ﷺ نے شہرت کے لباس سے بھی منع فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جس نے شہرت کا کپڑا پہنا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ذلت ورسوائی کا کپڑا پہنائیں گے اور اس سے رخ پھیر لیں گے۔ لباسِ شہرت سے مراد ایسا کپڑا ہے جس سے لوگوں میں اس کا چرچا ہونے لگے، خواہ قیمتی کپڑا پہنا جائے یا نہایت معمولی۔ یعنی اپنی درویشی یا بزرگی جتلانے کے لیے کسی خاص کپڑے کا التزام خلافِ سنت ہے۔ آپ ﷺ کے ہاں اس طرح کا کوئی تکلف نہیں تھا، جو کپڑا میسر آیا جس مناسب رنگ کا مل گیا، پہن لیا، چاہے اون کا بنا ہوا ہو، سوت یا کتان کا، تاہم شہرت اور سادگی کا دارومدار نیتوں پر ہے، کپڑے کی قیمت اور حیثیت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔(۴)

---

(۱) ردالمحتار حوالہ بالا، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس:۵۳۲/۲، الموسوعة الفقهية، مادة ألبسة:۱۲۸/۶، ۱۲۹، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس:۳۳۳/۵

(۲) الصحيح للبخاري، كتاب اللّباس، باب الثوب الأحمر:۸۷۰/۲، سنن ابن ماجة، كتاب اللّباس، باب البس ماشئت......: ص۲۵۷، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس:۵۰۵/۹، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس:۵۳۲/۲

(۳) سنن ابن ماجة، كتاب اللّباس، باب كراهية لبس الحرير: ص۲۶٤ الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس:۵۰۶/۹، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس:۵۳۲/۲

(٤) سنن ابن ماجة، كتاب اللّباس، باب من لبس شهرة من الثياب: ص۲۶۶، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس:۵۰۵/۹

لباس کے بارے میں شرعی اصول وضوابط:

لباس کے بارے میں شریعت کی طرف سے کچھ اصول وضوابط مقرر کیے گئے ہیں، لہٰذا لباس جس قسم کا بھی ہو، اگران اصول کے مطابق ہوتو اس کا استعمال جائز ہوگا۔اصول مختصراً یہ ہیں:

(۱) لباس ساتر ہو یعنی جسم کو چھپانے والا ہو۔قرآن کریم نے لباس کا سب سے اولین مقصد یہی قرار دیا ہے۔(۱)

مذکورہ اصول کی روشنی میں درج ذیل قسم کے لباس پہننا خلافِ شریعت اور حرام ہے:

(الف) وہ لباس جو چھوٹا ہونے کی وجہ سے ساتر نہ ہواور اس سے اعضا نظر آتے ہوں، مثلاً نیکر یا عورتوں کے لیے نصف آستین والی قمیص۔

(ب) وہ لباس جو باریک اور شفاف ہونے کی وجہ سے غیر ساتر ہو یعنی اس میں سے جسم کی کھال اور رنگت صاف طور پر نظر آرہی ہو۔

(ج) وہ لباس جو چست ہونے کی وجہ سے ساتر نہ ہو یعنی اعضاءِ مخصوصہ پر لباس اتنا تنگ ہو کہ جسم کے اس حصے کی ساخت وجسامت معلوم ہورہی ہو۔نبی کریم ﷺ نے جب اسماء بنت ابی بکرؓ کو باریک لباس میں دیکھا تو اس سے چہرہ پھیر کرنا پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں قسم کی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کو ظاہری طور پر لباس پہننے کے باوجود درحقیقت برہنہ اور بے لباس قرار دیا ہے۔یادرہے کہ جو لباس بدن کے ضروری حصے کو چھپادے، لیکن اس سے وہ حصہ نظر آرہا ہو جو عرف اور مروت کے تقاضوں کے مطابق چھپایا جاتا ہو تو شرعاً ایسا لباس استعمال کرنا جائز ہے، البتہ اگر سخت گرمی یا کوئی اور ضرورت نہ ہو تو اس سے احتراز بہتر ہے، اس لیے کہ عرف، مروت اور حیا کا بھی شرعی احکام پر گہرا اثر ہوتا ہے۔(۲)

(۲) لباس میں سادگی کے باوجود لباس باعثِ زینت ہو۔قرآن کریم میں لباس کا دوسرا بنیادی مقصد زینت قرار دیا گیا ہے۔(۳)

---

(۱) الأعراف:۲۵　(۲) صحیح مسلم، کتاب اللّباس والزینة،باب النساء الکاسیات العاریات...... ۲/۲۰۵، سنن أبي داؤد، کتاب اللّباس، باب في ماتبدي المرأة من زینتھا:۲/۲۱۲،بدائع الصنائع، کتاب الصلوة،فصل في ما یستحب في الصلوة وما یکره: ۲/۸۹،ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة،فصل في النظر والمس:۹/۵۲۶، محمد تقي عثماني، تکملة فتح الملھم، کتاب اللّباس والزینة،باب تحریم استعمال أواني الذھب: ۴/۸۸،مکتبة دار العلوم، کراچي　(۳) الأعراف : ۲۵

لہٰذا ایسا لباس پہننا ضروری ہے جس سے انسان کو حقارت اور خست کی نظر سے نہ دیکھا جائے، یعنی سادگی کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص اپنے آپ کو لوگوں کی توجہات اور نظروں کا مرکز بنائے۔(۱)

(۳) لباس شرعاً پاک چیز سے بنایا گیا ہو، یعنی لباس کی تیاری کے وقت اس میں نجس العین یا مردار چیز کا استعمال نہ ہو، لہٰذا جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کے اون اور بالوں سے لباس بنانا جائز ہے۔

اسی طرح جن جانوروں کو (حلال ہوں یا حرام، درندے ہوں یا عام جانور) شرعی طریقے سے ذبح کیا گیا ہو یا ان کے چمڑے کو دباغت کے ذریعے صاف کیا گیا ہو تو بطور لباس ان چمڑوں کا استعمال بھی جائز ہے۔(۲)

(۴) لباس میں اسراف اور فضول خرچی سے اجتناب ہو۔ اسراف کا معنی یہ ہے کہ ایسی جگہ پر خرچ کرنا جہاں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہو، نہ آخرت کا، یعنی بے مقصد خرچ کرنا اسراف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسراف کا معنی زیادہ خرچ کرنا نہیں، بلکہ فضول خرچ کرنا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص لاکھوں روپے صحیح خرچ کرے تو اسراف نہیں اور کوئی شخص ایک روپے بے مقصد خرچ کرے تو اسراف ہے۔

حضرت تھانویؒ مکان کی تعمیر وغیرہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک درجہ رہائش کا ہے کہ سر چھپ جائے اور گرمی سردی سے آدمی بچ جائے، دوسرا درجہ آسائش کا ہے کہ سہولت بھی ملے، تیسرا درجہ زیبائش و آرائش کا ہے کہ اچھا لگے۔ یہ تینوں چیزیں درست ہیں۔ چوتھا درجہ نمائش کا ہے، یعنی لوگوں کو دکھلاوا اور ریاکاری، یہی چیز ناجائز ہے، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔(۳)

(۵) لباس کے بارے میں ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ لباس اپنی وضع قطع میں غیر مسلم اور فاسق فاجر اقوام کی لباس و پوشاک کے مشابہ نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: جس مسلمان نے لباس وغیرہ میں کسی غیر مسلم قوم سے

---

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۹/ ۵۰۵، تكملة فتح الملهم، كتاب اللّباس والزينة، باب تحريم استعمال أواني الذهب: ۴/ ۸۸

(۲) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۹/ ۵۰۶، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس مايكره من ذلك ومالايكره: ۵/ ۳۳۳

(۳) الأنعام: ۱۴۱، اشرف التوضیح، کتاب اللّباس، پانچواں اصول: ۳/ ۲۷۸، ۲۷۹، تكملة فتح الملهم، كتاب اللّباس والزينة، باب تحريم استعمال أواني الذهب: ۴/ ۸۸

مشابہت اختیار کی تو وہ ہماری ملت میں سے نہیں۔(۱)

(۶) لباس میں مرد عورتوں اور عورتیں مردوں کے مشابہ نہ ہوں۔رسول اللہ ﷺ نے ایسے مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو مخنث بنتے ہیں، یعنی عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں جیسا بننے کی کوشش کرتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو خالص زرد رنگ اور زعفران میں رنگے ہوئے کپڑوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔اسی طرح خالص سرخ رنگ کے استعمال کو بھی ناپسند فرمایا ہے۔(۲)

(۷) لباس کا مقصد شہرت، ریا، تکبر، خود پسندی، فخر اور سرکشی نہ ہو، نہ ہی اس کا مقصد کسی کی تحقیر یا کسی کی دل آزاری ہو۔ امام بخاریؒ نے آپ ﷺ کے قول مبارک "کلوا واشربوا وتصدقوا من غیر إسراف و لا مخیلة". پر کتاب اللباس میں مستقل باب باندھا ہے کہ زیب وزینت حلال ہے، لیکن اسراف اور فخر وتکبر سے بچنا ضروری ہے۔(۳)

(۸) لباس قرآن وحدیث کے صریح جزئیات کے مخالف نہ ہو، مثلاً ریشمی لباس کا استعمال، یا مردوں کے لئے ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانا، یا ایسے لباس کا استعمال جس پر تصاویر ہوں۔(۴) یا ایسا لباس جس پر قرآنی آیات وغیرہ لکھے گئے ہوں۔(۵)

(۹) لباس سہولت والا ہو، یعنی ایسا لباس نہ ہو جس کو باندھنے میں مشقت اور تکلف کا سامنا کرنا پڑے، لہٰذا جو شخص عربوں کا لباس یعنی چادر اور لنگی اچھے طریقے سے استعمال نہ کر سکے تو اس کے لیے قمیص اور شلوار ہی زیادہ بہتر ہے کہ ایک مرتبہ پہن کر کھلنے اور ڈھیلا ہونے سے بے فکر ہو جائے گا۔یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قمیص زیادہ پسند تھی، اگرچہ

(۱) خلیل أحمد سهارنپوري، بذل المجهود في حل أبي داؤد، كتاب اللّباس، باب في لبس الشهرة: ۳۵۶/۱۶، دار اللوآء، الرياض، تكملة فتح الملهم، كتاب اللّباس و الزينة، باب تحريم استعمال أواني الذهب: ۸۸/٤

(۲) الصحيح للبخاري، كتاب اللّباس، باب المتشبهين بالنساء و باب اخراج المتشبهين بالنساء ......: ۸۷٤/۲، و باب الثوب المزعفر و باب التزعفر للرجال: ۸٦۹/۲، و باب الثوب الأحمر مع حاشيته: ۸۷۰/۲، تكملة فتح الملهم حواله بالا: ۸۹/٤

(۳) الصحيح للبخاري، كتاب اللّباس، باب قول الله: قل من حرم زينة......: ۸٦۰/۲، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس: ۵۰۵/۹، مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۵۳۲/۲

(٤) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس: ۵۰٦/۹، الصحيح للبخاري، كتاب اللّباس، باب التصاوير: ۸۸۰/۲

(۵) الفتاوی البزازية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الفصل السابع في اللبس: ۳٦۹/٦

استعمال کرنے کا موقع کم ملا۔اسی طرح آپ ﷺ سے شلوار خریدنا بھی ثابت ہے کہ اس میں ستر اور سہولت دونوں کا معنی زیادہ پایا جارہا ہے۔(۱)

مردوں کے لیے ریشم کا استعمال:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونا اور ریشم میری امت کی خواتین کے لیے حلال ہے اور مردوں کے لیے حرام ہے۔(۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص دنیا میں ریشمی لباس پہنے، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔(۳)

اس لیے اصولی طور پر فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ مردوں کے لیے ریشمی لباس کا استعمال جائز نہیں، البتہ اس سے چند صورتیں مستثنیٰ ہیں:

(۱) صاحبینؒ کے ہاں جنگ میں تلوار وغیرہ سے بچاؤ کی خاطر خالص ریشم کا استعمال جائز ہے۔اس کے علاوہ ریشم کی چمک دمک سے دشمن پر نفسیاتی طور پر رعب بھی طاری ہوتا ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے ہاں خالص ریشم والے کپڑے کی بجائے ایسا کپڑا استعمال کرے، جس کا صرف تانا یا صرف بانا ریشم کا ہو یعنی ریشم کی مقدار غالب نہ ہو۔

(۲) مردوں کے لیے اپنی قمیص، کرتے، دامن، چادر، پگڑی، جبے، ٹوپی وغیرہ کے کناروں پر سونے چاندی کے تاروں یا ریشم کی کشیدہ کاری جائز ہے، بشرط یہ کہ کشیدہ کاری کا کام چوڑائی میں چار انگلیوں کی مقدار سے زیادہ نہ ہو، اگرچہ لمبائی میں زیادہ ہو۔علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ ریشم وغیرہ کی اتنی قلیل مقدار رسول اللہ ﷺ نے بھی استعمال فرمائی ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کے جبہ مبارکہ پر ریشم کی کشیدہ کاری ہوئی تھی۔اسی طرح ہر دور میں اس مقدار کے استعمال پر بلا نکیر عمل ہو رہا ہے، لہٰذا یہ اجماع ہے۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اگر متفرق جگہوں میں تھوڑا تھوڑا ریشم استعمال ہوا ہو تو ان کو جمع نہیں کیا جائے گا،

---

(۱) مشكوة المصابيح، كتاب اللّباس، الفصل الثاني،عن أم سلمة:۲/۳۹٦،مكتبه حقانيه،پشاور

(۲) جامع الترمذي،أبواب اللّباس عن رسول اللهﷺ،باب ماجاء في الحرير والذهب للرجال:۱/۴۳۵

(۳) الصحيح للبخاري، كتاب اللّباس،باب لبس الحرير وافتراشه للرجال:۲/۸٦۷

(۴) بدائع الصنائع،كتاب الإستحسان:٦/۵۲۰،الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة،فصل في اللبس:۹/۵۰٦

یعنی صحیح قول کے مطابق ایک جگہ چار انگلیوں کی مقدار استعمال کرنا مکروہ ہے، مختلف جگہوں میں استعمال مکروہ نہیں۔(۱)

(۳) جلد کی بیماری، خارش یا جوؤں کی شکایت کے وقت بھی ریشم کا استعمال جائز ہے۔(۲)

(۴) آنکھوں کی بیماری کے وقت اگر سیاہ ریشم کو آنکھوں پر باندھنے کی ضرورت پڑے تو استعمال جائز ہے۔(۳)

مردوں کے لیے ریشم کے جواز وعدم جواز کا قاعدہ کلیہ:

فقہائے کرام کے ہاں ریشمی کپڑے کا استعمال مردوں کے لیے دو صورتوں میں ناجائز ہے۔

(۱) اس کو بطور لباس استعمال کیا جائے، چاہے ریشم جسم کے کسی حصے کو چھو رہا ہو یا نہیں۔(۴)

(۲) ایسے طور پر استعمال کیا جائے جس کو عرف میں لباس کے مشابہ سمجھا جا رہا ہو یعنی کسی درجے میں پہننے کی صورت پائی جا رہی ہو، لہٰذا ریشمی بنیان (بطانۃ)، قمیص، کمر بند (حمائل)، ازار بند یا ناڑہ (التکۃ)، لحاف یعنی کمبل، ٹوپی، عمامہ اور تعویذ لٹکانے کے لیے لفافہ وغیرہ جیسی چیزوں کا استعمال ناجائز ہے۔ اسی طرح بلا ضرورت ریشمی پٹی سے زخم باندھنا بھی ناجائز ہے۔

اس کے برعکس جن صورتوں میں لباس سے مشابہت نہیں پائی جاتی ہو اور استعمال کرنے والے کی نیت فخر وتکبر کی نہ ہو تو وہاں ریشم کا استعمال اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز رہے گا، جیسے گھریلو استعمال کے پردے، ریشمی تولیہ یا رومال (خرقۃ الوضوء أو العرق)، ریشمی مچھردانی (کلۃ الدیباج)، جیب کے اندر رکھا جانے والا بٹوہ (کیس الدراھم)، جائے نماز یعنی مصلی (سجادۃ)، لکھنے کے لیے بنایا جانے والا ریشمی کپڑا (ورق الحریر)، قرآن کریم یا کتابوں کا حفاظتی کور (کیس المصحف)، برتنوں کو ڈھانپنے والا ریشمی کپڑا، کپڑوں کی ریشمی تھیلی وغیرہ؛ تمام چیزیں استعمال کرنا جائز ہے، البتہ اگر ان اشیا کے استعمال سے حتی الوسع گریز کیا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں ریشمی تکیے، بستر اور نیچے بچھائی جانے والی رضائی کا استعمال بھی جائز ہے، اس لیے کہ صحابہ کرامؓ سے ان اشیا کا استعمال ثابت ہے اور ان صورتوں میں ریشم کے اوپر بیٹھنا لازم آتا ہے، لہٰذا ریشم کی عظمت

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الإستحسان: ۵۲۱/۶، الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في اللبس: ۵۰۶/۹، ۵۰۷، ۵۱۱

(۲) الأشباہ والنظائر لابن نجیم، الفن الثاني، کتاب الحظر والاباحۃ: ص۱۵۹، ایچ ایم سعید، کراچي

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في اللبس: ۵۱۱/۹

(۴) الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في اللبس: ۵۰۶/۹

بھی نہیں پائی جاتی۔تاہم صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں ان اشیا کا استعمال بھی کسی نہ کسی درجے میں لباس کے مشابہ ہے، لہٰذا اختلاف سے بچنے کے لیے احتراز بہتر ہے۔(۱)

بچوں کے لیے ریشم کا لباس:

فقہاے کرام فرماتے ہیں کہ جو امور شرعاً مردوں کے لیے حرام ہیں، وہ بچوں کے لیے بھی حرام ہیں، اس لیے کہ وہ بھی ذکور اور مذکر کے تحت آتے ہیں، لہٰذا ریشم اور سونے وغیرہ کی حرمت میں ان کا حکم بالکل مردوں جیسا ہے، البتہ گناہ ان لوگوں کے ذمے ہوگا جنہوں نے ان کو مذکورہ اشیا پہنائی ہوں، اگرچہ پہنانے والوں کے لیے خود پہننا جائز ہی کیوں نہ ہو، مثلاً ماں، بہن وغیرہ کے لیے خود پہننا جائز ہے، لیکن بچوں کو پہنانا جائز نہیں۔(۲)

مردوں کے لیے ٹخنے چھپانے کا حکم:

شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکانا تکبر کی علامت سمجھی جاتی ہے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

’’جو شخص تکبر کے ارادے سے تہبند یا شلوار وغیرہ لٹکائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا‘‘۔(۳)

فقہاے کرام کے ہاں اس میں کچھ تفصیل ہے۔اگر کوئی شخص اس کو عادت بنائے اور تکبر کرتے ہوئے قصداً پائجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھے تو یہ صورت ناجائز اور حرام ہے۔اگر سرکشی اور تکبر نہ ہو، صرف غفلت اور سستی ہو تو بھی مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر کوئی ضرورت درپیش ہو تو اجازت ہے۔مردوں کے لیے نصف پنڈلی تک شلوار رکھنا مستحب ہے، البتہ عورتیں شلوار کو خوب نیچے رکھیں گی، تاکہ پاؤں کا ظاہری حصہ بھی کسی کو نظر نہ آئے۔(۴)

❁❁❁❁❁

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس:۹/۵۰۹_۵۱۳، الفتاوی الهندية، کتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس مایکره من ذلك ومالایکره:۵/۳۳۱، بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان:۶/۵۲۰_۵۲۲

(۲) الفتاوی الهندية، کتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس:۵/۳۳۱، بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان:۶/۵۲۰، الأشباه والنظائر لابن نجيم، الفن الثاني، کتاب الحظر والاباحة:ص۱۵۹

(۳) الصحيح للبخاري، کتاب اللباس، باب من جرّ ثوبه من الخيلاء:۲/۸۶۱

(٤) الفتاوی الهندية، کتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس:۵/۳۳۳

باب اللّباس

(لباس سے متعلقہ مسائل)

لباس کے لیے شرعی ضابطے

سوال نمبر (43):

مرد اور عورت کے لیے کپڑے بنانے میں کن کن امور کی رعایت ضروری ہے؟ نیز نئے لباس پہننے میں کوئی کراہت ہے یا نہیں؟ بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مرد اور عورت کے لباس میں درج ذیل امور کی رعایت شرعاً ضروری ہے:

(۱)......جسم کے جس حصے کا چھپانا لازمی ہے، اُس کو چھپانے والا ہو۔

(۲)......غیر مسلموں کی خاص وضع قطع کی عکاسی نہ کرتا ہو۔

(۳)......مرد کا لباس عورتوں اور عورت کا مردوں سے مشابہ نہ ہو۔

(۴)......مردوں کا لباس ریشم سے نہ ہو۔

(۵)......پاک چیز سے بنایا گیا ہو۔

(۶)......اس میں اسراف وتبذیر نہ ہو۔

نیز نیا یا خوبصورت لباس بنانا اور پہننا جائز ہے بشرطیکہ شہرت، ریا اور تکبر کا ذریعہ نہ بنے۔

والدّلیل علی ذلک:

لبس الثیاب الجمیلة مباح إذا لم یتکبر، وتفسیرہ أن یکون معها کما کان قبلها.(۱)

ترجمہ:

خوبصورت لباس پہننا مباح ہے، بشرطیکہ اس میں تکبر نہ کرے اور اس عدمِ تکبر کی مطلب یہ ہے کہ کپڑے پہن کر ویسا ہی رہے، جیسا کہ ان کپڑوں کے پہننے سے پہلے تھا۔

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب التاسع فی اللبس :۵/۳۳۳

کندھے پر رومال ڈالنا

سوال نمبر(44):

کندھے پر رومال یا چادر ڈالنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کا ثبوت سنت نبوی ﷺ یا آثار صحابہؓ سے ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

احادیث اور سیرت کی کتابوں میں حضور ﷺ کے کردار اور گفتار کے ہر زاویہ کو محفوظ کیا گیا ہے جو شمائل نبوی کے حوالے سے پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ ان میں آنحضرت ﷺ کے لباس کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ جہاں تک رومال اور چادر کا مسئلہ ہے تو حضور ﷺ کے بارے میں احادیث میں رداء (چادر) کے الفاظ صراحتاً استعمال ہوئے ہیں اور اس کے کم وکیف کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ایسے کپڑے کا استعمال فرمایا کرتے تھے جو رومال کے مشابہ ہوتا تھا، لہٰذا رومال کے استعمال کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔ نیز ہمارے علاقوں میں عموماً علما اور طلبہ اسے استعمال کرتے ہیں اس لیے اس کو صلحا کے لباس کا حصہ کہا جاسکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

روی ابن سعد عن عروة بن الزبير أن طول رداء النبي ﷺ أربعة أذرع، وعرضه ذراعان وشبر. وروي عن ابن عمرؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس رداءً مربعاً.(۱)

ترجمہ:

ابن سعد نے عروۃ بن زبیر سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ کی چادر کی لمبائی چار گز اور چوڑائی دو گز اور ایک بالشت تھی اور (دوسری روایت میں) ابن عمرؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ مربع چادر استعمال کرتے تھے۔

❁❁❁

---

(۱) سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، جماع أبواب سيرته صلى الله عليه وسلم في لباسه، الباب التاسع في ازاره: ۳۰۷/۷

سفید لباس پہننے کی اہمیت

سوال نمبر(45):

علمائے کرام سے یہ بات سنی جاتی ہے کہ لباس میں سفید رنگ بہ نسبت دوسرے رنگوں کے زیادہ باعث خیرو برکت ہے۔کیا یہ بات درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

احادیثِ مبارکہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوسرے رنگوں کی بہ نسبت سفید رنگ کو زیادہ پسند فرماتے تھے اور مرنے کے بعد بھی مردہ کو سفید رنگ کے لباس میں کفنانے کی ترغیب دی ہے۔اس لیے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ سفید رنگ کا لباس پہننا بہتر ہے۔خصوصاً دینی علم حاصل کرنے والے طلبہ اور علما کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن ابن عباس ؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :البسوا من ثیابکم البیض، فإنها من خیر ثیابکم، وکفنوا فیها موتاکم. (۱)

ترجمہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:تم سفید کپڑے پہنا کرو اس لیے کہ یہ تمہارے کپڑوں میں زیادہ بہتر ہیں اور اس میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔

❁❁❁

پگڑی کی شرعی مقدار

سوال نمبر(46):

پگڑی کی شرعی مقدار کیا ہے؟حضور ﷺ سے اس کے بارے میں کوئی روایت ثابت ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) سنن أبي داؤد، کتاب اللّباس، باب في البیاض:۲/۲۰۶

الجواب وباللہ التوفیق:

حضور ﷺ کے عمامہ کی خاص مقدار کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔معجم طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع کا ذکر آیا ہے۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے عمامہ کے متعلق کوئی حتمی مقدار معلوم نہ ہوسکی۔علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی بھی یہی رائے ہے۔البتہ ملا علی قاریؒ نے امام نوویؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دو پگڑیاں تھیں: ایک چھوٹی اور دوسری بڑی۔چھوٹی کی مقدار سات شرعی گز اور بڑی کی مقدار بارہ گز تھی۔علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی پگڑی عام حالت میں تین شرعی گز، عام نمازوں میں سات گز اور جمعہ اور عیدین میں بارہ گز ہوا کرتی تھی۔چونکہ پگڑی کی مقدار کسی صحیح حدیث سے متعین نہیں اس لیے اس سلسلے میں وسعت سے کام لینا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلك:

قال الشيخ شمس الدين الجزري: تتبعت قدر عمامة النبي صلى الله عليه و سلم، فتبين من كلام الشيخ محي الدين النوويؒ: أنها كانت على أنحاء: ثلاثة أذرع، وسبعة، واثنتي عشر من الذراع الشرعي، وهو النصف من ذراعنا و تلك الأخيرة كانت للعيدين .(۱)

ترجمہ:

شیخ شمس الدین جزریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی پگڑی کی مقدار کے بارے میں بہت تلاش کیا تو امام نوویؒ کے کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور ﷺ کی پگڑی مقدار کے اعتبار سے مختلف قسم کی تھی: تین شرعی گز، سات شرعی گز اور بارہ شرعی گز؛ اور شرعی گز ہمارے نصف گز کے برابر ہے۔یہ آخری قسم (یعنی بارہ ذراع والی پگڑی) عیدین میں استعمال کے لیے تھی۔

❁❁❁

سفید اور کالے رنگ کی پگڑی

سوال نمبر(47):

آج کل معاشرے میں لوگ مختلف رنگ کی پگڑیاں استعمال کرتے ہیں۔ان میں بعض لوگوں کا دعوی ہے کہ

(۱) انور شاہ کشمیری، فیض الباری، کتاب اللّباس، باب العمائم: ۳۷۵/٤

سفید رنگ کی پگڑی باندھنا افضل ہے جب کہ بعض کالی کو افضل سمجھتے ہیں، اِن میں کونسی بات درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

پگڑی باندھنا حضور ﷺ کی سنت ہے۔ جہاں تک پگڑی کے رنگ کا مسئلہ ہے تو رسول اللہ ﷺ سے مختلف رنگ کی پگڑیوں کا استعمال روایات میں منقول ہے۔ان میں سفید اور کالے رنگ کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں اس لیے سیاہ وسفید دونوں رنگ کی پگڑیاں آپ ﷺ سے ثابت ہونے کی وجہ سے مستحب ہیں۔ پھر بعض علمائے کرام نے سیاہ کو افضل قرار دیا ہے جب کہ بعض نے سفید کو۔ مشہور محقق شارحِ حدیث ملا علی قاری رحمہ اللہ سفید کو افضل قرار دیتے ہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

جاز لبس السواد في العمامة وغيرها وإن الأفضل البياض نظرا إلى أكثر أحواله عليه الصلاة والسلام فعلا وأمرا. (١)

ترجمہ: عمامہ یا دیگر لباس میں کالے رنگ کا استعمال جائز ہے اگر چہ اکثر حالات میں آپ ﷺ کے فعل اور حکم کی وجہ سے افضل سفید رنگ ہے۔

❁❁❁

سبز رنگ کی پگڑی باندھنا

سوال نمبر (48):

بعض لوگوں کا کہنا کہ آج کل سبز پگڑی باندھنا اچھا نہیں، کیونکہ یہ بدعتیوں کی نشانی ہے۔کیا یہ بات درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سبز رنگ کی پگڑی کا استعمال نبی کریم ﷺ سے کسی صحیح روایت میں ثابت نہیں۔علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے الحاوی للفتاویٰ میں لکھا ہے کہ سادات سبز رنگ کی پگڑی بطورِ علامت اور امتیاز کے استعمال کرتے تھے۔شریعت میں اس کا

(١) مرقاة المفاتيح ، المناسك، باب حرم مكة: ٥/٥٩٩

کوئی ثبوت نہیں، البتہ بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے سبز رنگ کی پگڑی استعمال فرمائی ہے۔

نیز بیہقی میں بروایت انس رضی اللہ عنہ یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو سبز رنگ سب سے زیادہ پسند تھا، لہٰذا سبز رنگ کی پگڑی کو دوسرے رنگوں پر ترجیح دیے بغیر اگر کوئی استعمال کرے تو جائز ہے۔ ہاں اگر کوئی اسے اپنا شعار اور امتیازی علامت بنادے اور دوسرے رنگوں پر اس کو ترجیح اور فوقیت دے تو ایسی صورت میں اس کا استعمال بدعت کہلائے گا کیونکہ کسی مباح چیز کا التزام بدعت بن کر قابل ترک ہوتا ہے۔

والدّليل على ذلك:

عن سليمان بن أبي عبد الله قال: أدركت المهاجرين الأولين يعتمون بعمائم كرابيس سود، وبيض، وحمر، خضر، وصفر. يضع أحدهم العمامة على رأسه ويضع القلنسوة فوقها، ثم يدير العمامة هكذا.(۱)

ترجمہ: سلیمان بن ابی عبداللہ سے روایت کیا گیا ہے کہ میں نے مہاجرین اولین کو دیکھا کہ وہ کالے، سفید، سرخ، سبز اور زرد رنگ کے کپڑے کی پگڑیاں باندھتے تھے۔ پہلے سر پر عمامے کا کپڑا رکھتے، پھر ٹوپی اس کے اوپر رکھتے اور پھر اس پر اس طرح پگڑی باندھتے تھے۔

پگڑی کے شملے کی مقدار

سوال نمبر (49):

مسنون پگڑی (عمامہ) میں شملے کی مقدار کیا ہونی چاہیے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عمامہ باندھنا ایک سنت عمل ہے۔ عمامہ میں ایک طرف شملہ ضرور رکھنا چاہیے۔ بعض روایات میں ایک شملہ کا سامنے اور دوسرے کا پیچھے کی طرف لٹکانے کا ذکر آیا ہے اور ایک روایت میں دائیں طرف لٹکانے کا بھی ذکر ہے۔

شملہ کی مقدار کتنی ہونی چاہیے؟ اس کے متعلق ایک ذراع، ایک بالشت اور چار انگلیوں کے بقدر مختلف اقوال

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة، کتاب اللّباس: ۵٤٥/۱۲

منقول ہیں، لیکن راجح قول ایک ذراع کا ہے۔البتہ شملہ اتنا لمبا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ نصف پشت سے تجاوز کر جائے۔

والدّليل على ذلك:

وإن المستحب إرسال ذنب العمامة بين الكتفين واختلفوا في مقدار ما ينبغي أن من يكون من ذنب العمامة منهم من قدره بشبر ومنهم من قال: إلى وسط الظهر ومنهم من قال: إلى موضع الجلوس.(١)

ترجمہ: مستحب یہ ہے کہ عمامہ کے طرف (یعنی شملہ) کو دونوں کندھوں کے درمیان لٹکائے۔اس کے لٹکانے کی مقدار کے بارے میں علما کا اختلاف ہے۔بعض نے ایک بالشت کے برابر مقدار مقرر کی ہے، بعض نے کہا ہے کہ پشت کے نصف تک ہو، جب کہ بعض نے بیٹھنے کی جگہ تک کہا ہے۔

❁❁❁

بچوں کو کارٹون والے کپڑے پہنانا

سوال نمبر(50):

آج کل مارکیٹوں میں بچوں کے تیار کپڑے ملتے ہیں۔ان پر اکثر کارٹون وغیرہ ہوتے ہیں۔کیا ایسے کپڑے بچوں کو پہنانا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

چھوٹے بچے اگر چہ مکلّف نہیں ہیں، لیکن ان کو ایسے کپڑے پہنانا جن میں مختلف قسم کے جانوروں کی تصاویر ہوں، درست نہیں کیونکہ تصاویر کی وجہ سے رحمت کے فرشتے گھر میں نہیں آتے۔اس لیے چھوٹے بچوں کو ایسے کپڑے پہنانے سے احتراز کرنا چاہیے۔ایسے کپڑے بچوں کو پہنانے کی صورت میں گناہ بچوں پر عائد نہ ہوگا، بلکہ پہنانے والا گناہ گار ہوگا۔ہاں اگر کارٹون سے کوئی تصویر نمایاں نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، لیکن چونکہ عالمی میڈیا کے کارٹونوں کے پیچھے کوئی نہ کوئی نظریہ کار فرما رہتا ہے، اس لیے اجتناب بہر حال بہتر ہے۔

---

(١) المحيط البرهاني في الفقه النعماني، الكراهية والاستحسان، الفصل العاشر ٧٤/٦

والدلیل علی ذلك:

وما یکرہ للرجال لبسه یکرہ للغلمان و الصبیان......والإثم علی من ألبسهم؛لأنا أمرنا حفظهم.(۱)

ترجمہ: جس لباس کا پہننا مردوں کے لیے مکروہ ہے، وہ لڑکوں اور بچوں کے لیے بھی مکروہ ہے......اور انہیں پہنانے کا گناہ پہنانے والے پر ہوگا اس لیے کہ ان کی حفاظت پر ہم مامور ہیں۔

۞۞۞

عورتوں کے لیے باریک کپڑا زیب تن کرنا

سوال نمبر(51):

کچھ عورتیں باریک کپڑے پہنتی ہیں جن میں جسم کا اکثر حصہ نظر آتا ہے۔ایسے کپڑے قابل استعمال ہیں یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسلمان عورت کو ایسا لباس پہننے کا حکم ہے جس میں اس کا جسم چھپا ہوا ہو اور چہرے، ہتھیلیوں اور پاؤں کے قدموں کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔ جو لباس اتنا باریک ہو کہ اُس میں جسم کا اندرونی حصہ نظر آرہا ہو اُس کا استعمال شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

والدلیل علی ذلك:

عن عائشة: أن أسماء بنت أبي بكر دخلت علی رسو ل اللہ ﷺ وعلیها ثیاب رقاق، فأعرض عنها رسول اللہ ﷺ، وقال: یاأسماء! إن المرأۃ إذا بلغت المحیض، لم یصلح لها أن یری منها إلا هذا، وهذا،وأشار إلی وجهه و کفیه.(۲)

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب التاسع فی اللبس: ۵/۳۳۱

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فیما تبدی المرأۃ: ۲/۲۱۱

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ اسماء بنت ابی بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس حالت میں آئی کہ وہ باریک کپڑے پہنے ہوئی تھی، حضور ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ دکھائی دے، سوائے دو جگہوں کے۔ حضور ﷺ نے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

عورت کے لیے کاٹن کے کپڑے استعمال کرنا

سوال نمبر (52):

بعض عورتیں گرمی کے موسم میں عموماً کاٹن کے کپڑے استعمال کرتی ہیں، جن میں بسا اوقات بدن نظر آتا ہے اور تنگ سلائی کی وجہ سے جسم کے اعضا بھی واضح نظر آتے ہیں۔ ایسے کپڑوں کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عورت کا معنی ہی 'پردہ' ہے اس لیے اسلام نے عورت کو خصوصی طور پر پردہ کا تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ اس کی عفت وعصمت ہر قسم کے شر وفتنہ سے محفوظ رہے۔ ایسے ملبوسات کا استعمال جو عورت کے لیے بے حیائی کا سبب ہو، ناجائز اور حرام ہے۔ لہٰذا عورت کے لیے ایسے کاٹن کا کپڑا استعمال کرنا جس میں باریکی اور تنگ سلائی کی وجہ سے اعضا کی شناخت ہو رہی ہو، درست نہیں۔ تاہم اگر کاٹن کا کوئی ایسا کپڑا ہو جس میں چمڑے کا رنگ معلوم نہ ہوتا ہو اور اعضا کی شناخت بھی نہ ہوتی ہو یا یہ کہ بدن کو کسی اندرونی کپڑے سے چھپا کر اوپر باریک کپڑا پہنا ہو تو اس کا استعمال جائز رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صنفان من أهل النار لم أرهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤسهن كأسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا. (۱)

قال النووي في شرح "كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ": وقيل: معناه تلبس ثوبا رقيقا يصف لون بدنها. (۲)

(۱) صحيح مسلم، اللّباس والزينة، النساء الكاسيات العاريات: ۲/۲۰۵

(۲) شرح النووي على مسلم: ۵۷۷۳/۹

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جہنمیوں میں سے دو قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ میں نے ابھی تک اُنہیں نہیں دیکھا ہے: ایک وہ لوگ جن کے پاس گائے کی دُم جیسے کوڑے ہیں اور اُن سے لوگوں کو مارتے ہیں، دوسری وہ عورتیں جو لباس پہنے ہوئی ہیں لیکن برہنہ ہیں، لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں اور خود بھی لوگوں کی طرف مائل ہوتی ہیں، اُن کے سر بختی اونٹوں کے کوہانوں جیسے ہیں۔ یہ نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ ہی جنت کی بو سونگھیں گی، حالانکہ جنت کی بو اتنے اتنے (یعنی بہت زیادہ) فاصلے سے سونگھی جاسکتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ کاسیات عاریات کی تشریح میں فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے باریک کپڑے پہنتی ہیں کہ اُس میں بدن کا رنگ معلوم ہوتا ہے۔

❁❁❁

عورت کے لیے بریزر استعمال کرنا

سوال نمبر(53):

عورتیں عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے پستانوں پر بریزر (سینہ بند) باندھتی ہیں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عورت کے لیے ایسا لباس پہننا ناجائز ہے جس سے اعضا کا حجم نمایاں ہو۔ اس لیے اگر کوئی عورت سینہ بند کا استعمال اِس طور پر کرتی ہو کہ اُس سے پستانوں کا حجم کپڑوں میں ظاہر ہو رہا ہو تو یہ جائز نہیں۔ اور اگر یہ قباحت نہ ہو، محض جسم کی حفاظت کے لیے استعمال کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

لا یحل النظر إلی عورۃ غیرہ فوق ثوب ملتزق بها یصف حجمها. (۱)

ترجمہ:

کسی کی عورت پر ایسا کپڑا ہو کہ وہ عورت سے ایسے چپکا ہو کہ اُس کا حجم ظاہر کر رہا ہو؛ تو اُس کو دیکھنا جائز نہیں۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظروالاباحۃ، فصل فی النظر والمس : ۵۲۶/۹

پینٹ شرٹ کا استعمال

سوال نمبر(54):

عموماً پبلک سکول میں طلبہ کے لیے پینٹ شرٹ کو لازم قرار دیا جاتا ہے اور اس کے بغیر داخلہ ناممکن ہوتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ کیا اس حالت میں پینٹ شرٹ کا استعمال صحیح ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

موجودہ دور میں پینٹ شرٹ اگرچہ زیادہ تر غیر مسلم ممالک میں رائج ہے،لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض مسلم ممالک میں بھی اچھے خاصے لوگ پینٹ شرٹ استعمال کرتے ہیں،چونکہ یہ غیر مسلموں کا مذہبی لباس نہیں،اس لیے اس کو مذہبی شعار کہنا درست نہیں،تاہم ہمارے معاشرہ میں اسے مغربی لباس سمجھا جاتا ہے اور اس کے استعمال سے ایسے لوگوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے،جو مغربی تہذیب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں،اس لیے کسی ضرورت کے بغیر اس کا پہننا جائز ہے لیکن نہ پہننا بہتر و مستحسن ہے اور جہاں سکول،کالج یا ملازمت میں بطور وردی استعمال کرنا ضروری ہو وہاں بوجہ ضرورت کوئی حرج نہ ہوگا۔

یاد رہے کہ یہ حکم اس پینٹ کے بارے میں ہے جو اتنا چست نہ ہو کہ جسم کے اعضا کا حجم اُس میں نظر آئے۔ چنانچہ اگر کوئی لباس اتنا تنگ ہو کہ اس میں جسم کے اعضا کا حجم نظر آتا ہو تو اُس کا پہننا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

لا یحل النظر إلی عورۃ غیرہ فوق ثوب ملتزق بھا یصف حجمھا.. (۱)

ترجمہ:

کسی کی عورت پر ایسا کپڑا ہو کہ وہ عورت سے ایسے چپکا ہو کہ اُس کا حجم ظاہر کر رہا ہو؛ تو اُس کو دیکھنا جائز نہیں۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظروالاباحۃ، فصل فی النظر والمس : ۵۲۶/۹

مردوں کے لیے ریشمی لباس پہننا

سوال نمبر(55):

مرد کے لیے ریشمی لباس پہننے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ جو مقدار معاف ہے، برائے کرم اس کا تعیین فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

سونا اور ریشم ایسی چیزیں ہیں کہ اِن کا استعمال صرف عورتوں کے لیے جائز ہے، مردوں کے لیے دنیا میں اس کا استعمال جائز نہیں۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ مردوں کو ان کا حصہ عنایت فرمائیں گے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے، آپ ﷺ کے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں سونا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں، عورتوں کے لیے جائز ہیں۔'' اِس روایت سے مطلقاً حرمت معلوم ہوتی ہے البتہ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایسا جبہ زیب تن فرمایا جس کے کنارے ریشم کے تھے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی مقدار میں اجازت ہے۔ فقہائے کرام نے اس کی مقدار تین یا چار انگلیوں کے برابر بتائی ہے۔ جیسے ریشم کا فیتہ یا جھالر ہو تو جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

لا یحل للرجال لبس الحریر...... إلّا أن القلیل عفو، وھو مقدار ثلاثة أصابع أو أربعة کالأعلام والمکفوف بالحریر، لما روي أنه علیه السلام نھی عن لبس الحریر إلاموضع أصبعین أو ثلاثة أو أربعة أراد الأعلام، وعنه علیه السلام أنه کان یلبس جبة مکفوفة بالحریر.(۱)

ترجمہ: مردوں کے لیے ریشم پہننا حلال نہیں...... البتہ تھوڑی مقدار معاف ہے اور وہ تین یا چار انگلیوں کی مقدار ہے، جیسے نقش ونگار یا ریشم کے کنارے، کیونکہ یہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ریشم کے کپڑے سے منع فرمایا البتہ دو یا تین یا چار انگلیوں کی مقدار کو مستثنیٰ کیا۔ اِس سے آپ کی مراد نقش ونگار تھا۔ آپ ﷺ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ ایسا جبہ پہنتے تھے جس کا جھالر ریشم کا تھا۔

❁❁❁

(۱) الھدایة، کتاب الکراھیة، فصل فی اللبس: ٤/٤٥٦

شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکانا

سوال نمبر (56):

بعض لوگ شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کے عادی ہوتے ہیں۔اس کے متعلق شرعی حکم واضح فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکانا چونکہ تکبر کی علامت سمجھی جاتی ہے اور تکبر اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اس لیے احادیث مبارکہ میں تہہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے پر سخت وعید آئی ہے۔ اگر کوئی شخص اس کو عادت بنائے اور غرور و تکبر کی نیت سے قصداً پائچے ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہو تو یہ ناجائز اور حرام ہے اور اگر غرور و تکبر کی نیت نہ ہو تو حرام اگرچہ نہیں لیکن کراہت سے پھر بھی خالی نہیں اس لیے احتیاط کرنی چاہیے۔ بالخصوص نماز چونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و انکساری کی عبادت ہے اس لیے نماز میں بہر حال تکبر کے اِس منظر سے اجتناب کا اہتمام کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن ابی ھریرۃؓ: أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال :لا ینظر اللّٰہ یوم القیامة إلی من جرّ إزاره بطراً.(۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا جو تکبر کے طور پر تہہ بند لٹکائے گا۔

إسبال الرجل إزاره أسفل من الكعبين إن لم يكن للخيلاء، ففيه كراهة تنزيه.(۲)

ترجمہ: کسی شخص کا ٹخنوں سے نیچے تہہ بند لٹکانا اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو، تو اِس میں کراہت تنزیہی ہے۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب اللّباس ،باب من جرثوبه من الخيلاء :۸٦١/٢

(۲) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع فی اللبس :٣٣٣/٥

بابُ الحجاب

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

حجاب یعنی پردہ شریعتِ مطہرہ کے امتیازی امور میں سے ایک اہم امر ہے۔ چونکہ عورت معاشرے کا ایک اہم فرد ہے اور پورے معاشرے کے امن وامان اور عزت وناموس کا دارومدار عورت کی حیا پر مبنی ہے، اس لیے حیا اور پردے کو عورت کا طبعی تقاضا اور فطرت بنادیا گیا ہے اور اس کو قرآن وحدیث میں جابجا اپنا بناؤ سنگھار چھپا کر رکھنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ کوئی بھی سلیم الفطرت عورت یہ نہیں چاہتی کہ اس کا جسم اجنبی مردوں کی غلط نگاہوں اور شہوانی حرکات کی آماجگاہ بنے اور محض لوگوں کی تفریحِ طبع کا سامان بن کر معاشرے میں اپنا حقیقی مقام کھو بیٹھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو چھپا کر رکھنے والی چیز قرار دے کر فرمایا کہ جب عورت (بلاضرورت) اپنے گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو گھور گھور کر دیکھنے لگ جاتا ہے۔

"إن المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان".(۱)

عورت کے لیے اصل تو یہ ہے کہ اس کا جسم ہروقت باپردہ اور مستور رہے، لیکن ہروقت جسم کو چھپا کر رکھنے میں حرج ہے اور رہن سہن، گھریلو اور معاشرتی ضروریات کے پیش نظر اس کا مختلف مردوں سے واسطہ بھی پڑتا ہے، اس لیے شریعت نے پردہ کا حکم دینے میں ضرورت، رشتہ داری اور فتنہ وفساد ہر ایک پہلو کو مدنظر رکھ کر ایک ٹھوس نظام مرتب کیا ہے، جس پر عمل پیرا ہونے کے بعد ایک پاک اور مستحکم معاشرہ کی تشکیل ممکن ہو سکے گی۔

حجاب کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

حجاب کا لغوی معنی ہے "چھپانا، منع کرنا"۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو دو چیزوں کے مابین حائل ہو جائے، حجاب کہلاتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں حجاب سے مراد وہ پردہ ہے جس کے بارے میں عورتوں کو حکم دیا گیا ہے، چونکہ شرعی پردہ ہوس اور شہوت کی نگاہوں کو عورتوں سے روکتا ہے، اس لیے اس کو حجاب (مانع) کہتے ہیں۔(۲)

---

(۱) جامع الترمذي،أبواب الطلاق والرضاع،باب ماجاء في كراهية الدخول على المغيبات،باب:۱/۲۲۲

(۲) الموسوعة الفقهية الكويتية،مادة حجاب:۱۷/۵

حجاب کی مشروعیت:

حجاب کا باقاعدہ حکم قرآنِ کریم کی اس آیت میں نازل ہوا:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾ (۱)

اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

مذکورہ آیت تین یا پانچ ہجری میں نازل ہوئی، جس میں پردے کا باقاعدہ حکم نازل ہوا۔اس کے علاوہ سورۂ نور کی مختلف آیات خصوصاً آیت نمبر ۳۰ اور ۳۱ میں بھی پردے سے متعلق اصول وضوابط ذکر کیے گئے ہیں۔

پردے کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم:

علامہ کاسانیؒ نے پردے کی مختلف صورتیں ذکر فرمائی ہیں اور پھر ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ تقسیم کر کے قرآن وحدیث اور دلائل عقلیہ سے ان کے احکام ذکر کیے ہیں۔ذیل میں اسی بحث کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

پردہ کرنے کی درج ذیل صورتیں ہیں:

(۱) مرد کا عورت کو دیکھنے اور چھونے کا حکم (۲) عورت کا مرد کو دیکھنے اور چھونے کا حکم

(۳) مرد کا مرد کو دیکھنے اور چھونے کا حکم (۴) عورت کا عورت کو دیکھنے اور چھونے کا حکم

(۱) مرد کا عورت کو دیکھنے اور چھونے کا حکم:

نکاح یا دوسری قرابتوں کی وجہ سے عورتوں کی مختلف قسمیں ہیں، چونکہ ان میں سے ہر ایک قسم کا حکم ایک دوسرے سے الگ الگ ہے، اس لیے اولاً ان عورتوں کی اقسام ذکر کرنا ضروری ہے۔علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کی سات قسمیں ہیں:

(۱) منکوحات یعنی نکاح میں آئی ہوئی عورتیں۔

(۲) مملوکات یعنی ذاتی باندیاں۔

(۳) ذی رحم محرم یعنی وہ عورتیں جو رشتہ دار بھی ہوں اور ہمیشہ کے لیے ان سے نکاح کرنا بھی حرام ہو، جیسے: ماں، بہن،

---

(۱) الاحزاب:۵۳

بیٹی، خالہ، پھوپھی۔

(۴) وہ عورتیں جو محرم ہوں لیکن ذی رحم نہ ہوں، یعنی ذاتی رشتہ داری اور خاندان میں تو نہ ہوں لیکن ان سے نکاح کرنا حرام ہو، جیسے: رضاعت اور مصاہرت (سسرالی رشتہ داری) سے حرام ہونے والی عورتیں۔

(۵) کسی اور شخص کی باندیاں (۶) آزاد اجنبی عورتیں جو نہ تو ذی رحم (رشتہ دار) ہوں اور نہ محرم (حرام)

(۷) وہ عورتیں جو ذی رحم یعنی رشتہ دار تو ہوں لیکن محرم نہ ہوں یعنی ان سے نکاح کرنا جائز ہو، جیسے: چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں وغیرہ کی بیٹیاں (۱)

(۱) منکوحات (بیویوں) کے احکام:

منکوحات یعنی نکاح میں آئی ہوئی عورتیں: شوہر کے لیے ان کو سر سے پاؤں تک دیکھنا، چھونا اور فائدہ اٹھانا جائز ہے، چاہے لباس کی موجودگی میں ہو یا غیر موجودگی میں، البتہ حالتِ حیض میں امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے ہاں صرف شلوار کے اوپر سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اس لیے کہ لباس کی غیر موجودگی میں ممکن ہے کہ حالتِ حیض میں جماع کرنے کی نوبت آئے اور ایسا کرنا حرام ہے۔ امام محمدؒ کے ہاں اگر کسی کو اپنے نفس پر قدرت حاصل ہو تو اس کے لیے جماع کے علاوہ باقی سب کچھ لباس کے بغیر بھی جائز ہے، تاہم احتیاط پر عمل کرنا زیادہ بہتر اور شرعی اصول کے موافق ہے۔ میاں بیوی کے لیے ایک دوسرے کی شرم گاہوں کو دیکھنا بھی جائز ہے، البتہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ نہ دیکھا کریں۔ مرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بیوی کے ساتھ غیر فطری شرم گاہ میں جماع کرلے۔ عورت کے لیے بھی اپنے شوہر کے تمام اعضا کو دیکھنا، چھونا اور فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ (۲)

(۲) مملوکات کے احکام:

مملوکات یعنی ذاتی باندیوں کے احکام منکوحات کی طرح ہیں، یعنی سر سے پاؤں تک ان کو دیکھنا، چھونا اور فائدہ لینا جائز ہے، بشرطیکہ کسی اور کے نکاح میں نہ ہوں۔

(۳) ذی رحم محرم عورتوں کے احکام:

آدمی کے لیے اپنی ذی رحم محرم عورتوں (ماں، بہن، بیٹی، خالہ، پھوپھی) کا سر، چہرہ، کان، سینہ، بازو، پستان،

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان: ۶/۴۸۳، ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر و الاباحة، فصل في النظر والمس: ۹/۵۲۴

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان: ۶/۴۸۴۔۴۸۷

پنڈلی اور پاؤں کو دیکھنا جائز ہے۔مذکورہ عورتوں کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جن اعضا کو بلاستر (لباس) دیکھنا جائز ہو توان کو چھونا بھی جائز ہوتا ہے۔

مذکورہ عورتوں کا یہ حکم قرآن کریم کی اس آیت سے جائز ہے:

﴿ولا یبدین زینتھن إلا لبعولتھن أو آباء ھن أو آباء بعولتھن﴾(۱)

اس کے علاوہ چونکہ ذی رحم محرم رشتہ داروں کا آپس میں شہوت اور فتنہ فساد نہیں ہوتا اور معاشرتی ضروریات کی کثرت کی وجہ سے ان کا باہمی اختلاط بھی زیادہ ہوتا ہے،اس لیے ان کے لیے مذکورہ اعضا کو دیکھنا اور چھونا جائز قرار دیا گیا۔مذکورہ عورتوں کے ساتھ سفر کرنا یا خلوت وتنہائی میں بیٹھنا بھی جائز ہے،تاہم اگر کہیں بھی شہوت کا خطرہ پیدا ہو تو یہ تمام افعال ناجائز اور حرام ہوں گے۔

مذکورہ عورتوں کے پیٹ،پشت اور ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے اعضا کو بلا حائل دیکھنا جائز نہیں،البتہ اگر لباس یا کپڑا وغیرہ موجود ہو اور کپڑوں کی موجودگی میں ان عورتوں کو ضرورت کی وجہ سے اٹھانا بٹھانا پڑے تو فتنے اور شہوت کی غیر موجودگی میں ایسا کرنا جائز ہے۔یہی احکام ذی رحم محرم مردوں کے لیے بھی ہیں یعنی عورتوں کے لیے اپنے ذی رحم محرم مردوں کے ساتھ دیکھنے اور چھونے کے جواز وعدم جواز میں یہی اصول کارفرما ہیں۔(۲)

(۴) وہ عورتیں جو محرم ہوں لیکن ذی رحم نہ ہوں:

ان کے احکام ذی رحم محرم عورتوں کی طرح ہیں۔

(۵) مملوکات الاغیار یعنی کسی غیر شخص کی باندیاں:

ان کے احکام بھی ذی رحم محرم عورتوں کی طرح ہیں،بشرط یہ کہ شہوت اور فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔(۳)

(۶) آزاد اجنبی عورتیں، جو نہ ذی رحم (رشتہ دار) ہوں اور نہ محرم (حرام):

آزاد اجنبی عورت کے ہاتھوں اور چہرے کے علاوہ بقیہ کسی بھی عضو ... امام ابوحنیفہؒ کے ہاں قدمین یعنی دونوں پاؤں بھی اس حکم میں داخل ہیں۔چونکہ مختلف طبعی اورمعا ... ں میں ان تین اعضا کو کھلا رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے ضرورت کی وجہ سے ان کو دیکھ ... یں شہوت پائی

(۱) النور:۳۱

(۲) بدائع الصنائع،کتاب الاستحسان:۶/۴۸۸-۴۹۰

(۳) بدائع الصنائع،کتاب الاستحسان:۶/۴۹۰،۴۹۱

جائے تو وہاں پر دیکھنا حرام اور ناجائز ہے۔(۱)

(۷) غیر محرم رشتہ دار عورتیں:

وہ عورتیں (چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد) جو رشتہ دار تو ہوں لیکن محرم نہ ہوں تو ان کو دیکھنے اور چھونے کے احکام بھی اجنبی عورتوں کی طرح ہیں۔(۲)

ضرورت کی وجہ سے دیکھنے کا حکم:

فقہاے کرام فرماتے ہیں کہ جہاں ضرورت موجود ہو تو وہاں شہوت کے اندیشے کے باوجود بقدر ضرورت دیکھنا جائز ہوتا ہے، جیسے: گواہی دیتے وقت قاضی کا کسی عورت کو دیکھنا، زنا کی گواہی قائم کرنے کے لیے زانی اور مزنیہ کو دیکھنا، نکاح کی نیت سے کسی عورت کو دیکھنا سب جائز ہیں۔(۳)

چہرے کا پردہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن وحدیث کی رو سے عورت کے لیے ضرورت اور دفع حرج کے طور پر اجنبیوں کے سامنے ہاتھ یا چہرہ کھولنے کی اجازت ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایسا کرنے کی مطلقاً رخصت اور اجازت ہے، یہ سب کچھ تب ہے جب کہ فتنے کا خوف نہ ہو اور انسان اپنے آپ کو اس سے مطمئن اور مامون پائے، لیکن اس سے کون دانا انکار کی جرأت کرسکتا ہے کہ بہت سے احکام ایسے ہیں کہ ان کی اساس سماجی اقدار پر ہوتی ہے۔اسی کو حضرت عائشہؓ جیسی بالغ نظر فقیہہ نے واضح طور پر فرمایا کہ گو حضور ﷺ نے عورتوں کو مسجد میں نماز کی ادائیگی کی اجازت دی ہے لیکن اگر آپ ﷺ آج کی عورتوں کے حالات دیکھتے تو ضرور ان کو منع فرمادیتے:

"لو أدرك رسول الله ﷺ ما أحدثت النساء لمنعهن".

چنانچہ ہمارے زمانہ کے سماج کے بارے میں یہ سمجھنا کہ مردوں کی نظر عورتوں کے چہروں پر غیر شرعی جذبات سے عاری ہو کر پڑے گی تو یہ محض خوش خیالی اور خام فکری کہلائے گی۔فقہاے حنفیہ میں سے علامہ کاسانیؒ اور علامہ حصکفیؒ وغیرہ نے باقاعدہ اس کی تصریح بھی کردی ہے کہ:

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان:٦/٤٩٢

(٢) بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان:٦/٤٩٧

(٣) بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان:٦/٤٩٢، ٤٩٣

"فحل النظر مقید بعدم الشهوة والإفحرام".(۱)

اجنبی عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنے کا حکم:

عورت کے لیے اجنبی مرد کے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے اعضا کے علاوہ بقیہ جسم کو دیکھنا جائز ہے بشرط یہ کہ شہوت اور فتنے کا خوف نہ ہو۔(۲)

غلام، خصی، عنین (نامرد) اور مخنث (ہیجڑے) سے پردے کا حکم:

مذکورہ احکام میں عام صحت مند آزاد مرد اور غلام، خصی، عنین اور مخنث کا حکم یکساں ہے۔(۳)

بچوں سے پردے کا حکم:

اگر بچہ اتنا چھوٹا یا شعوری طور پر اتنا کمزور ہو کہ وہ عورت کے مخصوص حالات وصفات اور حرکات سے بالکل بے خبر ہو اور اعضائے مستورہ (شرعاً چھپائے جانے والے اعضا) اور غیر مستورہ میں تمیز نہ کر سکے تو ان سے پردہ کرنا ضروری نہیں، البتہ قریب البلوغ اور صاحب تمیز بچے کے سامنے اعضاءِ زینت اور عورت ظاہر کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں، البتہ اگر عورت بوڑھی ہو اور شہوت کے قابل ہی نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔(۴)

بوڑھی عورت کے پردے کا حکم:

وہ خواتین جو بڑھاپے کی عمر تک پہنچ چکی ہوں تو ان کی کمزوری اور بڑھاپے کی وجہ سے ان کو یہ اجازت حاصل ہے کہ وہ اپنے اعضائے حجاب وزینت غیر محرم مردوں کے سامنے کھول سکتی ہیں، تاہم ایسا کرنے سے ان کا مقصد لوگوں کو اپنی زینت دکھانا نہ ہو۔ یہی قرآنی تعلیم ہے۔(۵)

ہاتھ، چہرے اور پاؤں کو چھونے کا حکم:

اجنبی عورت کے مذکورہ تین اعضا کو بلا شہوت دیکھنا تو جائز ہے، لیکن ان کو چھونا کسی بھی صورت جائز نہیں، اس

(۱) الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۵۳۲/۹، بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان: ۴۹۳/۶، قاموس الفقه، مادة حجاب: ۱۸۰/۳-۱۸۳

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان: ۴۹۳/۶

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان: ۴۹۴/۶ (۴) بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان: ۴۹۵/۶

(۵) النور: ۶۰، بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان: ۴۹۵/۶، ۴۹۶

لیے کہ دیکھنے میں ضرورت کا عمل دخل موجود تھا لیکن چھونے میں کوئی ضرورت نہیں۔(۱)

کپڑوں میں اجنبی عورت کو دیکھنا:

کپڑوں میں ملبوس اجنبی عورت کا لباس اگر چست اور نامناسب نہ ہو تو بلا شہوت اس کو دیکھنا جائز ہے اور اگر لباس انتہائی چست اور اعضا کی ساخت بیان کرنے والا ہو تو ایسے لباس میں اجنبی عورت کو دیکھنا ناجائز ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسی عورتوں کو حقیقت میں عاریات یعنی ننگی عورتیں کہہ کر تعبیر فرمایا ہے۔(۲)

عورت کی آواز کا حکم:

عورت کو شریعت نے بلند آواز کے ساتھ بات کرنے سے منع کیا ہے، اس طور پر کہ اجنبی مرد بھی اس کی آواز سن سکے۔اسی طرح عورت کے لیے اجنبی مردوں کے ساتھ ضرورت کے وقت نرم اور دلکش لہجے میں بات کرنا بھی ناجائز ہے، البتہ اگر ضرورت ہو، مثلاً گھر میں کوئی مرد نہ ہو اور دستک دینے والے کو جواب دینا ہو یا ٹیلیفون اٹھانا ہو تو سخت اور اجنبی لہجے میں بات کرنے کی اجازت ہے۔(۳)

عورت کے زیور کی آواز کا حکم:

غیر محرم مردوں کے سامنے ایسے زیور جو خود بخود بجتے ہوں یا ایک دوسرے کے ساتھ لگ جانے سے آواز پیدا کرتے ہوں، پہننا جائز نہیں۔اسی طرح جوتی مار کر زیور کی آواز کے ذریعے کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنا بھی جائز نہیں۔(۴)

مرد کا مرد کو دیکھنے اور چھونے کا حکم:

ایک مرد دوسرے مرد کے تمام اعضا کو دیکھ سکتا ہے، سوائے ناف اور گھٹنوں کے مابین حصہ کے، بشرطیکہ شہوت کا خوف نہ ہو۔حنفیہ کے ہاں گھٹنا ستر میں داخل ہے اور ناف داخل نہیں۔

ضرورت کا دائرہ کار اس سے الگ ہے، لہٰذا ضرورت اور علاج کے وقت کسی بھی عضو کو بقدرِ ضرورت دیکھا جاسکتا ہے۔(۵)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان:٦/٤٩٥

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان:٦/٤٩٦

(۳) أحکام القرآن للجصاص،ومن سورة الأحزاب،فصل:٣/٣٥٩

(٤) النور:٣١،أحکام القرآن للجصاص،ومن سورة الأحزاب،فصل:٣/٣٥٩

(٥) بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان:٦/٤٩٧

امرد کو دیکھنے کا حکم:

نابالغ بچہ یا امرد (بے ریش نوجوان) اگر عورتوں کی طرح قابل التفات وشہوت ہو تو اس کا حکم بھی عورتوں کا ہے، لہٰذا شہوت کی نظر سے اس کو دیکھنا ناجائز ہے۔ یہی حکم اس کے ساتھ بات چیت کرنے اور خلوت کا بھی ہے۔(۱)

مصافحہ، معانقہ اور تقبیل کا حکم:

مردوں کا آپس میں مصافحہ کرنا مسنون ہے، البتہ تقبیل (بوسہ لینے) سے متعلق اصول یہ ہے کہ تقبیل کی جو صورت قضائے شہوت اور تلذذ کے لیے وضع ہوئی ہو تو وہ مکروہ ہوگی، جیسے ہونٹوں یا رخساروں کا بوسہ لینا اور جو صورت برکت اور عزت کے لیے وضع ہوئی ہو، جیسے: ماتھے یا سر کا بوسہ لینا؛ تو یہ جائز ہوگی۔ معانقہ کے لیے بھی یہی اصول ہے۔ حنفیہ میں سے طرفین کے ہاں کراہتِ تقبیل سے مراد غالباً یہی شہوت اور تلذذ کی صورت ہوگی۔(۲)

عورت کا عورت کو دیکھنے اور چھونے کا حکم:

ایک مرد دوسرے مرد کے جن اعضا کو دیکھ اور چھو سکتا ہے، انہی اعضا کو ایک عورت دوسری عورت کا بھی دیکھ یا چھو سکتی ہے، یعنی ناف سے گھٹنے تک، بشرطیکہ شہوت کا شائبہ نہ ہو۔ ضرورت کے وقت ایک عورت دوسری عورت کے اعضاءِ مخصوصہ بھی دیکھ سکتی ہے، بلکہ علاج وتداوی کے وقت مرد کے لیے بھی بقدرِ ضرورت دیکھنے کی اجازت ہے۔(۳)

استیذان (اجازت لینے) کے احکام:

استیذان کا معنیٰ ہے اجازت طلب کرنا۔ چونکہ کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر داخل ہونے سے حجاب یعنی پردہ کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اس لیے فقہائے کرام "باب الحجاب" میں استیذان کے احکام بھی ذکر کرتے ہیں۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ کسی غیر کے گھر میں داخل ہونے والا شخص یا تو اجنبی ہوگا یا وہ گھر والوں کے محارم میں سے ہوگا، اگر اجنبی ہو تو اجازت طلب کیے بغیر اس کے لیے گھر میں داخل ہونا جائز نہیں، چاہے اس گھر میں کوئی

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۹/ ۵۲۴، ۵۲۵

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان: ۶/ ۴۹۷۔ ۴۹۹

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان: ۶/ ۴۹۹

رہائش پذیر ہو یا نہیں، اس لیے کہ گھر صرف افراد کے لیے ذریعہ حجاب نہیں، بلکہ یہ مال اور دوسرے گھریلو امور کے لیے بھی ذریعہ حجاب ہوتا ہے۔

گھر میں داخل ہوتے وقت سب سے پہلے اجازت لینی ضروری ہے، اس کے بعد سلام کرنا چاہیے۔ اگر کسی شخص کو اندر آنے کی اجازت نہ ملے تو اسے واپس جانا چاہیے۔ کسی کے دروازے پر بیٹھ کر انتظار کرنا یا اجازت پر اصرار کرنا مکروہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ اجازت لینے کے بعد واپس لوٹنا بہتر طریقہ ہے۔ یہ حکم تب ہے جب کسی کے گھر میں داخل ہونا محض ملاقات یا عام ضرورت کے لیے ہو، اگر کہیں کسی کے گھر کے اندر کوئی غیر شرعی فعل کھلم کھلا طور پر ہو رہا ہو یا کہیں قتل و غارت اور چوری یا ڈاکہ زنی ہو رہی ہو تو منع کرنے کی طاقت ہوتے ہوئے بلا اجازت اندر جانا ضروری ہے۔

اگر گھر میں داخل ہونے والا گھر کے محارم میں سے ہو، تب بھی اجازت لینا ضروری ہے، تا کہ وہ کسی کو ایسی حالت میں نہ دیکھے جس سے اس کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔

گھر کے دوسرے افراد کے لیے تین نجی اوقات میں یعنی فجر کی نماز سے پہلے، ظہر کے قیلولہ کے وقت اور عشا کی نماز کے بعد کسی کے ذاتی گھر یا کمرے میں داخل ہونا جائز نہیں۔ اس کے علاوہ اوقات میں گھر کے افراد کا ایک دوسرے کے پاس جانا جائز ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ تین اوقات میں بچوں کے لیے کسی کے گھر یا کمرے میں داخل ہونا تو جائز ہے، لیکن مناسب یہ ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کے لیے ان کو سمجھایا جائے کہ اس وقت کسی کے پاس جانا مناسب نہیں۔

عمومی استعمال والی جگہوں، مثلاً: حمام، دکان، بیت الخلا وغیرہ میں بلا اجازت داخل ہونا جائز ہے۔

گھر میں داخل ہونے کے بعد کے احکام:

کسی کے گھر میں داخل ہونے کے بعد اگر اجنبی عورت سے خلوت کی نوبت آئے تو مرد کے لیے ایسی خلوت ناجائز ہے، البتہ اگر محرم عورت سے خلوت کا موقع پیش آئے تو جائز ہونے کے باوجود خود کو بچانا زیادہ مناسب ہے۔(۱)

❁❁❁❁❁

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان: ۶/ ۴۹۹۔ ۵۰۲

بابُ الحجاب

(پردے سے متعلقہ مسائل)

پردہ کی شرعی حیثیت

سوال نمبر (57):

شرعی پردہ سے کیا مراد ہے؟ اس میں کون کون سی جگہوں کو ڈھانپنا ضروری ہے اور عورت کا چہرہ ہاتھ، پاؤں پردہ میں داخل ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سترِ عورت اور عورتوں کا حجاب (پردہ) دو الگ الگ چیزیں ہیں۔عورت عربی میں مرد وعورت کے بدن کا وہ حصہ ہے جس کا چھپانا شرعاً بھی فرض ہے اور عقلاً وطبعاً بھی۔اردو وفارسی میں اِسے ستر کہا جاتا ہے۔آزاد عورت کا سارا بدن ستر میں داخل ہے،سوائے چہرہ، ہتھیلی اور ٹخنوں تک پاؤں کے، یہ اعضا ستر سے مستثنیٰ ہیں۔یاد رہے کہ جن اعضا کا ستر ضروری ہے اُنہیں چھپانا محرم اور غیر محرم دونوں سے ضروری ہے۔

دوسرا مسئلہ حجاب و پردہ کا ہے کہ عورتیں اجنبی مردوں سے پردہ کریں۔اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ چہرہ ہتھیلیاں اور قدم ستر میں داخل نہیں، لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں پردہ سے بھی مستثنیٰ ہیں یا نہیں؟ تاہم اس پر علما کا اتفاق ہے کہ اگر چہرے اور ہتھیلیوں پر نظر ڈالنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو اُن کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔ظاہر ہے کہ حسن وزینت کا اصل مرکز انسان کا چہرہ ہے اور اس پر نظر ڈالنے سے فتنہ پیدا نہ ہونا شاذ ونادر ہی ہے، اس لیے عورت کو غیر محرم کے سامنے قصداً چہرہ کھولنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾ قال أبوبكر: في هذه الاية دلالة على أن المرأة الشابة مأمورة بستر وجهها عن الأجنبيين.(١)

---

(١) أحكام القرآن للجصاص، باب ذكر حجاب النساء، الأحزاب: ٣٧٢/٣

ترجمہ:

''عورتیں اپنی چادریں اپنے آپ پر نیچی کرلیا کریں'' امام ابوبکر الجصاصؒ فرماتے ہیں: یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جوان عورت اجنبی مردوں سے اپنا چہرہ چھپانے پر مامور ہے۔

❁❁❁

عورت کس سے پردہ کرے

سوال نمبر(58):

عورت کے لیے کن افراد سے شرعاً پردہ ضروری ہے؟ قریبی رشتہ داروں سے پردہ کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عورت معاشرے کا ایک اہم فرد ہے۔ معاشرے کا امن وامان اور عزت وناموس کا دارومدار اس کی حیاداری پرمبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے عورت کو دائمی عزت دلانے کی خاطر اس پر اجنبی مردوں سے پردہ کرنا لازمی قرار دیا ہے۔ تاہم محارم (وہ لوگ جن سے ہمیشہ کے لیے عورت کا نکاح حرام ہو) مثلاً: باپ، بیٹا، چچا، ماموں وغیرہ اور مجانین اور نابالغ بچوں سے پردہ ضروری نہیں۔ ان کے علاوہ تمام غیر محرم لوگوں سے پردہ ضروری ہے۔

جہاں تک ان قریبی رشتہ داروں کا تعلق ہے، جو غیر محرم ہوں لیکن بامر مجبوری اجتماعی مکان میں رہتے ہوں اور شوہر بیوی کے لیے علیحدہ مکان میں رہائش دینے سے قاصر ہو تو اگر فتنہ وفساد کا کوئی خطرہ نہ ہو تو مجبوری کے وقت چہرے، ہتھیلی اور پاؤں کا ان قریبی رشتہ داروں کے سامنے ظاہر ہونے کی گنجائش ہے، البتہ عورت کے لیے یہ بہرحال جائز نہیں کہ دیور، جیٹھ، شوہر کے بھانجے، بھتیجے، نندوئی اور دیگر غیر محارم کے سامنے اس کا گردن، پنڈلی یا سینہ وغیرہ کھلا رہے۔ نیز ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے اور ملنے سے بھی احتراز لازم ہے۔ اور اگر ان غیر محرم رشتہ داروں سے ملنے سے فتنہ وفساد یا کسی بھی جانب سے میلان کا کوئی خطرہ ہو تو پھر پردہ ضروری اور واجب ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿وَقُل لِلْمُؤمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ

أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَاءِ هِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ﴾(۱)

ترجمہ: اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی سجاوٹ کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں اور اپنی سجاوٹ اور کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ کے یا اپنے شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہر کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں یا اپنی بہنوں کے بیٹوں یا اپنی عورتوں کے یا ان کے جو ان کی ملکیت ہیں یا ان خدمت گاروں کے جن کے دل میں کوئی تقاضہ پیدا نہیں ہوتا یا ان بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے۔

❁❁❁

مشترکہ گھر میں شرعی پردے کا حکم

سوال نمبر(59):

شریعت نے غیر محارم سے پردے کا حکم دیا ہے۔ اگر ایک شخص کے گھر میں اس طرح ماحول ہو کہ وہاں پر چچازاد بہنیں، بھابھیاں اور دوسری غیر محارم خواتین بھی موجود ہوں اور ان کے والدین بھی شرعی پردے کے پابند نہ ہوں تو اس صورت میں ایسے شخص کے لیے والدین اور دیگر رشتہ داروں سے تعلقات قائم رکھنے کا شرعی طریقہ کار کیا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عورت کے لیے غیر محرموں سے پردہ کرنا ضروری ہے، لیکن جہاں کہیں مشترکہ خاندانی نظام ہو اور وہاں عورت کے لیے چہرہ چھپانا باعث حرج ہو یا قطع رحمی کا خطرہ ہو تو ایسے ماحول میں عورت کے لیے گھر میں موجود غیر محرم رشتہ داروں سے اس طرح پردہ لازم نہیں جیسے اجنبی مردوں سے لازم ہے۔ چنانچہ چہرہ یا ہتھیلی اگر اُن کے سامنے کھل جائے تو گناہ نہیں بشرطیکہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو اور غیر محرموں سے خلوت اختیار نہ کرے۔ چنانچہ اگر فتنہ وفساد میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو پھر پردہ واجب ہوگا۔

---

(۱) النور:۳۱

والدّلیل علی ذلك:

وأما النظر إلی الأجنبیات فنقول : یجوز النظر إلی مواضع الزینة الظاهرة منهن وذلك الوجه والكف فی ظاهر الروایة كذا فی الذخیرة ،وإن غلب علی ظنه أنه یشتهی فهو حرام كذا فی الینابیع. النظر إلی وجه الأجنبیة إذا لم یكن عن شهوة لیس بحرام لكنه مكروه كذا فی السراجیة۔ وروی الحسن عن أبی حنیفة رحمه الله تعالی یجوز النظر إلی قدمها أیضا.(۱)

ترجمہ: جہاں تک اجنبی عورتوں کو دیکھنے کا تعلق ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اجنبی عورت کی ظاہری زینت کی جگہ کو دیکھنا جائز ہے جو کہ ظاہر الروایۃ کے مطابق چہرہ اور ہتھیلی ہے۔ اسی طرح ذخیرہ میں بھی ہے۔ اور اگر کسی کا ظنِ غالب ہو کہ دیکھنے سے شہوت پیدا ہوگی تو پھر دیکھنا حرام ہے۔ اسی طرح ینابیع میں ہے۔ اجنبی عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا اگر شہوت سے نہ ہو تو حرام نہیں لیکن مکروہ ہے۔ اسی طرح سراجیہ میں ہے۔ اور حسن نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ اجنبی عورت کے قدم کو دیکھنا بھی جائز ہے۔

رضاعی بہن بھائیوں سے پردہ کرنا

سوال نمبر(60):

زید نے مدت رضاعت میں زینب کی ماں کا دودھ پیا ہے۔ اسی طرح زینب نے زید کی ماں کا دودھ پیا ہے۔ تو اب زید اور اس کے بھائیوں کا زینب اور اس کی بہنوں سے پردہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے نسب اور رضاعت کے احکام ایک جیسے ہوتے ہیں، لہٰذا جس طرح نسبی بہن بھائیوں کا آپس میں ایک دوسرے سے پردہ نہیں ہوتا، اسی طرح رضاعی بہن بھائیوں کا بھی ایک دوسرے سے پردہ نہیں۔

صورت مسؤلہ میں اگر زید اور زینب کے درمیان اس طرح رضاعت ثابت ہو کہ ایک دوسرے کی ماں کا دودھ پیا ہو تو زید کے لیے زینب کی تمام بہنیں نسبی بہنوں کی طرح ہیں، لہٰذا ان کے مابین پردہ کرنا واجب نہیں۔ اسی طرح

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الكراهیة، الباب الثامن،

زینب کے لیے زید کے تمام بھائی نسبی بھائیوں کی طرح ہیں، لہٰذا ان کے مابین بھی پردہ کرنا واجب نہیں۔ بشرطیکہ فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو۔

البتہ زید کے دوسرے بھائیوں کا زینب کی دوسری بہنوں کے ساتھ اور زینب کے دیگر بھائیوں کا زید کی دوسری بہنوں کے ساتھ چونکہ رضاعت کا کوئی رشتہ نہیں، اس لیے زینب کی بہنیں زید کے بھائیوں سے اور زید کی بہنیں زینب کے بھائیوں سے پردہ کریں گی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

عن عائشة قالت جاء عمي من الرضاعة يستأذن علي فأبيت أن آذن له حتى أستأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم قلت إن عمي من الرضاعة استأذن علي فأبيت أن آذن له فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فليلج عليك عمك قلت إنما أرضعتني المرأة ولم يرضعني الرجل قال إنه عمك فليلج عليك.(۱)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے رضاعی چچا آئے اور میرے پاس آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اُنہیں اجازت دینے سے انکار کیا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے معلوم کرلوں۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: میرے رضاعی چچا نے میرے پاس آنے کی اجازت چاہی تو میں نے اجازت دینے سے انکار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے چچا تمہارے پاس (گھر میں) داخل ہوں (کوئی حرج نہیں)۔'' میں نے عرض کیا: مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تمہارے چچا ہیں، اِس لیے آپ کے پاس (گھر میں) داخل ہوجائے۔''

❁❁❁

عورت کے شرعی پردہ کی حدود

سوال نمبر(61):

عورت کن لوگوں سے پردہ کرے گی؟ کن لوگوں سے کرنا واجب ہے اور کن سے نہیں؟ ماموں، خالہ، چچا، تایا اور پھوپھی کے لڑکے جن کو عرفِ عام میں بھائی کہا جاتا ہے، ان سے پردے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱) صحیح مسلم، الرضاع:۱/٤٦٧

الجواب وباللہ التوفیق:

عورت پر جن لوگوں سے پردہ کرنا واجب نہیں، ان کی تفصیل سورۂ نور کی آیات کی روشنی میں درجہ ذیل ہے:۱:شوہر۲:باپ، دادا، پردادا...۳:شوہر کا باپ (اس میں بھی دادا پردادا شامل ہیں)،۴:اپنی اولاد،۵:شوہر کے لڑکے جو دوسری بیوی سے ہوں،۶:اپنے ماں شریک بھائی سب اس میں شامل ہیں،۸:بہنوں کے لڑکے،۹:مغفل یعنی وہ بے عقل لوگ جو عورتوں کی طرف کوئی رغبت وشہوت نہ رکھتے ہوں اور نہ ان کے اوصاف حسن اور حالات سے کوئی دلچسپی رکھتے ہوں،۱۰:وہ بچے جو بلوغ کے قریب نہ پہنچے ہوں اور عورتوں کے مخصوص حالات وصفات اور حرکات وسکنات سے بالکل بے خبر ہوں۔ اِن کے علاوہ رضاعی رشتہ سے جو محارم ہیں اُن سے بھی پردہ واجب نہیں۔ نیز مسلمان عورتوں کے لیے کافر عورتوں سے پردہ مستحب ہے۔

اس کے علاوہ ماموں، خالہ، چچا، تایا اور پھوپھی کے لڑکے غیر محرم ہیں لہٰذا ان سے پردہ کرنا ضروری ہے؛ البتہ اِن میں سے کوئی اگر ایک گھر میں ساتھ رہتا ہو تو اُس کے سامنے چہرہ یا ہتھیلی کھلے رہنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ جب کہ اِن کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے اور ضرورت سے زائد بات چیت سے احتراز بہر حال کیا جائے۔

والدّليل على ذلك:

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ﴾ قال العلامة الآلوسي: وهذا الحكم ليس خالصاًبالآباء الأقربين بل آباء الأبآء وإن علو كذلك. ومثلهم آباء الأمهات وكذا ليس خاصاً بالأبناء، والبنين الصلبيين بل يعمهم وأبناء الأبناء وبني البنين وإن سفلوا، والمراد بالأخوان مايشمل الأعيان......وبني العلات......والأخياف......ولم يذكر سبحانه الأعمام والأخوال مع أنهم كما قال الحسن وابن جبير كسائر المحارم في جوازابداء الزينة لهم، قيل: لأنهم في معنى الاخوان من حيث كون الحد سواء كان أب الأب أو أب الأم في معنى الأب فيكون ابنه في معنى الأخ.(۱)

ترجمہ: (اور نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے سامنے یا اپنے باپ کے یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے

(۱) روح المعاني، سورة النور، الأية:(۳۱) :۱۸/۱۴۲ـ۱۴۵

کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے سامنے) علامہ آلوسی فرماتے کہ یہ حکم صرف باپ تک خاص نہیں، بلکہ دادا اور پردادا بھی اس میں شامل ہیں اور اس طرح ماں کے باپ کے لیے بھی یہی حکم ہے۔اسی طرح صرف حقیقی بیٹے مراد نہیں، بلکہ عام ہے پوتا اور پڑپوتا بھی اس میں شامل ہے اور بھائیوں میں حقیقی وعلاتی واخیافی سب شامل ہے۔۔۔اللہ تعالیٰ نے چچا اور ماموں کا ذکر نہیں کیا حالانکہ حسن وابن جبیرؒ نے ان کو دیگر محارم کی طرح شمار کیا ہے کہ عورت کو جائز ہے کہ ان کے سامنے اعضاے زینت ظاہر کردے۔بعض کے نزدیک یہ بھائیوں کے معنی میں ہیں کیونکہ دادا کی حیثیت باپ کی ہے خواہ وہ دادا ہو یا نانا۔ چنانچہ ان کا بیٹا بھائی کی طرح ہوگا۔

❁❁❁

بھابھی کے ساتھ ہاتھ ملانا

سوال نمبر(62):

ایک آدمی مشترکہ گھر میں اپنے بھائیوں کے ساتھ رہتا ہے۔کیا وہ اپنی بھابھی کے ساتھ ہاتھ ملاسکتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی شرعی ضرورت کے بغیر اجنبی عورت کے چہرے، ہاتھ، پاؤں یا بدن کے کسی بھی حصے کو چھونا ممنوع اور حرام ہے۔ بھابھی چونکہ نامحرم ہے اس لیے دیور کے لیے بھابھی سے ہاتھ ملانا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ولاتحل المصافحة إن كانت تشتهى. (١)

ترجمہ:

اگر (اجنبی عورت) مشتہاۃ ہو تو اُس سے مصافحہ حلال نہیں۔

❁❁❁

---

(١) تحفة الفقهاء، الحظر والاباحة :٣/٣٣٤

لے پالک سے پردہ کرنا

سوال نمبر(63):

بعض لوگ بے اولاد ہوتے ہیں تو کسی کے بچے کو لے کر اس کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیتے ہیں اور انہی کی گود میں پرورش پا کر وہ بلوغ تک پہنچ جاتا ہے۔کیا بلوغ کے بعد ایسے لے پالک لڑکے سے اُس کی منہ بولی ماں کو پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ میں عورتوں کے لیے پردہ نہ کرنے کی رخصت صرف اُن مردوں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے محرمات کی فہرست میں ذکر کیا ہے۔ان کے علاوہ عورتوں کے لیے اجنبی مردوں سے پردہ کرنا واجب ہے۔

کسی دوسرے شخص کے بچے کو منہ بولا بیٹا بنا کر پالنے سے اُس سے کوئی رشتہ ثابت نہیں ہوتا۔اگر منہ بولی ماں اُس کی نسبی یا رضاعی محرمات میں سے ہو،مثلاً:نسبی پھوپھی یا خالہ ہو یا رضاعی ماں، پھوپی یا خالہ ہو تو بالغ ہونے کے بعد اِس کا اُس سے پردہ ضروری نہیں،اور اگر محرمیت کا کوئی رشتہ نہ ہو تو نامحرم ہونے کی بنا پر اُس سے پردہ ضروری ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿وَمَا جَعَلَ أَدعِيَائَكُم أَبنَائَكُم ذَلِكُم قَولُكُم بِأَفوَاهِكُم وَاللّٰهُ يَقُولُ الحَقَّ وَهُوَ يَهدِي السَّبِيلَ﴾.(۱)

ترجمہ:

اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنایا۔یہ (بے اصل) باتیں ہیں جو تم اپنے منہ سے کہہ دیتے ہو،اور اللہ تعالیٰ وہی بات کہتا ہے جو حق ہو اور وہی صحیح راستہ بتلاتا ہے۔

(۱) الأحزاب : ٤

بداخلاق اور بدخصلت خاتون سے پردہ کرنا

سوال نمبر(64):

آج کل معاشرہ میں بعض مسلمان خواتین مغربی عورتوں کو دیکھ کر بری خصلتوں کو اچھائی سمجھ کر اختیار کرتی ہیں اور شریف خاندان کی باپردہ خواتین کے پاس اُن کے آنے جانے سے بے پردگی اور فتنہ کا اندیشہ ہے۔ایسی عورتوں سے باپردہ خواتین کا پردہ کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اسلام نے ہر مسلمان کو، چاہے مرد ہو یا عورت عفت وعصمت اور پاک دامن زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے اور منکرات وفواحش کے سد باب کے لیے عورت کو پردے کا حکم دیا ہے۔جس طرح عورت کے لیے اجنبی اور نامحرم مردوں سے پردہ فرض ہے،اسی طرح اگر فتنہ کا اندیشہ ہوتو نیک سیرت خاتون کو بدکردار عورت سے تعلق قائم کرنا،میل جول رکھنا یا اُس کے سامنے چہرہ کھولنے سے احتراز کرنا چاہیے۔تاہم اصلاح اور دعوت کی غرض سے بے پردہ عورتوں سے ملنا اور ان کو پردہ اور دین کی دعوت دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

ولاینبغي للمرأة الصالحة أن تنظر إلیها المرأة الفاجرة؛ لأنها تصفها عند الرجال، فلا تضع جلبابها ولا خمارها.(۱)

ترجمہ: اور نیک سیرت خاتون کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ بدکردار عورت اس کی طرف نگاہ ڈالے، کیونکہ وہ اس کے اوصاف اجنبی مردوں کے سامنے بیان کرے گی۔پس باپردہ خاتون اس کے سامنے نہ اپنی چادر اتارے اور نہ دوپٹہ۔

❁❁❁

گھر کے اندر عورت کا سر چھپانا

سوال نمبر(65):

اگر ایک عورت گھر میں کام کے دوران باریک دوپٹہ سر پر ڈالے،جس سے بال نظر آئیں تو کیا اس سے وہ

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی النظر واللمس: ۵۳٤/۹

گناہ گار ہوگی یا نہیں؟ نیز گھر کی چار دیواری میں رہتے ہوئے عورت کے لیے کس قسم کے لباس کی رعایت ضروری ہے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے محارم کے لیے عورت کے سر کے بال دیکھنا جائز ہے، اس لیے محارم کے سامنے اگر عورت کے بال کھلے رہیں تو اس پر گناہ گار نہ ہوگی، اگر چہ اُسے چھپانا بہت بہتر ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر کسی عورت کے ساتھ گھر میں صرف محارم رہتے ہوں، کوئی غیر محرم گھر میں موجود نہ ہو تو محارم کے سامنے گھر میں باریک دوپٹہ استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر گھر میں غیر محرم جیسے چچازاد بھائی یا دیور وغیرہ بھی سکونت رکھتے ہوں تو ایسی صورت میں عورت کے لیے باریک دوپٹہ پہننا ناجائز ہے۔ اس سے وہ گناہ گار ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

یرخص للمرأة کشف الرأس في منزلها وحدها، فأولی أن یجوزلها لبس خمار رقیق یصف ماتحته عندمحارمها.(۱)

ترجمہ:

عورت کے لیے اپنے گھر میں جب کہ وہ اکیلی ہو سر ننگا کرنا جائز ہے۔ پس اس کے لیے اپنے محرموں کے سامنے ایسا باریک دوپٹہ پہننا بطریقِ اولیٰ جائز ہے، جس سے اس دوپٹے کے نیچے (کا حصہ) نظر آتا ہو۔

❁❁❁

عورت کی آواز

سوال نمبر(66):

ہمارے علاقے میں بعض حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ عورت کی آواز ستر نہیں ہے اور دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ ازواج مطہرات سے نزول حجاب کے بعد بھی پس پردہ روایات سنانا ثابت ہے۔ کیا واقعی عورت کی آواز ستر نہیں؟ اگر ہے تو دلائل کی روشنی میں وضاحت کریں۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة، الکراهیة، الباب التاسع فی اللبس وما یکره: ۳۳۳/۵

الجواب وباللہ التوفیق:

عورت کی آواز کے ستر ہونے اور نہ ہونے میں ائمہ مجتہدین اور فقہاے کرام کا آپس میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ستر ہے، ان کا استدلال بخاری ومسلم کی اس حدیث سے ہے، جس میں نمازی کے سامنے سے گزرنے والوں کو روکنے کے لیے مرد کو بلند آواز سے "سبحان اللہ" کہنے کا حکم ہے، جب کہ عورت کے لیے آواز نکالنے کی بجائے "تصفیق" یعنی ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارنے کا حکم ہے۔ دیگر فقہاے کرام اس کو ستر میں شامل نہیں کرتے ہیں، ان کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں ازواج مطہرات یا دیگر صحابیات کا نزولِ حجاب کے بعد پردہ کے پیچھے سے روایات سنانے کا ثبوت موجود ہے۔

سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۳۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی آواز مطلقاً ستر نہیں، البتہ جس موقع پر یا جس لہجہ سے عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو، وہاں ظاہر کرنا ممنوع ہے اور جہاں خوفِ فتنہ نہ ہو تو جائز ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ بلاضرورت عورت پس پردہ بھی غیر محرموں سے گفتگو نہ کرے اور جب گفتگو کی ضرورت پیش آئے تو ایسا نرم لہجہ اختیار نہ کرے جس میں کشش ہو۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ (١)

ترجمہ: اے نبی کی بیویو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ لہٰذا تم نزاکت کے ساتھ بات مت کیا کرو، کبھی کوئی ایسا شخص بے جا لالچ کرنے لگے جس کے دِل میں روگ ہوتا ہے، اور بات وہ کہو جو بھلائی والی ہو۔

❁❁❁

مرد کا بالغ لڑکیوں کو پڑھانا

سوال نمبر (67):

ہمارے علاقہ کے ایک مدرسہ میں ایک استاد بچیوں کو حفظِ قرآن اور ناظرہ پڑھاتے ہیں۔ طالبات میں سولہ، سترہ سال کی لڑکیاں بھی شامل ہیں۔ کیا ایک مرد کا اس عمر کی لڑکیوں کو پڑھانا جائز ہے؟ بینوا توجروا

(١) الأحزاب: ٣٢

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کے الفاظ سیکھنا اور حفظ کرنا ہر مسلمان کے لیے بہت بڑی سعادت اور ثواب کا عمل ہے۔ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اس کے حصول کا اہتمام کرنا چاہیے۔ تاہم عورتوں کی تعلیم میں حد درجہ احتیاط ضروری ہے اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ عورتوں کی تعلیم کے لیے کسی خاتون حافظہ، قاریہ کا انتظام کیا جائے۔ البتہ اگر کہیں سے خاتون معلمہ کا بندوبست نہ ہو سکے تو بوجہ ضرورت ایسے مرد کو پڑھانے کی اجازت دی جا سکتی ہے جو عمر رسیدہ متقی اور پرہیزگار ہو اور اس سے کسی قسم کی بے احتیاطی یا فتنے کا اندیشہ نہ ہو، استاد اور طالبات کے مابین مضبوط پردہ حائل ہو اور کبھی معلم و طالبہ اکیلے نہ ہوں، طالبات استاد کے سامنے بلا ضرورت گفتگو نہ کریں۔ اگر مناسب ماحول اور محفوظ طریقۂ تعلیم بشرائط مذکورہ موجود ہو تو بالغ لڑکیوں کے لیے مرد استاد سے قرآن مجید کے ناظرہ اور حفظ کی تعلیم حاصل کرنے کی گنجائش ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وفي هذه الأحاديث استحباب وعظ النساء وتذكيرهن الآخرة وأحكام الإسلام وحثهن على الصدقة وهذا إذا لم يترتب على ذلك مفسدة وخوف على الواعظ أو الموعوظ أو غيرهما۔ (۱)

ترجمہ:

اِن احادیث سے عورتوں کو وعظ کرنے، اُنہیں آخرت کی یاد دِلانے، احکامِ اسلام سے واقف کرانے اور اُنہیں صدقہ کی ترغیب دینے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اِس سے کوئی فساد نہ بنے اور وعظ کرنے والے، یا جس کو وعظ کیا جارہا ہے، یا اِن کے علاوہ کسی اور کے بارے میں (فتنہ میں مبتلا ہونے کا) خوف نہ ہو۔

عورتوں کی مخلوط ملازمت

سوال نمبر (68):

آج کل سرکاری محکموں میں مرد اور عورتیں مخلوط عملہ کے طور پر کام کرتی ہیں۔ شرعی نقطہ نظر سے اس کی کیا حیثیت ہے؟ اگر ناجائز ہے تو اس کا متبادل کوئی اور طریقہ ہو سکتا ہے؟

---

۱) شرح مسلم للنووي، كتاب العيدين: ٤/ ٢٤٩٦

الجواب وباللہ التوفیق:

اس دارِفانی میں مردوں پر معاشی انتظام اور محنت ومزدوری کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، جب کہ عورتوں پر امورِ خانہ داری اور بچوں کی ابتدائی تعلیم وتربیت کا بوجھ ڈالا گیا ہے، لیکن عصرِ حاضر میں عورتوں کو آزادی اور مساوات کے نام سے دھوکہ دے کر بازاروں اور دفتروں کا راستہ دکھایا گیا، جس کے نتیجے میں مرد وعورت کا بے جا اختلاط بڑھ گیا اور کئی معاشرتی مفاسد اور خرابیاں پیدا ہوئیں اور خاندانی نظام بری طرح متاثر ہوا۔ ان خرابیوں سے چھٹکارا پانے اور دنیا وآخرت کی کامیابی کے لیے مرد وزن کے بے جا اختلاط سے چھٹکارا حاصل کرنا ہماری مذہبی واخلاقی ذمہ داری ہے۔ خواہ وہ تعلیم کے میدان میں ہو یا ملازمت میں یا کسی اور جگہ پر۔ عورت کو چاہیے کہ وہ اپنی فطرت کے تقاضوں کی رعایت رکھتے ہوئے اُمورِ خانہ کو سرانجام دے اور بلاضرورت کوئی ملازمت اختیار نہ کرے، تاہم اگر کسی عورت کو بامر مجبوری ملازمت اختیار کرنا پڑے تو اس کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے:

۱۔ ملازمت کے لیے گھر سے مکمل شرعی پردہ کے ساتھ نکلے۔

۲۔ ایسی جگہ ملازمت کی کوشش کرے، جہاں صرف عورتوں کے ساتھ واسطہ پڑتا ہو۔ کسی غیر محرم کے ساتھ بے جا اختلاط، گفتگو اور خصوصاً خلوت سے حد درجہ اجتناب کرے۔

۳۔ ملازمت کے لیے نکلتے وقت خوشبو اور بناؤ سنگھار سے اجتناب کرے۔

۴۔ ولی یعنی باپ یا شوہر کی اجازت سے باہر نکلے۔

ان شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے عورت کی ملازمت جائز ہو سکتی ہے، ورنہ ناجائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْأُوْلٰی﴾(۱)

ترجمہ: اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو۔

ليس للنساء نصيب في الخروج إلا مضطرة. (۲)

ترجمہ: مجبور عورت کے سوا کسی کو باہر جانے کی اجازت نہیں۔

۞۞۞

(۱) الأحزاب: ۳۳

(۲) كنز العمال، الباب الثالث في الترغيبات والترهيبات، تختص بالنساء، الفصل الأول: ۳۹۱/۱۶

مخلوط تعلیم

سوال نمبر(69):

عورتوں کا مردوں کے ساتھ ایک ہی کلاس میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنا، جبکہ عورتیں پردے کا اہتمام کرتی ہوں، شرعاً کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

موجودہ دور میں فحاشی و بے حیائی عروج کو پہنچ چکی ہے۔ان حالات میں مسلمان عورتوں کی حیا اس وقت محفوظ رہ سکتی ہے جب وہ اپنے گھروں میں اپنے آپ کو پابند رکھیں۔ اسلام نے عورت کو بلا ضرورت گھر کی چاردیواری سے نکلنے سے منع کیا ہے، البتہ مجبوری کی وجہ سے پردے کا اہتمام کرتے ہوئے بڑی چادر یا برقعہ پہن کر نکلنا جائز ہے۔

تعلیم وتربیت جیسی ضرورت کے لیے نکلنے کو فقہائے کرام نے اس شرط کے ساتھ جائز کہا ہے کہ پردے کا پورا اہتمام ہو، فتنہ وفساد پھیلنے کا اندیشہ نہ ہو، مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو۔موجودہ دور میں مردوں اور عورتوں کی مخلوط تعلیم میں فتنے وفساد کا پہلو محتاج بیان نہیں، اس لیے عورتوں کا مردوں کے ساتھ مخلوط تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں۔البتہ اگر عورتوں کے لیے علیحدہ تعلیم کا ادارہ میسر نہ ہو اور طب یا کوئی ایسی تعلیم ہو کہ کچھ مسلمان باحیا خواتین کا اُسے حاصل کرنا معاشرتی ضرورت شمار کیا جاتا ہو تو ایسی صورت میں مخلوط ادارہ میں تعلیم کی گنجائش ہوگی بشرطیکہ:

۱......چہرے کو چھپائے اور مکمل پردے کا خاص اہتمام کرے۔

۲......عفت وعصمت اور حیا و ناموس پر کوئی آنچ نہ آنے دے۔

۳......مردوں کے ساتھ غیر ضروری اختلاط، خلوت اور ہم کلامی سے مکمل اجتناب کرے۔

۴......پڑھائی کے فوراً بعد گھر میں واپس ہو۔

والدّلیل علی ذلك:

عن عبداللّٰہ رضي اللّٰہ عنه عن النبي ﷺ قال :المرأۃ عورۃ، فإذا خرجت استشرفها الشیطان.(۱)

---

(۱) جامع الترمذي، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء في كراهية الدخول على المغيبات : ۲۲۲/۱

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے۔ چنانچہ جب کوئی عورت اپنے پردہ سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو (فتنہ میں ڈالنے کے لیے) گھورتا ہے۔

❁❁❁

لڑکیوں کا نعتیہ مقابلہ میں حصہ لینا

سوال نمبر(70):

لڑکیوں کے لیے نعت پڑھنا کیسا ہے؟ نیز ہمارے ہاں لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی بھی نعتیہ مقابلے کی محفلیں ہوا کرتی ہیں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی محفل ومجلس میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن کا ذکر یقیناً موجب برکت اور باعث ثواب ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کو منبر پر بٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان سے وہ اشعار پڑھواتے تھے جو کفار کے مقابلہ میں نبی علیہ السلام کے محاسن اور مدح وتعریف پر مشتمل ہوا کرتے تھے۔ نعتیہ کلام جیسے مرد پڑھ سکتے ہیں ایسے ہی عورتوں کے لیے بھی نعتیہ کلام پڑھنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ سننے والی صرف عورتیں ہوں، اور مردوں کو اُس وقت یا بعد میں بذریعہ آڈیو یا وڈیو اس کی آواز نہ پہنچے۔ اور جہاں تک اِس کے مقابلے منعقد کرنا ہے تو وہ بھی فی نفسہ اگرچہ جائز ہے، لیکن آج کل ایسی محافل کئی خارجی مفاسد پر مشتمل ہوتی ہیں، اِس لیے اِن میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ایسی محفلوں میں عموماً درج ذیل مفاسد ہوا کرتی ہیں:

۱...... مرد وزن کا بے تحاشا اختلاط ہوتا ہے، جو شریعت میں ممنوع ہے۔

۲...... مقابلہ میں حصہ لینے والی لڑکیوں میں سے اکثر بالغہ یا کم از کم مراہقہ ہوتی ہیں۔

۳...... عموماً خوب میک اپ کرکے اپنے آپ کو سجا لیتی ہیں اور پھر سریلی آواز سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں، جس کی حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

۴...... ایسی محفلیں عموماً مجلس حمد ونعت کی بجائے محض نمائش گاہ بن جاتی ہیں۔

۵...... علاوہ ازیں اس میں وڈیو کیمروں کے ذریعہ فلم سازی بھی ہوتی ہے، جو تصویر کے زمرے میں آنے کی وجہ سے شرعاً ممنوع ہے۔

ان وجوہ کی بناپر ایسی محافل کا انعقاد اوران میں لڑکیوں کی شرکت جائز نہیں، تاہم اگران سب خلافِ شرع اُمور کا مکمل طور پر سدباب ہواور خواتین باہمی طور پر کوئی ایسی محفل منعقد کریں جس میں حمد وثنااور نعت رسول مقبول ﷺ یا دین کی فکرمندی کا تذکرہ ہوتواس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ولا نجیز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة ۔ (١)

ترجمہ: ہم عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں سمجھتے کہ وہ اپنی آوازیں اونچی کریں، یا اُسے زیادہ کھینچیں، یا اُس میں نرمی پیدا کرے، یا اوزانِ شعر پر بولیں، کیونکہ اِس سے اِن کی طرف مرد مائل ہوں گے، اوراُن کی شہوتیں پیدا ہوں گی۔ اور اِسی وجہ سے عورت کے لیے اذان دینا جائز نہیں۔

درء المفاسد أولىٰ من جلب المنافع ...فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة، فدفع المفسدة مقدم في الغالب. (٢)

ترجمہ: مفاسد کا دفع کرنا منفعت کے حصول سے زیادہ بہتر ہے۔ جب کوئی مفسدہ اور مصلحت متعارض ہوں تو اکثر حالات میں مفسدے کو دور کرنا مقدم ہوگا۔ ❁❁❁

پرنسپل کا تعلیمی امور میں استانیوں سے بغیر پردہ کے مشورہ کرنا

سوال نمبر(71):

زید ایک سکول میں بطورِ پرنسپل خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ یہ سکول دوشفٹوں پر مشتمل ہے۔ ایک میں استانیاں پڑھاتی ہیں اور دوسرے شفٹ میں مرد اساتذہ ہیں۔ زید ان کی نگرانی اور تعلیمی معیار کی بہتری کے لیے بطورِ مشورہ ان کے پاس جایا کرتا ہے اور اس سکول میں بالغ طالبات بھی ہوتی ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا زید کا وہاں جانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو شریعت محمدی ﷺ کی رُو سے ان کے ساتھ نشست و برخاست کی صورت کیا ہوگی؟ کیا اسلام نے ایسا طریقہ بتایا ہے، جس میں بے پردگی نہ ہو؟ سکول کی دوسری طالبات کے ساتھ کس طرح

(١) منحة الخالق على هامش البحر الرائق، الصلوة، باب شروط الصلوة: ١/ ٤٧١

(٢) شرح مجلة لخالد أتاسي، المادة / ٣٠ : ١/ ٧٠

پیش آنا چاہیے؟اس طرح کرنے سے صرف زید گناہ گار ہوگا یا استانیاں اور طالبات بھی؟

الجواب وباللہ التوفیق:

خواتین کی تعلیم وتعلم کے بارے میں شریعت محمدیہ ﷺ کی رائے مثبت ہے، بشرطیکہ حدود اللہ کی رعایت ہو۔ تاہم موجودہ دور میں پردہ نہ ہونے کی وجہ سے خواتین کا تعلیم حاصل کرنا بے شمار مفاسد کے لیے راہ ہموار کرنے کا ذریعہ ہے۔

صورتِ مسئولہ میں بہتر یہ ہے کہ پرنسپل طالبات کی نگرانی استانیوں کے سپرد کردے اور جہاں تک استانیوں سے تعلیمی مسائل کے بارے میں مشورہ کی بات ہے تو اس میں اگر شرعی پردہ کی رعایت رکھی جائے تو پھر گنجائش ہے، لیکن بغیر شرعی پردہ کے کسی اجنبی عورت سے ملاقات کرنا شریعت میں جائز نہیں اور اس صورت میں جانبین گناہ گار ہوں گے۔خواتین باپردہ ہوکر پرنسپل سے میٹنگ کرسکتی ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ﴾.قال العلامة الآلوسي تحت هذه الآية: وقال القهستاني: منع النظر من الشابة في زماننا،ولو بلاشهوة.(۱)

ترجمہ:

(اے پیغمبر ﷺ اپنے بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے بھی کہہ دیجئے کہ نیچی کرلیا کریں اپنے اوپر اپنی چادریں) علامہ آلوسیؒ اس آیت کی تشریح میں علامہ قہستانی کا قول نقل کرتے ہیں کہ آج کل نوجوان عورت کی طرف بغیر شہوت کے دیکھنا بھی منع ہے۔

❁❁❁

ہسپتال اور ہوائی سفر میں خواتین سے بات کرنا

سوال نمبر(72):

ہسپتال اور ہوائی سفر میں نرس اور ائیر ہوسٹس سے بات کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ان سے کسی چیز کا مطالبہ یا کوئی بات پوچھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(۱) روح المعاني، ۸۹/۲۲

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اجنبی عورت کی طرف شہوت کی نگاہ سے دیکھے یا بات کرے۔ البتہ کسی حاجت کے تحت بلاشہوت ضروری بات چیت کرسکتا ہے۔ چنانچہ نرس یا ائیر ہوسٹس کے ساتھ بات کی ضرورت پیش آئے تو اُس سے بات کرنا یا کچھ پوچھنا جائز ہے، لیکن بات کرتے ہوئے اُس کی طرف دیکھنے سے فتنہ کا اندیشہ ہے اس لیے دیکھے بغیر بات کرے۔

والدّلیل علی ذلك:

فإنا نجيز الكلام مع النساء الأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك.(۱)

ترجمہ: ہم حاجت کے وقت اجنبی عورتوں کے ساتھ بات چیت اور گفتگو جائز سمجھتے ہیں۔

❁❁❁

مجبوری کی حالت میں دوسرے آدمی کا ستر دیکھنا

سوال نمبر (73):

میرا ایک بھائی ہاتھ پاؤں سے معذور ہے۔ کسی کے سہارے کے بغیر خود بول و براز کے لیے جانے سے قاصر ہے۔ ان ضروریات کے لیے ماں اس کو سہارا دے کر کُرسی پر بٹھاتی ہے جس میں کشفِ عورت سے لابدی ہے۔ جب کہ قضائے حاجت کے بعد استنجا کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ میری ماں کو اس کی ان تمام ضرورتوں کو پورا کرنا کیسا ہے، جب کہ اس کی عمر اٹھارہ (۱۸) سال ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ستر کا چھپانا واجب ہے۔ بیوی کے علاوہ کسی کو بھی ناف سے لے کر گھٹنوں تک بدن دکھانا جائز نہیں۔ البتہ شدید ضرورت وحاجت کے موقع پر بقدرِ ضرورت دیکھنا جائز ہے۔

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ شخص جو کہ ہاتھ پاؤں سے معذور ہے، اگر اس کی بیوی موجود نہ ہو تو کوئی دوسرا مرد

---

(۱) منحة الخالق على هامش البحر الرائق، باب شروط الصلوة: ۴۷۱/۱

اُس کے ساتھ تعاون کا اہتمام کرے، جبکہ ماں بھی سخت ضرورت میں مدد کرسکتی ہے۔مگران تمام صورتوں میں جہاں تک ہوسکے کوشش کی جائے کہ ستر کے مواضع کو نہ دیکھے۔ماں کی نسبت سے بھائی کی خدمت زیادہ مناسب ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

الضرورات تبیح المحظورات.(۱)

ترجمہ: ضرورت ممنوع کام کو مباح کردیتی ہے۔

الضرورات تقدر بقدرها.(۲)

ترجمہ: ضروریات کو اپنے اندازہ تک محدود رکھا جائے گا۔

❁❁❁

ضرورت کے وقت ستر کھلا رہنا

سوال نمبر(74):

ایک آدمی نیوی فوج میں ملازمت کرتا ہے، جس میں وہ تیراکی گروپ میں ہے۔اب ان کو ترقی ملی ہے، لیکن تیراکی کے وقت ان کو تہہ بند باندھنا پڑتا ہے، جبکہ اس میں اس کا ستر نظر آتا ہے۔تو آیا اس حالت میں اس کے لیے ستر کھلا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے عورت کو چھپانا فرض ہے اور مرد کی عورت کی حد ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔لہٰذا اس کو چھپائے رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔بغیر کسی ضرورت کے اس کو کھلا رکھنا ناجائز اور حرام ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص نیوی فوج کی تیراکی میں ملازم ہے تو تیراکی کے وقت سترِ عورت کے لیے اس طرح چٹی (یعنی ورزش کرنے والوں کا لنگوٹ) استعمال کرنا چاہیے کہ جس میں ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک حصہ چھپا ہوا ہو۔تاہم اگر متعلقہ ادارے کی طرف سے گھٹنوں سے کم چٹی پہننا تیراکی کے لیے لازمی اور ضروری ہو

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المقالة الثانیه في بیان القواعد الفقهیه، المادة/ ۲۱:ص/۲۹

(۲) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المقالة الثانیة في بیان القواعد الفقهیة،المادة(۲۲):ص/۳۰

تو پھر ضرورت کے دائرے کو دیکھتے ہوئے اس کا پہننا مرخص رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

(فالركبة عورة لا السرة) لرواية الدارقطني: ماتحت السرة إلى الركبة عورة. (١)

ترجمہ: علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنوں تک ستر ہے۔

الضرورات تبيح المحظورات .يعني أن الممنوع شرعا يباح عندالضرورة. (٢)

ترجمہ: ضرورت ایک ممنوع امر کو مباح کر دیتی ہے۔یعنی جو امر شرعاً ممنوع ہو، وہ ایک شدید ضرورت کے وقت مباح ہو جاتا ہے۔

❁❁❁

ضرورت کے وقت عورت کے لیے گھر سے نکلنا

سوال نمبر (75):

اگر کسی عورت کا کوئی کفیل نہ ہو جو گھر کا خرچہ پورا کرے یا بازار سے سودا سلف خرید کر لائے تو وہ ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

قرآن وحدیث میں عورت کے لیے غیر محرموں سے پردہ کرنے کی سخت تاکید آئی ہے اور مفاسدِ کثیرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت کو گھر میں ٹھہرنے، اور باہر نہ نکلنے کا حکم ہے۔لیکن جہاں دوسرے احکامات میں ضرورت کے تحت شریعت نے تخفیف کی ہے، اسی طرح اِس حکم میں بھی ضرورت کے تحت یہ سہولت رکھی ہے کہ اگر کسی گھر یا خاندان میں ایسا فرد موجود نہ ہو جو ضروریاتِ زندگی کو پورا کر سکے تو ایسے حالات میں پردے کی شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے عورت کے لیے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔

---

(١) ردالمختارعلى الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل فى النظر واللمس: ٥٢٦/٩

(٢) شرح المجلة لخالد الآتاسي، المقالة الثانية في القواعد الفقهية،المادة (٢١): ٥٥/١

والدّلیل علی ذلك:

قال تعالیٰ: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾.(۱)

ترجمہ: اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو۔

قال النبي ﷺ: ليس للنساء نصيب في الخروج إلا مضطرة. (۲)

ترجمہ: مجبور عورت کے سوا کسی کو باہر جانے کی اجازت نہیں۔

❁❁❁

عورتوں کے لیے فصل کی کٹائی اور پہاڑوں سے لکڑی لانا

سوال نمبر (76):

ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ فصل کی کٹائی کا کام عورتیں کرتی ہیں اور اس طرح پہاڑوں سے لکڑی بھی عورتیں لاتی ہیں۔ حالانکہ عورت کے ساتھ کوئی محرم بھی نہیں ہوتا۔ کیا شریعت کی رُو سے عورتوں کے لیے بغیر محرم کے ان کاموں کے لیے گھر سے نکلنا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت نے جس طرح مردوں کو حقوق دیے ہیں، اسی طرح عورتوں کے حقوق کی بھی رعایت رکھی ہے۔ اتنا فرق ضرور ہے کہ مرد کے لیے الگ میدانِ عمل تجویز کیا ہے اور عورتوں کے لیے الگ۔ یہ فرق فطرتِ انسانی اور قوتِ عمل کے حوالے سے دونوں پر عین شفقت ہے۔ تاہم کسی واقعی ضرورت اور مجبوری کے تحت دونوں ایک دوسرے کے میدان میں قدم رکھ سکتے ہیں۔

صورتِ مسئولہ میں فصل کی کٹائی یا پہاڑوں سے لکڑی لانے میں اگر عورتوں کے نکلنے کے علاوہ دوسری کوئی صورت نہ ہو یعنی یہ اُمور سرانجام دینے والا کوئی مرد موجود نہ ہو تو عورتوں کے لیے پردے کی رعایت رکھتے ہوئے یہ کام کرنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر مرد موجود ہوں تو عورتوں کے لیے نکلنا جائز نہیں، کیونکہ یہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے کہ مرد

(۱) الأحزاب/۳۳

(۲) كنز العمال، الباب الثالث في الترغيبات والترهيبات، تختص بالنساء، الفصل الأول: ۳۹۱/۱۶

گاؤں کے گلی کوچوں میں نکلے پھرتے رہیں اور خواتین کو جنگل میں لکڑی لانے کے لیے بھیجا جائے۔ یہ نہ اسلام کی تعلیم ہے اور نہ غیرت کا تقاضا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

عن عبداللہ رضي اللہ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشیطان.(۱)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے، جب کوئی عورت باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو (گمراہ کرنے کے لیے) گھورتا ہے۔

❀❀❀

عورت کا بغیر محرم کے قریبی مدرسہ جانا

سوال نمبر (77):

عورت کا بغیر محرم پندرہ بیس منٹ کی مسافت پر درس وتدریس کے لیے اکیلے یا دوسری لڑکیوں کے ساتھ پیدل یا سواری پر جانا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عورتوں کے لیے محرم کے بغیر شرعی سفر (یعنی 78 کلومیٹر کے فاصلہ) پر جانا جائز نہیں، لیکن پیدل پندرہ بیس منٹ کی مسافت چونکہ شرعی سفر نہیں بنتا اس لیے صورت مسئولہ میں اس عورت کا درس وتدریس کے لیے پندرہ بیس منٹ کی مسافت پر اکیلے یا دوسری لڑکیوں کے ساتھ پیدل یا سواری پر جانا جائز ہے، بشرطیکہ سرپرست کی اجازت ہو اور شرعی پردہ کی مکمل پابندی کی جائے۔

والدّلیل علی ذلك:

لأن المحرم یشترط للسفر وما دون ثلاثة أیام لیس بسفر، فلا یشترط فیه المحرم کما

(۱) جامع الترمذي، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء في کراهیة الدخول علی المغیبات: ۲۲۲/۱

لایشترط للخروج من محلة إلى محلة. (۱)

ترجمہ:

عورت کے ساتھ محرم ہونا سفر کے لیے شرط ہے اور تین دن سے کم سفر نہیں ہے، لہٰذا اس میں محرم کا ساتھ ہونا شرط نہیں، جیسا کہ ایک محلّہ سے دوسرے محلہ میں جانے کے لیے محرم کا ہونا شرط نہیں۔

❁❁❁

بے پردگی کے ڈر سے چچا سے صلح نہ کرنا

سوال نمبر(78):

ایک آدمی کا اپنے چچا کے گھرانے سے کچھ تنازعہ ہوا اور اب صلح اس نیت سے نہیں کرتا کہ ان کا ہمارے گھر آنا بے پردگی کا باعث بنے گا۔ کیا اس آدمی کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اجنبی مردوں سے پردہ کرنا دین اسلام کا ایک اہم حکم ہے اور اِس کی رعایت ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے، لیکن اس بنا پر اپنے قریبی رشتہ داروں سے صلح نہ کرنا دانشمندی نہیں، کیونکہ اسلام میں صلہ رحمی کا بھی حکم ہے اور قطع رحمی پر وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ صورتِ مسؤلہ میں جس شخص کا اپنے چچا سے تنازعہ ہے اُسے صلح کرنی چاہیے، البتہ صلح کے ساتھ ساتھ حکیمانہ انداز سے غیر محارم کو گھر آنے سے منع کر دیا جائے، اُمید ہے اِس سے دونوں گناہوں سے بچ جائیں گے اور اگر غیر محرم رشتہ دار فاسق وفاجر ہوں اور گھر آنے سے منع نہ ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں اُن سے پردہ کرنا واجب ہے اور اُن کے فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے اگر مصالحت نہ کی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عبدالله بن عمرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس الواصل بالمكافئ ولكن الواصل الذي إذا قطعت رحمه وصلها. (۲)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۵۶/۳

(۲) صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ليس الواصل بالمكافي: ۸۸۶/۲

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بدلے پر تعلق رکھنے والا صلہ رحمی کرنے والا نہیں۔ درحقیقت صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑ دیا جائے تب بھی وہ اُسے جوڑتا رہے۔

❁❁❁

امرد (بے ریش) لڑکوں کے ساتھ اختلاط کی حدود

سوال نمبر (79):

نابالغ لڑکے کے چہرے کو دیکھنا اور بے ریش امرد کے ساتھ اختلاط از روئے شریعت کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ بے راہ روی اور بے حیائی سے بچنے کے لیے اُس کے مبادی واسباب سے بھی اجتناب کی تعلیم دیتی ہے، چنانچہ زنا جیسے برے فعل سے دور رہنے کے لیے قرآن وحدیث میں نظر کی حفاظت کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ بے ریش لڑکے کو شہوت کی نظر سے دیکھنا، ہاتھ ملانا، باتیں کرنا یا خلوت اختیار کرنا شرعاً حرام ہیں۔ تاہم اگر کسی کو دیکھنے، ہاتھ ملانے اور علیحدہ بیٹھنے کی صورت میں اپنے نفس پر پورا اطمینان حاصل ہو کہ پھسلنے سے محفوظ رہے گا تو ایسی صورت میں مذکورہ امور کی گنجائش ہے، لیکن بے احتیاطی سے اپنے آپ کو امتحان میں ڈالنا دانشمندی نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

والغلام إذا بلغ مبلغ الرجال، ولم یکن صبیحا، فحکمه حکم الرجال، وإن کان صبیحا، فحکمه حکم النساء وهو عورة من قرنه إلی قدمه، لایحل النظر إلیه عن شهوة، فأما الخلوة والنظر إلیه لا عن شهوة لابأس به، ولهذا لایؤمر بالنقاب. (۱)

ترجمہ:

لڑکا جب مردوں کی عمر کو پہنچ جائے اور حسین نہ ہو تو اس کا حکم مردوں کے حکم کی طرح ہے اور اگر حسین ہو تو

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر إلیه وما لایحل له: ۵/ ۳۳۰

اس کا حکم عورتوں کی طرح ہے۔ چنانچہ سر کی چوٹی سے لے کر قدموں تک اُس کا بدن عورت ہے، اس کی طرف شہوت سے دیکھنا حلال نہیں، البتہ بغیر شہوت کے اس کے دیکھنے اور اس کے ساتھ تنہائی میں رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی وجہ سے اُسے نقاب ڈالنے کا حکم نہیں دیا جاتا۔

❁❁❁

پردہ مہیا نہ کرنے والی چادر کا استعمال

سوال نمبر(80):

بازاروں میں عورتیں ایک قسم کی چادر استعمال کرتی ہیں جو بہت باریک ہوتی ہے اور عورت کا پورا جسم ڈھانپنے کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ عورت کے لیے ایسی چادر کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اسلام نے عورت کو وہ مقام دیا ہے جو اسے پہلے حاصل نہ تھا۔ پھر اس مقام کو محفوظ رکھنے اور فتنہ وفساد سے بچانے کے لیے اسے پردہ کرنے اور عزت ووقار کا ایسا لباس زیب تن کرنے کا حکم دیا ہے، جس میں یہ مردوں کی بری نظروں سے محفوظ رہ سکے۔ چنانچہ اگر کوئی لباس باریک یا مختصر ہونے کی وجہ سے پردے کا کام نہ دے سکے تو اُس کا پہننا جائز نہیں ہوگا۔ صورتِ مسئولہ میں جس چادر کا ذکر ہے ایسی چادر پہن کر عورت کے لیے بازار میں نکلنا بڑا جرم اور گناہ کا کام ہے۔ اِس سے اجتناب ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

دخلت حفصة بنت عبد الرحمن على عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم وعلى حفصة خمار رقيق؛ فشقّته عائشة و كسّتها خمارا كثيفا.(١)

ترجمہ: حفصہ بنت عبدالرحمٰن نبی اکرم ﷺ کی اہلیہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئی اس حال میں کہ باریک چادر پہنی ہوئی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے اس چادر کو پھاڑا اور (اس کے بدلے) اُسے موٹی چادر پہنائی۔

❁❁❁❁❁

(١) الموطّا، كتاب الجامع، باب ماجاء في لبس الحرير ومايكره للنساء: ٢/ ٨٤

باب الشعر والشارب واللحیة والأظفار والختان

(مباحثِ ابتدائیہ)

شریعتِ مطہرہ میں بدن اور ماحول کی صفائی ستھرائی کی جو اہمیت ہے، وہ کسی صاحبِ علم سے مخفی نہیں۔ بدن کی صفائی کی خاطر شریعت نے بالوں کے سلسلے میں جو ہدایات دی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

سر کے بالوں اور عام بالوں سے متعلق اُصول:

(۱) جو شخص بالوں میں بروقت کنگھی اور تیل لگانے کی فرصت یا ہمت نہ رکھتا ہو اس کے لیے سر کے تمام بال منڈوانا جائز ہے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ کے ہاں تمام سر کے بال منڈوانے کے جواز پر اجماع ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں سر منڈوانے کو سنت اور ہر جمعہ منڈوانے کو مستحب کہا گیا ہے۔ البتہ جن علاقوں میں سر منڈوانا کسی گمراہ فرقے کی علامت ہو تو وہاں اس سے احتراز ضروری ہے، مثلاً: خیر القرون میں یہ خوارج کی علامت تھی۔

صحابہ میں سے حضرت علیؓ کی عادت بال منڈوانے کی تھی، لہٰذا اگر کوئی شخص حضرت علیؓ کی اتباع کے طور پر حلق کیا کرے تو یہ سنتِ صحابی پر عمل شمار ہوگا۔ خود نبی کریم ﷺ اور عام صحابہؓ سے حلق صرف حج اور عمرہ کے وقت ثابت ہے، لہٰذا عام حالات میں بال منڈوانے کی رخصت ہے، لیکن ضروری نہیں۔ (۱)

(۲) جو شخص بالوں کی دیکھ بھال کرسکتا ہو، اس کے لیے لمبے بال رکھنا جائز ہے۔

(۳) سر کے بالوں میں سے بعض حصہ چھوڑ کر بعض منڈوانا یا کم کرنا مکروہ ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ علاج معالجے کے علاوہ محض زینت یا تشبہ کے طور پر قزع یعنی کچھ حصہ منڈوانا اور کچھ چھوڑنا بالاجماع مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں اپنی خلقت کو بگاڑنے کے علاوہ یہود ونصاریٰ سے مشابہت بھی ہے۔ موجودہ دور میں بال کاٹنے کی جو بھی صورت یہود ونصاریٰ یا فساق وفجار کی علامت سمجھی جاتی ہو، وہ مکروہ ہوگی۔ (۲)

(۴) عورتوں کے لیے بلاضرورت بال منڈوانا جائز نہیں۔ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ یہ مردوں

(۱) عمدة القاري، كتاب اللّباس، باب القزع، رقم (۱۳۷): ۲۲/ ۵۸، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان، والخصاء وقلم الأظفار......: ۵/ ۳۵۷، مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الثالث، رقم (۴۴۸۵): ۸/ ۲۶۱

(۲) عمدة القاري وهندية حواله بالا

سے مشابہت اور تخلیق میں بگاڑ کا ذریعہ ہے۔(۱)

(۵) مردوں کے لیے چہرے کے زائد بال اکھاڑنا اور صاف کرنا جائز ہے، بشرطیکہ مبالغہ آرائی سے کام نہ لے اور عورتوں یا مخنثوں سے مشابہت نہ ہو۔(۲)

البتہ ناک کے بالوں کو اکھاڑنا درست نہیں، اس لیے کہ مذکورہ بال ختم ہونے سے بیماری لگنے کا اندیشہ ہے۔(۳)

(۶) وہ تمام بال جن سے نہ تو زینت متاثر ہو اور نہ ہی وہ صفائی میں مخل ہوں، ان کا مونڈنا جائز تو ہے، لیکن خلافِ ادب اور مکروہِ تنزیہی ہے، جیسے سینہ اور پشت کے بال منڈوانا۔

(۷) جنابت کی حالت میں بال یا ناخن کاٹنا مکروہ ہے۔(۴)

(۸) سر کے بالوں کے لیے کوئی خاص مقدار فقہانے ذکر نہیں کی، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال کبھی کانوں کی لو تک، کبھی گردن تک اور کبھی کاندھے تک پہنچ جاتے تھے، تاہم اگر کوئی شخص تکبر یا عورتوں سے تشبہ کے طور پر ایسے بال رکھتا ہو تو یہ ناجائز ہے۔(۵)

(۹) مردوں کے لیے محض زینت کی خاطر سفید بال اکھاڑنا مکروہ ہے، البتہ بیوی کی خواہش پر اگر اس کو سرخ یا سیاہ خضاب لگادے تو امام ابو یوسفؒ کے ہاں یہ مکروہ نہیں۔(۶)

سر کے بالوں میں پیوندکاری کا حکم:

اسلام میں اگرچہ عورتوں کے لیے تحسین وتزئین کی اجازت ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ زیب و

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: ٣٥٨/٥، مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الثالث، رقم(٤٤٨٥): ٢٦١/٨

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: ٣٥٨/٥، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس قبيل باب الاستبراء: ٥٣٦/٩

(۳) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء، فصل في البيع: ٥٨٣/٩، هندية حواله بالا

(٤) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: ٣٥٨/٥، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء، فصل في البيع: ٥٨٣/٩

(٥) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الثاني، رقم(٤٤٦٠، ٤٤٦١): ٢٣٩/٨، ٢٤٠

(٦) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب العشرون في الزينة: ٣٥٩/٥، مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الثاني، رقم(٤٤٥٩): ٢٣٦/٨

زینت میں مبالغہ کرتے ہوئے اپنا قدرتی حلیہ اور شکل وصورت ہی بگاڑ دے۔رسول اللہ ﷺ نے درج ذیل عورتوں پر لعنت فرمائی ہے اوران کو یہود کے مشابہ قرار دیا ہے:

(ألف) الواصلة والمستوصلة

وہ عورت جو اپنے یا کسی اور عورت کے بالوں کے ساتھ کسی دوسری عورت کے بالوں کو محض زینت کی خاطر جوڑ دے۔فقہاے کرام کے ہاں اس سے مراد وہ صورت ہے جب کوئی عورت کسی دوسری عورت کے بالوں کو اپنے بالوں کے ساتھ گوند وغیرہ سے جوڑ دے۔علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بوڑھی عورت ہے جو خود کو جوان ظاہر کرنے کے لیے ایسا کرے۔مذکورہ فعل میں ایک طرف تو تزویر یعنی جھوٹ اور دھوکہ دہی ہے کہ کسی اور کے بالوں پر فخر وتکبر کرنے لگے اور دوسری طرف بلاضرورت جزِ انسانی سے نفع حاصل کرنا ہے اور یہ دونوں حرام ہیں،البتہ اگر کسی جانور کے پاک بال،اون یا کسی اور چیز کو گوند سے چپکائے بغیر اپنے شوہر کے سامنے خود کو مزین کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔(۱)

ہیئر پلانٹنگ اور گنجا پن ختم کرنے کے لیے بالوں کی سرجری کا حکم:

مذکورہ اصول کی روشنی میں اگر کوئی شخص گنجے پن کے علاج کے لیے اپنے ہی بدن کے کسی حصے کے بال تراش کر انہیں متاثرہ حصے کے مسامات میں پیوست کرنا چاہے اور اس میں کسی گوند،گلو یا کسی کیمیکل کی ضرورت نہ پڑے، بلکہ قدرتی بالوں کی طرح اگ آئیں تو یہ طریقہ علاج اختیار کرنے کی گنجائش ہے،اس لیے کہ اس میں نہ تو تزویر یعنی جھوٹ ہے اور نہ ہی کسی دوسرے آدمی کے جز سے انتفاع، بلکہ قدرتی حسن کو بحال رکھنا مقصود ہے۔اور فقہاے کرام کے ہاں علاج اور معالجے کے باب میں کافی وسعت پائی جاتی ہے۔

(ب) الواشمة والمستوشمة:

وہ عورت جو چہرے یا ہاتھوں کا کوئی حصہ سوئی وغیرہ سے گدوائے اور پھر اس میں کوئی رنگ (سرمہ،نیل) وغیرہ بھرے۔رسول اللہ ﷺ نے گودنے والی اور گدوانے والی دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

---

(۱) عمدة القاري، كتاب اللباس ،باب الوصل في الشعر ،رقم(١٤٣):٢٢/٦٣،٦٤،الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية،الباب التاسع عشر:٥/٣٥٨،مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس ،باب الترجل رقم(٤٤٦٨):٨/٢٤٥،الدر المختار مع ردالمحتار، فصل في اللبس:٩/٥٣٥،٥٣٦

ج) الواشرة والمستوشرة:

اس سے مراد وہ عورت ہے جو بلاضرورت محض خود کو جوان اور خوبصورت ظاہر کرنے کے لیے اپنے دانتوں کے اطراف کو تراش کر باریک کرلے۔ احادیث مبارکہ میں ان عورتوں کو ملعونات بھی کہا گیا ہے۔

د) النامصة والمتنمصة:

اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بلاضرورت چہرے، بھنوؤں یا ابروں کے بالوں کو اکھاڑتی ہوں۔ حدیث میں اس عورت کے لیے لعنت ہے جو بلاضرورت تحسین وتزئین میں مبالغہ آرائی کرتی پھرے، ورنہ وہ عورت جس کے داڑھی یا مونچھوں کے بال خود بخود اُگ آئے ہوں، اس کے لیے ان بالوں کو صاف کرنا اور اکھاڑنا مستحب اور قابل اجر وثواب ہے۔(۱)

کنگھی اور بالوں کی صفائی کی شرعی مدت:

بال رکھنے والوں کے لیے سر یا داڑھی میں کنگھی اور صفائی شرعاً ضروری ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بس دن رات یہ مشغلہ بن جائے اور صبح وشام کنگھی کرتا رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے لگاتار سر کو کنگھی کرنے سے منع فرمایا، مگر یہ کہ ایک روز کے وقفے کے ساتھ ہو۔ علاقوں اور افراد کے اعتبار سے جب بھی بال پراگندہ یا میلے ہوجائیں تو صفائی اور کنگھی کرنا ضروری ہوگا۔(۲)

عانہ یعنی زیرناف بال صاف کرنے کا حکم:

مرد وعورت کی ہر دو شرم گاہوں کے قریب اور ان کے اوپری حصے پر اُگنے والے بالوں کو عانہ کہتے ہیں۔ ان بالوں کو صاف کرنا مرد وعورت دونوں کے لیے مسنون ہے۔ آپ ﷺ نے ان بالوں کو صاف کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان کی صفائی کے لیے باقاعدہ وقت مقرر کیا ہے، اور اس کو فطرتِ انسانی کا تقاضا قرار دیا ہے۔ ان بالوں کی حدود ناف کے نیچے یعنی شرم گاہ کے اردگرد سے لے کر پیچھے کی شرم گاہ میں نکل آنے والے بالوں تک ہے۔ پیچھے والے بال

(۱) عمدة القاري، كتاب اللّباس، باب الوصل في الشعر، وباب الموصولة، رقم(۱٤۳-۱٥۳):۲۲/٦۳-٦٦، مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الأول، رقم(٤٤۳۰، ٤٤۳۱):۸/۲۱۷، ۲۱۸، الدر المختار مع ردالمحتار، فصل في اللبس:۹/٥۳٦

(۲) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الثاني، رقم(٤٤٤۸):۸/۲۲۹

صاف کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"ومثلها شعر الدبر بل هو أدنیٰ بالازالة".(۱)

مرد وعورت کسی بھی طریقے سے یہ بال دور کرسکتے ہیں، چاہے استرے کے ذریعے ہو، چونے یا کسی پاؤڈر سے ہو یا انگلیوں وغیرہ کے ذریعے اکھاڑنے سے ہو، تاہم عورتوں کے لیے اکھاڑنا یا پاؤڈر کے ذریعے مکمل ختم کرنا سنت اور مستحب ہے۔(۲)

مذکورہ بال خود صاف کرنا ضروری ہے، البتہ عذر کے وقت حجام یا بیوی کے ذریعے بھی صاف کیے جاسکتے ہیں۔(۳)

مستحب یہ ہے کہ ہر جمعہ کے دن زیرِ ناف اور بغل کے بال، ناخن، مونچھ وغیرہ کاٹ دی جائیں۔یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ مونچھیں اور ناخن تو ہر جمعہ کے دن کاٹ لیا کرتے تھے، لیکن زیرِ ناف بال ہر پندرہ یا بیس دن کے بعد صاف فرماتے اور بغل کے بال کبھی ایک ماہ یا اس سے کچھ زیادہ تک بھی صاف فرماتے، تاہم اکثر عادت مبارکہ یہ تھی کہ جمعہ کی نماز کے لیے جانے سے پہلے ہی صفائی فرمالیتے، یعنی ہر ہفتہ صفائی کرنا افضل، پندرہ بیس دن میں کرنا مناسب اور چالیس دن تک محض مرخص ہے۔اس سے زیادہ مؤخر کرنا مکروہِ تحریمی اور قابلِ وعید ہے۔(۴)

بغل کے بال صاف کرنے کا حکم:

بغلوں کے بال صاف کرنا بھی مرد وعورت کے لیے ضروری ہے۔چاہے حلق یعنی استرے کے ذریعے صاف کرنا ہو یا انگلیوں سے اکھاڑنے کے ذریعے، تاہم اکھاڑنا مرد وعورت دونوں کے لیے زیادہ بہتر ہے۔مذکورہ بالوں کے اکثر احکام گزر گئے ہیں۔

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحج، فصل في الاحرام وصفة المفرد بالحج:۳/۴۸۷، مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الأول، رقم(۴۴۲۰):۸/۲۰۸، ۲۰۹

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع:۹/۵۸۳

(۳) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان:۵/۳۵۸

(۴) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الأول، رقم(۴۴۲۲):۸/۲۱۲، ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع:۹/۵۸۳، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان:۵/۳۵۷، ۳۵۸

(۵) مرقاة المفاتيح والفتاویٰ الهندية حواله بالا

ناخن کاٹنے کا حکم:

ناخن کاٹنا بھی مرد وعورت ہر ایک کے لیے سنت ہے۔ آپ ﷺ ہر جمعہ کے دن نماز سے پہلے ناخن اور مونچھ کاٹ لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ناخن کاٹنے کو بھی فطرتِ انسانی کا تقاضا قرار دیا ہے، لہٰذا مرد وعورت دونوں کے لیے فیشن یا سستی کے طور پر بڑے بڑے ناخن رکھنا مکروہ ہے۔(۱)

علامہ حصکفی ؒ وشامی ؒ فرماتے ہیں کہ بڑے ناخن اور مونچھیں رکھنا دار الحرب میں موجود غازیوں کے لیے جائز ہے، تاکہ رعب ودبدبہ بھی برقرار ہے اور ان کو بطور اسلحہ یا اسلحہ کی صفائی یا کھولنے کے لیے استعمال کیا جاسکے۔

جمعہ کے دن نماز سے پہلے ناخن کاٹنا افضل اور مسنون ہے، تاہم جس شخص کے ناخن بڑھ گئے ہوں تو اس کے لیے جمعہ کے دن کی فضیلت کا انتظار کیے بغیر ہی کاٹنا ضروری ہے، چاہے دن ہو یا رات، اس لیے کہ جس شخص کے ناخن بڑھ جائیں تو اس کے رزق میں تنگی آجاتی ہے۔ البتہ اگر بہت زیادہ نہیں بڑھ گئے ہوں تو احادیث مبارکہ میں موجود فضیلت کے حصول کے لیے تاخیر کی جاسکتی ہے۔

امامِ غزالی رحمہ اللہ نے ہاتھ کے ناخن کاٹنے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ ناخن کاٹنے کی ابتدا اور انتہا دونوں دائیں ہاتھ پر ہو، جس کی ترتیب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرے اور بالترتیب دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی تک پہنچ جائے، پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے بالترتیب انگوٹھے تک کاٹ لے اور آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے ناخن کاٹ لے۔

پاؤں کی انگلیوں کے بارے میں یا تو یہی طریقہ اختیار کیا جائے یا جس طرح وضو میں خلال کیا جاتا ہے، اس طریقے سے ناخن کاٹ لیے جائیں، یعنی دائیں پاؤں کی چھوٹی اُنگلی (خنصر) سے شروع کر کے بالترتیب بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر کاٹنا ختم کرلے۔

ناخنوں کا دانتوں سے کاٹنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس سے برص یا پیٹ کی بیماریاں لگنے کا اندیشہ ہے۔

مونچھوں کے احکام:

نبی کریم ﷺ نے جن اُمور کو فطرتِ انسانی کا تقاضا اور تمام انبیائے کرام کی سنت قرار دیا ہے، ان میں سے ایک مونچھیں کاٹنا بھی ہے۔(۲)

---

(۱) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الأول، رقم(٤٤٢٠، ٤٤٢٢):٨/٢٠٨، ٢١٢

(۲) عمدة القاري، كتاب اللّباس، باب قص الشارب، رقم(١٠٥):٢٢/٤٤، ٤٥

مونچھوں کے بارے میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں "وأحفوا الشوارب" یا "أنھکوا الشوارب" دونوں کا معنی ہے "کاٹنے میں اتنا مبالغہ کرنا کہ وہ مونڈھے کی طرح نظر آئے"۔(۱)

"إحفاء" اور "إنھاك" کے الفاظ میں مبالغہ کو دیکھ کر امام طحاویؒ، امام ابوحنیفہؒ، صاحبینؒ اور جمہور سلفؒ نے اس سے حلق مراد لیا ہے یعنی ان کے ہاں مونچھوں میں حلق اور استیصال کرنا محض کم کرنے اور کاٹنے سے افضل ہے۔ امام بخاریؒ کی رائے بھی یہی معلوم ہورہی ہے، اس لیے کہ باب رکھنے کے فوراً بعد انہوں نے ابن عمرؓ کا اثر ذکر کیا ہے کہ وہ مونچھیں کاٹنے میں اتنا مبالغہ کرتے تھے کہ جلد کی سفیدی نظر آتی تھی اور اس کے ساتھ ہونٹوں کے اطراف بھی صاف فرماتے تھے۔(۲)

اس کے برعکس اہل مدینہ اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ مونچھیں کم کرنا مونڈھنے سے زیادہ بہتر عمل ہے۔ امام مالکؒ، قاضی عیاض اور بعض سلف نے حلق اور استیصال کو ممنوع قرار دے کر اس کو مثلہ اور بدعت سے تعبیر کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ مونچھیں مونڈھنے والے کی تادیب کی جائے گی، تاہم "إحفاء" اور "إنھاك" کے الفاظ میں مبالغہ اور ابن عمرؓ جیسے صحابی کے عمل کو دیکھ کر اتنی سختی کی گنجائش نہیں، البتہ مناسب یہ ہے کہ مونچھیں کم کرنے میں مبالغہ تو کیا جائے لیکن بالکل حلق یا اس کی مشابہت سے بچا جائے، اس لیے کہ محض فضیلت کے حصول کے لیے خواہ مخواہ "بدعت اور مثلہ" کے الفاظ سے مطعون ہونا مناسب نہیں۔ ملا علی قاریؒ نے بھی احفا کو حلق کے قریب قرار دیا ہے، لیکن حلق ان کے ہاں بھی بعض اقوال کی رو سے مکروہ اور بدعت ہے، لہٰذا اختلاف سے نکلنے کے لیے مناسب یہی ہے کہ کاٹنے میں اتنا مبالغہ نہ ہو کہ حلق اور قص یعنی مونڈھنے اور کم کرنے میں فرق ختم ہوجائے۔(۳)

مونچھیں کم کرنے کا طریقہ:

مونچھوں کے جو بال لبوں سے نیچے تجاوز کر جائیں، ان کو کاٹ کر اس طرح لبوں کے برابر کرنا کہ لبوں کی

---

(۱) عمدة القاري، كتاب اللباس، باب قص الشارب: ۲۲/۴۳، مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، رقم (۴۴۲۱): ۸/۲۱۱

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع: ۹/۵۸۳، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان: ۵/۳۵۸، عمدة القاري، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار: ۲۲/۴۳، ۴۴

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع: ۹/۵۸۳، عمدة القاري، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار: ۲۲/۴۴، مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، رقم (۴۴۲۲): ۸/۲۱۱

سرخی نظر آنے لگے، بالاجماع سنت ہے۔(۱)

مونچھوں کو اتنا باریک کرنا بھی جائز ہے کہ وہ آنکھوں کی بھنوؤں یا آبروؤں کی طرح باریک نظر آنے لگے۔(۲)

ایسی بڑی مونچھیں رکھنا کہ وہ لبوں سے نیچے لٹکتی رہیں، شریعت کی رو سے ناجائز اور حرام ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"من لم يأخذ من شاربه فليس منا".(۳)

البتہ میدان جنگ میں برسرِ پیکار مجاہدین، مسلمان قاضی، امیر یا جلاد وغیرہ کے لیے لمبی مونچھیں رکھنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ لبوں سے متجاوز نہ ہوں، یعنی صرف لمبائی اور اطراف میں زیادہ اور نوک دار بنانا درست ہے، چوڑائی میں نہیں۔(۴)

داڑھی (لحیۃ) رکھنے کے احکام:

"لـحية" اصل میں ان بالوں کو کہتے ہیں جو ڈاڑھ کی ہڈیوں کے اوپر اُگ آئے ہوں، اس لیے اس کو اُردو میں 'ڈاڑھی' یا داڑھی سے تعبیر کرتے ہیں۔(۵)

داڑھی کی فضیلت:

داڑھی اسلام کے شعائر میں سے ہے، جس کو نبی کریم ﷺ نے انبیاء کرام کی سنت اور فطرت انسانی کا تقاضا قرار دیا ہے۔(۶)

---

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع:۹/۵۸۳

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان:۵/۳۵۸

(۳) مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الثاني، رقم (٤٤٣٨) : ۸/۲۲۲

(٤) الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع:۹/۵۸۰، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان:۵/۳۵۸

(۵) عمدة القاري، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، رقم(۱۰۸):۲۲/٤٦

(٦) عمدة القاري، كتاب اللباس، باب قص الشارب، رقم(۱۰۵):۲۲/٤٤، ٤٥

داڑھی رکھنے کا شرعی حکم:

تمام انبیاء کرام کی سنت اور اسلام، شعار ہونے کی وجہ سے فقہائے کرام نے داڑھی کو واجب کہا ہے۔ احادیث مبارکہ "خالفوا المشرکین أو خالفوا المجوس، أعفوا اللّحیٰ" میں امر اور یہود و مجوس اور مشرکین کی مخالفت کے وجوب کو دیکھتے ہوئے ائمہ اربعہ نے بالاتفاق داڑھی مونڈھنے کو حرام قرار دیا ہے۔ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیته." (۱)

(عورتوں سے مشابہت ممنوع ہونے کی وجہ سے) مرد کے لیے داڑھی کاٹنا حرام کر دیا گیا ہے۔

داڑھی کی واجب مقدار سے کم داڑھی رکھنے کا حکم:

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: ''اور داڑھی تراشنا اس حال میں کہ وہ ایک مٹھی کی مقدار سے کم ہو، جس طرح کہ بعض اہل مغرب اور مخنث آدمی (ہیجڑے اور صنفِ ثالث کے لوگ) کرتے ہیں، ایسا کرنے کو کسی نے بھی مباح (جائز) نہیں کہا ہے اور تمام داڑھی منڈوانا ہند کے یہودیوں اور عجم کے مجوسیوں کا فعل (ہونے کی وجہ سے حرام) ہے۔'' (۲)

واجب مقدار سے زیادہ داڑھی ترشوانے اور کاٹنے کے بارے میں محدثین اور فقہا کی آرا کا خلاصہ:

داڑھی کی واجب مقدار حنفیہؒ کے ہاں لمبائی اور چوڑائی ہر ایک میں ایک مٹھی کے بقدر ہے۔ احادیث مبارکہ میں "أعفوا اللّحیٰ" سے داڑھی بڑھانے کا جو حکم ہے اُس سے یہی مراد ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

"واللحیة عندنا طولها بقدر القبضة". (۳)

اور علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: "والسنة فیها القبضة". جس کی تشریح میں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: "وبه نأخذ". (٤)

اور ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ حج یا عمرہ کرتے ہوئے جب سر منڈواتے تو مٹھی سے زائد داڑھی کو بھی کاٹ لیتے۔

---

(۱) الدر المختار، کتاب الحظر والاباحة، فصل في البیع: ۵۸۳/۹، عمدة القاري، کتاب اللّباس، باب تقلیم الأظفار، رقم (۱۰۸): ٤٦/٢٢

(۲) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده ومطلب في الأخذ من اللحیة: ۳۹۸/۳، مرقاة المفاتیح، کتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الثاني، رقم (٤٤٣٩): ۲۲۳/۸

(۳) مرقاة المفاتیح، کتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الثاني، رقم (٤٤٣٩): ۲۲۳/۸

(٤) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والاباحة، فصل في البیع: ۵۸۳/۹

ایک مٹھی کی مقدار داڑھی رکھنا تو واجب ہے، لیکن اس سے زیادہ کتنی مقدار تک داڑھی رکھی جائے؟اس بارے میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

"ولم يحدوا في ذلك حدا غير أن معنىٰ ذلك عندي مالم يخرج من عرف الناس......". (۱)

ترجمہ: (فقہائے کرام نے) داڑھی کے لیے کوئی حد مقرر نہیں کی ہے، البتہ (داڑھی بڑھانے کا) مطلب میرے ہاں یہ ہے کہ وہ اس حد تک بڑھی ہو کہ لوگوں کے عرف اور رواج سے متجاوز نہ ہو۔

بعض محدثین اور فقہائے کرام نے مٹھی سے زائد داڑھی کاٹنے کو واجب قرار دیا ہے۔علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"وصرح في النهاية بوجوب قطع مازاد على القبضة ومقتضاه الإثم بتركه". (۲)

ترجمہ: نہایہ میں تصریح ہے کہ مٹھی سے زیادہ مقدار داڑھی کاٹنا واجب ہے۔ وجوب کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا چھوڑنا گناہ کا سبب ہوگا۔

اسی طرح ملا علی قاریؒ بھی فرماتے ہیں:

"واللحية عندنا طولها بقدر القبضة وماوراء ذلك يجب قطعه". (۳)

ترجمہ: ہمارے ہاں ڈاڑھی کی لمبائی ایک مٹھی کے برابر ہے اور اس سے زائد کو کاٹنا واجب ہے۔

فقہا و محدثین کے ان اقوال میں بلاشبہ وجوب اپنے اصل معنی پر نہیں، جیسا کہ ان کتابوں کے شارحین نے کہا ہے، لیکن ان اساطین علم کے اقوال کا صحیح محمل اور تاویل ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کی شخصیت، قد، حلیہ اور عرف اس بات کے مقتضی ہوں کہ ایک مٹھی سے زائد بال کاٹ دی جائیں۔اسی نکتے کی طرف علامہ عینیؒ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مٹھی سے زیادہ مقدار کی کوئی حد نہیں، لیکن عرف اور رواج سے تجاوز کرنا مناسب نہیں، اس لیے کہ شخصیت اور جسم سے غیر موافق لمبی داڑھی رکھنے میں یہ لوگوں کے سامنے مسخرہ بن جائے گا اور اس پر انگشت نمائی ہونے لگ جائے گی، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) عمدة القاري، كتاب اللّباس، باب تقليم الأظفار، رقم(۱۰۸):۲۲/۴۶،۴۷

(۲) الدرالمختار، كتاب الصوم، باب مايفسدالصوم ومالايفسده:۳/۳۹۷

(۳) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الثاني، رقم (۴۴۳۹):۸/۲۲۳

"وفيه تعريض نفسه لمن يسخربه". (۱)

ترجمہ: اِس (حد سے زیادہ لمبی ڈاڑھی رکھنے) میں اپنے آپ کو لوگوں کا مسخرہ بنانا ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

"فإن الطول المفرط يشوه الخلقة ويطلق ألسنة المغتابين بالنسبة إليه، فلا بأس للاحترازعنه علىٰ هذه النية، فإن التوسط من كل شيء أحسن، ومنه قيل خير الأمور أوسطها". (۲)

حضرت عمرؓ نے ایک شخص کی داڑھی اس طرح منتشر اور غیر موافق دیکھ لی تو اس کی داڑھی کو پکڑ کر کھینچنے لگے اور اس کو خوب ملامت کرنے کے بعد ایک آدمی سے اس کی زائد داڑھی کٹوادی، اس کے بعد اس آدمی کو داڑھی اور بال درست رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ اپنے بالوں کو اس طرح چھوڑنے لگے ہو کہ درندوں میں سے کوئی درندہ نظر آتے ہو۔ (۳)

یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام ومحدثین نے داڑھی کے تناسب کی رعایت نہ کرنے والے ان لوگوں کو بے وقوف اور خفیف العقل قرار دیا ہے جن کی داڑھی شخصیت، قد، صحت اور عرف کی حدود اور تناسب سے زیادہ لمبی اور پراگندہ ہو۔ (۴)

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ "إعفاء اللحیٰ" سے مٹھی کی مقدار مراد ہے، لہٰذا خود نبی کریم ﷺ کے بارے میں بھی محدثین نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ داڑھی کی لمبائی اور چوڑائی میں سے کچھ بال کاٹ لیا کرتے تھے:

"أن النبي ﷺ كان يأخذ من لحيته من عرضها وطولها".

ترجمہ: نبی کریم ﷺ اپنی ڈاڑھی کے طول وعرض سے کچھ کاٹتے تھے۔

---

(۱) عمدة القاري، كتاب اللّباس، باب تقليم الأظفار، رقم (۱۰۸): ۲۲/۴۷

(۲) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الثاني، رقم (۴۴۳۹): ۸/۲۲۳

(۳) عمدة القاري، كتاب اللّباس، باب تقليم الأظفار، رقم (۱۰۸): ۲۲/۴۶، ۴۷

(۴) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الثاني، رقم (۴۴۳۹): ۸/۲۲۳، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع: ۹/۵۸۳

ملا علی قاریؒ اس کی تشریح میں رقم طراز ہیں:

"وكان يفعل ذلك في الخميس أو الجمعة ولا يتركه مدة طويلة".

نبی کریم ﷺ ہر جمعرات یا جمعہ کو داڑھی سے زائد بال کاٹتے اور طویل مدت تک اس کو یوں ہی نہ چھوڑتے تھے۔(۱)

یہی بات فتاویٰ شامی، فتاویٰ ہندیہ اور عمدۃ القاری میں بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔(۲)

لمبی داڑھی رکھنے کے بعد اس کو مٹھی کے برابر کرنے کا حکم:

اگر کسی شخص کی داڑھی لمبائی یا چوڑائی میں انتہائی گھنی اور لمبی ہوگئی ہو اور وہ اس کے ساتھ جچتی نہ ہو، بلکہ نامناسب معلوم ہو رہی ہو تو ایسے شخص کے لیے ایک مٹھی کی مقدار سے زائد کو فوراً کاٹنا مناسب نہیں، اس لیے کہ یہ مثلہ کے مشابہہ ہے۔دوسری بات یہ کہ اس سے لوگوں میں شکوک وشبہات پھیل جائیں گے، لہٰذا بتدریج معمولی معمولی مقدار میں کم کرتا رہے، یہاں تک کہ ایک مٹھی سے زائد جو مقدار اس کی صحت، قد، شخصیت اور عرف کے ساتھ مناسب معلوم ہو، اس پر اکتفا کرے۔(۳)

داڑھی کی مکروہات:

امام غزالیؒ نے درج ذیل اشیا کو مکروہ قرار دیا ہے:

(۱) سیاہ خضاب لگانا۔

(۲) گندھک یا کسی اور چیز سے بتکلف داڑھی کو سفید بنانا۔

(۳) داڑھی سے بال کم کرنا یا سفید بالوں کو اکھاڑنا۔

---

(۱) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الثاني، رقم (۴۴۳۹): ۲۲۳/۸

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء، فصل في البيع: ۵۸۳/۹، عمدة القاري، كتاب اللّباس، باب تقليم الأظفار، رقم(۱۰۸): ۴۷/۲۲، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان: ۳۵۸/۵

(۳) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الأول، رقم (۴۴۲۱): ۲۱۱/۸، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان: ۳۵۸/۵

بڑھانا۔

(۴) داڑھی کی مقدار میں بتکلف اضافہ کر کے رخساروں اور گلے تک بڑھانا۔

(۵) ریاکاری کے طور پر داڑھی کو کنگھی وغیرہ کے ذریعے خوبصورت اور مزین بنانا۔

(۶) خود کو عابد زاہد ظاہر کرنے کے لیے اس کو یوں ہی پراگندہ چھوڑنا۔

(۷) اپنی سیاہ داڑھی کو دیکھ کر اپنی جوانی پر فخر کرنا یا سفید بالوں کو دیکھ کر سفید ریشی کی خود پسندی میں مبتلا ہونا۔

(۸) خود کو صالح ظاہر کرنے کے لیے صالحین کی طرح سرخ خضاب لگانا۔

(۹) داڑھی نکلتے وقت اسے نکالنا یا مونڈھنا۔

(۱۰) داڑھی میں گرہیں یا شکنیں ڈالنا۔(۱)

ریش بچہ یعنی نچلے ہونٹ کے بالوں کا حکم:

لبِ زیرین کے نیچے درمیان میں جو بال ہوتے ہیں، ان کو اکھاڑنا یا مونڈنا بدعت اور مکروہ ہے، البتہ اس درمیان والے حصے کے علاوہ بقیہ بالوں کو کاٹنا یا اکھاڑنا جائز ہے۔ ابن عمرؓ سے ایسا کرنا ثابت ہے۔(۲)

گلے اور رخساروں کے بال کاٹنے کا حکم:

گلے اور رخساروں کے بال کاٹنا جائز ہے، اس لیے کہ یہ داڑھی کی حدود میں داخل نہیں۔(۳)

خلاصہ بحث:

محدثین اور فقہائے کرام کے ان اقوال کا نچوڑ اور خلاصہ یہ ہے کہ ایک مٹھی کی مقدار داڑھی رکھنا تو واجب ہے، البتہ اس سے زائد مقدار آدمی کی شخصیت، صحت اور عرف کو مدنظر رکھ کر رکھی جائے۔ عموماً لمبے قد اور اچھی صحت کے لوگوں کے ساتھ نسبتاً لمبی داڑھی جچتی اور اچھی لگتی ہے، لہٰذا ایسے لوگوں کے لیے لمبی داڑھی رکھنا مزید حسن اور وقار کا سبب ہے۔ جب کہ پست قد اور کمزور لوگوں کے ساتھ مٹھی کی مقدار مناسب داڑھی ہی اچھی لگتی ہے، لہٰذا قد، صحت اور عرف

---

(۱) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الأول، رقم(٤٤٢١): ٢١١/٨

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع، تنبيه: ٥٨٣/٩، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان: ٣٥٨/٥، عمدة القاري، كتاب اللّباس، باب قص الشارب: ٤٣/٢٢

(۳) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع: ٥٨٣/٩، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان: ٣٥٨/٥

کو دیکھ کر مٹھی سے زائد داڑھی رکھی جائے، تاکہ اس مبارک سنت کو استہزاوتمسخر بننے سے بچا کر انسانی حسن، شخصیت اور وقار میں ترقی کا ذریعہ ثابت کریں۔

بال، مونچھ، ناخن وغیرہ کاٹنے سے متعلق اہم اصول:

پہلا اصول:

(۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بال، ناخن یا مونچھ کاٹنے کے لیے بعض مخصوص ایام اور اوقات کا اہتمام فرمایا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ناخن، بال یا مونچھ بڑھ جانے کے باوجود مخصوص وقت یا دن کا انتظار کیا جائے۔ شریعتِ مطہرہ میں اصل مقصد صفائی ستھرائی ہے اور مذکورہ سنن ومستحبات سننِ ہدیٰ وموکدہ نہیں، بلکہ سننِ عادیہ ہیں، لہٰذا سننِ عادیہ پر عمل کرنے کے لیے کراہت کا ارتکاب کسی طرح بھی دانش مندی نہیں۔(۱)

دوسرا اُصول:

(۲) سر، مونچھ، داڑھی یا عانۃ وغیرہ کے کٹے ہوئے بالوں، ناخنوں اور حیض کے خون کو دفن کرنا مستحب ہے۔ اس میں ایک طرف انسانی اعضا کی تعظیم ہے اور دوسری طرف شرم وحیا کا تقاضا بھی ہے اور سب سے بڑھ کر ماحول کی صفائی اور متعدی بیماریوں سے تحفظ کا بنیادی ذریعہ ہے، اس لیے اطبا کے ہاں ان اشیا کو عام جگہوں میں پھینکنے سے کئی قسم کی بیماریاں پھیل جانے کا خطرہ ہوتا ہے، لہٰذا ان اشیا کو یا تو دفنانا چاہیے یا کسی ویران جنگل اور صحرا میں پھینک دینا چاہیے۔(۲)

ختنہ سے متعلق احکام:

مردوں کے لیے ختنہ کرنا بھی انسانی فطرت کا تقاضا اور انبیاے کرام کی سنتِ متوارثہ ہے۔ حنفیہ کے ہاں ختنہ کرنا سنت ہے، البتہ امام شافعیؒ اور اکثر فقہا ومحدثین کے ہاں واجب ہے، اس لیے کہ یہ اسلام کا بنیادی شعار ہے۔

---

(۱) لفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان: ۳۵۸/۵، الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع: ۵۸۱/۹، مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الأول: ۲۱۲/۸

(۲) لفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان: ۳۵۸/۵

ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے:

''بے ختنہ شخص کی گواہی، نماز اور قربانی مقبول نہیں''۔

اسی اہمیت کو مدنظر رکھ کر آدمی کے لیے ختنہ کراتے وقت کشفِ عورت بھی جائز کر دیا گیا ہے۔

ختنہ کرنے کا وقت ولادت کے سات دن کے بعد شروع ہوتا ہے، البتہ مستحب اور مناسب وقت فقہائے کرام کے ہاں سات سال سے لے کر دس، بارہ سال تک ہے۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جو بچہ فطری طور پر مختون پیدا ہو جائے اور اہل بصیرت اور تجربہ کار افراد اس کا معائنہ کر کے یہ رائے دیں کہ بعد میں ختنہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی تو اس کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ یہی حکم اس بچے کا بھی ہے جس کا چمڑا کھینچنا ممکن نہ ہو اور حشفہ نظر آ رہا ہو۔

جو آدمی بڑھاپے یا کسی مرض میں ایمان لائے اور ختنہ کی قدرت نہ رکھے تو اس کو بھی یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔

اگر کسی آدمی کا ختنہ نہ ہوا ہو یا جوانی میں ایمان لائے تو اول کوشش یہ ہونی چاہیے کہ خود ہی ختنہ کرا دے، ورنہ بیوی کو طریقہ سکھا کر ختنہ کرائے۔ بصورتِ دیگر کسی اور سے بھی کرا سکتا ہے۔

ماں، باپ، دادا یا ان لوگوں کا وصی بچے کا ختنہ کر سکتے ہیں۔ اگر ختنہ کے دوران بچے کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو ان پر کوئی ضمان نہیں، باپ دادا اور ماں کے علاوہ بقیہ لوگ کسی بھی نقصان یا موت کے ضامن ہوں گے۔(۱)

❁❁❁❁❁

(۱) لفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان: ٥/٣٥٧، مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الأول، رقم (٤٤٢٠): ٨/٢٠٨، ٢٠٩

باب الشعر والشارب واللّحیة والأظفار والختان

(بال، داڑھی، مونچھ اور ناخنوں سے متعلقہ مسائل)

بال رکھنے کا مسنون طریقہ

سوال نمبر (81):

کیا عام حالات میں بال رکھنا سنت ہے یا حلق کرنا؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں آپ ﷺ سے مختلف مواقع میں مختلف قسم کے بال رکھنا ثابت ہے۔حج وعمرہ کے موقع پر آپ ﷺ اپنے سر مبارک کے بالوں کا اُسترے سے حلق کیا کرتے تھے جب کہ عام حالات میں کانوں کی لو تک یا کندھوں تک بال چھوڑتے تھے۔چونکہ عام عادت بال رکھنے کی تھی اِس لیے بال رکھنا مسنون ہے بشرطیکہ سب بال ایک برابر رکھے جائیں،اس کی صفائی اور کنگھی کا خیال رکھا جائے اور اس سے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔نیز بالوں کو استرے یا مشین سے مونڈنا بھی جائز ہے۔صحابہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عادت بال منڈوانے کی تھی۔

والدّلیل علی ذلک:

عن ابن عمرأن النبی صلی الله علیه وسلم رأی صبیا قد حلق بعض شعره وترك بعضة فنهاهم عن ذلك وقال احلقوه كله أو اتركوه كله. (١)

ترجمہ:حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بچے کو دیکھا کہ اُس کے سر کے بعض بال مونڈے اور بعض چھوڑے گئے تھے۔آپ ﷺ نے اُنہیں اِس سے منع کیا اور ارشاد فرمایا:"یا تو سب بال مونڈ و یا سب چھوڑ دو"

قال العلي القاري في شرح الحدیث: فیه إشارة إلی أن الحلق فی غیر الحج والعمرة جائز وأن الرجل مخیّر بین الحلق وتركه لكن الأفضل أن لا یحلق إلا فی أحد النسكین كما كان علیه مع أصحابه رضی الله عنهم وانفرد منهم علی كرم الله وجهه.(٢)

(١)سنن أبي داؤد،الترجل، في الصبي له ذؤابة:٢/٢٢١

(٢) مرقاة المفاتیح، اللباس، الترجل، الفصل الأول: ٢١٦/٨

ترجمہ: ملا علی قاریؒ اِس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: اِس حدیث میں اشارہ ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ بھی حلق جائز ہے اور آدمی کو بال مونڈنے یا چھوڑنے کا اختیار ہے۔ البتہ افضل یہ ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ حلق نہ کیا جائے جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا۔ صحابہ میں صرف حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا عمل اِس سلسلہ میں الگ تھا (کہ وہ حلق کیا کرتے تھے۔)

سر کے بالوں میں افضل طریقہ

سوال نمبر(82):

ہمارا ایک دوست کہتا ہے کہ سر کے بال رکھنا افضل ہے اور حلق کرنا مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اِسے گمراہ فرقے کی علامت قرار دیا ہے۔ کیا یہ بات درست ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

احادیثِ مبارکہ میں سر کے بالوں سے متعلق دو طریقے بیان ہوئے ہیں: ایک طریقہ بال بالکل صاف کرنے کا ہے اور دوسرا بال چھوڑنے کا۔ ان میں دوسرا طریقہ یعنی بال رکھنا زیادہ افضل ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی عام عادتِ شریفہ بال رکھنے کی تھی، البتہ یہ ضروری ہے کہ کوئی لمبے بال رکھے تو اُس کی صفائی و کنگھی کا خیال بھی رکھے۔ بلیڈ یا استرے سے بال مونڈنے کو اگرچہ بعض حضرات نے مکروہ لکھا ہے، لیکن محققین فقہاو شراحِ حدیث کے ہاں اِس میں کوئی کراہت نہیں۔ اگر چہ آپ ﷺ نے اِسے ایک گمراہ فرقے ''خوارج'' کی علامت قرار دیا ہے لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ حلق حرام ہے کیونکہ بعض مرتبہ مباح کام بطورِ علامت بتادیا جاتا ہے۔ اگر حلق حرام یا مکروہ کام ہوتا تو حج وعمرہ میں بھی اِس کا حکم نہ ہوتا۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے ایک بچے کے بال دیکھ کر فرمایا: ''یا تو سب بال مونڈ و یا سب چھوڑو'' اور صحابہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عادت مونڈنے کی تھی۔ یہ سب دلائل اِس کے جائز ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

(سیماھم التحالق)...واستدل به بعض الناس علی کراهة حلق الرأس ولا دلالة فیه وإنما هو علامة لهم والعلامة قدتکون بحرام وقد تکون بمباح... وقد ثبت في سنن أبي داؤد بإسناد علی شرط

البخاري ومسلم أن رسول الله ﷺ رأى صبيًا قد حلق بعض رأسه فقال: "أحلقوه كله أو اتركوه كله" وهذا صريح في إباحة حلق الرأس لا يحتمل تأويلا قال أصحابنا: حلق الرأس جائز بكل حال لكن إن شق عليه تعهده بالدهن والتسريح استحب حلقه وإن لم يشق استحب تركه. (۱)

ترجمہ: اُن کی علامت سر مونڈنا ہے...... بعض اہلِ علم نے اِس سے سر مونڈنے کی کراہت پر استدلال کیا ہے حالانکہ اِس میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں۔ یہ تو صرف اُن کی علامت کے طور پر ذکر کیا ہے اور علامت کبھی حرام کام ہوتا ہے اور کبھی مباح........ سنن ابوداؤد میں ایسی سند کے ساتھ حدیث مروی ہے جو بخاری ومسلم کی شرط پر پوری اُترتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ اُس کے سر کا بعض حصہ مونڈا گیا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یا تو سارے سر کو مونڈ و یا سارے کو چھوڑ دو۔ یہ حدیث سر مونڈنے کے جواز کے بارے میں بالکل صریح ہے جس میں تاویل کا کوئی احتمال نہیں۔ ہمارے حضرات فرماتے ہیں: سر مونڈنا بہر حال جائز ہے۔ البتہ اگر کسی کے لیے بالوں کو تیل دینے اور کنگھی کرنے کا خیال رکھنا مشکل ہو تو اُس کے لیے حلق مستحب ہے اور اگر یہ مشکل نہ ہو تو چھوڑ دینا مستحب ہے۔

❁❁❁

بالوں میں مانگ نکالنا

سوال نمبر (83):

ایک شخص کے لمبے بال ہیں اور وہ بالوں کے درمیان میں بعض اوقات مانگ نکالتا ہے اور بعض اوقات بغیر مانگ نکالے چھوڑ دیتا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ مانگ نکالنا افضل ہے یا ویسے چھوڑنا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شروع اسلام میں مشرکینِ مکہ بالوں میں مانگ نکالتے تھے اور اہلِ کتاب نہیں نکالتے تھے۔ جن کاموں کے متعلق آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے کوئی حکم نہ ہوتا، ان میں آپ ﷺ مشرکین کی نسبت اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے، چنانچہ آپ ﷺ بھی ابتداً مانگ نہیں نکالتے تھے، بالوں کو اپنی حالت پر چھوڑتے تھے۔ بعد میں جب اسلام کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا کیا اور مشرکین مغلوب ہوئے تو پھر آپ ﷺ نے اہلِ کتاب کے طریقے کی مخالفت کو مناسب

(۱) شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الزكوة، باب اعطاء المؤلفة...... : ۱/۳۴۲

سمجھا چنانچہ بالوں میں مانگ نکالنا شروع کیا۔فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اب مانگ نکالنا بھی جائز ہے اور نہ نکالنا بھی البتہ نکالنا مستحب ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

عن ابن عباس قال: كان أهل الكتاب يسدلون أشعارهم وكان المشركون يفرقون رؤوسهم وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب موافقة أهل الكتاب فيما لم يؤمر به فسدل رسول الله صلى الله عليه وسلم ناصيته ثم فرق بعد.(١)

قال النووي في شرح هذا الحديث: والحاصل أن الصحيح المختار جواز السدل والفرق وأن الفرق أفضل . والله أعلم .(٢)

ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اہلِ کتاب بالوں کو لٹکاتے تھے اور مشرکین مانگ نکالتے تھے۔رسول اللہ ﷺ کو جس معاملہ میں کوئی حکم نہیں ہوا ہوتا تھا، اُس میں آپ اہلِ کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے چنانچہ آپ بھی بال لٹکاتے تھے۔بعد میں آپ نے مانگ نکالنا شروع فرمایا۔

علامہ نوویؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: حاصل یہ ہے کہ صحیح اور مختار بات یہ ہے کہ سدل اور فرق دونوں جائز ہیں البتہ، مانگ نکالنا افضل ہے۔

❁❁❁

رسول اللہ ﷺ کا حلق فرمانا

سوال نمبر(84):

کیا حضور اقدس ﷺ سے حلق ثابت ہے یا نہیں؟ اگر حلق ثابت ہے تو کتنی مرتبہ آپ ﷺ نے حلق فرمایا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

رسول اللہ ﷺ اور اکثر صحابہ کرامؓ کا عام معمول سر منڈوانے کا نہیں تھا، بلکہ بال رکھنے کا تھا۔تاہم نبی کریم ﷺ

(١) صحيح مسلم، الفضائل، باب صفة شعره ﷺ:٢/٢٥٧

(٢) شرح النووی علی هامش صحيح مسلم :٢/٢٥٨

اور صحابہ کرامؓ سے کبھی کبھار سر منڈوانا بھی ثابت ہے۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف چار مرتبہ سر مبارک منڈوایا ہے۔ اور وہ بھی حج یا عمرہ کے موقع پر۔

والدّلیل علی ذلک:

قال ابن القیم رحمہ اللہ في زادالمعاد: لم یحلق ﷺ رأسه الشریف إلا أربع مراتٍ. (۱)

ترجمہ: علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے زادالمعاد میں فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے صرف چار مرتبہ سر مبارک منڈوایا ہے۔

❁❁❁

انگریزی بال رکھنا

سوال نمبر(85):

موجودہ دور میں اگر ایک عام مسلمان انگریزی بال رکھے تو کیا یہ عمل اس کے لیے شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

عرف میں انگریزی بال اِس کو کہتے ہیں کہ سر کے اگلے حصے کے بال بڑے رکھے جائیں اور اطراف میں کم کیے جائیں۔ یہ صورت چونکہ 'قزع' (کچھ بال رکھنے اور کچھ مونڈنے) کے مشابہ ہے اور قزع سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اِس لیے انگریزی بال سے احتراز ضروری ہے۔ نیز انگریزی بال رکھنے میں انگریزوں اور فساق وفجار کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جب کہ شریعتِ مطہرہ کی رُو سے غیر مسلم اقوام کے ساتھ مشابہت کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اس لیے بھی اس سے احتراز ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ویکرہ القزع، وھو أن یحلق البعض ویترك البعض. (۱)

ترجمہ: بالوں میں قزع مکروہ ہے۔ قزع کا مطلب یہ ہے کہ بعض بال کاٹے اور بعض چھوڑ دیے جائیں۔

❁❁❁

---

(۱) سبل الھدی والرشاد الباب الثالث (فی صفة رأسه و شعره صلی اللہ علیه وسلم) : ۱۸/۲

(۱) الفتای الھندیة، کتاب الکراھیة، الباب التاسع عشر فی الختان: ۳۵۷/۵

عورتوں کے لیے بالوں کی چوٹیاں بنانا

سوال نمبر (86):

ہمارے علاقے میں بعض عورتیں بالوں کی دو چوٹیاں بناتی ہیں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عورتوں کے لیے سر کے بالوں میں دو یا زائد چوٹیاں بنانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ لہٰذا جو عورتیں بالوں میں چوٹیاں بناتی ہیں، ان کا یہ عمل درست ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولابأس للمرأة أن تجعل في قرونها ذوائبها شيئاً من الوبر.(۱)

ترجمہ:

عورت کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنی چوٹیوں اور لٹوں میں کچھ وبر (یعنی پشم یا اونٹ کے بال) ڈال دے۔

۞۞۞

عورتوں کے لیے سر کے بال کٹوانا

سوال نمبر (87):

آج کل مسلمان عورتیں مغربی عورتوں کی طرح سر کے بال کاٹتی ہیں اور اسے جدید فیشن کا نام دیتی ہیں۔ تو کیا عورت کے لیے بال کٹوانا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو چاہے مرد ہو یا عورت بہترین شکل وصورت میں پیدا فرمایا ہے۔ کسی مرد یا عورت کو اپنی

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان: ٣٥٨/٥

اصلی صورت بگاڑ کر دوسری شکل وصورت اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی اس عطا کردہ نعمت اور تخلیق پر راضی نہ ہونے کے مترادف ہے۔ اسی لیے شریعت میں عورت کے لیے سر کے بال کاٹنا یا کم کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ آج کل غیر مسلم عورتوں کی دیکھا دیکھی کچھ مسلمان خواتین بھی اس برے کام کا ارتکاب کر رہی ہیں اور اسے جدید فیشن کا نام دیتی ہیں، حالانکہ اس کے متعلق احادیث میں وعیدیں وارد ہوئی ہیں، کیونکہ اس میں اور مفاسد کے علاوہ مردوں کے ساتھ مشابہت بھی ہے، جو شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ اس لیے مسلمان خاتون کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین رکھتی ہو، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

قطعت شعر رأسها أثمت ولعنت زاد في البزازية وإن بإذن الزوج لأنه لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق.(۱)

ترجمہ: اگر کوئی عورت اپنے سر کے بال کاٹ دے تو اس عمل کی وجہ سے وہ گناہ گار اور موجب لعنت ہوگی، بزازیہ میں اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ خواہ خاوند کے حکم سے ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ خالق کی نافرمانی کے کاموں میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

۞۞۞

عورتوں کا بال تراش کر رُخسار پر لٹکانا

سوال نمبر(88):

عورت کے لیے بغرض زینت سر کے اگلے حصے کے بال تراش کر رخسار پر لٹکانا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اسلام دین فطرت ہے، اس کا ہر حکم فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ عورتوں کے بال فطرتاً باعثِ زینت ہیں اس لیے عورتوں کے لیے سر کے بال کاٹنا یا کم کرنا فطرت کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر اور تبدیلی کے مترادف ہے۔ نیز اس میں مغربی فیشن اور روایات کو اپنانے کے ساتھ مردوں سے مشابہت اختیار کرنا بھی ہے اس لیے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغیرہ :۵۸۳/۹

والدّلیل علی ذلك:

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال:لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال.

قال الطبري المعنی لا یجوز للرّجال التشبه بالنساء في اللّباس أو الزینة التي تختص بالنساء، ولا العکس.(۱)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کے لیے عورتوں کے ساتھ لباس اور ایسی زینت میں جو صرف عورتوں کے ساتھ خاص ہو، مشابہت اختیار کرنا جائز نہیں اور نہ اس کا عکس (عورتوں کا بھی مردوں کے ساتھ مشابہت اختیا کرنا شکل وصورت اور لباس وغیرہ میں جائز نہیں)

❁❁❁

عورتوں کے گرے ہوئے بالوں کا دفنانا

سوال نمبر(89):

کنگھی کرتے وقت عورتوں کے کچھ بال گر جاتے ہیں اور یا کنگھی میں جمع ہوتے ہیں۔ان نکلے ہوئے بالوں کی حفاظت کی کیا صورت ہوگی؟ کیا انہیں جلانا مناسب ہے یا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے ناخن اور بال انسان کے جسم کے اجزا ہیں اور انسان کے سارے اعضا قابل احترام ہیں اس لیے گرے ہوئے بالوں کو دفن کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ انسان بھی جب مر جائے تو اس کو دفنایا جاتا ہے۔ دفنانے کے علاوہ کسی پاک صاف جگہ پھینکنا بھی جائز ہے،البتہ گندگی کی جگہ میں پھینکنا یا جلانا انسانی شرافت کے ساتھ منافی ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔

---

(۱) ابن حجر، فتح الباري، کتاب اللّباس، باب المتشبهون، رقم الحدیث (۵/۵۸۸):۲/۱۱:۵،دارالفکر بیروت

والدّلیل علی ذلك:

فإذا قلم أظفاره أو جز شعره ينبغي أن يدفن ذلك الظفر والشعر المجزوز، فإن رمى به فلا بأس وإن ألقاه في الكنيف أو في المغتسل يكره؛ لأنّ ذلك يورث داء. (۱)

ترجمہ: جب کوئی شخص اپنے ناخن کاٹ دے یا بال کاٹ دے تو بہتر صورت یہ ہے کہ وہ کاٹے ہوئے بال اور ناخن کو دفنادے اور اگر (صاف جگہ) پھینک دے تو بھی کوئی حرج نہیں۔تاہم قضائے حاجت کی جگہ یا غسل خانے میں ڈال دینا مکروہ ہے اس لیے کہ اس کی وجہ سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔

❁❁❁

داڑھی کی حدود

سوال نمبر(90):

داڑھی کی شرعی مقدار کیا ہے؟ نیز چہرے اور دونوں طرف سے داڑھی کی مقدار کتنی ہونی چاہیے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

داڑھی کا اطلاق اُن بالوں پر ہوتا ہے جو نچلے جبڑے کی ہڈی کے اوپر اُگتے ہیں۔ اِس کی حدود دونوں طرف کنپٹی تک جب کہ نیچے ٹھوڑی کے نیچے تک ہیں۔ مذکورہ جگہوں کے علاوہ رخسار وغیرہ پر جو بال اُگ آئیں، ان پر شرعاً داڑھی کا اطلاق نہیں ہوتا، اس لیے اُن کو صاف کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

و فی شرح الإرشاد: اللّحية الشّعر النابت بمجتمع اللحيين، والعارض مابينهما و بين العذار و هو القدر المحاذي للأذن يتصل من الأعلى بالصدغ، و من الأسفل بالعارض. (۲)

ترجمہ:

شرح ارشاد میں ہے کہ داڑھی سے مراد وہ نکلے ہوئے بال ہیں، جو دونوں داڑھوں پر جمع ہوں اور داڑھوں اور

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشرفي الختان : ۳۵۸/۵

(۲) البحرالرائق، كتاب الطهارة تحت قوله (لحيته) :۳٤/۱

کانوں کے کنپٹیوں کے مابین ہوں، کان کے پیٹ کا وہ حصہ جو کہ کان کے برابری میں اوپر کے کنپٹی کے ساتھ ملا ہوا ہو اور نیچے عارض کے برابر ہوں۔

۞۞۞

ایک مٹھی سے کم داڑھی رکھنا

سوال نمبر (91):

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایک مٹھی سے کم داڑھی رکھنا بھی صحیح ہے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایک مشت داڑھی رکھنے کی کوئی شرعی دلیل نہیں اور نہ مشت سے کم داڑھی رکھنے والا شخص فاسق کے زمرے میں آئے گا۔ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

بيِّنوا تؤجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

داڑھی رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو مشرکین کی مخالفت میں داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے۔ امام نوویؒ اور بعض دوسرے علمائے کرام کے نزدیک داڑھی کم کرنا سرے سے جائز نہیں، لیکن چونکہ بعض روایات میں آپ ﷺ اور بعض صحابہ کرامؓ سے ایک مٹھی تک داڑھی رکھنا اور زائد کو کاٹنا منقول ہے اس لیے فقہائے احناف کے ہاں تھوڑی سے ایک مٹھی کے برابر داڑھی رکھنا ضروری اور واجب ہے جب کہ اِس سے زائد کو کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔ پھر بعض کے نزدیک زائد کا کاٹنا مباح اور بعض کے ہاں مستحب ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس کا دارومدار صحت، قد وقامت اور عرف پر ہے کہ مشت سے زائد جس قدر داڑھی بدنما معلوم نہ ہو اُس قدر رکھنا درست جب کہ زائد کو کاٹنا مستحب ہے۔ اور جہاں تک مشت سے کم کرنے کا تعلق ہے تو یہ چونکہ کسی سے منقول نہیں، اِس لیے یہ حرام ہے۔ داڑھی منڈا شخص یا ایک مٹھی سے کم کتروانے والا شخص واجب سے منہ موڑنے کے سبب فاسق کے زمرے میں داخل ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن ابن عمرؓ عن النبي ﷺ قال: "خالفوا المشركين، وفرّوا اللحىٰ واحفوا الشوارب"، و كان ابن عمر إذا حجّ أو اعتمر قبض على لحيته، فما فضل أخذه. (۱)

(۱) صحيح بخاري، كتاب اللّباس، باب قص الشارب: ۸۷۵/۲

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضورﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ”مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ۔“ ابن عمرؓ حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی مٹھی سے پکڑتے اور بالوں کا جتنا حصہ اس سے زیادہ ہوتا اس کو کاٹ دیتے۔

وأما الأخذ منها: و هي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، و مخنثة الرجال، فلم يبحه أحد.(۱)

ترجمہ: اور جہاں تک داڑھی کو ایک مٹھی کی مقدار سے کم کاٹنے کا مسئلہ ہے، جیسا کہ بعض اہلِ مغرب اور مخنث قسم کے لوگ کرتے ہیں، اسے کسی نے جائز قرار نہیں دیا۔ ۞۞۞

گرفتاری کے خوف سے داڑھی منڈوانا

سوال نمبر(92):

ایک شخص گرفتاری کے ڈر سے داڑھی منڈواتا ہے، تاکہ گرفتاری سے بچ سکے۔ کیا اِس صورت میں داڑھی کاٹنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

اکراہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو کسی کام پر اس کی رضامندی کے بغیر مجبور کیا جائے۔ اکراہ میں اگر مکرَہ (جس کو مجبور کیا جارہا ہو) کو اس بات کا یقین ہو کہ مکرِہ (مجبور کروانے والا) اپنی دھمکی نافذ کر کے اس کی جان یا کسی عضو کو تلف کر سکتا ہے، تو اکراہِ تام متحقق ہو جاتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ بلا کسی جرم و گناہ گرفتار کر کے اس کو اتنی اذیت دی جائے گی جس سے اس کی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہوگا تو پھر بوجہ مجبوری داڑھی منڈوانے کی گنجائش ہوگی۔ تاہم اگر مکرَہ کو یقین ہو کہ مکرِہ اپنی دھمکی نافذ نہیں کر سکتا، یا صرف گرفتاری کا خطرہ ہو، جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا ڈر نہ ہو تو اس صورت میں داڑھی منڈوانے کی اجازت نہیں اور اگر گرفتاری کسی جرم کی وجہ سے ہو تو پھر داڑھی منڈوانے کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

الضرر إذا كان بما يخاف منه التلف على النفس او العضو فإكراه،ولم يقدر محمدرحمه الله فيه بشيء،بل فوضه إلىٰ رأي المكره،و قدّره بعض علمائنا بأدنى الحد أربعين فإن أكره على تناول

المیتة بأربعین فإکراه ،و بأقلّ لا. و الصحیح ما قاله محمد رحمه الله لاختلاف الناس فیه.(۱)

ترجمہ: جب ضرر ایسا ہو کہ اُس سے جان یا عضو ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو یہ اکراہ ہے۔امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی حد متعین نہیں فرمائی، بلکہ اس کو مکرَہ کی رائے پر چھوڑا ہے۔ہمارے بعض علماء نے حد کی کم از کم مقدار چالیس کوڑوں کو اکراہ کی حد بتائی ہے۔چنانچہ اگر کسی کو چالیس کوڑوں کی دھمکی دے کر مردار کھانے پر مجبور کیا جائے تو اکراہ ہے، اور اس سے کم کی دھمکی ہو تو اکراہ نہیں۔صحیح قول وہی ہے جو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیونکہ (کوڑے مارنے) میں لوگ مختلف ہوتے ہیں۔

❁❁❁

داڑھی منڈوانے کو حلال سمجھنا

سوال نمبر(93):

ایک آدمی داڑھی منڈواتا ہے اور ساتھ ہی وہ اپنے اس فعل کو حلال بھی سمجھتا ہے اور حلت پر دلائل بھی پیش کرتا ہے۔شرعاً اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے۔

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

داڑھی رکھنا شعائرِ اسلام میں سے ہے۔تمام انبیائے کرام اور صحابہ کی سنت ہے۔آپ ﷺ نے ڈاڑھی رکھنے کا حکم فرمایا اور کاٹنے کو مشرکین کی موافقت قرار دیا اس لیے فقہائے کرام کے ہاں داڑھی منڈوانا حرام اور ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص داڑھی منڈوانے کو جائز اور حلال سمجھتا ہو تو اس کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے، کیونکہ اس طرح کا عقیدہ رکھنے سے زوالِ ایمان کا اندیشہ ہے۔ایسی باتوں سے صدقِ دل کے ساتھ توبہ کر کے آئندہ اس سے احتراز ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

استحلال المعصیة کفر إذا ثبت کونها معصیة بدلیل قطعي.(۲)

ترجمہ: جب کسی چیز کا معصیت اور گناہ ہونا کسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جائے تو ایسے گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الإکراه، الباب الأول في تفسیر : ۳۵/۵

(۲) محمد البزازی ،الفتاوی البزازیہ، کتاب الاکراہ، صفحہ ۲٦٤ ،جلد دوم ،مکتبہ دار الکتب العلمیہ

12

خضاب لگانا

سوال نمبر(94):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل بالوں کو سیاہ کرنے کے لیے لوگ سیاہ خضاب استعمال کرتے ہیں۔ آیا وہ شخص جس کی جوان بیوی ہو یا اس کے علاوہ عام آدمیوں کے لیے خضاب لگانا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

احادیثِ مبارکہ میں سیاہ خضاب سے منع فرمایا گیا ہے اس لیے حنفیہ کے راجح قول کے مطابق ایسا خضاب یا رنگ لگانا جس سے بالوں کا رنگ بالکل کالا ہو جائے، مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ اگر مجاہد بوقتِ جہاد دشمن پر رُعب طاری کرنے کے لیے لگائے تو جائز ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص محض زینت کے لیے استعمال کرے تاکہ اپنی بیوی کو خوش کرے تو اکثر فقہائے کرام نے اِسے بھی مکروہ قرار دیا ہے، البتہ امام ابویوسفؒ اس کے جواز کے قائل ہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

عن جابر بن عبد الله قال :أتي بأبي قحافة يوم فتح مكة ورأسه ولحيته كالثغامة بياضاً، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"غيروا هذا بشيء واجتنبوا السواد." (۱)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوقافہ فتحِ مکہ کے دن لائے گئے اِس حال میں کہ اُن کا سر اور داڑھی ثغامہ (ایک درخت جس کے پھل اور پھول سفید ہوتے ہیں) کی طرح سفید تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس کی سفیدی کو کسی چیز سے بدل دو، البتہ کالے (رنگ) سے اجتناب کرو''

وأما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلك من الغزاة ليكون أهيب في عين العدو فهو محمود منه اتفق عليه المشائخ رحمهم الله، ومن فعل ذلك ليزين نفسه للنساء وليحبب نفسه إليهن، فهو مكروه......وبعضهم جوّزذلك من غير كراهة. (۲)

(۱) صحيح مسلم، اللّباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب...: ۱۹۹/۲

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب العشرون في الزينة : ۲۵۹/۵

ترجمہ: اور سیاہ رنگ خضاب لگانے کا حکم یہ ہے کہ غازیوں میں سے جس نے ایسا کیا تاکہ دشمن کی نظر میں اس کی ہیبت زیادہ ہو تو اس کے لیے ایسا کرنا اچھا ہے، اِس پر مشائخ کا اتفاق ہے۔ اور جس نے اس لیے یہ عمل کیا تاکہ اپنے آپ کو اپنی بیوی کے لیے خوبصورت اور محبوب بنائے تو یہ مکروہ ہے......البتہ بعض نے اسے بھی بغیر کراہت کے جائز قرار دیا ہے۔

۞۞۞

داڑھی کے بالوں کو مہندی لگانا

سوال نمبر(95):

ایک شخص داڑھی میں مہندی لگاتا ہے اور دعوی کرتا ہے کہ داڑھی کے بالوں کو مہندی لگانا ایک مستحب عمل ہے۔
اب سوال یہ ہے کہ داڑھی کو مہندی لگانا یا سیاہ رنگ دینا شرعاً کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد 'ابوقحافہ' کو دیکھا کہ اُن کے داڑھی اور سر کے بال بالکل سفید ہو چکے ہیں، آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اِس کو کالے رنگ کے علاوہ کوئی اور رنگ دے دو۔ اس حدیث کی رُو سے داڑھی کے بالوں کو مہندی لگانا نہ صرف جائز، بلکہ ایک مستحسن عمل ہے۔ اسی طرح مہندی کے ساتھ کچھ سیاہ رنگ ملا کر خضاب دینا بھی جائز ہے۔ البتہ خالص سیاہ رنگ کے ساتھ خضاب دینے کو اکثر آئمہ کرام نے مکروہ قرار دیا ہے اِس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

یستحب للرجل خضاب شعره ولحیته ولو في غیر حرب في الأصح، والأصح أنه علیه الصلاة والسلام لم یفعله، ویکره بالسواد، وقیل لا.(۱)

ترجمہ: آدمی کے لیے لڑائی کے اوقات کے علاوہ بھی سر اور داڑھی کے بالوں کو خضاب لگانا مستحب ہے۔ البتہ صحیح قول کے مطابق آپ ﷺ نے یہ عمل نہیں کیا ہے اور سیاہ رنگ دینا مکروہ ہے۔ ایک قول مکروہ نہ ہونے کا بھی ہے۔

(۱) الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغیره : ۶۰۴/۹

ریش بچہ کے بالوں کو کاٹنا

سوال نمبر(96):

زیرِ لب جو تھوڑے بال ہوتے ہیں۔ان کو منڈوانا یا اکھاڑنا یا کتروانا کیسا ہے؟ اگر یہ بال کھڑے ہوں اور بدنما معلوم ہوں تو کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

نچلے ہونٹ کے نیچے کے بال جسے ریش بچہ کہا جاتا ہے، فقہائے کرام کے ہاں یہ بھی داڑھی میں شامل ہے۔ لہٰذا اس کا کاٹنا، کتروانا، اکھاڑنا یا منڈوانا درست نہیں۔ اگر یہ بال کھڑے ہوں تو کاٹنے کی بجائے تیل اور کنگھی سے ان کو سدھارنے کی کوشش کی جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

واللحية تشمل العنفقة. (١)

ترجمہ:

داڑھی عنفقہ کے بالوں کو بھی شامل ہے۔

ونتف الفنيكين بدعة، وهماجانبا العنفقة، وهي شعر الشفة السفلى، كذافي الغرائب.(١)

ترجمہ:

فنکین کے بال نوچنا بدعت ہے، فنکین عنفقہ کے دونوں طرفوں کو کہتے ہیں، اور عنفقہ نچلے ہونٹ کے بالوں کو کہتے ہیں۔ غرائب میں اسی طرح مذکورہ ہے۔

❁❁❁

---

(١)عمدة القاري، ١٠٦/١٦

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشرفي الختان : ٣٥٨/٥

جوانی میں سفید بالوں کا نوچنا

سوال نمبر(97):

ایک نوجوان آدمی ہے، جس کی عمر تقریباً 25 سال کے قریب ہے۔اُس کے کچھ بال وقت سے پہلے سفید ہو گئے ہیں، اس شخص کے لیے اِن سفید بالوں کا نوچنا کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اُدھیڑ عمر میں بال سفید ہونا فطری بات ہے، حدیث میں اِسے مؤمن کا نور کہا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ فطرت کے مطابق بال سفید ہونے کے بعد اُن کو نوچنا یا بالکل سیاہ خضاب دینا دھوکہ کے مترادف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔لیکن اگر کسی نوجوان کے بالوں میں سفیدی لگ جائے تو یہ اس کے لیے عیب ہے اس لیے عیب کو ہٹانے کے لیے اُسے اُکھاڑ سکتا ہے۔شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

(ولا بأس بنتف الشيب) قيده في البزازية: بأن لا يكون على وجه التزين. (١)

ترجمہ:

بالوں کے نوچنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بزازیہ میں یہ قید لگائی ہے کہ جواز کی یہ صورت اُس وقت ہے کہ یہ تزین کے لیے نہ ہو۔

❁❁❁

مونچھوں کو قینچی سے بالکل صاف کرنا

سوال نمبر(98):

ایک شخص اپنی مونچھیں قینچی سے اس طرح صاف کرتا ہے جیسے استرہ کے ذریعے صاف کیا جاتا ہے۔کیا مونچھوں کا بالکل صاف کرنا درست ہے؟

بینوا توجروا

---

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ: ٩/٥٨٣

الجواب و باللہ التوفیق:

احادیثِ مبارکہ میں جہاں مونچھوں کے کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں "اِحفاء، قص، اِنہاک، اُخذ، تقصیر اور جز" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اِن الفاظ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مونچھیں قینچی وغیرہ سے اتنے کاٹے جائیں کہ چمڑے کا رنگ نظر آئے۔ جہاں تک اُسترے سے حلق کرنا ہے تو اس بارے میں فقہائے کرام سے مختلف اقوال منقول ہیں، بعض آئمہ کے ہاں یہ بدعت کے زمرہ میں داخل ہے جب کہ علامہ طحاویؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے قول کے مطابق حلق سنت ہے اور یہ کترانے سے زیادہ بہتر ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

و ذکر الطحاويّ في شرح الآثار أن قصّ الشارب حسن و تقصیره أن یؤخذ حتی ینقص من الإطار، و هو الطرف الأعلی من الشفة العلیا قال :والحلق سنة، و هو أحسن من القص، و هذا قول أبي حنیفة و صاحبیه.(۱)

ترجمہ: امام طحاویؒ نے شرح الآثار میں ذکر کیا ہے کہ: مونچھوں کا کتروانا بہتر ہے اور کترنے کا طریقہ یہ ہے کہ 'اطار' سے کم ہو جائے۔ اطار سے مراد اوپر کے ہونٹ کا اوپر والا کنارہ ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ مونچھوں کا حلق کرنا سنت ہے اور کتروانے سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے صاحبین (یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کا قول ہے۔

۞۞۞

مرد کے لیے بھنوؤں سے بال نکالنا

سوال نمبر(99):

بھنوؤں کے بال زیادہ لمبے ہوں تو ان کو نکالنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اسی طرح مذکورہ بالوں کا برائے حسن نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب التاسع عشرفی الختان ۵/۳۵۸

الجواب و باللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے انسان کا اپنے بدن میں ایسا تصرف کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی اور تغیر آئے، جائز نہیں اس لیے مرد کا اپنی گنجان اور لمبی بھنوؤں سے بالوں کو نکالنے سے اگر مخنث (ہیجوے) کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہو یا اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی کا اندیشہ ہو تو یہ صورت جائز نہیں۔

تاہم اگر بھنویں بہت زیادہ لمبی ہوں، جن سے آنکھوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو اس نقصان اور تکلیف کے ازالہ کے لیے بال نکالنا یا کاٹنا جائز ہے، لیکن اس میں بھی یہ خیال رہے کہ مخنث کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولا بأس بأخذ الحاجبین و شعر وجهه مالم یتشبه بالمخنث.(۱)

ترجمہ:

بھنوؤں اور چہرے کے بال اس قدر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، کہ ہیجوے کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے۔

❁❁❁

عورت کا بھنوؤں کے زائد بال معمول کے مطابق بنانا

سوال نمبر (100):

مفتیان عظام سے یہ سوال ہے کہ عورت کی بھنویں معمول کی مقدار سے بڑھ جائیں تو ان کو معمول کے مطابق بنانے کی کس قدر گنجائش ہے؟

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

عورت کے لیے زیبائش کی خاطر فطری بناوٹ کو بدلنا جائز نہیں البتہ اگر عورت کے چہرے، بازو یا پنڈلی پر غیر معتاد بال اُگے ہوں تو ان کو صاف کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ اسی طرح جن بالوں سے شوہر کو نفرت ہو، ان کے صاف کرنے کی بھی اجازت ہے۔ لیکن سر کے بال کٹوانا یا بھنویں بنوانا جیسا کہ آج کل فیشن بنا ہوا ہے کہ اصل بھنویں نوچ کر یا منڈوا کر کسی کالی چیز سے نقلی بھنویں بنواتی ہیں، شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ تاہم اگر

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب التاسع عشر فی الختان: ۳۵۸/۵

بھنویں اپنے معمول کی مقدار سے زیادہ بڑھ جائیں تو ان کو معمول کے مطابق بنوانے کے لیے زائد بال کاٹ کر برابر کرنے کی گنجائش ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عَن ابن مسعود قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یلعن المتنمصات والمتفلجات والموشمات اللاتی یغیرن خلق الله عزّ وجلّ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے لعنت فرمائی اُن عورتوں پر جو چہرے کے روئیں صاف کرنے والی ہوں، دانت کشادہ کرنے والی ہوں اور جسم کو گدوانے والی ہوں، یہ وہ عورتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خلقت کو تبدیل کرتی ہیں۔

عورت کا ٹھوڑی کے بال نکالنا

سوال نمبر (101):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک عورت کی ٹھوڑی پر ایک دو بال نکل آئیں تو ان کا کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو سر کی چوٹیوں سے زینت بخشی ہے۔ داڑھی مردوں کے لیے تو زینت اور حسن کا باعث ہے، لیکن عورت کے لیے چہرہ کے بال یا داڑھی کا نکل آنا عیب ہے اس لیے شریعتِ مطہرہ نے عورتوں کے لیے چہرے کے بال صاف کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگر کسی عورت کی ٹھوڑی پر بال نکل آئیں تو ان کا نکالنا اور زائل کرنا اس کے لیے مستحب ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ویسن حلق لحیتها لو نبتت. (۲)

(۱) مسند أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن مسعود: ۶۸۷/۱

(۲) الأشباه والنظائر، أحكام الأنثى :ص/۱۷۷

ترجمہ:

اگر کسی عورت کی داڑھی نکل آئی تو اس کو مونڈنا سنت ہے۔

۞۞۞

عورت کا چہرے اور مونچھوں کے بال صاف کرنا

سوال نمبر(102):

عورت کا چہرے، مونچھوں اور داڑھی وغیرہ کے بال صاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عورت کے لیے محض زیبائش کے واسطے اپنی فطری خلقت و بناوٹ کو بدلنا از روئے شریعت جائز نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بال نوچنے اور نچوانے والیوں پر لعنت فرمائی ہے، البتہ فقہائے کرام نے عورت کے چہرے پر غیر معتاد بالوں کی صفائی کو جائز قرار دیا ہے اور داڑھی اور مونچھوں کے بالوں کو زائل کرنا مستحب قرار دیا ہے۔ اسی طرح جن خلاف فطرت بالوں سے شوہر نفرت کرے، ان کو صاف کرنے کی بھی اجازت ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

وفي المغرب: النمص نتف الشعرومنه المنماص المنقاش، ولعله محمول على ماإذا فعلته لـلتزين للأجانب،وإلا فلو كان في وجهها شعر ينفرزوجهابسببه ففي تحريم إزالته بعد ؛ لأن الزينة للنساء مطلوبة للتحسين .... وفي تبيين المحارم: إزالة الشعرمن الوجه حرام، إلا إذا للمرأة لحية أو شوارب فلاتحرم إزالته بل تستحب.(۱)

ترجمہ:

مغرب نامی کتاب میں ہے: نمص کا معنی بال نوچنا ہے۔ اسی مادے سے منماص ہے جو منقاش (بال اکھیڑنے والے آلہ) کو کہتے ہیں، شاید (لعنت والی یہ حدیث) اس صورت پر محمول ہے، جب عورت اجنبیوں کے لیے زیب و زینت اختیار کرنے کے لیے بال اُکھیڑے، ورنہ اگر کسی عورت کے چہرے پر ایسے بال ہوں، جن کی وجہ سے شوہر اس سے

(۱) ردالمحتارعلی الدرالمختار، کتاب الحظروالاباحة، فصل في النظروالمس:۹/۵۳۶

نفرت کرتا ہو تو ان بالوں کی صفائی کو حرام کہنا بہت بعید ہے، کیوں کہ خوبصورتی کے لیے عورتوں کا زیب و زینت اختیار کرنا مطلوب ہے۔۔۔ تبیین المحارم میں ہے: چہرے کے بال زائل کرنا حرام ہے، لیکن اگر کسی عورت کے چہرے پر داڑھی یا مونچھ نکل آئے تو اس کا صاف کرنا حرام نہیں، بلکہ مستحب ہے۔

❁❁❁

زیرِ ناف بال کاٹنے کی حدود

سوال نمبر(103):

زیرِ ناف بال صاف کرنے کے بارے میں لمبائی، چوڑائی کے لحاظ سے شرعاً کیا حد مقرر ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

زیرِ ناف بال صاف کرنے کے بارے میں لمبائی، چوڑائی کے لحاظ سے حد متعین نہیں، البتہ ناف کے نیچے پیڑو کی ہڈی سے شروع ہوتا ہے، اعضائے ثلاثہ اور دبر (پاخانے کی جگہ) کے ارد گرد وہ بال جن کے گندہ ہونے کا خدشہ ہو، وہ سب صاف کرنا چاہیے۔ یہ بال بدن کے دوسرے بالوں سے حسی طور پر ممتاز ہوتے ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

والعانة :الشعر القريب من فرج الرجل والمرأة، ومثلها شعر الدبر بل هو أولى بالإزالة لئلا يتعلق به شيء من الخارج عند الاستنجاء بالحجر.(١)

ترجمہ:

عانہ سے مراد مرد اور عورت کی شرم گاہ کے قریب کے بال ہیں اور اسی طرح دبر (پاخانے کی جگہ) کے بال بھی ہیں۔ بلکہ اُن کا صاف کرنا زیادہ ضروری ہے تاکہ پتھر کے ساتھ استنجا کرتے وقت باہر کی کوئی گندگی اس سے نہ لگ جائے۔

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحج، فصل فی الاحرام :۳/٤٨٧

زیر ناف اور بغل کے بال صاف کرنے کی مدت

سوال نمبر(104):

ناف سے نیچے اور بغل کے بال صاف کرنے کی مدت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کتنی مدت کے بعد آدمی کے لیے زیر ناف اور بغل کے بال صاف کرنا چاہیے؟

بینوا تؤجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

واضح رہے کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ غسل کرنا، ناخن کاٹنا، مونچھیں، زیر ناف اور بغل کے بال صاف کرنا مستحب ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے دن کیا جائے۔ ہفتہ میں نہ ہو سکے تو دو ہفتے بعد کیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ چالیس دن بعد کیا جائے۔ اگر چالیس دن بعد بھی صفائی نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

الأفضل أن يقلم أظفاره، ويحفي شاربه، ويحلق عانته، وينظف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرة، فإن لم يفعل ففي كل خمسة عشر يوما، ولا يعذر في تركه وراء الأربعين، فالأسبوع هو الأفضل و الخمسة عشر الأوسط، والأربعون الأبعد، ولا عذر فيما وراء الأربعين ويستحق الوعيد. (٢)

ترجمہ:

ہفتہ میں ایک مرتبہ ناخن کاٹنا، مونچھیں کتروانا، زیر ناف بال منڈوانا اور غسل کر کے اپنے بدن کو صاف کرنا افضل ہے اگر ہفتہ میں نہ کر سکے تو ہر پندرہ دن بعد کرے، اور اگر چالیس دن بعد بھی چھوڑ دیا تو اس کا عذر قبول نہ ہوگا۔ پس ہفتہ میں ایک مرتبہ افضل ہے، پندرہ دن درمیانی مدت ہے اور چالیس زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ چالیس دن کے بعد چھوڑنے پر کوئی عذر قبول نہ ہوگا اور وعید کا مستحق ہوگا۔

❀❀❀

---

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان : ٥/٣٥٧، ٣٥٨

غسل کرنے سے پہلے زیرناف بال کٹوانا

سوال نمبر(105):

ایک آدمی حالتِ جنابت میں ہے اور غسل کرنے سے پہلے وہ زیرناف بالوں کو صاف کرتا ہے۔شرعاً اس شخص کے لیے حالتِ جنابت میں غسل کرنے سے پہلے زیرناف بال لینا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

حالتِ جنابت میں ظاہری جسم کا ہر ہر عضو حکمی نجاست کا شکار ہوتا ہے اور انسان کے اعضا جدا ہونے کے بعد بھی احترام کے لائق ہیں، اس لیے جنابت کی حالت میں بال کاٹنے یا ناخن تراشنے سے فقہا منع کرتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ بال یا ناخن ناپاکی کی حالت میں جسم سے علیحدہ ہو جائیں۔علیحدہ ہونے کے بعد اُس کی پاکی کی کوئی صورت نہیں۔تاہم قرائن سے یہ کراہت تنزیہی معلوم ہوتی ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

حلق الشعر حالة الجنابة مکروہ، و کذا قصّ الأظافیر. (۱)

ترجمہ:

جنابت کی حالت میں بال منڈوانا مکروہ ہے، اسی طرح ناخن کاٹنے کا بھی حکم ہے۔

❁❁❁

زیرناف بالوں کو دوسرے آدمی سے صاف کرانا

سوال نمبر(106):

ایک آدمی عمر رسیدہ اور بیمار ہے۔وہ خود زیرناف بالوں کی صفائی نہیں کرسکتا ہے تو کیا دوسرا شخص اس کے بالوں کی صفائی کرسکتا ہے؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب التاسع عشر فی الختان: ۳۵۸/۵

الجواب و باللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ صفائی کے بارے میں شریعتِ مطہرہ میں بہت تاکید آئی ہے اور ہر سلیم الطبع انسان اپنے بدن اور ماحول کی صفائی کو پسند کرتا ہے۔ زیرِ ناف بالوں کی صفائی میں چونکہ ستر کا مسئلہ ہے اس لیے دوسروں سے یہ بال صاف کروانا شرعاً جائز نہیں۔ جہاں تک ممکن ہو خود صفائی کا اہتمام کیا جائے۔ تاہم اگر بڑھاپے وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے صفائی پر قادر نہ ہو تو مجبوری کی حالت میں دوسرے آدمی سے ضرورت کے درجہ میں مدد لے سکتا ہے۔ جیسے ڈاکٹر حضرات کے لیے ستر کی جگہ تشخیص کی غرض سے دیکھنے کی شرعاً گنجائش ہے اسی طرح مجبوری کی بنا پر زیرِ ناف بالوں کی صفائی میں دوسروں سے بقدرِ ضرورت مدد لینا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

في جامع الجوامع حلق عانته بیده، و حلق الحجام جائز إن غضّ بصره. (۱)

ترجمہ:

جامع الجوامع میں ہے کہ زیرِ ناف بال خود مونڈوائے اور حجام کا مونڈوانا بھی جائز ہے، بشرطیکہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھے۔

❁❁❁

لیزر کی شعاعوں کے ذریعے زائد بالوں کی صفائی

سوال نمبر(107):

لیزر کی شعاعوں کے ذریعے آدمی چہرہ کے بال صاف کر سکتا ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ان شعاعوں سے بالکل بال جڑ سے ختم ہو جاتے ہیں اور چہرے کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

مرد کے لیے ڈاڑھی کے بالوں کے علاوہ رخسار کے بال اکھاڑنے یا نکالنے کی گنجائش ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ عورتوں یا ہیجڑوں کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے، ورنہ جائز نہ ہوگا۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهة، الباب التاسع عشر في الختان: ۳۵۸/۵

صورتِ مسئولہ میں لیزر کی شعاعوں کے ذریعے اگر ڈاڑھی سے زائد بال جڑ سے اس طرح ختم کرتے ہوں، کہ عورتوں اور ہیجڑوں کے ساتھ مشابہت نہ آئے اور نہ ہی صحت پر مضر اثرات مرتب ہوتے ہوں تو جائز ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

ولابأس بأخذ الحاجبين و شعر وجهه مالم يتشبه بالمخنث.(۱)

ترجمہ:

بھنوؤں اور چہرے کے بال اس قدر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، جس میں ہیجڑے کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے۔

❁❁❁

مردوں کا عورتوں کی طرح پنڈلیوں اور کلائیوں کے بال صاف کرنا

سوال نمبر(108):

جس طرح عورتیں کلائیوں اور پنڈلیوں کے بال صاف کرتی ہیں، کیا مردوں کے لیے بھی اس کی گنجائش ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ عورتوں کے لیے کلائیوں، پنڈلیوں اور سینے کے بال صاف کرنے کی شرعاً گنجائش پائی جاتی ہے، لیکن مردوں کے لیے یہ جائز نہیں۔ تاہم اگر کہیں ضرورت شدیدہ ہو تو مردوں کے لیے بھی رخصت ہوگی، ورنہ عام حالات میں مردوں کے لیے کلائیوں اور پنڈلیوں کے بال صاف کرنا عورتوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ناجائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن ابن عباسؓ قال: لعن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرّجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرّجال.(۱)

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان: ۳۵۸/۵

(۱) صحيح البخاري، كتاب اللّباس، باب المتشبهين بالنساء: ۸۷۴/۲

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر لعنت کی ہے، جو عورتوں کی سی مشابہت اختیار کرتے ہیں اوران عورتوں پر بھی لعنت کی ہے، جو مردوں کی سی صورت اختیار کرتی ہیں۔

❁❁❁

ناخن تراشنے کا مستحب طریقہ

سوال نمبر(109):

ناخن تراشنے کا مسنون طریقہ احادیث سے ثابت ہے یانہیں؟ اگر ثابت ہے تو کیا طریقہ ہے؟ نیز ہاتھ اور پاؤں کے ناخن تراشنے کا طریقہ الگ الگ ہے یا ایک؟

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

ناخن تراشنا خصائلِ فطرت میں داخل ہے۔اس کی کوئی خاص ترتیب احادیثِ مبارکہ میں منقول نہیں۔البتہ امامِ غزالی رحمہ اللہ نے ہاتھ کے ناخن کاٹنے کا طریقہ یہ لکھاہے کہ ناخن کاٹنے کی ابتدااور انتہا دونوں دائیں ہاتھ پر ہو،جس کی ترتیب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرے اور بالترتیب دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی تک پہنچ جائے، پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کرکے بالترتیب انگوٹھے تک کاٹ لے اور آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے ناخن کاٹ لے۔

پاؤں کی انگلیوں کے بارے میں یا تو یہی طریقہ اختیار کیا جائے یا جس طرح وضو میں خلال کیا جاتا ہے، اس طریقے سے ناخن کاٹ لیے جائیں،یعنی دائیں پاؤں کی چھوٹی اُنگلی (خنصر) سے شروع کرکے بالترتیب بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرلے۔

والدّلیل علی ذلک:

وینبغي أن یکون ابتداء قص الأظافیر من الیدالیمنی، و کذالانتهاء بها،فیبدأ بسبابة الیمنی ویختم بإبهامها،وفي الرجل یبدأ بخنصر الیمنی ویختم بخنصرالیسری.(۱)

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب التاسع عشرفي الختان:۵/۳۵۸

ترجمہ:

ناخن تراشنے میں دائیں ہاتھ سے ابتدا اور اسی پر ختم کرنا بہتر ہے یعنی دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرے اور اسی ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کردے۔ جبکہ پاؤں کے ناخنوں میں دائیں پیر کی چھوٹی انگلی سے شروع کرکے بائیں پیر کی چھوٹی انگلی پر ختم کردے۔

❁❁❁

ناخن کاٹنے کی مدت

سوال نمبر (110):

ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے ناخن کتنی مدت بعد کاٹنا چاہیے۔ کیا شریعت نے اس کے لیے کوئی مدت مقرر کی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

ہفتہ میں ایک مرتبہ ناخن کاٹنا مستحب ہے۔ تاہم اگر ہفتے میں نہ ہوسکے تو دو ہفتے بعد ناخن کاٹے، زیادہ سے زیادہ چالیس دن بعد کاٹے، اگر چالیس سے زائد دن اس حال میں گزر گئے کہ ناخن نہیں کاٹے تو گناہ گار ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذٰلک:

الأفضل أن يقلم أظفاره، ويحفي شاربه، ويحلق عانته، وينظف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرة، فإن لم يفعل ففي كل خمسة عشر يوما، ولا يعذر في تركه وراء الأربعين، فالأسبوع هو الأفضل و الخمسة عشر الأوسط، والأربعون الأبعد، ولا عذر فيما وراء الأربعين ويستحق الوعيد.(١)

ترجمہ:

ہفتہ میں ایک مرتبہ ناخن کاٹنا، مونچھیں کتروانا، زیر ناف بال منڈوانا اور غسل کرکے اپنے بدن کو صاف کرنا افضل ہے، اگر ہفتہ میں نہ کرسکے تو ہر پندرہ دن بعد کرے، اور اگر چالیس دن بعد بھی چھوڑ دیا تو اس کا عذر قبول نہ

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان : ٣٥٧/٥، ٣٥٨

ہوگا۔ پس ہفتہ میں ایک مرتبہ افضل ہے، پندرہ دن درمیانی مدت ہے اور چالیس زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ چالیس دن کے بعد چھوڑنے پر کوئی عذر قبول نہ ہوگا اور وعید کا مستحق ہوگا۔

❁❁❁

حیض ونفاس والی عورت کا ناخن اور بال کاٹنا

سوال نمبر(111):

عورت کے لیے حیض ونفاس کے دوران ناخن اور دیگر زائد بالوں کو دور کرنا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

فقہاءِ کرام کی تصریحات کی روشنی میں مرد وعورت کے لیے جنابت کی حالت میں ناخن اور بال کاٹنا مکروہ ہے، لیکن عورت کے لیے حیض اور نفاس کی حالت میں ناخن وغیرہ کاٹنے کے متعلق فقہ کے کتابوں میں صریح حکم موجود نہیں۔ تاہم بعض عبارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حالتِ حیض ونفاس کا حکم حالتِ جنابت کے حکم سے مختلف ہے کیونکہ جنابت سے پاکی اپنے اختیار میں ہے جب کہ حیض ونفاس سے پاکی اپنے اختیار میں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معلّمہ حالت حیض ونفاس میں بچوں کو ایک ایک کلمہ پڑھا کر تعلیم دے سکتی ہے لیکن جنبی ایسا نہیں کرسکتا۔

اسی فرق کی بنا پر حیض ونفاس والی عورتوں کے ناخن یا زیر ناف بال اگر بڑھ چکے ہوں تو اِن کو کاٹنا بلا کراہت جائز معلوم ہوتا ہے، ورنہ نفاس کے چالیس دن تک جاری رہنے کی صورت میں یہ باعث حرج ہوگا جب کہ شریعت میں حرج کو حتی الامکان دفع کیا جاتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

قال بعض العلماء: إذا كانت الحائض أو النفساء معلمة جاز لها أن تلقي الصبيان كلمة كلمة ولا تلقنهم آية كاملة؛لأنها مضطرة إلى التعليم، وهي لا تقدر على رفع الحدث، فعلى هذا لا يجوز للجنب ذلك؛لأنه يقدر على رفع حدث.(۱)

(۱) شیخ أسعد محمد سعيد الصاغرجي، الفقه الحنفي وأدلته، كتاب الطهارة، باب الحيض :۱/ ۱۰٤،دارالفكر الطيب، بيروت، لبنان

13

ترجمہ:

بعض علما فرماتے ہیں کہ حائضہ اور نفاس والی عورت جب معلمہ ہو،تو اس کے لیے ایک ایک کلمہ کی صورت میں پڑھانا جائز ہے، البتہ پوری آیت نہ پڑھائے، کیونکہ یہ تعلیم دینے پر مجبور ہے اور رفع حدث پر قادر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنبی کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ رفع حدث پر قادر ہوتا ہے۔

۞۞۞

دانتوں سے ناخن کاٹنا

سوال نمبر(112):

بعض لوگوں کے ناخن جب بڑے ہو جاتے ہیں تو ان کی یہ عادت ہوتی ہے کہ ان کو دانتوں سے کاٹتے ہیں۔کیا دانتوں سے ناخن کاٹنا شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

ناخن کاٹنا شرعاً ایک مسنون عمل ہے، جب بھی ناخن بڑے ہو جائیں تو ان کو کاٹنا سنت ہے لیکن اس کے لیے ناخن تراش وغیرہ آلہ استعمال کرنا چاہیے، دانتوں سے کاٹنا شرعاً مکروہ ہے۔فقہا نے لکھا ہے کہ اس سے برص کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے،اس لیے دانتوں سے ناخن کاٹنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلك:

قطع الظفر بالأسنان مکروہ، یورث البرص.(۱)

ترجمہ:

دانتوں کے ذریعے ناخن تراشنا مکروہ ہے اور برص بیماری کا باعث بنتا ہے۔

۞۞۞

(۱) الفتاوی الھندیة، کتاب الکراھیة،الباب التاسع عشرفي الختان : ۳۵۸/۵

داڑھی نکالنے کے لیے استرا پھیرنا

سوال نمبر (113):

ایک شخص کی عمر چھبیس یا ستائیس سال کی ہو چکی ہے اور چہرے پر داڑھی کے بال نہیں آرہے۔کیا وہ بال لانے کی نیت سے چہرے پر استرا پھیر سکتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

داڑھی ایک اہم اسلامی شعار ہے جو مردوں کے لیے خوبصورتی کا سبب ہے۔اگر کسی شخص کی عمر بڑھ جانے کے باوجود اس کے چہرے پر بال نہیں نکل رہے اور اس پر استرا پھیرنے سے بال آنے کا غالب گمان ہو تو اس نیت سے بطورِ علاج چہرے پر استرا پھیرنا جائز ہے، تاہم اگر وہ ایسا نہ کرے تو بھی درست ہے، اس لیے کہ داڑھی نکلوانے پر وہ مکلف نہیں، لہٰذا خواہ مخواہ خود کو مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔

واضح رہے کہ اگر چہرے پر تھوڑے بہت داڑھی کے بال ہوں تو ان کو گھنے کرنے کی غرض سے چہرے پر استرا پھیرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾(۱)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں بناتے۔

یکرہ حلق اللحیۃ وقصھا وتحذیفھا وأمّا من طولھا وعرضھا إذا عظمت فحسن. (۲)

ترجمہ: داڑھی کے بالوں کو اُسترے سے صاف کرنا، کاٹنا اور نکالنا مکروہ ہے۔البتہ جب داڑھی لمبی ہو جائے تو اس کے لیے طول وعرض سے بال لینا بہتر ہے۔

❁❁❁

(۱) البقرۃ: ۲۸۶

(۲) فتح الملہم، کتاب الطھارۃ، باب خصال الفطرۃ: ۱/۴۲۱

داڑھی کنگھی کرنے کے متعلق توہمات

سوال نمبر(114):

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص داڑھی کے خشک بالوں میں کنگھی کرتا ہے تو وہ مفلس ہو جاتا ہے اور کھڑے ہو کر داڑھی میں کنگھی کرنے سے انسان مقروض ہو جاتا ہے۔ برائے مہربانی اس کے متعلق آگاہ فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

داڑھی کو اِسلام کے شعائر میں داخل ہونے کے ساتھ ساتھ مرد کی خوبصورتی اور جمال کا سبب بھی قرار دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ داڑھی کے بالوں میں اکثر کنگھی فرمایا کرتے تھے، اسی لیے فقہائے کرام نے داڑھی کے منتشر اور پراگندہ ہونے کو خلافِ مروت اور مکروہ قرار دیا ہے۔

صورتِ مسؤلہ میں خشک داڑھی کو کنگھی کرنے سے مفلس اور کھڑے ہو کر کنگھی کرنے سے مقروض ہونے کا جو ذکر ہے، احادیث کی کتابوں میں تلاش بسیار کے باوجود اس کا کوئی حوالہ نہ مل سکا اور نہ ہی فقہائے کرام کی کتابوں میں نظر سے گزرا، البتہ عبدالرحمٰن صفوری شافعی کی کتاب ''نزہۃ المجالس'' اردو ترجمہ کے صفحہ ۱۴۶ پر فائدے کے ضمن میں وہب بن منبہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص پانی کے بغیر اپنی داڑھی میں کنگھی کرتا ہے، اس کا فقر بڑھتا ہے، جو کھڑے ہو کر کنگھی کرتا ہے تو قرض اس پر سوار ہو جاتا ہے اور جو بیٹھ کر کنگھی کرتا ہے، اس کا قرض جاتا رہتا ہے، لیکن اس قول کے متعلق چند باتیں قابلِ توجہ ہیں:

۱: شریعت مطہرہ آسانی اور سہولت پر مبنی ہے، اور اس قول کے مطابق کنگھی کرنے کے لیے داڑھی کو گیلا کرنا اور اس کے لیے بیٹھ جانا بلاضرورت سختی ہے، جو شریعت میں مدفوع ہے۔

۲: عبدالرحمٰن صفوری ایک صوفی عالم ہیں، جنہوں نے احادیث اور اقوال کی جرح وتعدیل کیے بغیر اپنی کتاب میں جمع کی ہیں اور دیباچہ میں خود اس کا اظہار بھی کیا ہے کہ ''ظرافت آمیز قصے اور اہل خیر وصلاح کے حالات سننے سے چونکہ دل بڑا خوش ہوتا ہے، اس لیے ثواب کی امید سے انہیں جمع کیا ہے''۔ اس عبارت کو دیکھ کر مذکورہ کتاب کے کسی قول سے استدلال کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔

۳: حدیث شریف میں بدفالی (بدشگونی) سے منع فرمایا گیا ہے اور شریعت میں اس کی سخت مذمت کی گئی ہے،

اور یہاں ایک مباح اور مستحسن امر پر خوامخواہ بدفالی کا سہارا لیا گیا ہے۔

لہٰذا یہ دونوں باتیں محض توہم اور فکری کمزوری پر مبنی ہیں، جن پر اعتقاد سے احتراز ضروری ہے۔

والدّليل على ذلك:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾(١)

ترجمہ: اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔

عن أنس بن مالكؓ قال: كان رسول الله يكثر دهن رأسه وتسريح لحيته. (٢)

ترجمہ:

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سر مبارک کے بالوں میں کثرت سے تیل استعمال کرتے تھے اور کثرت سے داڑھی میں کنگھی فرماتے تھے۔

عن أنسؓ عن النبي ﷺ قال: لاعدوى ولاطيرة ويعجبني الفال الصالح الكلمة الحسنة.(٣)

ترجمہ:

حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: نہ ایک دوسرے کو بیماری لگنا حقیقت ہے اور نہ بدشگونی کی کوئی حقیقت ہے اور مجھے نیک شگونی اچھی معلوم ہوتی ہے، یعنی کسی اچھی بات سے نیک شگونی لینا اچھا ہے۔

❁❁❁

پیدائشی مختون کا ختنہ کرانا

سوال نمبر(115):

ایک بچے کو پیدائش کے ایک سال بعد جب ختنہ کرانے کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا تو ڈاکٹر نے

---

(١)الحج: ٧٨

(٢) الشمائل المحمدية للترمذي، باب ماجاء في ترجل رسول الله ﷺ: ص ٦،٥

(٣) الصحيح للبخاري، كتاب الطب، بال الفال:٢/٨٥٦

کہا کہ اس کا ختنہ پہلے ہو چکا ہے، حالانکہ اس کا ختنہ نہیں ہوا ہے۔ اب اس کا کیا حکم ہے؟ شریعت کی رو سے رہنمائی فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

بچے کا ختنہ کرانا سنت مؤکدہ ہے، تاہم اگر کوئی بچہ پیدائشی مختون ہو تو ختنہ کرانے کے لیے ماہرین ختنہ اور ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اگر وہ مشورہ دیں کہ اس بچے کے ختنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اس کے حشفہ سے بھی ظاہر ہو کہ گویا وہ مختون ہے تو شرعاً اس بچے کا ختنہ کرانا ضروری نہیں۔ اسے اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔

والدلیل علی ذلک:

وفي صلوة النوازل: الصبي إذا لم يختن، ولا يمكن أن يمد جلدته لتقطع إلا بتشديد، وحشفته ظاهرة إذا رآه إنسان يراه كأنه ختن ينظر إليه الثقات وأهل البصرمن الحجامين، فإن قالوا:هو على خلاف ما يمكن الاختتان فإنه لا يشدد عليه ويترك۔ (۱)

ترجمہ:

نوازل کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ لڑکے کا جب ختنہ نہ کیا گیا ہو اور کاٹنے کے لیے اس کی کھال کھینچنا سختی کے بغیر ممکن نہ ہو اور اس کا حشفہ (یعنی شرم گاہ کا سر) اتنا ظاہر ہو کہ جب اسے کوئی انسان دیکھے تو اسے ختنہ شدہ گمان کرے تو (اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ) اسے ثقہ اور سمجھ دار حجام دیکھیں گے، اگر وہ کہیں کہ اس کا ختنہ ممکن نہیں تو اس پر (ختنہ کے لیے) سختی نہیں کی جائے گی اور اسے (حسب حال) چھوڑ دیا جائے گا۔

❁❁❁

انسان کے کٹے ہوئے اعضا کا احترام

سوال نمبر(116):

کاٹے گئے ناخن، بال اور ختنہ کے کاٹے گئے گوشت کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ ان کو دفنانے کی بجائے پانی میں بہانا یا جلانا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشرفي الختان والخصاء :۵/۳۵۷

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت انسان کے اعضا کے احترام کا درس دیتی ہے، چاہے وہ عضو انسانی بدن کے ساتھ متصل ہو یا اس سے جدا ہو جائے، لہٰذا کاٹے گئے ناخن، بال اور ختنہ کے کاٹے ہوئے جلد کو دفن کرنا چاہیے، تاہم جہاں کہیں ان کو دفن کرنا ممکن نہ ہو تو پھر کسی ایسی جگہ پر ان کو گرانا چاہیے، جہاں ان کی بے حرمتی نہ ہو۔ غسل خانے اور کوڑا کرکٹ کے ڈھیر میں گرانے سے احتراز ضروری ہے، کیونکہ اس سے بیماریاں پھیلتی ہیں۔ نیز اس کو جلانا بھی جائز نہیں البتہ اگر پاک پانی بہہ رہا ہو تو اس میں بہانا بھی جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ینبغي أن یدفن ذلك الظفر والشعر المجزوز، فإن رمی به فلا بأس، وإن ألقاه في الکنیف أوفي المغتسل یکره؛ لأن ذلك یورث داء.(۱)

ترجمہ:

مناسب یہ ہے کہ کاٹے ہوئے ناخن اور بال کو دفنایا جائے۔ اس کے پھینکنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر بیت الخلا یا غسل خانے میں پھینک دیا تو یہ مکروہ ہے، کیونکہ اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) حاشیۃ الطحطاوي علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل في البیع: ۲۰۲/۴

باب کسب الحلال والحرام

(حلال اور حرام پیشوں کا بیان)

فٹ بال ٹیم کے کوچ کی تنخواہ بینک سے ہونا

سوال نمبر(117):

ہمارے ایک عزیز بینک کی طرف سے فٹ بال ٹیم کوچ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔اُس کی تنخواہ بھی بینک دیتا ہے۔اس کی ملازمت اوراس کی کمائی کا شرعی حکم کیا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وبا اللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ روایتی بنکاری نظام سود پر مشتمل ہوتا ہے اور سود کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ احادیثِ مبارکہ کی رُو سے جیسے خود سودی لین دین کرنا حرام ہے، ایسا ہی دوسروں کے سودی معاملات میں گواہ یا کاتب بننا بھی جائز نہیں لہٰذا بینک کی جن ملازمتوں میں براہِ راست سودی معاملہ میں آلہ کار بننا پڑے اُس کی کمائی جائز نہیں۔ البتہ بینک کی جو ملازمت ایسی ہو کہ اُس میں سودی معاملات میں براہِ راست معاون نہ ہونا پڑے اور نہ حرمت کی کوئی اور وجہ ہو تو اُس کی کمائی حلال ہوگی۔ چنانچہ صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر فٹ بال ٹیم کا کوچ بن کر بینک سے تنخواہ وصول کی جائے تو سود میں بالذات ملوث نہ ہونے کی وجہ سے اِسے حرام نہیں کہا جاسکتا، تاہم چونکہ اس میں بینک کی تشہیر و ترویج کا ذریعہ بننا ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

مسلم آجر نفسه من مجوسي ليوقِد له النار لا بأس به، كذا في الخلاصة.(١)

ترجمہ: ایک مسلمان آدمی کسی مجوسی کے ہاں آگ جلانے کے لیے مزدوری کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأجارة، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع :٤/٤٥٠

سامانِ تجارت کے ساتھ شراب فروخت کرنا

سوال نمبر (118):

ایک آدمی کا امریکہ میں کاروبار ہے۔ایک پٹرول پمپ اوراس کے ساتھ دکان ہے۔اس کا کہنا ہے کہ پٹرول پمپ میں شراب رکھنا ضروری ہوتا ہے اس لیے اگر شراب نہ رکھے تو کاروبار بالکل ناکام ہوتا ہے۔اس ضرورت کے تحت بحیثیت مسلمان اس کے لیے شراب فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟نیز یہ بھی واضح رہے کہ شراب لینے والے عموماً غیر مسلم ہوتے ہیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شراب حرام اور گندی چیز ہے۔اس کی حرمت اور نجاست نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اس لیے کسی مسلمان کے لیے اس کی بیع وشراء جائز نہیں، نہ دوسرے مسلمان سے اور نہ ہی غیر مسلم سے۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں مسلمان کے لیے دکان میں شراب بیچنا جائز نہیں۔جواز کے لیے یہ بہانہ شرعاً کارگر نہیں کہ کاروبار شراب کے بغیر ناکام ہوتا ہے۔ان صاحب کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرتے ہوئے اپنا کاروبار چلائے اور شراب کی گندی آمدنی سے اپنی تجارت کو پاک رکھے اور گذشتہ پر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے اور اگر کوئی قانونی مجبوری ہو تو اس کے حل کے لیے بہتر صورت یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو شراب بیچنے کے لیے بٹھائے کہ وہ اپنی رقم سے شراب کی بیع وشراء کرے۔مسلمان مالکِ دُکان کا اس میں نہ سرمایہ ہو اور نہ آمدنی میں کوئی حصہ لے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولا یجوز بیعھا؛لأن اللّٰہ تعالی لما نجسھا فقد أھانھا، والتقوم یشعر بعزتھا. وقال علیه السلام:إن الذي حرّم شربھا،حرم بیعھا،وأکل ثمنھا.(۱)

ترجمہ:

شراب کی خرید وفرخت جائز نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس کو ناپاک قرار دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی توہین فرمائی اور اس کی خرید وفروخت سے اس کی عزت معلوم ہوتی ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

(۱) الھدایة، کتاب الأشربة، انواع الاشربة المحرمة :۴/۴۹۷

جس (ذات) نے شراب پینے کو حرام قرار دیا ہے۔اس نے اس کی بیع اوراس کے ثمن کے کھانے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

❁❁❁

بچوں سے مشقت لینا

سوال نمبر(119):

عمر نامی ایک غریب شخص ہے،اس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ۔اس مجبوری کی حالت میں عمر اپنے بچوں سے مزدوری کروا کر پیسے کما سکتا ہے یا نہیں؟ نیز بچوں کے حقوق اور والدین کی ذمہ داریوں کی مختصراً وضاحت فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بچوں کے متعلق والدین پر یہ اخلاقی اور شرعی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ نابالغ اولاد کے نان ونفقہ اور لباس وغیرہ کا انتظام کریں، بچپن کے قیمتی لحات میں ان کی تعلیم وتربیت،جسمانی صحت اور اخلاق وآداب پر خاص توجہ دیں، تاکہ یہ سرمایہ ان کے مستقبل سنوارنے میں کام آئے۔بچپن ہی میں بچوں کو ایسی مزدوری کے حوالہ کرنا جس میں گھنٹوں غیر صحت مندانہ ماحول میں کام کرنا پڑے اوراس وجہ سے ان کی زندگی کا انتہائی قیمتی زمانہ جو ذہنی نشوونما اور تعمیر کا سنہری عرصہ ہوتا ہے، مزدوری میں ضائع ہو جائے، یہ بچوں پر ظلم کے مترادف ہے اس لیے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

البتہ اگر والدین کسی شدید مجبوری کی وجہ سے تربیت کی خاطر بچے کی طاقت کے مطابق اس سے کوئی کام کروائیں اور مقصد یہ ہو کہ بچہ صنعت وحرفت سیکھ لے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا﴾قال أبو بكر: وهذا يدل على أن علينا تعليم أولادنا وأهلينا الدين، والخير، ومالا يستغني عنه من الآداب.(۱)

---

(۱) أحكام القران للجصاص، سورة التحريم الآية ٦، ٣ /٤٦٦

ترجمہ:

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ'' امام ابوبکر جصاص ؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ ہم پر اپنی اولاد اور اہل وعیال کو دین، بھلائی اور ضروری آداب کی تعلیم دینا لازمی ہے۔

فللأب أن يواجر ابنه الصغير في عمل من الأعمال.........والثاني: أن إيجاره في الصنائع من باب التهذيب والتأديب، والرياضة، وفيه نظر للصبي، فيملكه الأب.(۱)

ترجمہ:

باپ کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے چھوٹے بچے کو اجرت پر عمل کرنے کے لیے حوالہ کرے......دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بچے کو کاریگری کے کاموں میں مزدوری پر لگانا، درحقیقت اُس کو تہذیب وادب سکھانا اور ورزش کرانا ہے۔ اور اس میں بچے کا فائدہ ہے، اس لیے باپ اس کا اختیار رکھتا ہے۔

❁❁❁

تجارت اور کمائی کے لیے بیرون ملک جانا

سوال نمبر (120):

آج کل اکثر لوگ مال کمانے کے لیے تجارت یا ملازمت پر بیرون ممالک کا سفر کرتے ہیں تا کہ کچھ کما کر والدین اور بچوں کے اخراجات پوری کرسکیں۔ تلاش رزق کی خاطر بیرون ملک سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی جائز کام کی غرض سے بیرون ملک سفر کرنا شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ اس سفر سے دین وعقیدہ کو نقصان اور ضرر لاحق ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ شرعی حدود کے اندر تجارت اور ملازمت بھی جائز کام ہیں اس لیے ان کے لیے سفر کرنا درست ہے۔ البتہ اگر والدین زندہ ہوں اور اس کی خدمت کے محتاج ہوں یا بیوی بچے ہوں جو دیکھ بھال کے محتاج ہوں اور اس کی غیر موجودگی میں اُن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو پھر سفر جائز نہیں۔ اسی طرح اگر نان، نفقہ کا معقول انتظام ہو، لیکن سفر کرنے میں خطرہ ہو تو اس وقت بھی والدین سے اجازت لینا ضروری ہے۔ تاہم اگر سفر پر امن ہو،

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الأجارة، فصل في شرائط الركن: ۵/۵۳۵

نان نفقہ اور خدمت والدین کا متبادل انتظام ہو تو پھر بیرون ملک کا سفر کر سکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

وقال محمد في السير الكبير: إذا أراد الرجل أن يسافر إلى غير الجهاد لتجارة أوحج أوعمرة، وكره ذلك أبواه، فإن كان يخاف الضيعة عليهما بأن كانامعسرين ونفقتهما عليه، وماله لايفي بالزاد والراحلة ونفقتهما، فإنه لا يخرج بغير إذنهماسواء كان سفرا يخاف على الولد الهلاك فيه، كركوب السفينة في البحر أو دخول البادية ماشيا في البرد أو الحرالشديدين أولا يخاف على الولد الهلاك فيه، وإن كان لا يخاف الضيعة عليهما، بأن كانا موسرين، ولم تكن نفقتهماعليه إن كان سفرالا يخاف على الولدالهلاك فيه كان له أن يخرج بغيرإذنهما،وإن كان سفراًيخاف على الولد الهلاك فيه لا يخرج إلا بإذنهما كذا في الذخيرة.(١)

ترجمہ:

امام محمدؒ السیر الکبیر میں فرماتے ہیں کہ آدمی جہاد کے علاوہ کسی اور غرض مثلاً تجارت حج وعمرہ کے لیے سفر کرے اور والدین اس پر راضی نہ ہوں تو دیکھا جائے گا اگر اس کو والدین کے ضیاع کا خطرہ ہو، اس طور پر کہ وہ دونوں تنگ دست ہوں اور ان کا نفقہ اس پر واجب ہو اور مال اس کا اس قدر نہیں کہ سفر کے اخراجات اور نفقہ دونوں کے لیے کافی ہو تو ایسی صورت میں والدین کی اجازت کے بغیر نکلنا جائز نہیں، چاہے سفر ایسا ہو کہ اس میں اس شخص کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو، جیسے سمندر میں کشتی کا سفر ہو یا سخت سردی یا گرمی میں صحرا میں پیادل چلنا ہو، یا ہلاکت کا خوف نہ ہو۔ اور اگر اس شخص کو والدین کے ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو یعنی دونوں آسودہ حال ہوں اور ان کا نفقہ اس شخص پر نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر سفر پُر خطر نہ ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر نکلنا جائز ہے اور اگر سفر میں اس شخص کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر نہیں جا سکتا۔

❁❁❁

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب السادس والعشرون في الرجل يخرج إلى السفر: ٣٦٥/٥

معذور شخص کا پاؤں کے ذریعہ خطاطی اور آیت قرآنی لکھنا

سوال نمبر (121):

ایک شخص ہاتھوں سے معذور ہے، البتہ پاؤں کے ذریعہ خوشخط لکھائی کرنے میں ماہر ہے۔کسبِ معاش کے لیے یہ شخص پاؤں سے مختلف قسم کی لکھائی کرتا ہے۔کیا اس کے لیے آیاتِ قرآنی یا اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی لکھنا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ہاتھوں سے معذور شخص اگر پاؤں کے ذریعہ لکھنے میں ماہر ہے اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہیں تو اس کے لیے پاؤں کے ذریعہ آیات قرآنی یا اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی لکھنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہ بے وضو نہ ہو۔تاہم احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ کسبِ معاش کے لیے پاؤں کے ذریعہ صرف ان الفاظ وعبارات کی لکھائی کرے جن میں آیات قرآنیہ، احادیثِ مبارکہ یا اسمائے باری تعالیٰ نہ ہوں۔

والدّلیل علی ذلک:

رجل وضع رجله على المصحف إن كان على وجه الاستخفاف يكفر وإلافلا.(١)

ترجمہ: ایک شخص نے قرآن مجید پر پاؤں رکھا، اگر استخفافاً (حقیر جانتے ہوئے) رکھا ہو تو اس سے کافر ہو جائے گا ورنہ اگر استخفافانہ ہو تو کافر نہیں ہوتا۔

❁❁❁

سگریٹ کی ایجنسی کھولنے کی شرعی حیثیت

سوال (122):

سگریٹ کے کاروبار یعنی ایجنسی وغیرہ کھولنے کا کیا حکم ہے۔؟

بیّنوا تؤجروا

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ٣٢٢/٥

الجواب وباللہ التوفیق:

سگریٹ میں تمباکو ہوتا ہے اور تمباکو نباتات کی ایک قسم ہے، اکثر علمائے کرام کے ہاں دیگر نباتات کی طرح اس کی کاشت اور خرید وفروخت بھی جائز ہے۔ البتہ چونکہ یہ بدبودار ہے اور طبی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سگریٹ میں نفع کی بجائے نقصان کا پہلو غالب ہے، اور ان نقصانات سے باقاعدہ اشتہارات کے ذریعے خبردار بھی کیا جاتا ہے، اس لیے اگرچہ شرعاً سگریٹ کی خرید وفروخت جائز ہے اور اس کا نفع حرام نہیں، لیکن صحت اور مال کے تحفظ کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے کاروبار سے اجتناب بہتر ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وللعلامة الشيخ على الأجهوری المالكی رسالة فی حله نقل فيها أنه أفتى بحله من يعتمد عليه من أئمة المذاهب الأربعة۔ قلت : وألف فی حله أيضا سيدنا العارف عبد الغنی النابلسی رسالة ....فالذی ينبغی للإنسان إذا سُئل عنه.... أن يقول هو مباح لكن رائحته تستكرهها الطباع ؛ فهو مكروه طبعا لا شرعا.(۱)

ترجمہ: علامہ شیخ علی الأجہوری مالکی نے تمباکو کے حلال ہونے پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں نقل کیا ہے کہ چاروں مذاہب کے معتمد ائمہ نے اس کی حلت کا فتویٰ دیا ہے۔ میں (ابن عابدین) کہتا ہوں کہ ہمارے حضرت عبدالغنی نابلسیؒ نے بھی اس کی حلت کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے......(جس میں یہ لکھا ہے کہ) جب کسی سے اس کے بارے میں پوچھا جائے تو اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ یہ جواب دے: یہ مباح ہے البتہ اس کی بدبو کو طبیعت ناپسند کرتی ہے اس لیے طبعاً مکروہ ہے شرعاً نہیں۔

❁❁❁

رزقِ حلال کے اسباب

سوال (123):

میں ایک بینک میں ملازم ہوں اور اس کو چھوڑنے کا ارادہ کیا ہے، لیکن میرا کوئی اور ذریعہ آمدن نہیں ہے۔ مجھے کسی حلال ذریعہ معاش کی رہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الأشربة: ۳۶/۱۰

الجواب وباللہ التوفیق:

حلال رزق کما کر اہل وعیال پر خرچ کرنا عبادت اور باعث اجر وثواب ہے۔حلال کمائی کے مختلف شعبے ہیں ان میں بہترین شعبہ جہاد میں مال غنیمت کا حصول ہے۔اس کے علاوہ بعض علما کے نزدیک تجارت کا شعبہ بہترین ہے اور اکثر مشائخ زراعت کو افضل قرار دیتے ہیں۔اس کے علاوہ ملازمت اور صنعت و حرفت وغیرہ کے ذرائع بھی اختیار کر سکتے ہیں،لیکن یاد رہے کہ جو بھی ذریعہ آمدن اختیار کریں اُس میں دھوکہ،خیانت اور حق تلفی سے بچنے کی کوشش کریں۔

والدّلیل علی ذلک:

وأفضل أسباب الكسب الجهادثم التجارة ثم الزراعة ثم الصناعة،والتجارة أفضل من الزراعة عند البعض، والأكثر على أن الزراعة أفضل.(۱)

ترجمہ: کمانے کے اسباب میں سب سے افضل جہاد ہے، پھر تجارت، پھر زراعت اور پھر صنعت ہے۔بعض مشائخ کے ہاں تجارت کرنا زراعت سے افضل ہے لیکن اکثر مشائخ کے ہاں زراعت زیادہ افضل ہے۔

❁❁❁

سمگلنگ اور اس سے حاصل شدہ آمدنی

سوال (124):

ایک آدمی کپڑے اور چائے کا کاروبار کرتا ہے۔اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بیرون ممالک کے کپڑے سمگلنگ کی صورت میں لے جاتا ہے۔تو اب پوچھنا یہ ہے کہ اس کے ساتھ شریک ہونا کیسا ہے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ملکی قانون معاشرتی حالات اور مفادِ عامہ کو مدنظر رکھ کر تیار کیا جاتا ہے۔یہ قانون اگر قرآن اور حدیث سے متصادم نہ ہو اور اس سے ملکی معیشت کو فائدہ ہو تو ایسی صورت میں عوام پر اس قانون کی پاسداری ضروری ہے، ورنہ ملک میں بگاڑ پیدا ہو کر بدنظمی کا شکار ہو جائے گا۔

صورت مسئولہ میں اسمگلنگ قانوناً ممنوع ہے۔اس کی وجہ سے ملکی معیشت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية،الباب الخامس عشر في الكسب:۵/۳۴۹

اس لیے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔تاہم اس سے حاصل شدہ آمدنی کا حکم یہ ہے کہ اگر اسمگلنگ ایسی اشیا کی ہے جو فی نفسہ حلال ہوں اور لین دین میں شرعی اُصول کی رعایت رکھی گئی ہو تو اس کی آمدنی حلال ہوگی۔البتہ اس قسم کے کاروبار میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلك:

إن صاحب البحر ذكرناقلاً عن أئمتناأن طاعة الإمام في غيرمعصية واجبة. (۱)

ترجمہ: صاحب بحر نے ہمارے ائمہ کرام سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ حاکم کی اطاعت گناہ کے علاوہ دوسرے کاموں میں واجب ہے۔

❁❁❁

عورتوں کے ساتھ اختلاط والی ملازمت

سوال نمبر(125):

زید ایسی جگہ نوکری کر رہا ہے، جہاں پر اکثر اوقات عورتوں کے ساتھ اختلاط رہتا ہے اور عورتوں کے ساتھ بات چیت کرتے وقت وہ اپنا لہجہ سخت رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کے باوجود بعض اوقات باتوں میں ان کے ساتھ بے تکلفی ہو جاتی ہے۔براہ کرام زید کی نوکری کا شرعی حکم واضح کریں۔ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

معاش چونکہ انسانی زندگی کی ایک اہم ضرورت ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں زید کی نوکری محض اس وجہ سے کہ وہاں عورتوں کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے، ناجائز نہیں ہوتی اور اس کی اجرت اور تنخواہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔ تاہم زید کو چاہیے کہ حتی الوسع اپنی نگاہوں کی حفاظت کرے اور بلا ضرورت عورتوں کے ساتھ گفتگو سے پرہیز کرے۔ جہاں کہیں بے تکلفی کا خطرہ ہو تو اس محفل سے کنارہ کشی اختیار کرے۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ﴾ (۲)

ترجمہ: مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔یہی ان کے لیے

---

(۱) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب القضاء، مطلب طاعة الإمام واجبة:۱۱۸/۸

(۲) النور: ۳۰

پاکیزہ ترین طریقہ ہے۔

❁❁❁

سرکاری طور پر ممنوع ادویات کے کاروبار سے ملنے والی تنخواہ اور منافع

سوال نمبر (126):

سرکاری طور پر ممنوع ادویات کے کاروبار سے حاصل شدہ آمدنی حلال ہے یا حرام؟ اور جو مزدور اس میں کام کرتے ہیں، ان کی تنخواہیں حلال ہیں یا حرام؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس ملک میں عام لوگوں کے فائدے کی خاطر بعض چیزوں پر پابندی لگائی جائے کہ ان چیزوں کی خرید فروخت ممنوع ہے تو اس سے احتراز شرعاً بھی ضروری ہے، کیونکہ جو قانون شرعی احکام سے متصادم نہ ہو اس کی پاسداری ہر شہری کی مذہبی ذمہ داری بھی ہے، تاہم اگر عقد بیع میں کوئی امر شرعی ناجائز اور ممنوع موجود نہ ہو تو اس سے حاصل ہونے والے منافع حلال ہیں۔

صورت مسئولہ میں اگر کوئی شخص ایسی دوائیوں کا کاروبار کرتا ہو جس پر حکومت کی طرف سے پابندی عائد کی گئی ہے تو حکومتی قوانین کی خلاف ورزی کا ارتکاب اگرچہ ایک ناجائز امر ہے اور اس کی وجہ سے گناہ ہوگا لیکن اگر اس کاروبار میں بیع کو فاسد کرنے والی کوئی شرعی وجہ موجود نہ ہو تو اس سے حاصل شدہ منافع جائز ہے، اسی طرح اس کاروبار کے ملازمین اور مزدوروں کو ملنے والی تنخواہیں بھی حلال ہیں، لیکن ایسے کاروبار سے احتراز ضروری ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب ان ممنوعہ دوائیوں میں کوئی مضر صحت یا حرام اجزا نہ ہوں۔ چنانچہ اگر ان میں کوئی مضر صحت یا حرام اجزا شامل ہوں تو پھر اس کے منافع بھی حلال نہیں کیونکہ یہ مال کے لالچ میں انسانی جان کے ساتھ کھیلنے کے مترادف ہے، جو شرعاً حرام ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

إن صاحب البحر ذكرناقلاً عن أئمتناأن طاعة الإمام في غيرمعصية واجبة، فلوأمربصوم يوم

وجب. (١)

ترجمہ:

صاحب بحر نے ہمارے ائمہ کرام سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ حاکم کی اطاعت گناہ کے علاوہ دوسرے کاموں میں واجب ہے، مثلاً اگر حاکم کسی دن روزہ رکھنے کا حکم کرے تو وہ روزہ واجب ہوگا۔

(باب النهي عن تلقي الركبان وأن بيعه مردود لأن صاحبه عاص آثم إذا كان به عالماً وهو خداع في البيع والخداع لايجوز) جزم المصنف بأن البيع مردود بناء على أن النهي يقتضي الفساد، لكن محل ذلك عند المحققين فيمايرجع إلى ذات المنهي عنه لاماإذاكان يرجع إلى أمر خارج عنه فيصح البيع ويثبت الخيار بشرطه الآتي ذكره وأما كون صاحبه عاصيا آثما والاستدلال عليه بكونه خداعا فصحيح ولكن لايلزم من ذلك أن يكون البيع مردوداً؛لأن النهي لايرجع إلى نفس العقد، ولايخل بشيئٍ من أركانه، وشرائطه، وإنما هولدفع الإضرار بالركبان.(٢)

ترجمہ: ''یہ باب ہے شہر کی طرف آنے والے تاجروں سے کسی چیز کے خریدنے کے بارے میں کہ ان سے بیع کرنا درست نہیں کیونکہ ایسا کرنے والا جب علم رکھتے ہوئے ایسا کرے تو گناہ گار ہے، اوراس لیے کہ یہ بیع میں دھوکہ ہے اوردھوکہ دینا جائز نہیں'' مصنف نے قطعی طور پر فرمایا ہے کہ یہ بیع درست نہیں کیونکہ (اس سے ممانعت آئی ہے اور) ممانعت کا تقاضہ یہ ہے کہ فاسد ہو۔ لیکن محققین کے نزدیک نہی وہاں فساد کا تقاضہ کرتی ہے جہاں اس چیز سے منع کیا ہو جو ذات میں داخل ہو۔ اور جب نہی کسی خارجی امر کی وجہ سے ہو تو بیع صحیح ہوگی اور شرط سے خیار ثابت ہوگا جس کا آگے ذکر آتا ہے۔ اس کام کے کرنے والے کا گناہ گار ہونا کیونکہ یہ دھوکہ ہے، یہ بات بھی درست ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں کہ یہ بیع بالکل درست نہ ہو۔ کیونکہ یہ ممانعت نفسِ عقد کی طرف راجع نہیں اور نہ اس سے عقد کے ارکان اور شرائط میں کوئی خلل آتا ہے، بلکہ یہ ممانعت تاجروں سے ضرر دفع کرنے کے لیے ہے۔

❁❁❁

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب القضاء، مطلب طاعة الإمام واجبة:١١٨/٨

(٢)العسقلاني،أحمد بن علي بن حجر، فتح الباري، كتاب البيوع، باب النهي عن تلقي الركبان، وأن بيعه مردود: ١١٣/٥،دارالفكربيروت، لبنان

عمرہ کے ویزہ پر جا کر مزدوری کرنا

سوال نمبر (127):

اگر ایک شخص عمرہ کے ویزہ پر سعودی عرب چلا جائے تو عمرہ کی ادائیگی کے بعد مزدوری کے لیے وہاں ٹھہرنا شرعاً کیسا ہے؟ کیا اس سے کمائی پر کوئی اثر پڑتا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی ملک مفاد عامہ کی خاطر ایسا قانون بنائے جو شریعت سے متصادم نہ ہو تو اس کی پاسداری کرنا ضروری ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنا شرعاً جائز نہیں۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی شخص عمرہ کے ویزہ پر سعودی عرب چلا جائے تو وہاں چونکہ مقررہ مدت سے زیادہ وقت گزارنے اور مزدوری کرنے کی قانوناً اجازت نہیں، لہٰذا وہاں کی قانون شکنی کرتے ہوئے مقررہ مدت سے زیادہ وقت گزارنا شرعاً بھی درست نہیں کیونکہ عبادت کی آڑ میں دنیا کے فوائد حاصل کرنا اور دو ملکوں کے سفارت خانوں سے وعدہ شکنی کرنا شرعی، قانونی اور اخلاقی جرم ہے۔ البتہ اس سے کمائی ہوئی آمدنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اگر حلال مزدوری کی ہے تو اس سے حاصل شدہ رقم حلال ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿وَأَوْفُوا بِالعَهْدِ إِنَّ العَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾(۱)

ترجمہ: اور معاہدہ کی پاسداری کرو، یقیناً معاہدہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

وأما طاعة السلطان، فتجب فيما كان لله فيه طاعة، ولا تجب فيما كان لله فيه معصية.(۲)

ترجمہ: اور جہاں تک بادشاہ کی اطاعت کا تعلق ہے تو یہ اُن احکامات میں واجب ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی بھی اطاعت ہو۔ اور ان احکامات میں واجب نہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی معصیت ہو۔

❁❁❁❁❁

(۱) الإسراء: ۳٤ (۲) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، النساء آية (٥٩): ٥/٢٤٩

باب المال الحرام ومصرفه

(حرام مال اوراس کے مصرف کا بیان)

چوری کا مال خریدنا

سوال نمبر(128):

آج کل اکثر شہروں میں چوری کے مال فروخت ہونے کے مستقل مارکیٹ ہوتے ہیں جن میں تقریباً ساری چیزیں چوری کی بکتی ہیں، کیا ایسی جگہ سے خریداری کی جاسکتی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اسلام انسان کو پاکیزہ اور حلال رزق کمانے اور کھانے کی ترغیب دیتا ہے اور حرام سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔لہٰذا کسی غیر کے مال کو اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر استعمال کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔اگر کسی شخص نے لوگوں سے کوئی چیز ظلماً، چوری یا غصب سے حاصل کی ہو اور خریدنے والے کو یقینی طور پر یا ظنِ غالب سے معلوم ہو کہ یہ چیز چوری یا غصب کی ہے تو اس کے لیے خریدنا جائز نہیں۔

صورتِ مسؤلہ میں جس مارکیٹ کے بارے میں معلوم ہو کہ وہاں چوری کا مال ہی بکتا ہے وہاں سے خریداری نہیں کرنی چاہیے۔

والدّلیل علی ذلك:

فكل عين قائمة يغلب على ظنّه أنهم أخذوها من الغير بالظلم، وباعوها في السوق، فإنه لاينبغي أن يشتري ذلك، وإن تداولتها الأيدي. (١)

ترجمہ:

ہر وہ چیز جس کے متعلق ظنِ غالب یہ ہو کہ اسے لوگوں نے دوسروں سے ظلماً لیا ہے اور پھر اسے بازار میں فروخت کیا ہے، تو ایسی چیز خریدنی نہیں چاہیے، اگرچہ وہ مختلف لوگوں کے ہاتھوں فروخت ہو کر پہنچی ہو۔

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، ، الباب الخامس والعشرون في البيع: ٣٦٤/٥

حرام مال کی وراثت

سوال نمبر(129):

ہمارے والد صاحب فوت ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی زندگی میں حرام وحلال ہر قسم کے ذرائع سے بہت سارا مال اکٹھا کیا، جائدادیں خریدیں اور کاروبار کیے۔ اب اُن کا مال جو ہمیں وراثت میں منتقل ہوا ہے، کیا ہم اُس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟ ہمارے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر مورِث کے ترکہ میں حلال وحرام دونوں قسم کا مال ہو تو ورثا کے لیے حکم یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ خالص حرام ہے یا خالص حرام مال سے لیا گیا ہے تو اُس کا لینا وارث کے لیے جائز نہیں۔ پھر اگر اس کا مالک معلوم ہو تو اُسی کو واپس کردے اور اگر مالک معلوم نہ ہو تو اس کی طرف سے صدقہ کردے اور جو چیزیں مخلوط مال سے خریدی ہوں ان کا استعمال درست ہے، بشرطیکہ کسی چیز کے بارے میں یقینی طور پر معلوم نہ ہو کہ فلاں چیز بعینہٖ حرام ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه، وإن كان مالاً مختلطاً مجتمعاً من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئاً منه بعينه، حل له حكما. (۱)

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ اگر وارث کو اموال کے اصل مالک معلوم ہوں (جن سے ان کے مورث نے حرام مال حاصل کیا ہے) تو مال ان کو واپس کرنا واجب ہے۔ ورنہ اگر مالک معلوم نہ ہوں لیکن یہ معلوم ہو کہ یہ مال بعینہٖ حرام ہے تو وارث کے لیے اس کا استعمال حلال نہیں ہے، وہ اس مال کو اس کے مالک کی طرف سے صدقہ کرے گا۔ تاہم اگر مال حلال وحرام سے مخلوط ہو اور اس کے مالک بھی معلوم نہ ہوں اور نہ ان میں سے کوئی چیز بعینہٖ حرام ہو تو وارث کے لیے حکماً اس مال کا استعمال حلال ہے۔

❀❀❀

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالا حراماً: ۳۰۱/۷

طالب علم کے لیے حرام مال استعمال کرنا

سوال نمبر(130):

اگر ایک باپ حرام آمدنی سے بچے کی کفالت کرتا ہے اور اس کا بچہ دینی مدرسے کا طالب علم ہے تو اس کے لیے ان پیسوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ نیز حالتِ مجبوری میں وہ کون سی راہ اختیار کرے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ حرام مال کا اپنا اثر ضرور ہوتا ہے جس سے انسان روحانی اعتبار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، لیکن دوسری طرف حصول علم بھی ایک ضروری امر ہے، جس کو چھوڑا نہیں جاسکتا، اس لیے ایسے طلباء کرام کے لیے جن کے والدین حرام کمائی سے مال حاصل کرتے ہیں، فقہاء کرام یہ حیلہ بیان کرتے ہیں کہ یہ طالب علم کسی متقی حلال آمدنی والے آدمی سے کچھ پیسے قرض لے لیا کرے اور جب باپ کی طرف سے حرام رقم مل جائے تو وہ اس قرض دار کو دے دے۔ اُمید ہے کہ مِلک تبدیل ہوجانے سے اس کا خبث بھی تبدیل ہوجائے۔

والدّلیل علی ذلك:

عن أنس ؓ أن النبي ﷺ أتي بلحم قال: ماهذا ؟قالوا شيء تصدق به علی بريرةؓ، فقال: هو لها صدقة، ولنا هدية.(١)

ترجمہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ گوشت لایا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ چیز (گوشت) حضرت بریرہؓ کو صدقہ کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ان کے لیے صدقہ تھا اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

(١) سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ، باب الفقیر یهدي للغني من الصدقة: ١/٣٢٤

والد کی مخلوط آمدنی سے کھانا

سوال نمبر (131):

میرے والد صاحب قصائی ہیں۔ جانور ذبح کر کے گوشت اور قیمہ فروخت کرتے ہیں۔وہ عموماً قیمہ میں ملاوٹ کرتے ہیں۔اب اس کی کمائی کا کیا حکم ہے؟اور میرے لیے گھر کا کھانا اور دوسری چیزیں استعمال کرنا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

دھوکہ دہی، ملاوٹ اور فریب شرعاً نہایت ہی مذموم ہیں۔اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کوئی مسلمان ان جیسے مذموم امور کا مرتکب ہو کر پیسہ کمائے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر آپ کے والد قیمہ میں ملاوٹ کرتے ہوں تو یہ شرعاً ناجائز اور گناہ ہے، ملاوٹ کے بدلے جو اضافی کمائی حاصل ہو وہ حلال نہیں، البتہ چونکہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی نہایت تاکید آئی ہے اس لیے آپ والد کو نہایت ادب واحترام اور حسن سلوک کا رویہ اختیار کرتے ہوئے ان امور کے ارتکاب سے روکنے کی کوشش کریں۔تلخ کلامی اور بے ادبی سے احتراز کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس کی ہدایت کی دعا کریں۔تاہم اگر اس کی غالب آمدنی حرام کی نہ ہو تو آپ کے لیے گھر کا کھانا کھانا اور دیگر اشیا استعمال کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

أهدى إلى رجل شيئا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس به.(۱)

ترجمہ: ایک شخص نے کسی کو تحفہ دیا یا اس کی مہمان نوازی کی (یعنی کھانے کی دعوت دی) اگر اس کا اکثر مال حلال ہو تو اس (کے قبول کرنے) میں کوئی حرج نہیں۔ ❁❁❁

قرض خواہ کا قرض دار کے گھر میں کھانا

سوال نمبر (132):

ایک آدمی نے دوسرے شخص کو ستر ہزار (70,000) روپے قرض دیے۔اب یہ آدمی جب قرض مانگنے کے

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ٣٤٢/٥

لیے جاتا ہے تو وہ کچھ کھاناوغیرہ پیش کرتا ہے اور کبھی کبھی کوئی تحفہ وغیرہ دے کر قرض خواہ کو رخصت کرتا ہے۔ شریعت میں مقروض کے ہاں کھانا اور اس سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ میں مقروض شخص کی دعوت قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ اگر قرض خواہ کو یہ معلوم ہو کہ مقروض نے قرض میں مہلت دینے کی خاطر یہ دعوت کی ہے تو پھر احتیاط اس میں ہے کہ اُس کے قبول کرنے سے انکار کرے۔ اسی طرح تحفہ بھی اگر قرض کی وجہ سے وہ دے رہا ہے تو اُسے وصول نہیں کرنا چاہیے اور اگر قرض کی وجہ سے نہیں تو پھر قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

قال محمدؒ :لا بأس بأن يجيب دعوة رجل له عليه دين. قال شيخ الإسلام: هذا جواب الحكم، فأماالأفضل أن يتورع عن الإجابة إذا علم أنّه لأجل الدين، أوأشكل عليه الحال.(١)

ترجمہ:

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ قرض خواہ کے لیے مقروض کی دعوت قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ یہ جواب از روئے حکم ہے اور افضل یہ ہے کہ جب اس کو یہ معلوم ہو کہ یہ دعوت قرض کی وجہ سے ہے یا اس کو صورت حال کے جاننے میں اشکال ہو تو وہ دعوت یا ہدیہ قبول کرنے سے بچے۔

❁❁❁

قطع رحمی سے بچنے کے لیے حرام آمدنی والے رشتہ دار سے کچھ لینا

سوال نمبر(133):

مفتیانِ عظام کی خدمت میں یہ استفسار ہے کہ زید کا بہنوئی ہے اور بینک کی تنخواہ کے علاوہ اس کی آمدن کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔ وہ عموماً کھانے پینے کی کوئی چیز مثلاً: چینی، آٹا، گھی، چائے وغیرہ زید کے گھر لاتا ہے۔

---

(١) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد،مطلب فیمن ورث مالاحراما: ٢٠٢،٣٠١/٧

ہدیہ قبول نہ کریں تو قطع رحمی ہوتی ہے۔اب ان حالات میں اس کے لائے ہوئے کھانے پینے کی اشیالینا جائز ہے یانہیں؟۔واضح رہے کہ وہ بہنوئی متبادل کام بھی ڈھونڈ رہا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت میں صلہ رحمی اور رشتہ داروں سے اچھے برتاؤ، حسن سلوک اور ہمدردی کی بار بار تلقین کی گئی ہے، لیکن صلہ رحمی کی رعایت رکھنے کے لیے حرام اور معصیت میں مبتلا ہونے کی اجازت نہیں۔لہٰذا اگر زید کے بہنوئی کی کل آمدنی حرام کی ہے تو اُن کے بھیجے ہوئے یا لائے ہوئے اشیا استعمال کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے، البتہ جن چیزوں سے اجتناب کرنے میں مشقت اور تنگی کا سامنا ہو اور قطع رحمی اور ناراضگی کی فضا پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو انہیں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، تاہم احتیاط کے طور پر ان چیزوں کے استعمال کے بدلے میں عوض کی نیت سے کچھ رقم یا کوئی چیز بہنوئی کو دے دینی چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

سئل الفقيه أبو جعفر عمن اكتسب ماله من أمراء السلطان، ومن الغرامات المحرمات، وغير ذلك هل يحل لمن عرف ذلك أن يأكل من طعامه؟ قال: أحب إليّ في دينه أن لا يأكل، ويسعه حكما إن لم يكن ذلك الطعام غصبا أو رشوة. (١)

ترجمہ:

فقیہ ابو جعفرؒ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے بادشاہ کے امرا سے یا حرام جرمانوں کی رقم سے یا دیگر حرام ذرائع سے مال کمایا ہو تو کیا کسی ایسے شخص کے لیے اس کا کھانا کھانا حلال ہوگا جو اس سے واقف ہو؟ آپؒ نے فرمایا کہ میرے ہاں اس کے دین کے لیے پسندیدہ یہ ہے کہ وہ اس سے نہ کھائے، البتہ از روئے حکم اس کے لیے (اس کا کھانا کھانے کی) گنجائش ہے بشرط یہ کہ بعینہٖ وہ کھانا غصب اور رشوت سے نہ آیا ہو۔

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالا حراما: ۳۰۱/۷، ۳۰۲

حرام مال سے قرض کی ادائیگی

سوال نمبر:(134):

پہلے میں ایک گلوکار تھا اس کے ذریعے میں نے بہت مال کمایا اور جمع کیا ہے۔اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ چھوڑ دیا ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا اُس پرانے مال سے میں اپنا قرض ادا کرسکتا ہوں یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی عبارات کی رُو سے گلوکار کی کمائی کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ گانا گانے سے پہلے اپنی اُجرت طے کر کے وصول کرتا ہو تو یہ اُجرت علی المعاصی ہونے کی وجہ سے حرام ہے،اور اگر پہلے سے طے کیے بغیر گاتا ہو اور لوگ اپنی مرضی سے کچھ رقم دیتے ہوں تو چونکہ یہ اجرت علی المعاصی نہیں اس لیے فقہائے کرام اِسے حلال قرار دیتے ہیں۔

صورتِ مسئولہ میں اگر آپ کی کمائی پہلی قسم کی ہو تو آپ کو وہ رقم قرض میں دینے کی بجائے بلانیت ثواب صدقہ کرنی چاہیے۔اور اگر قرض میں دے دی تو اُس کے بقدر رقم صدقہ کرنا ہوگا اور قرض خواہ کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر اُسے معلوم نہ ہو کہ یہ حرام کا پیسہ ہے تو اُس کے لیے لینا بلا کراہت جائز ہے اور اگر معلوم ہو تو کراہت کے ساتھ جائز ہے۔اور اگر دوسری قسم کی کمائی ہو تو وہ آپ کے لیے حلال ہے،اُسے قرض میں دینا یا کسی اور استعمال میں لانے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

قال بعض مشائخنا كسب المغنّية كالمغضوب لم يحل أخذه...... لكن في الهندية من المنتقى عن محمد في كسب النائحة وصاحب طبل أو مزمار لو أخذ بلاشرط ودفعه المالك برضاه فهو حلال ومثله في المواهب. (١)

ترجمہ:

ہمارے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ گانا گانے والی کی کمائی مغصوب مال کی طرح ہے۔اس کا لینا جائز نہیں...... لیکن ہندیہ میں منتقیٰ کے حوالے سے امام محمدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ نوحہ کرنے والی عورت اور ڈھول باجے سے کمائی کرنے

(١) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة،باب الاستبراء وغيره،فصل في البيع : ٩/٥٥٣

والے نے اگر بغیر شرط کے کمائی کی اور مالک نے اپنی رضامندی سے اس کو کچھ دے دیا تو وہ حلال ہے۔اسی طرح مواہب میں بھی مذکور ہے۔

ولو كان لمسلم علىٰ نصراني دين فباع النصراني خمرا وأخذ ثمنها وقضاه المسلم من دينه جاز له أخذه؛ لأن بيعه له مباح، ولو كان الدين لمسلم على مسلم فباع خمرا وأخذ ثمنها وقضاه صاحب الدين كره له أن يقبض ذلك من دينه. (۱)

ترجمہ:

اگر مسلمان کا کسی نصرانی پر قرض ہو اور نصرانی نے شراب بیچ کر اُس کی رقم وصول کی، اور اس سے مسلمان کا قرض چکا دیا تو مسلمان کے لیے اس رقم کا لینا جائز ہے، اس لیے کہ شراب کی بیع عیسائی کے لیے مباح ہے۔اور اگر مسلمان کا کسی مسلمان پر قرض ہو اور اس نے شراب بیچ کر اُس کی رقم وصول کی اور اس سے قرض چکایا تو قرض خواہ کے لیے یہ رقم اپنے قرض میں قبول کرنا مکروہ ہے۔

حرام مال کا مصرف

سوال نمبر (135):

دوران ملازمت سائل لوگوں سے رشوت لیا کرتا تھا۔اب حلال اور حرام اس طرح خلط ہوئے ہیں کہ تمیز مشکل ہے۔اسی طرح حرام مال کی پوری مقدار اور جن لوگوں سے رشوت لی ہے، وہ بھی معلوم نہیں ہیں۔اب میرے لیے اس حرام مال سے چھٹکارے کی کیا صورت ہوگی؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب و بالله التوفيق:

شریعت مطہرہ کی رو سے جو مال رشوت یا دوسرے حرام طریقوں سے حاصل کیا جائے وہ مال مالک کو لوٹانا ضروری ہے لیکن اگر مالک معلوم نہ ہو تو اُسے بلانیت ثواب صدقہ کرنا لازم ہے۔اسی طرح اگر حرام مال کی پوری مقدار معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں تحری کرے یعنی اندازہ لگائے کہ کتنا مال حرام ذرائع سے حاصل کیا ہے۔تحری کے بعد

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع والعشرون في القرض والدين: ۳٦٧/٥

حرام مال کے بقدر مال جدا کر کے مالکوں تک پہنچانے کی کوشش کرے۔ اگر مالک معلوم نہ ہوں تو بلانیت ثواب فقراء پر صدقہ کردیں۔

والدّلیل علی ذلك:

علیہ دیون لأناس شتیٰ لزیادۃ في الأخذ و نقصان في الدفع فلو تحرّی ذلك و تصدق علی الفقراء بثوب قوّم بذلك یخرج عن العھدۃ.(۱)

ترجمہ:

کسی شخص پر بہت سے قرضے مختلف لوگوں کے اس طرح چڑھ گئے تھے کہ اس نے لوگوں سے لینے میں زیادتی کی اور دینے میں کمی کی (یعنی اپنا حق پورا وصول کرتا تھا اور اُن کا حق کم دیتا تھا پھر یہ ذمہ فارغ کرنا چاہے) تو یہ شخص اگر (لوگوں کے حقوق کا) ایک اندازہ لگائے اور اُس اندازے کے مطابق ایک کپڑا فقراء پر صدقہ کرے تو اِس طرح یہ بریٔ الذمہ ہوجائے گا۔

❀❀❀

مالِ حرام سے تعمیر شدہ گھر سے فائدہ حاصل کرنا

سوال نمبر(136):

ایک آدمی کی ساری کمائی سود اور حرام کی ہے۔ اس مال سے اس نے ایک عالیشان محل بنوایا ہے اور کاروبار میں بھی حرام مال لگایا ہے۔ اس کے بچوں کے لیے اس گھر میں رہنا اور اس کاروبار کے منافع استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

قرآن وحدیث کی صریح نصوص اس بات پر شاہد ہیں کہ سود لینا اور دینا دونوں ناجائز اور حرام ہیں لہٰذا جس کے پاس کوئی سودی رقم ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ مالکوں کو واپس کرے۔ اگر مالک معلوم نہ ہوں تو بغیر نیت ثواب صدقہ کرکے اپنا ذمہ فارغ کردے۔ اور اگر سودی رقم سے گھر تعمیر کی ہو تو اُس میں رہنا تو جائز ہے، اور اس سے کاروبار شروع

---

(۱) الفتاوی الھندیۃ، کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس والعشرون فی البیع: ۳۶۷/۵

کیا ہو تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی استعمال کر سکتا ہے، البتہ حرام سے گھر بنانے اور کاروبار کرنے کا گناہ ہوگا۔ جس سے خلاصی کی صورت یہ ہے کہ گزشتہ گناہ پر پشیمان اور نادم ہو کر استغفار کرے اور جتنا پیسہ سود کا استعمال کیا ہے اندازہ لگا کر اتنی ہی رقم بلانیت ثواب صدقہ کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه.(۱)

ترجمہ:

اور حاصل یہ کہ اگر اس (مال حرام) کے مالک معلوم ہوں تو ان کو واپس لوٹانا واجب ہے، ورنہ اگر (مالک معلوم نہ ہوں) اور اس کو پتہ چلا کہ یہ مال عینِ حرام ہے تو اس کے لیے (سودی رقم) حلال نہیں اور اس کو مالک کی طرف سے صدقہ کیا جائے گا۔

غصب حانوتا واتجر فيه وربح يطيب الربح. كذافي الوجيز للكردري.(۲)

ترجمہ:

کسی نے دوکان غصب کرلی اور اس میں تجارت کر کے نفع حاصل کیا تو اس کے لیے حاصل شدہ نفع درست ہے۔ امام کردریؒ کی الوجیز میں اس طرح مذکور ہے۔

❀❀❀❀❀

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، مطلب فیمن ورث مالاً حراماً: ۳۰۱/۷

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الغصب، الباب الثامن في تملك الغاصب: ۱٤۲/۵

باب الرشوۃ

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ ممانعت:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے ہر وہ طریقہ اور حیلہ ناجائز اور حرام ہے، جس سے کسی دوسرے شخص کا حق تلف ہو جائے یا استحقاق اور قابلیت کے بغیر کسی عہدے یا حق کے حصول کا ذریعہ بن جائے۔ ان ناجائز حیلوں میں سے ایک رشوت بھی ہے، جس کے مفاسد اور نقصانات سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ اس میں ایک طرف تو صاحبِ حق کی حق تلفی اور حوصلہ شکنی ہوتی ہے تو دوسری طرف ناجائز طور پر مال لے کر اُس کے بدلے غیر اہل و غیر مستحق شخص کو صاحبِ حق قرار دیا جاتا ہے، جس سے افرادی قوت و صلاحیت کی حوصلہ شکنی ہو کر معاشرے میں احساسِ کمتری و محرومی اور انتظامیہ کے خلاف نفرت و بغاوت کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قبیح فعل میں حصہ دار بننے والے تمام مرتکبین پر لعنت فرمائی ہے اور ان کو جہنمی قرار دیا ہے۔(۱)

لغوی تحقیق:

"رُشوۃ" مثلثۃ الراء ہے یعنی راء پر تینوں حرکات کا تلفظ درست ہے۔ لغت کے اعتبار سے یہ اس بخشش اور عطا کا نام ہے جس کے ذریعے آدمی اپنے لیے کوئی مصلحت حاصل کرنا چاہتا ہو۔

علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ رشوت رشا سے ماخوذ ہے۔ رشا کے معنی اس رسی کے ہے جس کے ذریعے پانی تک پہنچا جائے۔ چونکہ رشوت کے ذریعے انسان ناحق بات تک پہنچ جاتا ہے، اس لیے اس کو رشوت کہتے ہیں۔(۲)

اصطلاحی معنی:

فقہا کی اصطلاح میں رشوت وہ مال ہے جو کسی کے حق کو باطل کرنے کے لیے یا کسی باطل حق کو حاصل کرنے کے لیے دیا جائے۔

"مایعطی لإبطال حقّ أو لإحقاق باطل".(۳)

---

(۱) درر الحکام، مادۃ نمبر ۱۷۹۶، ص:۴/ ۵۹۰، ۵۹۱

(۲) لسان العرب، مادۃ رشا: ۵/۲۲۳، المعجم الوسیط، مادۃ رشا، ص:۳۴۷

(۳) التعریفات للجرجانی مادۃ نمبر ۷۳۰، ص:۸۱، المعجم الوسیط، مادۃ رشا، ص:۳۴۷

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ رشوت اس چیز کا نام ہے جو آدمی کسی حاکم یا دوسرے شخص کو اس نیت سے دے دے کہ اس چیز کے بدلے وہ دینے والے کے حق میں فیصلہ کرے یا اس کی چاہت کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہو جائے۔(۱)

باب الرشوۃ سے متعلقہ اصطلاحات:

(۱)رشوۃ..........:تعریف گزر گئی۔

(۲)راشي..........:وہ شخص جو باطل کے حصول یا باطل کی معاونت کے لیے کوئی چیز دے دے۔

(۳)مرتشي..........:مذکورہ طریقے پر مال لینے والا شخص۔

(۴)رائش..........:راشی اور مرتشی کے مابین واسطہ بننے والا شخص یا رشوت کے لین دین کا سبب بننے والا شخص رائش کہلاتا ہے۔(۲)

ہدیہ اور رشوت میں باہمی فرق:

ہدیہ، ہبہ، عطیہ اور رشوت چاروں کسی کو نفع پہنچانے اور بخشش کا نام ہے، تاہم ان کے مقاصد اور اغراض ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں، اس لیے کہ ہدیہ، ہبہ اور عطیہ تو مستحب اور موجبِ اجر وثواب امور ہیں جب کہ رشوت مکمل طور پر ناجائز اور حرام کام ہے۔اسی وجہ سے فقہاے کرام نے ان کے مابین فرق کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ رشوت وہ مال ہے جو کسی کو اس شرط پر دیا جائے کہ وہ اس مال کے بدلے ناحق اس کی مدد کرے (شرط چاہے صراحتاً ہو یا عرف میں مروج ومعروف ہو) جب کہ ہدیہ، ہبہ اور عطیہ میں کسی شرط کا تذکرہ اور ناجائز غرض کا حصول مدنظر نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد محض ہمدردی اور اپنی محبت وقربت کا اظہار ہوتا ہے۔(۳)

رِشوت کی حرمت:

رشوت کی حرمت خود قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

قرآن کریم میں بنی اسرائیل کی رشوت خوری کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد ہے:

---

(۱) البحر الرائق، کتاب القضاء:۶/ ٤٤٠

(۲) لسان العرب، مادۃ رشا:۵/ ۲۲۳،درر الحکام، مادہ نمبر۱۷۹۶،ص:٤/ ۵۹۰

(۳) درر الحکام حوالہ بالا،البحر الرائق، کتاب القضاء:۶/ ٤٤١،الموسوعۃ الفقھیۃ، مادۃ رشوۃ:۲۲/ ۲۲۰، ۲۲۱

﴿اکّٰلون للسُّحت﴾(۱)

ترجمہ: یہ لوگ جی بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔

"السُّحت" کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہود کے علما اور بڑے لوگوں سے تورات کے احکام میں تحریف کے بدلے فقرا اور چھوٹے لوگوں سے یہودیت پر قائم رہنے کے بدلے رشوت لیتے تھے اور یہی ان کا مستقل شیوہ تھا۔(۲)

رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے، لینے والے اور اِن کے درمیان واسطہ بننے والے تینوں پر لعنت فرمائی ہے۔

"لعن رسول اللہ ﷺ الراشي والمرتشي والرائش".(۳)

رشوت کے اقسام اور احکام:

فقہائے کرام کے ہاں رشوت لینا تو بذاتِ خود ہر صورت میں حرام ہے، تاہم دینے سے متعلق حالات اور عوامل کو مدنظر رکھ کر حکم لگایا جائے گا۔ اس حوالے سے فقہائے کرام نے چند صورتیں بتائی ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) اگر کوئی شخص قضا کا عہدہ لینے کے لیے رشوت دے دے تو یہ لینے والے اور دینے والے دونوں کے لیے حرام اور ناجائز ہے۔ اس طرح سے قاضی بننے والے کے جاری کردہ فیصلوں کا بھی کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تو اس حد تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص طویل زمانے تک قاضی بن کر فیصلے کرتا رہا ہو اور بعد میں اس کی رشوت خوری کا علم ہوجائے اور سب لوگ اپنا معاملہ کسی اور قاضی کے پاس لے جائیں تو دوسرا قاضی رشوت خور قاضی کے عمر بھر کے فیصلوں کو باطل قرار دے سکتا ہے۔(۴)

(۲) اگر کوئی شخص کسی قاضی کو رشوت دے کہ میرے حق میں فیصلہ کردو تو اس صورت میں بھی یہ معاملہ دونوں طرف سے حرام ہے اگرچہ رشوت دینے والا عدالت میں اپنے مقدمے کے اندر حق پر ہو۔ اس صورت میں اگر قاضی اُس کے حق میں فیصلہ کر

(۱) المائدۃ:٤٢

(۲) تفسیر أبي السعود:۳/۳۹

(۳) مسند احمد عن ثوبان برقم ۲۱۸۹۳،٥/۲۲۹_٦/۳۷٦

(٤) البحر الرائق کتاب القضاء:٦/٤٤٠،٤٤١

دے تو حق پر ہونے کے باوجود دونوں سخت گنہگار ہیں۔(۱)

(۳) اگر کسی شخص سے اپنی جان، مال یا عزت کا خوف ہو اور اپنی جان و مال کی حفاظت یا اُس کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے اُس کو رشوت دی جائے تو دینا جائز ہے۔لیکن لینے والے کے لیے بہر صورت حرام اور نا جائز ہے۔(۲)

(۴) اگر کسی شخص کی بدزبانی، فحش گوئی اور تہمت دری سے بچنے کے لیے اُس کو بطورِ رشوت کچھ دیا جائے تو دینے والے کے لیے اجازت ہے۔فقہا نے اسی ضمن میں شاعر کو بھی رکھا ہے۔موجودہ دور میں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے زہریلے پروپیگنڈے سے بچنے کے لیے اگر کوئی شخص رشوت استعمال کرے تو دینے والے پر کوئی وبال نہیں، البتہ لینے والا ہر صورت میں گنہگار اور مرتکب کبیرہ ہے۔(۳)

(۵) اگر کسی شخص کو اس لیے کچھ دیا جائے کہ وہ بادشاہ اور ذمہ دار شخص کے ہاں درخواست دینے والے کی درخواست کو قابلِ قبول بنادے یا اُس کی مدد کے لیے بادشاہ اور صاحبِ منصب شخص کو تیار کرلے؛ تو اس صورت میں اگر رشوت دینے والے کی حاجت اور درخواست حرام ہو تو رشوت دینا اور لینا دونوں حرام ہوں گے۔(۴)

(۶) اور اگر کسی جائز کام میں بادشاہ اور مقتدر شخص کے سامنے اپنی درخواست کی برآوری کے لیے کسی تیسرے شخص کو کچھ رشوت دے دے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) پہلی صورت یہ ہے کہ مال دیتے وقت یہ شرط لگادے کہ یہ مال لے لو اور بادشاہ یا مقتدر کے ہاں میری سفارش اور درخواست منظور کروالو تو اس صورت میں مال لینا حرام ہے، البتہ دینے میں جواز اور عدمِ جواز دونوں اقوال موجود ہیں۔اس صورت میں اگر حاجت اور درخواست کی نوعیت دیکھی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا اگر درخواست کسی شرعی یا قانونی حق کے لیے دی گئی ہو تو بامرِ مجبوری اس کے حصول کے لیے رشوت دینا درست ہے۔بصورتِ دیگر دینا بھی جائز نہیں۔(۵)

---

(۱) البحر الرائق، کتاب القضاء:٤/٤٤١،درد الحکام مادة:١٧٩٦، ٤/٥٩٠

(۲) حوالہ بالا

(۳) البحر الرائق، کتاب القضاء:٦/٤٤١

(٤) الفتاویٰ الهندیة، کتاب ادب القاضی الباب التاسع فی رزق القاضی، ومما یتّصل بهذا الفصل الرشوة:
٣/٣٣١،٣٣٢

(٥) هندیه والبحر الرائق حواله بالا، قاموس الفقه مادةرشوة:٣/٤٨٢

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ دینے کا مقصد تو یہی ہو لیکن لین دین کے وقت صراحتاً کوئی شرط نہ طے پائی ہو تو اس صورت کے بارے میں بھی مشائخ کی رائیں مختلف ہیں، تاہم اس صورت میں دیکھا جائے گا۔ اگر پہلے سے ہدایا اور تحائف کا تعلق موجود ہو تو پھر لینا دینا دونوں جائز ہیں، اس لیے کہ ایک نے تحفہ دیا اور دوسرے نے احسان کا بدلہ چکانے کے لیے بادشاہ یا مقتدر شخص کے ہاں اس کا جائز کام کروایا، لیکن اگر پہلے سے ہدایا اور تحائف کا تعلق نہ ہو تو "المعروف کالمشروط" کے تحت لینا دینا دونوں مکروہ ہوں گے۔(۱)

جواز کی صورت یہ ہے کہ پہلے یہ شخص بادشاہ کے ہاں اس کا جائز کام کروائے، پھر پہلے والا شخص شکریہ کے طور پر اسے کچھ دے دے، اس صورت میں مال دینا اور لینا کوئی بھی رشوت کے زمرے میں نہیں آتا۔(۲)

(۷) کسی بادشاہ، قاضی یا مقتدر شخص کو کچھ دے دلا کر عہدہ طلب کرنا بھی رشوت ہے۔ اس صورت میں لینا دینا دونوں حرام ہیں۔(۳)

(۸) محبت اور تقرب کے حصول کے لیے ایک شخص کا دوسرے شخص کو تحفہ دینا اور لینا جائز ہے اور یہ ہدیہ ہے، رشوت نہیں، البتہ قاضی کے لیے ہدایا اور تحائف قبول کرنے میں سخت احتیاط کا حکم ہے اور یہی حکم ہر اس شخص کے لیے بھی ہے، جس کے ہاتھ میں اختیارات اور ذمہ داری ہو۔ ان لوگوں کے لیے وہ ہدایا بھی حرام ہیں جو عام لوگوں کے لیے حلال ہوتے ہیں۔ ان کے لیے صرف اپنے ذی رحم محرم رشتہ داروں، قریبی دوستوں اور اپنے سے بڑے عہدوں پر فائز لوگوں کے ہدایا جائز ہیں، بشرطیکہ ان لوگوں کا کوئی مقدمہ اور حق اس سے متعلق نہ ہو اور نہ ان لوگوں نے قضا وغیرہ کی ذمہ داری اور منصب ملنے کے بعد تحفے دینا شروع کیا ہو۔(۴)

❁❁❁❁❁

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب ادب القاضي الباب التاسع فی رزق القاضی، ومما يتصل بهذا الفصل الرشوة: ۳۳۲،۳۳۱/۳

(۲) هنديه:۳۳۲/۳،البحرالرئق كتاب القضاء:٤٤١/٦

(۳) الفتاوىٰ الهندية: حواله بالا:۳۳۲/۳

(٤) الفتاوىٰ الهندية، كتاب ادب القاضي الباب التاسع فی رزق القاضی، ومما يتصل بهذا الفصل الرشوة :۳۳۱/۳، دررالحكام، مادة نمبر ۱۷۹٦، ص:٥٨٧/٤_٥٩٠

باب الرشوة

(رشوت سے متعلقہ مسائل کا بیان)

رشوت کا شبہ پائے جانے والے مال کا کھانا

سوال نمبر(137):

میں ایک سکول میں استاد ہوں۔ایک روز پرنسپل صاحب کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں آپ کے سکول میں سموسے بیچتا رہوں گا اور روزانہ پانچ سموسے آپ کے اساتذہ کو مفت دیا کروں گا تو کیا ان سموسوں کا کھانا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کی واقعی رضامندی اور اجازت کے بغیر اس کا مال استعمال کرے۔صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص رشوت کی نیت سے اساتذہ کو سموسے کھلاتا ہو، تاکہ اسے سکول کے بچوں پر سموسے فروخت کرنے کی اجازت مل جائے، جیسا کہ سوال کے مفہوم سے ظاہر ہو رہا ہے تو رشوت کے زمرے میں آکر ان کا کھانا جائز نہیں اور اگر اس کو پہلے سے سکول کے بچوں پر سموسے فروخت کرنے کی اجازت ہو لیکن وہ اپنی دلی خوشی سے اساتذہ کو سموسے کھلاتا ہو تو یہ صورت جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ اساتذہ اس کی معقول قیمت ادا کیا کریں۔

والدّلیل علی ذلك:

واعلـم بان الرشوة أنواع......ونوع منهاأن يهدي الرجل إلى رجل مالا بسبب أن ذلك الرجل قد خوّفه فيهدى إليه مالاً ليدفع الخوف عن نفسه......و هذا نوع لا يحل الأخذ لأحدٍ.(۱)

ترجمہ: جان لو کہ رشوت کی چند قسمیں ہیں......ان میں ایک قسم یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اس لیے ہدیہ دے کہ اُس نے اِسے ڈرایا ہے تو یہ مال ہدیہ میں دے کر اُس کے بدلے اپنے آپ سے خوف دور کرنا چاہتا ہے......اس صورت میں یہ کسی کے لیے بھی لینا جائز نہیں۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب ادب القاضی، الباب التاسع فی رزق القاضي:۳۳۱/۳

رپورٹنگ میں ملنے والی رقم

سوال نمبر (138):

ایک شخص کسی اخبار میں رپورٹنگ کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ کبھی کبھار لوگ اپنے کام کی تشہیر کے لیے بلا لیتے ہیں، اس میں دور علاقے میں بھی جانا پڑتا ہے۔ تو واپسی پر وہاں کے لوگ اپنی خوشی سے کچھ پیسے اس صحافی کو دیتے ہیں اور یہ اظہار بھی کرتے ہیں کہ ہم یہ رقم کسی عوض میں نہیں دیتے اور صحافی بھی رپورٹنگ کے بدلہ میں اس کے بدلے کوئی مبالغہ آرائی نہیں کرتا، بلکہ جتنا کام ہو، اتنا ہی اخبار میں شائع کرتا ہے۔ کیا صحافی کے لیے یہ پیسے لینا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صحافی کا اپنی مقررہ ڈیوٹی کے اوقات میں شامل کسی کام کو انجام دے کر اس کے بدلے متعلقہ ادارہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے شرط کے ساتھ پیسے لینا رشوت کے زمرے میں آنے کی وجہ سے جائز نہیں، لیکن جہاں کہیں بغیر طمع کے کوئی شخص اپنی خوشی سے کچھ دے دے تو یہ رقم لینا حلال ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر صحافی کو لوگ بغیر کسی شرط کے خوشی سے کوئی چیز دے دیں اور وہ چیز وصول کرنے کے بعد رپورٹنگ میں حقائق نہ بدلے اور نہ ہی مبالغہ آرائی سے کام لے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ تاہم چونکہ معاشرتی حوالے سے صحافی برادری میں یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ رپورٹنگ کرتے وقت لوگوں سے نذرانے وصول کرتے ہیں۔ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو سکے، ان سے اجتناب بہتر ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولو قضی حاجته بلا شرط، ولا طمع، فأهدی إلیه بعد ذلك، فهو حلال لا بأس به.(۱)

ترجمہ:

اگر قاضی بغیر کسی شرط وطمع کے کسی آدمی کی ضرورت پوری کرے (یعنی فیصلہ کرے) اس کے بعد اگر وہ شخص اس کو ہدیہ پیش کرے تو یہ ہدیہ اس کے لیے حلال ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۱) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوۃ والھدیة : ۸/ ۳۵

انسپکٹر کا ٹھیکے دار سے کھانا کھانا

سوال نمبر (139):

ایک شخص فیصل آباد موٹر وے (جس کی تعمیر اب مکمل ہو چکی ہے) میں ملازم ہے اور کنسلٹنٹ کی طرف سے انسپکٹر ہے۔ تعمیرات کے متعلقہ کاموں میں ایک ٹھیکیدار ہوتا ہے اور ایک کنسلٹنٹ ہوتا ہے جو کام کا معائنہ کرتا ہے اور اس کے بتانے اور دستخط کرنے پر ٹھیکیدار کو رقم کی ادائیگی ہوتی ہے اور اس ٹھیکیدار کے دفتر میں چائے اور کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ اب انسپکٹر کے لیے ٹھیکیدار سے کھانا کھانا درست ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

اسلام ہر اس ملازم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو امانتداری کے ساتھ اپنا کام مقررہ وقت پر نبھائے اور اس میں ہر قسم کی کوتاہی سے باز رہے اور بغیر کسی لالچ اور خود غرضی کے احسن طریقہ سے اپنا فریضہ سرانجام دیدے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر انسپکٹر کا پہلے سے ٹھیکیدار سے تعلق و رابطہ ہو اور اُس تعلق کی بنا پر یہ اُس کے ساتھ دفتر میں کبھی کبھی کھاتا پیتا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ نیز اگر ٹھیکیدار بغیر کسی لالچ اور خود غرضی کے اس کو چائے وغیرہ پلاتا ہو تو بھی ایک قسم کا تبرع ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔ لیکن اگر ٹھیکیدار خود غرض ہو اور کھانا کھلانے سے اس کا مقصد یہ ہو کہ انسپکٹر اُس کا مرہونِ منت ہو کر اس کے غلط اور ناقص کام کو اپنی رپورٹ میں صحیح اور درست قرار دے، تو ایسی صورت میں انسپکٹر کے لیے ٹھیکیدار کے ہاں کھانا پینا جائز نہیں، کیونکہ یہ رشوت کے زمرے میں آنے کی وجہ سے حرام ہے۔

والدّليل على ذلك:

وفي الأقضية لا ينبغي للقاضي أن يقبل هدية إلا ممن كان يهدي إليه قبل القضاء.(۱)

ترجمہ:

اقضیہ میں ہے کہ قاضی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی سے ہدیہ قبول کرے، البتہ ان لوگوں سے قبول کر سکتا ہے، جو اس کو قاضی بننے سے پہلے بھی ہدیہ دیتے تھے۔

❁❁❁

(۱) خلاصة الفتاوى، كتاب القضاء، الفصل الثاني في أدب القضاة: ص /٤/٧

نوکری کے حصول کے لیے رشوت دینا

سوال نمبر(140):

اگرکسی محکمہ کے افسرانِ بالا ایک آدمی سے نوکری کے حصول کے لیے پیسوں کا مطالبہ کریں توان کورشوت دے کرنوکری حاصل کرنااور بعدمیں اس نوکری سے تنخواہ لیناشرعاً کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ رشوت دے کرنا جائزاور غلط طریقے سے اپنے مقصد کو حاصل کرنا، یا کسی صاحبِ حق کا حق چھیننا ایک عظیم جرم اورسخت گناہ ہے، اس لیے ہر مسلمان کو رشوت دینے اور لینے سے اپنے آپ کو بچانا انتہائی ضروری ہے،لیکن اگرکوئی شخص کسی عہدے یا چیز کا حق دار ہواور رشوت کے بغیراس کی وصولی ناممکن ہوتو فقہائے کرام کے ہاں ایسی حالت میں رشوت دے کراپنے حق کو وصول کرنے کی گنجائش ہے،البتہ رشوت لینے والے کے لیے لینابہرحال ناجائزاورحرام ہے۔

رشوت سے ملازمت حاصل کرنے کے بعداگراس شخص میں مطلوبہ ملازمت کی استعداداور شرائط موجودہوں اوروہ فرض شناسی کے ساتھ اپنی ڈیوٹی سنبھالتا رہےتواس کے لیے تنخواہ لیناجائزرہے گا،کیونکہ اب وہ تنخواہ موجودہ نوکری اورمحنت کے عوض لے رہا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

إذا دفع الرشوة خوفا على نفسه أوماله، فهو حرام على الآخذ غيرحرام على الدافع.(۱)

ترجمہ:

جب اپنی جان اور مال کے خوف کی وجہ سے رشوت دے دے تو لینے والے کے لیے حرام ہے،لیکن دینے والے کے لیےحرام نہیں ہے۔

لابأس بالرشوة إذا خاف على دينه، والنّبي ﷺ كان يعطي الشعراء ولمن يخاف لسانه.

قال ابن عابدين: دفع المال للسلطان الجائرلدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له

(۱) شرح المجلة لخالد الأتاسي، الكتاب السادس عشرفي القضاء،الفصل الثاني ...... مادة (۱۷۹٦) :٦/ ٤٠

ليس برشوة.(۱)

ترجمہ:

جب کسی شخص کو اپنے دین کے بارے میں اندیشہ ہوتو اس کے لیے رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں۔

نبی کریم ﷺ شعرا کو اور ان لوگوں کو جن کی زبان سے دین کو نقصان پہنچ جانے کا خطرہ ہوتا، کچھ دیا کرتے تھے۔

ابن عابدین فرماتے ہیں کہ ظالم بادشاہ سے اگر جان ومال کا خطرہ ہوتو اس کے ظلم سے بچنے کے لیے اور اپنے حق کو وصول کرنے کے لیے کچھ مال دینا رشوت نہیں ہے۔

❁❁❁

میٹرریڈر کو پیسے دینا

سوال نمبر(141):

میٹرریڈر کو ریڈنگ کم لکھوانے کے لیے کچھ پیسے دینا رشوت کے زمرے میں داخل ہو کر موجب لعنت ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بجلی قانوناً حکومت کی ملکیت ہے جس سے ملک کے اجتماعی مفادات وابستہ ہیں، اس لیے ملکی قوانین کے تحت اس کو صارفین پر فروخت کیا جاتا ہے، لہٰذا صارفین کے حق میں دیانت یہی ہے کہ جتنی بجلی خرچ کریں، اس کا پورا بل حکومت کو ادا کریں، ورنہ بجلی چوری کرنا قانونی خلاف ورزی ہونے کے ساتھ ساتھ شرعاً بھی جرم متصور ہوگی اور ایسا شخص گناہگار ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں صارف کا میٹرریڈر کو ریڈنگ کم لکھوانے کے لیے پیسے دینا رشوت کے زمرے میں آتا ہے، کیونکہ ریڈنگ کم لکھوانے کی صورت میں اس صارف کے نام پر ماہانہ بل اصل خرچ سے کم بھجوایا جائے گا جس سے حکومت کی اجتماعی معیشت کو نقصان پہنچتا ہے، لہٰذا پیسے دینے والے صارف اور لینے والے میٹرریڈر کا یہ لین دین رشوت ہے، جو حدیث شریف کی رو سے دونوں کے حق میں موجب لعنت اور حرام ہے۔

---

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغيره: ۶۰۷/۹

والدّليل على ذلك:

عن عبدالله بن عمروؓ قال : لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي. (۱)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمروفرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پرلعنت فرمائی ہے۔

وفي المصباح : الرشوة بالكسرمايعطيه الشخص الحاكم وغيره ليحكم له أويحمله ما يريد. (۲)

ترجمہ:

اورمصباح میں ہے کہ رشوت راء کے کسرہ کے ساتھ وہ مال ہے جوکوئی شخص حاکم یاکسی اورکواس لیے دیتا ہے تاکہ اس کے حق میں فیصلہ کرے یااس کواپنی چاہت پرمجبور کردے۔

❁❁❁❁❁

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب كراهية الرشوة:۲/۱٤۸

(۲) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية : ۸/۳۸

باب التداوي والمعالجات

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

اسلام دینِ فطرت ہے جو قدم قدم پر انسانی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔اس نے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے آپ پر حرام کر لینے سبق نہیں دیا، بلکہ خدا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حدود اللہ پر قائم رہنے کو انسانیت اور روحانیت کا کمال بتایا ہے۔اس کی نگاہ میں انسان کا وجود اور اس کی حیات خود اس کے لیے ایک ''امانتِ خداوندی'' ہے، جس کی حفاظت صرف اس لیے ضروری نہیں کہ انسانی فطرت اس کا تقاضا کرتی ہے، بلکہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس سے انحراف خدا کی ایک امانت کے ساتھ خیانت اور حق تلفی ہے۔اسی تصور کے تحت اسلام ''فن طب اور علاج معالجے'' کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور علاج کو نہ صرف جائز اور درست، بلکہ بعض حالات میں واجب اور ضروری قرار دیتا ہے، ہاں البتہ شفا کا یقین بہر حال اللہ تعالیٰ کی ذات پر رکھنا ضروری ہے، نہ کہ علاج اور تداوی پر، جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

"الاشتغال بالتداوي لابأس به إذااعتقد أنّ الشافي هو اللّٰہ وإنه جعل الدواء سببا". (۱)

اور یہی قرآن کی بھی تعلیم ہے، جیسا کہ ابراہیمؑ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾ (۲)

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو صرف وہی مجھے شفا دیتا ہے۔

تداوی کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

تداوی کا لغوی معنیٰ ہے ''تعاطی الدواء'' یعنی دوائی لینا دینا۔اصل مادہ (دوی یدوی) کے اعتبار سے یہ لفظ اضداد میں سے ہے، لہٰذا بیمار کرنے (یعنی بیماری کا سبب بننے) اور بیماری سے علاج معالجہ کرنے، ہر دو معنوں میں اس کا استعمال ہو سکتا ہے، تاہم عام عرف اور فقہا کی اصطلاحات میں یہ علاج معالجہ ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثاني عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵٤/٥

(۲) الشعراء: ۸۰

(۳) الموسوعة الفقهیة، المادة تداوي: ۱۱۵/۱۱

تداوی سے ملتی جلتی اصطلاحات:

فقہائے کرام کے ہاں: المعالجة، المداولة، العلاج، التطبيب، التمريض (مریض کی دیکھ بال، زسنگ) اور الاسعاف (علاج معالجے میں مدد کرنا، ایمبولینس) سب ہی باہم مترادف الفاظ ہیں، اگرچہ موجودہ عرف میں بعض الفاظ کا استعمال بعض مواقع یا بعض چیزوں کے ساتھ خاص ہوگیا ہے۔(۱)

تداوی کی مشروعیت:

حضرت ابودرداءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن اللہ أنزل الداء والدواء، وجعل لكل داء دواء، فتداووا، ولا تتداووا بالحرام".

بے شک اللہ تعالیٰ نے بیماری اور اس کا علاج دونوں نازل فرمائے ہیں اور ہر مرض کے لیے دوائی بھی مقرر کی ہے، لہٰذا تم لوگ علاج معالجہ کرو، لیکن حرام چیز سے علاج مت کرو۔(۲)

رسول اللہ ﷺ سے ایک دیہاتی شخص نے سوال کیا:

"يارسول اللہ! أنتداوي؟ فقال: تداووا، فإن اللہ تعالیٰ لم يضع داءً، إلا وضع له دواءً، غير داء واحد، فقال: الهرم". (۳)

اے اللہ کے رسول! کیا ہم دوائی استعمال کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دوائی کا استعمال کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نازل نہیں فرمائی، مگر یہ کہ اس کے لیے دوائی بھی مقرر فرمائی، سوائے بڑھاپے کے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے تعویذ، دم اور قرآنی آیات واذکار سے بھی علاج معالجے کی اجازت دی ہے، جس کی تفصیل "باب في العوذة" میں آجائے گی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بذاتِ خود بھی پچھنے، ٹھنڈے پانی، نمک، کھجور اور دوسری اشیا سے علاج معالجہ فرمایا ہے۔ آخری عمر میں حضرت عائشہؓ نے عرب کے مختلف اطبا کے نسخوں سے آپ ﷺ کا علاج بھی فرمایا ہے۔ کتبِ حدیث میں اس کی اور بھی کثیر مثالیں موجود ہیں۔(۴)

---

(۱) الموسوعة الفقهية، مادة تداوي: ۱۱/۱۱۵، ۱۱۶

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب في الأدوية المكروهة: ۲/۱۸۵

(۳) سنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب في الأدوية المكروهة: ۲/۱۸۳

(٤) الموسوعة الفقهية، مادة تداوي: ۱۱/۱۱٦، ۱۱۷

تداوی اور علاج معالجے کا شرعی حکم:

جسم انسانی سے کوئی بھی ضرر دفع کرنے یعنی علاج معالجے، تداوی اور تغذی کے تین درجات ہیں:

(۱) وہ اسباب جن سے ضرر یقین کے ساتھ دفع ہو۔

(۲) وہ اسباب جن سے دفع ضرر کا حصول غالب ہو، یعنی تجربہ اور مشاہدہ اس کی دلیل ہو۔

(۳) وہ اسباب جن سے ضرر دفع ہونا موہوم، مشکوک اور غیر یقینی ہو۔

اب ان اسباب میں سے ہر ایک کا حکم ملاحظہ ہو:

(۱) پہلی قسم یعنی جن اسباب سے دفع ضرر کا حصول یقینی ہو، جیسے پانی سے پیاس اور کھانے سے بھوک کا دور ہو جانا یا کسی دوائی سے قطعی طور پر مرض کا دور ہو جانا تو ان اسباب کو اختیار کرنا واجب ہے۔ ان اسباب کو ترک کر کے توکل اختیار کرنا حرام اور غیر دانشمندانہ فعل ہے اس لیے کہ ان افعال میں شفا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہے، لہٰذا ان کو چھوڑنے سے اگر کسی شخص کی جان چلی گئی تو وہ اس پر گنہگار ہوگا۔(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَةِ ﴾(۲)

اور خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں مت ڈالو۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ایسی جگہ جانے سے منع فرمایا ہے جہاں کوئی مہلک وبائی مرض پھیل گئی ہو اور جان جانے کا خطرہ ہو۔(۳)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"فإن صيانة النفس عن المكروه واجبة".(٤)

غیر پسندیدہ چیزوں سے جان بچانا واجب ہے۔

---

(١) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية،الباب الثامن عشرفي التداوي والمعالجات:٥/٣٥٥

(٢) البقرة:١٩٥

(٣) الصحيح للبخاري، كتاب الطب،باب مايذكرفي الطاعون:٢/٨٥٣

(٤) القرطبي،محمدبن أحمدالأنصاري،الجامع لأحكام القرآن، البقرة:٢٤٣،المسئلة الثالثة:٣/٢٣٤،داراحياء التراث العربي،بيروت،لبنان

(۲) دوسری قسم یعنی جن اسباب سے دفع ضرر کا غالب گمان ہو اور تجربہ ومشاہدہ اس پر گواہ ہو، جیسے طبی علاج اور نسخہ جات یا عرف میں معروف ومشہور طبی ٹوٹکے وغیرہ، جیسے گرمائش کا علاج ٹھنڈک اور ٹھنڈی غذاؤں یا ٹھنڈک و برودت کا علاج گرم غذاؤں سے؛ تو ان اسباب کا استعمال بھی توکل کے منافی نہیں۔ آپ ﷺ نے "تداووا" کا حکم بھی غالباً ان ہی اسباب کے متعلق فرمایا ہے۔ ان اسباب کو ترک کر کے اگر کسی شخص کی موت واقع ہوگئی تو وہ گنہگار نہیں یعنی ان اسباب کو اختیار کرنا واجب تو نہیں، البتہ بعض احوال اور افراد کے اعتبار سے بہتر وافضل ضرور ہے۔

(۳) تیسری قسم یعنی جن اسباب سے فائدہ ہونا موہوم اور مشکوک ہو، جیسے داغ لگانا، دم کرنا وغیرہ؛ تو ان اسباب کو رسول اللہ ﷺ اور امت کے متوکلین نے اکثر ترک کر دیا ہے، لہٰذا ان اسباب کو چھوڑنا اور اختیار کرنا ہر دو صورتیں جائز ہیں۔(۱)

علاج معالجے اور دوائی کے استعمال سے متعلق عام اصول:

اضطرار اور ضرورتِ شدیدہ کے بغیر عمومی حالات میں علاج معالجے اور دوائی کے استعمال میں چند بنیادی اصول کی رعایت ضروری ہے، جو احادیث مبارکہ اور فقہائے کرام کی عبارات سے ماخوذ ہیں۔ یاد رہے کہ اضطرار اور متبادل صورت کے فقدان کے وقت ان اصول میں سے بعض یا کل کی رعایت ساقط ہو جاتی ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے:

(۱) تداوی نجس چیز سے نہ ہو۔ چنانچہ فقہائے کرام نے خنزیر سے مطلقاً فائدہ لینے کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح مردار جانوروں کے گوشت یا ہڈی (جس پر رطوبت موجود ہو) سے تداوی بھی حرام ہے۔ آپ ﷺ نے خبیث یعنی نجس چیزوں کو دوائی کے طور پر استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۲)

(۲) تداوی حرام چیز سے نہ ہو، اگرچہ وہ فی نفسہ نجس نہ ہو، جیسے انسانی اعضا، عورت کا دودھ، حلال جانوروں کے پیشاب، گھوڑے کے گوشت یا گدھی کے دودھ وغیرہ سے بلا ضرورت دوا حاصل کرنا حرام ہے۔(۳)

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۵/۵

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب في الأدوية المكروهة: ۱۸۵/۲، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵٤/۵

(۳) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵٤/۵، ۳۵۵

(۳) جس چیز سے دوا حاصل ہو، وہ طبیعتِ انسانی پر بوجھ اور ناگوار نہ ہو، جیسے مینڈک، سانپ، قنفذ (شکونز) اور حشرات الارض وغیرہ کے اجزا یا ان کے تیل سے علاج معالجہ کرنا۔

آپ ﷺ نے مینڈک، تریاق (زہریلے جانوروں کے اجزا سے بنائی جانے والی زہرکش دوائی) اور دوسری خبیث چیزوں سے علاج کرنے کو منع فرمایا ہے، تاہم یہ اصول عام حالات میں ہے۔ ضرورت کے وقت ان کا استعمال جائز ہوسکتا ہے۔ (۱)

(۴) ان چیزوں سے علاج اور تداوی جائز ہے، جن سے فائدہ ملنے کا غالب گمان ہو یا تجربہ سے ان کا مفید ہونا ثابت ہو۔ اگر کوئی چیز ایسی ہو جس سے ضرر پہنچنے یا جان تلف ہونے کا یقین ہو تو اس کا استعمال خودکشی ہے۔ آپ ﷺ نے زہر پینے والے کو ہمیشہ کے لیے جہنم میں زہر پینے والا قرار دیا ہے۔ (۲)

اس کے برعکس آپ ﷺ نے خود کئی مرتبہ پچھنا لگوایا ہے اور اس کی ترغیب بھی دی ہے، اس لیے کہ اس کا مفید ہونا تجربے سے ثابت تھا۔ (۳)

اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کے زخم سے خون روکنے کے لیے داغ دینے کا حکم فرمایا تھا، حالانکہ دوسری احادیث میں آپ ﷺ نے داغ دینے کو ناپسندیدہ قرار دے کر اس سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ خون روکنے میں داغ دینے کا فائدہ تجربے سے ثابت تھا۔ (۴)

(۵) دوائی اور علاج معالجے پر قطعی یقین نہ ہو، بلکہ اسے اللہ کی طرف سے شفا دینے کا سبب سمجھ کر اللہ ہی پر بھروسہ ہو۔ (۵)

علاج کی قسمیں:

علاج کبھی تو فعل یعنی دوائی اور مرض کی حالت کے مناسب امور سے کیا جاتا ہے اور کبھی ترک یعنی پرہیز

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب في الأدوية المكروهة:۲/۱۸۵، وباب في الترياق:۲/۱۸۴، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات:۵/۳۵۵

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب في الأدوية المكروهة:۲/۱۸۵

(۳) سنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب متى يستحب الحجامة:۲/۱۸۴

(۴) سنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب في الكي:۲/۱۸۴

(۵) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات:۵/۳۵۴

سے کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے دونوں قسم کا علاج ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے مختلف غذاؤں، پچھنے (حجامہ) اور داغ کے ذریعے بھی علاج فرمایا ہے اور حضرت علیؓ کو بیماری سے صحت یاب ہونے کے وقت کھجور کھانے سے منع فرمایا:

"مه إنك ناقه".(۱)

تو ابھی اس کو مت کھا کیونکہ ابھی ابھی بیماری سے ٹھیک ہوئے ہو۔

علاج کی مختلف صورتیں:

ادویہ اور علاج کی مختلف صورتیں ہیں۔ ہر ایک کا اجمالی جائزہ اور حکم پیش خدمت ہے:

(۱) جمادات یعنی سونے چاندی، لوہے، پتھر وغیرہ کا استعمال علاج معالجے، آپریشن وغیرہ میں جائز ہے۔ اسی طرح ان اشیا کے دانت، مصنوعی اعضا، ہڈیوں کے ساتھ چسپاں کی جانے والی پلیٹس وغیرہ سب کچھ استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بذاتِ خود حضرت عرفجہؓ کو چاندی اور اس کے بعد سونے کی مصنوعی ناک استعمال کرنے کی اجازت دی تھی، البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ مردوں کے لیے سونے کا استعمال اس وقت جائز ہوگا، جب چاندی، لوہے، پتھر وغیرہ سے علاج ممکن نہ ہو۔ حدیث میں حضرت عرفجہؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا کہ چاندی کی ناک میں بدبو پیدا ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے سونے کی ناک بنوانے کی اجازت دی۔(۲)

(۲) نباتات یعنی جڑی بوٹیاں اور ان سے بننے والی تمام چیزیں اصلاً حلال ہیں۔

"لأن الأصل في الأشياء الاباحة"

صرف تین صورتیں ہیں، جن میں حرمت پیدا ہوتی ہے:

اول یہ کہ ان میں نشہ پیدا ہو جائے، اور "کلّ مسکر حرام" کے زمرے میں آجائیں۔ دوم یہ کہ وہ زہریلا ہونے کی وجہ سے نفس انسانی کے لیے قاتل اور مہلک بن کر ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾(۳) میں داخل ہو جائیں اور سوم یہ کہ وہ سڑ جائیں اور بدبودار ہو کر استعمال کے قابل نہ رہیں اور ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾(۴)

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب الرجل يتداوي: ۲/۱۸۳، الموسوعة الفقهية، مادة تداوي: ۱۱/۱۱۸

(۲) أبو داؤد، كتاب الخاتم، باب ماجاء في ربط الأسنان بالذهب ۲/۲۲۵، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۵/۲۳۶

(۳) البقرة: ۱۹۵

(۴) الأعراف: ۱۵۷

کے تحت داخل ہو جائیں۔ مذکورہ اصول عام حالات میں ہیں۔ اضطرار کی حالت میں نشہ آور، خبیث یا بطور علاج زہریلی اشیا کے استعمال کا حکم آگے آ رہا ہے۔

(۳) حیوانات کے اجزا وغیرہ سے علاج کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جو جانور حلال ہیں اور ان کو شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے تو ان کے ہر ہر جز سے انتفاع اور تداوی جائز ہے۔ جو جانور حرام ہیں یا حلال ہیں لیکن شرعی طریقے سے ذبح نہ کیے جائیں تو ان کی ہڈیوں، بالوں وغیرہ سے تداوی جائز ہے لیکن گوشت، خون، چربی وغیرہ سے عام حالات میں جائز نہیں، البتہ اضطرار کی حالت میں جائز ہے، جیسا کہ تفصیل آ رہی ہے۔ کتے کا حکم بھی دوسرے حیوانات کی طرح ہے۔ خنزیر کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے ہاں صرف بالوں سے انتفاع اور تداوی جائز ہے۔(۱)

اضطرار اور ضرورت کے وقت حرام، نجس اور خبیث اشیا سے تداوی کا حکم:

جتنی بھی حرام، خبیث اور نجس اشیا ہیں ان کے متعلق حنفیہ کے مفتیٰ بہ اور راجح قول کے مطابق قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ضرورتِ شدیدہ اور اضطرار کے وقت ان اشیا کے ذریعے تداوی اور علاج جائز ہے۔ تاہم اس کے لیے دو شرائط کی رعایت ضروری ہے:

(۱) کسی ماہر طبیب کے کہنے یا تجربے یا مشاہدے سے مبتلیٰ بہ کو غالب گمان حاصل ہو جائے کہ اس حرام چیز سے شفا مل جائے گی۔

(۲) حرام چیز کے علاوہ اس مرض کے لیے کوئی متبادل حلال چیز اور طریقۂ علاج موجود نہ ہو۔

حنفیہ کے ہاں مذکورہ قاعدہ کلیہ میں شراب، خنزیر، خون، انسانوں یا جانوروں کا پیشاب، پرندوں کی بیٹ، خبیث اور زہریلے حشرات، مردوں کے لیے سونے یا ریشم کا استعمال تمام کی تمام اشیا ایک جیسے ہیں، اس لیے کہ درج ذیل دلائل ضرورت کے وقت ان اشیا سے علاج اور تداوی کے جواز فراہم کرتی ہیں:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾(۲)

﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾(۳)

"الضرورات تبيح المحظورات".(٤)

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ٥/٣٥٤

(٢) البقرة: ١٧٣ (٣) المائدة: ٣٢ (٤) شرح المجلة للأتاسي، مادة (٢١): ١/٥٥

16

بلکہ فتاویٰ عالمگیری اور شامی میں تو باقاعدہ ایک ایک صورت کے جواز پر جزئیات بھی موجود ہیں۔(۱)

انسانی اعضاو اجزا سے علاج کی صورتیں:

انسانی عظمت وتقدس کی خاطر بلا ضرورت انسان کے کسی بھی جز سے ایسا انتفاع حاصل کرنا حرام ہے جس سے وہ جز پہلے انسان کی ملکیت سے نکل جائے، البتہ ضرورتِ شدیدہ کے وقت انسانی اعضا سے علاج کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں: مردہ انسان کے اجزا سے، زندہ انسان کے اجزا سے، پھر یہ اجزا یا تو سیال ہوں گے یا ٹھوس شکل میں ہوں گے۔سیال اجزا سے مراد دودھ یا خون ہے۔دودھ کے بارے میں فقہائے کرام کا کہنا ہے کہ بالغ شخص کے لیے بھی بطور علاج عورت کا دودھ استعمال کرنا جائز ہے۔

"لابأس بأن يسعط الرجل بلبن المرأةو شربه للدواء".(۲)

دودھ پر قیاس کرتے ہوئے اکثر علمانے ایک انسان کے جسم میں دوسرے انسان کا خون چڑھانے کی اجازت دی ہے، اس لیے کہ ایک انسان کی جان بچانے کے لیے دودھ اور خون کا عطیہ دینا ایک جیسا ہے، اس لیے کہ ان دونوں کی کمی بہت جلد پوری ہوجاتی ہے۔

رہ گئی دوسرے ٹھوس اعضاء کی پیوندکاری تو اس بارے میں قدیم وجدید فقہا کی عبارات، شریعتِ مطہرہ کے بنیادی اصول، انسانی عظمت وتقدس اور دوسرے دلائل کی روشنی میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے جو تحقیق پیش کی ہے، اس کا خلاصہ بلاتبصرہ پیش خدمت ہے:

> اعضا کی پیوندکاری کے لیے جو طبی طریقہ ایجاد ہوا ہے اس میں توہین انسانیت نہیں، اس لئے یہ جائز ہے، بشرطیکہ اس کا مقصود کسی مریض کی جان بچانی ہو یا کوئی اہم جسمانی منفعت کو لوٹانا ہو، جیسے: بینائی، شنوائی وغیرہ، اور طبیبِ حاذق نے بتایا ہو کہ اس کی وجہ سے صحت کا غالب گمان ہے۔غیر مسلم کے اعضا بھی مسلمان کے جسم میں لگائے جاسکتے ہیں۔
>
> مردہ شخص کے جسم سے عضو لیا جارہا ہو تو ضروری ہوگا کہ خود اس نے زندگی میں اجازت دی ہو، اس لیے کہ وہ جسم کا مالک ہے، نیز اس کے ورثا کا بھی اس کے لیے راضی ہونا ضروری ہے۔

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات:۳۵۵/۵، الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في التداوي بالمحرم:۳۵۶/۱، ۳۵۷

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات:۳۵۵/۵

زندہ شخص کا عضو حاصل کیا جا رہا ہو تو ضروری ہو گا کہ خود اس نے اجازت دی ہو اور اس کی وجہ سے خود اس کو ضررِ شدید نہ ہو۔

اعضا کی خرید و فروخت شوافع اور حنابلہ کے نزدیک درست ہے۔ احناف کے نزدیک بدرجۂ مجبوری خرید سکتے ہیں، لیکن فروخت نہیں کر سکتے۔(۱)

علاج سے متعلق چند اہم مسائل:

(۱)......ضبطِ تولید اور اسقاطِ حمل کی شرعی حیثیت:

کسی معاشی، اقتصادی یا دوسری مذموم سوچ کے پیشِ نظر بچوں کی پیدائش میں وقفہ، عارضی یا مستقل بندش وغیرہ؛ حرام اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ رزاقیت سے انکار کے مترادف ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾(۲)

تاہم اگر بچے یا ماں کی صحت منظورِ نظر ہو یا ابھی دوسرے بچے بہت چھوٹے ہونے کی وجہ سے قابلِ توجہ ہوں یا تربیت کرنے میں مشکلات ہوں یا فسادِ زمانہ کی وجہ سے بچوں کی گمراہی کا خدشہ ہو تو عزل کرنے (یعنی انزال کے وقت بیوی سے جدا ہونے)، مصنوعی طریقوں سے مادہ منویہ کو رحم میں پہنچنے سے روک لینے یا دوسری ادویات اور طرق علاج کو استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

یہی حکم اس وقت بھی ہے، جب نطفہ رحم میں ٹھہر کر اس سے بعض اعضا بن گئے ہوں۔ قدیم فقہا نے ایسی صورت میں اسقاطِ حمل کی اجازت نہیں دی ہے، البتہ عالمگیری نے موجودہ دور میں اس کو جائز قرار دینے پر فتویٰ نقل کیا ہے:

"وأما في زماننا يجوز علىٰ كل حال وعليه الفتوىٰ".

بچے یا ماں کی صحت کو مدِنظر رکھ کر عمومی حالات میں اسقاطِ حمل کی اجازت حمل ٹھہرنے کے بعد چار ماہ (ایک سو بیس دن) تک ہے، یعنی جب تک نطفہ جمے ہوئے خون یا گوشت کے ٹکڑے کی شکل میں ہو اور ابھی اس میں روح کے آثار نہ ہوں تو اس کو جسم سے باہر نکالنے کی اجازت ہے۔

"يباح لها أن تعالج استنزال الدم مادام نطفة أو علقة لم يخلق له عضو......".(۳)

---

(۱) قاموس الفقه، مادة تداوی:۲/۴۴۱-۴۴۷

(۲) بنی اسرائیل:۳۱

(۳) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات:۵/۳۵۶

اگر حاملہ عورت کو کسی بیماری کی وجہ سے علاج کے دوران اپنی صحت بچانے کے لیے اسقاطِ حمل کی ضرورت پڑے تو کسی ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر کے مشورے سے وہ ایسا کر سکتی ہے، جب تک بچے کے جسم میں روح نہ آئی ہو، تاہم ایسا کرنا اس وقت ہے، جب ماں کی جان جانے کا خطرہ ہو اور ماہر دیندار ڈاکٹر کا مشورہ شاملِ حال ہو۔(۱)

الکحل ملے ہوئے اُدویات کے استعمال کا حکم:

شراب چاہے انگور کا ہو یا کسی اور چیز کا، لہو و لعب کے لیے اس کا استعمال حرام ہے۔ البتہ انگور و کھجور کے علاوہ بقیہ اشیاء سے بنے ہوئے الکحل کو کیمیاوی ضرورت کی خاطر دوائی میں استعمال کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ لہٰذا الکحل ملی دوائی کو علاج کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔(۲)

انسانی لاشوں پر تجربات کرنا:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"كسر عظم الميت ككسر عظم الحي في الإثم"

مردہ کی ہڈیوں کو توڑنا گناہ ہونے کے اعتبار سے زندہ آدمی کی ہڈیوں کے توڑنے کی مانند ہے۔

لہٰذا جس طرح زندہ شخص کی تحقیر و تذلیل اور اس کو تکلیف دینا ممنوع ہے، بالکل اسی طرح کسی انسان کی لاش کو تجربات کے لیے استعمال کرنا بھی حرام اور ناجائز ہے۔ تجربات اور پریکٹس کرنے کے لیے کسی پلاسٹک کے ماڈل یا حقیقی آپریشن میں پریکٹس کرنے والے طلبہ کی موجودگی اور اس کی ویڈیو دکھانے سے بھی ضرورت پوری ہوسکتی ہے، لہٰذا احتراز ضروری ہے۔ البتہ کسی حیوان کو تجربہ کے طور پر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، قابیل کو ہابیل کی لاش دفنانے کے لیے کوے کو جان دینی پڑی جو تجربہ کے لیے بڑی دلیل ہے۔(۳)

٥٥٥٥٥

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ٣٥٥/٥

(۲) تقي عثماني محمد تقي، تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم بيع الخمر، حكم الكحول المسكرة..... : ٥٥١/١ مكتبه دار العلوم كراچي (۳) سنن ابن ماجه، أبواب ما جاء في الجنائز، باب في النهي عن كسر عظام الميت: ص١١٦

باب التداوی والمعالجات

(علاج اور تداوی سے متعلقہ مسائل)

علاج کروانا توکل کے منافی نہیں

سوال نمبر(142)

ایک آدمی بیمار ہے اور علاج کروانے کو خلافِ توکل تصور کر کے کہتا ہے کہ اگر میری زندگی باقی ہو تو اس بیماری کی وجہ سے نہیں مروں گا اور اُس سے بچنے کے لیے اسباب بھی اختیار نہیں کرتا۔کیا واقعی علاج کروانا خلافِ توکل ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس طرح بیماری اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، اسی طرح اس کے علاج بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔شریعت نے بیمار انسان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیماری کا علاج کروائے اور یہ علاج کروانا توکل کے خلاف نہیں۔جس طرح بھوک کے دفع کرنے کے لیے غذا اور پیاس کے دفع کرنے کے لیے پانی استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں اسی طرح بیماری میں علاج کروانا بھی توکل کے منافی نہیں۔حضور اکرم ﷺ سید المتوکلین تھے، لیکن آپ خود بھی علاج فرمالیا کرتے تھے۔

والدّلیل علی ذلك:

وأما الدرجة المتوسطة: و هي المظنونة كالمداواة بالأسباب الظاهرة عندالأطباء، ففعله ليس مناقضا للتوكل بخلاف الموهوم.(۱)

ترجمہ: اور درمیانی درجہ یہ ہے کہ جو اسباب ظنی ہیں مثلاً طبیبوں کے ہاں اسباب ظاہرہ سے دوا کرنا (ان کے متعلق حکم یہ ہے کہ) یہ توکل کے منافی نہیں ہیں۔برخلاف موہومی اسباب کے کہ توکل کے خلاف ہیں۔

۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة:، الباب الثانی عشرفی التداوی: ۵/۳۵۵

خرچہ نہ ہونے کی وجہ سے علاج نہ کروانا

سوال نمبر(143):

اگر ایک مریض ایسا ہو جو علاج کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور اس کے باپ اور دیگر اہل وعیال کے پاس رقم بھی نہ ہو تو اس کو لاعلاج رکھ کر مروانا قتل ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بچے جب چھوٹے ہوں تو ان کی تربیت ونشو نما، ان کی اخلاقی درستگی اور رہن سہن وغیرہ کا خیال رکھنا والد کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ نابالغ اولاد کے ضروری اخراجات ومصارف حتی الامکان والد پر لازم ہیں۔

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی مذکورہ شخص مریض ہو اور اس کے پاس ذاتی مال نہ ہو تو والد ہی علاج ومعالجہ کا بوجھ اٹھائے گا، اگر والد کی استطاعت نہ ہو تو دیگر اہل خاندان اور دوست احباب کو تعاون کرنا چاہیے، ورنہ قرضہ لے کر مریض کا علاج کروانا چاہیے، اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو اور مریض لاعلاج رہنے کی وجہ سے فوت ہو جائے تو اُس کے متعلقین میں سے کسی کو قتل کا گناہ نہ ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

ولایجب علی الأب نفقة الذکور الکبائر إلاأن یکون عاجزاً عن الکسب لزمانة أو مرض.(۱)

ترجمہ:

اور نرینہ اولاد جو بالغ ہوں، ان کا نفقہ باپ پر واجب نہیں، لیکن اگر وہ اپاہج ہونے یا کسی بیماری کی بنا پر کمانے سے عاجز ہوں تو پھر یہ حکم نہیں ہے (یعنی پھر ان کا نفقہ والد پر واجب ہوگا)

❀❀❀

(۱) الفتاوی الهندية، کتاب الکراهية، الباب السابع عشر فی النفقات: الفصل الرابع فی نفقته الاولاد: ۱/ ٥٦٣

ذہنی سکون اور ٹھنڈک کے لیے بعض مشروبات کا استعمال کرنا

سوال نمبر (144):

آج کل بازاروں میں ایک ایسا مشروب فروخت ہوتا ہے، جس میں نشہ نہیں ہوتا ہے، لیکن اس سے جسم کو راحت اور ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور اس کے پینے کے بعد تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور اس پر (Free from Alcohel) یعنی الکحل سے پاک لکھا ہوا ہے۔ شرعاً اس مشروب کا پینا کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ذہنی سکون یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے حلال چیزوں کا استعمال جائز اور مرخص ہے۔ البتہ ان چیزوں کا استعمال ممنوع ہے، جن میں حرام فعل کا ارتکاب ہو یا کسی حرام فعل کے لیے وہ ذریعہ اور آلہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں یا ان کا استعمال فجار اور بدکار لوگوں کے طریقے پر ہو۔

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی یہ مشروب الکحل سے پاک ہو تو ذہنی سکون اور ٹھنڈک کے حصول کے لیے پیا جاسکتا ہے اور اس کے استعمال میں کوئی ممانعت نہیں تاہم اگر اس کا پینا آوارگی کا سبب بنتا ہو تو پھر احتراز کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

قوله:(بلا لهو و طرب) الطرب خفة تصيب الإنسان لشدة حزن أو سرور. قال :وهذا التقييد غير مختص بهذه الأشربة بل إذا شرب الماء وغيره من المباحات بلهو و طرب على هيئة الفسقة حرام.(١)

ترجمہ:

(لہو و طرب کی کیفیت پر نہ ہو) طرب سے مراد وہ کیفیت ہے جو انسان شدتِ غم یا خوشی کے موقع پر محسوس کرتا ہے۔ یہ قید ان مذکورہ شرابوں کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ اگر مباح اشیا مثلاً پانی وغیرہ بھی لہو و مستی کے طور پر فساق کے طرز پر پیا جائے تو یہ بھی حرام ہے۔

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الاشربة: ١٠/٣٣، ٣٤

نظر لگنے والے شخص کا شرعی علاج

سوال نمبر(145):

ہمارے یہاں پٹھانوں میں یہ عادت ہے کہ اگر کسی کو نظر بدلگ جائے تو پھر جس کی نظر لگی ہے، اُس کی تھوک لے کر جس کو نظر لگی ہو، اُس کو دھنایا جاتا ہے۔کیا شریعت نے اس کے لیے کوئی طریقہ بتلایا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

سوال میں تھوک لگانے کا جو طریقہ ذکر ہے اس کی تو شرعاً کوئی حیثیت نہیں البتہ احادیث مبارکہ میں نظر کے علاج کے طور پر یہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ جس کی نظر لگی ہو وہ پانی لے کر کسی برتن میں وضو کرلے، اُس کا استعمال شدہ پانی جب برتن میں جمع ہوجائے تو اس سے متاثرہ شخص کو غسل دیا جائے۔ان شاءاللہ اس سے نظر بد کا اثر زائل ہوجائے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عائشة رضی اللّٰہ عنها قالت :کان یؤمر العائن، فیتوضأ ثمّ یغتسل منه المعین.(۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے شخص کو وضو کا حکم دیا جاتا تھا، پھر نظر بد سے متاثر شخص اس پانی سے غسل کرلیتا۔

❁❁❁

خون سے غرغرہ کرنا

سوال نمبر(146):

میرے دانتوں میں کئی عرصہ سے شدید درد ہوتا ہے۔اس کے لیے کئی علاج بھی کیے مگر فائدہ نہ ہوا۔ابھی ایک حکیم صاحب نے کہا ہے کہ قربانی کے جانور کے خون سے غرغرہ کرنے سے تمہارا درد ختم ہوجائے گا۔کیا شرعاً میرے لیے اس کی گنجائش ہے؟

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے خون نجس ہے اس لیے اس کا پینا جائز نہیں۔تاہم اگر خون سے کسی بیماری کے خاتمہ

(۱) سنن أبی داود، کتاب الطب، باب ماجاء فی العین :۲/ ۱۸٦

کا ظن غالب ہو اور کوئی نیک سیرت اور ماہر طبیب اس کے استعمال کا مشورہ دے اور کہے کہ اس کے علاوہ کوئی مباح علاج ممکن نہیں تو ایسی صورت میں بطورِ ضرورت خون کا استعمال جائز ہے۔

صورتِ مسئولہ میں آپ کو مشورہ دینے والے حکیم صاحب اگر دیندار اور ماہر معالج ہوں اور واقعی کسی اور علاج سے آپ کا افاقہ نہ ہوا ہو تو ایسی صورت میں قربانی کے جانور کے خون سے غرغرہ کرنا آپ کے لیے جائز ہوگا۔ البتہ کوشش کریں کہ غرغرہ کرتے ہوئے خون پیٹ میں نہ جائے بلکہ سارا پھینک دیں۔

والدّليل على ذلك:

يجوز للعليل شرب الدم، والبول، وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أنّ شفاءه فيه، ولم يجد من المباح مايقوم مقامه.(۱)

ترجمہ:

بیمار کے لیے بطورِ علاج خون اور پیشاب پینا، اسی طرح مردار کھانا جائز ہے، بشرطیکہ کوئی مسلمان (دیندار) طبیب یہ بتائے کہ اس کی صحت اِسی دوا میں ہے اور اس دوا کے قائم مقام کوئی مباح چیز موجود نہ ہو۔

❁❁❁

داغ لگا کر علاج کرنا

سوال نمبر (147):

ایک شخص ہر قسم کی بیماری کا علاج داغ سے کرتا ہے اور لوگ اس سے شفایاب بھی ہوتے ہیں تو کیا یہ داغ لگانا شریعتِ محمدی ﷺ کی رُو سے جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

شرعی نقطۂ نظر سے جس طرح دیگر ادویات اسباب کے درجہ میں استعمال کر کے ان سے علاج کروانا جائز ہے اسی طرح کسی ماہر معالج سے داغ لگوا کر علاج کرنا بھی مرخص ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے بعض صحابہ کرامؓ کو زخمی ہونے کی صورت میں بطورِ علاج داغ لگوایا ہے، تاہم یہ جائز نہیں کہ بیماری کے زائل ہونے میں داغ کے مؤثرِ حقیقی ہونے کا عقیدہ

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي: ٥/ ٣٥٥

رکھا جائے۔

والدلیل علی ذلك:

عن ابن عباسؓ عن النبي ﷺ قال: الشفاء في ثلاث: شربة عسل و في شرطة محجم و كيّة نار، وأنهى أمتي عن الكيّ.

قال العلامة أحمد القسطلاني في شرح الحديث: نهي تنزيه (عن الكي) لمافيه من الألم الشديد والخطر العظيم، ولأنهم كانوا يرون أنه يحسم الداء بطبعه فيبادرون إليه قبل حصول الاضطرار إليه يستعجلون بتعذيب الكي لأمر مظنون، فنهى صلى الله عليه وسلم أمته عن لذلك، وأباح استعماله على جهة طلب الشفاء من الله تعالى، والترجي للبرء. (۱)

ترجمہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: شفا تین چیزوں میں ہے: شہد کے گھونٹ، پچھنے سے کٹ لگوانے اور آگ سے داغنے میں، البتہ میں اپنی امت کو داغ سے منع کرتا ہوں۔

علامہ احمد قسطلانیؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث نہی تنزیہی پر محمول ہے، کیونکہ اس میں مریض کو بڑی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے اور بڑا خطرہ لاحق ہوتا ہے اور اس لیے بھی ممانعت ہے کہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ داغ کی وجہ سے بیماری بالکل ختم ہو جاتی ہے، اس لیے اس کی ضرورت پڑنے سے پہلے پہلے داغ لگاتے تھے اور یوں ایک غیر یقینی چیز سے قبل از وقت اپنے آپ کو تکلیف دیتے تھے۔ اس لیے حضور ﷺ نے اپنی امت کو داغنے سے منع فرمایا، البتہ اس طور پر استعمال کی اجازت دی کہ اللہ تعالیٰ سے شفایابی اور صحت یابی کی اُمید سے داغ دیا جائے۔

❁❁❁

عورت کا مرد ڈاکٹر سے الٹرا ساؤنڈ کرانا

سوال نمبر (148):

آج کل عموماً بیماریوں کی تفتیش جدید آلات کی مدد سے کی جاتی ہے۔ ان آلات میں ایک الٹرا ساؤنڈ بھی ہے جس سے ڈاکٹر حضرات مختلف قسم کے بیماریاں معلوم کرتے ہیں۔ بعض اوقات زنانہ الٹرا ساؤنڈ کے لیے آتی ہیں، جب

---

(۱) شهاب الدين القسطلاني، إرشاد الساري، كتاب الطب، باب الشفاء في الثلاث: ۳٦۱/۸، دار إحياء التراث، بيروت

کہ الٹراساؤنڈ کرنے میں مختلف اعضا پر آلہ رکھنا ہوتا ہے۔تو کیا مرد عورت کا الٹراساؤنڈ کرسکتا ہے یا نہیں جب کہ اس کا مقصود صرف علاج کرنا ہوتا ہے۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مرد کے لیے اجنبی عورت کے جسم کا کوئی حصہ دیکھنا یا چھونا ناجائز اور حرام ہے۔البتہ علاج ومعالجہ کے لیے شریعت نے بقدرِ ضرورت دیکھنے اور چھونے کی اجازت دی ہے جب کہ متبادل کوئی صورت نہ ہو۔لہٰذا اگر الٹراساؤنڈ کرانے والی کوئی عورت میسر نہ ہو تو ضرورت کے تحت مرد عورت کا الٹراساؤنڈ کرسکتا ہے۔تاہم اس کے لیے صرف علاج سے متعلقہ حصہ دیکھنے یا چھونے کی گنجائش ہوگی اور یہ ضروری ہوگا کہ عورت کا کوئی محرم اس وقت موجود رہے۔

والدّلیل علی ذلک:

(ويجوز للطبيب أن ينظر إلى موضع المرض منها)للضرورة (وينبغي أن يعلم امرأة مداواتها) لأن نظر الجنس إلى الجنس أسهل (فإن لم يقدروا يستر كل عضو منهاسوى موضع المرض) ثم ينظر ويغضّ بصره ما استطاع ؛لأن ماثبت بالضرورة يتقدر بقدر ها.(١)

ترجمہ: اور ڈاکٹر کے لیے ضرورت کی وجہ سے عورت کے مرض کی جگہ دیکھنا جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ کسی عورت کو علاج کا طریقہ سکھلا دے اس لیے کہ ہم جنس کی طرف دیکھنا زیادہ آسان ہے۔اگر یہ ممکن نہ ہو تو مرض کی جگہ کے علاوہ باقی سب اعضا پر پردہ ڈال کر مرض کی جگہ دیکھ لے اور حسبِ استطاعت اپنی نگاہیں نیچی رکھے کیونکہ جو چیز بوجہ ضرورت جائز ہو جائے وہ ضرورت کی حد تک محدود رہتی ہے۔

بیماری کی نشاندہی کے لیے استمناء بالکف کا حکم

سوال نمبر(149):

بندہ کی کوئی اولاد پیدا نہیں ہوتی۔مرض کی تشخیص کے لیے منی کا ٹیسٹ کیا جاتا ہے،لیکن لیبارٹری والے کہتے ہیں کہ یہ منی دس منٹ کے اندر پہنچانی ہوگی،لیکن بندہ کا گھر اتنا دور ہے کہ وہاں سے آتے ہوئے تقریباً تین گھنٹے لگ

(١) الهداية، كتاب الكراهية، فصل في الوطء والنظر واللمس: ٤٦١/٤

جاتے ہیں۔اب لیبارٹری والے نے کہا کہ یہاں پر مشت کے ساتھ منی خارج کر کے ہمیں دے دو۔اب معلوم کرنا ہے کہ کیا میرے لیے ایسا کرنا ازروئے شریعت جائز ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

استمنا بالکف (مشت زنی) اگرچہ بذاتِ خود ایک قبیح عمل ہے،لیکن صورتِ مسئولہ میں چونکہ بیماری کی تشخیص کے لیے اس کی ضرورت ہے اس لیے بوجہ ضرورت اس موقع پر اجازت ہوگی۔جیسا کہ فقہائے کرام نے زنا سے بچنے کے لیے اس کی رخصت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وكذا الاستمناء بالكف وإن كره تحريماً لحديث "ناكح اليد ملعون" ولو خاف الزنا يرجى أن لا وبال عليه.(۱)

ترجمہ:

اسی طرح مشت زنی اگرچہ مکروہ تحریمی ہے،اس حدیث کی وجہ سے کہ "ہاتھ سے انزال کرنے والا ملعون ہے"،لیکن اگر کسی کو زنا کا خوف ہو (اور اُس سے بچنے کے لیے مشت زنی کرے) تو اُمید ہے کہ اس پر اس کا وبال نہ ہوگا۔

❁❁❁

زخم یا خون بند کرنے کے لیے شراب کا استعمال

سوال نمبر(150):

جب عورت کا خون ایام سے تجاوز کر جائے اور دوسری دوائیوں سے خون بند نہ ہوتا ہو یا اسی طرح بدن میں کوئی دوسرا زخم ہو اور اس کا خون بند نہ ہو تو ان صورتوں میں شراب کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصوم، باب مایفسدالصوم وما لا یفسدہ: ۳۷۱/۳

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے شراب کا ایک قطرہ بھی استعمال کرنا حرام ہے۔ تاہم علاج کے لیے اس وقت استعمال جائز ہے جب دوسری مباح ادویات سے علاج ممکن نہ ہو اور کوئی ماہر و دیندار ڈاکٹر شراب کے استعمال کی تجویز دے۔ ایسی صورت میں ضرورت کی حد تک شراب کا استعمال جائز ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں خون بند کرانے کے لیے اگر شراب استعمال کرنی پڑے اور کوئی دوسری چیز میسر نہ ہو تو استعمال کر سکتے ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

(قوله اختلف في التداوى بالمحرم) ففي النهاية عن الذخيرة: يجوز إن علم فيه شفاء، ولم يعلم دواء آخر. (۱)

ترجمہ: حرام چیزوں سے علاج کرنے کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ نہایہ میں ذخیرہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ حرام چیزوں سے معالجہ اس وقت جائز ہے جب کہ اس میں شفا کا یقین ہو اور اس کے علاوہ دوسری حلال چیزوں سے دوا معلوم نہ ہو۔

❀❀❀

علاج کے لیے مریض کو شراب پلانا

سوال نمبر (151):

شراب کی حرمت تو سب کو معلوم ہے، لیکن پوچھنا یہ ہے کہ مریض کے لیے کوئی اور دوا مفید نہ ہو اور ڈاکٹر یہ مشورہ دے کہ اس کو شراب پلانے سے شفا مل سکتی ہے تو ایسی مجبوری کی صورت میں بیمار کے لیے شراب پینا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ شراب کی حرمت قطعی ہے۔ اس کے پینے سے روحانی اور جسمانی بیماریوں کا لاحق ہونا یقینی ہے۔ ہر سلیم الفطرت آدمی کے نزدیک شراب گندی اور قابلِ نفرت چیز ہے۔ اس کا عادی بن کر انسان بیشمار

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في التداوي بالمحرّم: ۳٦٥/۱

مفاسد اور مہلک خرابیوں کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ نیز اس سے بچنے اور پرہیز کرنے کے متعلق قرآن وحدیث میں واضح احکام موجود ہیں لیکن اگر کسی کو ایسا مرض لاحق ہو جائے، جس کا علاج سوائے شراب کے اور کسی طریقہ سے ممکن نہ ہو اور کوئی ماہر و نیک سیرت ڈاکٹر شراب میں شفا کی نشاندہی کرے تو بقدرِ ضرورت اس کا استعمال جائز رہے گا۔

والدّليل على ذلك:

ولو ان مريضا أشار إليه الطبيب بشرب الخمر، روي عن جماعة من أئمة بلخ أنه ينظر إن كان يعلم يقينا أنه يصح حل له التناول.(۱)

ترجمہ:

اگر کسی بیمار شخص کو طبیب نے بطورِ دوا شراب پینے کا مشورہ دیا تو اس کے متعلق ائمہ بلخ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ دیکھا جائے گا اگر یہ یقینی ہو کہ اس سے وہ مرض ٹھیک ہو جائے گا تو اس کے لیے پینا حلال ہے۔

❁❁❁

کچھوے کے تیل سے مالش کرانا

سوال نمبر(152):

بعض لوگ کچھوے سے تیل نکال کر بطورِ مالش استعمال کرتے ہیں۔ کیا علاج اور دوا کے طور پر اس تیل کا استعمال جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہ حنفی کی رو سے کچھوا کا شمار حرام جانوروں میں ہوتا ہے لہٰذا اس کے گوشت اور چربی وغیرہ کا استعمال جائز نہیں تاہم اگر اس سے نکالا گیا تیل کسی بیماری کے لیے بطورِ دوا مفید ہو اور کوئی ماہر و دیندار ڈاکٹر مشورہ دے اور بتائے کہ بیماری کا علاج کسی حلال چیز سے ممکن نہ ہو تو پھر شرعی اصولوں کا لحاظ رکھتے ہوئے علاج کے طور پر اس تیل کا استعمال جائز ہوگا۔

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي: ٥/ ٣٥٥

والدّلیل علی ذلك:

یجوز للعلیل شرب الدم، والبول، وأکل المیتة للتداوي إذا أخبره طبیب مسلم أن شفاءه فیه، ولم یجد من المباح مایقوم مقامه.(۱)

ترجمہ:

بیمار کے لیے بطورِ علاج خون اور پیشاب پینا، اسی طرح مردار کھانا جائز ہے، جب اسے کوئی مسلمان طبیب یہ بتائے کہ اس کی صحت اسی دوا میں ہے اور اس دوا کا متبادل کوئی مباح چیز موجود نہیں۔

❁❁❁

دانتوں پر خول چڑھانا

سوال نمبر(153):

اگر کسی آدمی کا دانت ٹوٹ جائے تو کیا اس پر خول چڑھانا یا اس کو نکال کر اس کی جگہ مصنوعی دانت لگوانا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نظام انہضام کی درستگی اور فعالیت کا دارومدار دانتوں پر ہے، اس لیے دانتوں کی حفاظت اور صفائی بہت ضروری ہے۔ اگر دانت اندر سے خالی ہو جائے یا ٹوٹ جائے یا گر جائے تو اُس کو بھروانا، یا اس پر خول چڑھانا یا مصنوعی دانت لگوانا شرعاً جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

ولو سقط سنّه یکره أن یأخذ سنّ میت فیشدّها مکان الأولیٰ بالاجماع، وکذا یکره أن یعید تلك السنّ الساقطة إلی مکانها عند أبي حنیفة ومحمد، ولکن یأخذ سنّ شاة ذکیة فیشدها مکانها.(۱)

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثامن عشر في التداوی: ۵/ ۳۵۵

ترجمہ:

اگر کسی کا دانت ٹوٹ جائے تو کسی مردے کا دانت اُس کی جگہ لگانا بالاجماع مکروہ ہے۔اسی طرح اُس گرے ہوئے دانت کو دوبارہ اپنی جگہ لگانا بھی امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے ہاں مکروہ ہے، البتہ کسی ذبح شدہ بکری کا دانت لے کر اُس جگہ پر لگا دے (تو جائز ہے)۔

❀❀❀

ثواب کی نیت سے کسی مریض کو خون دینا

سوال نمبر (154):

ایک مریض کا آپریشن ہو رہا ہے اور اس کو خون کی ضرورت ہے۔تو کیا ثواب کی نیت سے خون عطیہ کی شکل میں پیش کرنا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

خون چونکہ انسانی بدن کا جز ہے اس لیے شرعی نقطہ نظر سے انسانی عزت وعظمت کی خاطر اس کو فروخت کرنا جائز نہیں، نیز یہ ایک امانت خداوندی ہے اس لیے اس میں انسان کو اپنی مرضی سے تصرف کرنے کی اجازت نہیں، البتہ ضرورت کا دائرہ الگ ہے چنانچہ اگر کسی مریض کو خون کی ضرورت ہو اور ماہر ڈاکٹر کے بقول اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو اور خون چڑھانے کے علاوہ کوئی دوسری متبادل دوا بھی میسر نہ ہو تو ایسی صورت میں بغرضِ تداوی کسی کو خون دینا شرعاً جائز ہے۔دوسرے مسلمان کی صحت کے لیے نذرانہ خون پیش کرنا ایک قربانی اور ہمدردی ہے اس لیے ان شاء اللہ اس کا اجر و ثواب بھی ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿و من أحياها فكانما احيا الناس جميعاً﴾.(۲)

ترجمہ: اور جس نے کسی جان کو بچالیا تو گویا اس نے تمام انسانیت کو بچالیا۔

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان، قبیل کتاب البیوع: ۶/۵۲٤

(۲) المائدة: ۳۲

یجوز للعلیل شرب الدم، والبول، وأکل المیتة للتداوي إذا أخبره طبیب مسلم أن شفاءہ فیه ولم یجد من المباح مایقوم مقامه.(۲)

ترجمہ:

بیمار کے لیے بطورِ علاج خون اور پیشاب پینا، اسی طرح مردار کھانا جائز ہے، جب اسے کوئی مسلمان (دین دار) طبیب یہ بتائے کہ اس کی صحت اسی دوا میں ہے اور اس دوا کا متبادل کوئی مباح چیز موجود نہ ہو۔

❁❁❁

الکحل ملے ادویات کا استعمال

سوال نمبر(155):

موجودہ دور میں اکثر امراض کے علاج کے لیے لوگ انگریزی ادویات استعمال کرتے ہیں لیکن ہم نے سنا ہے کہ ان انگریزی ادویات میں الکحل استعمال ہوتا ہے، کیا الکحل ملے ادویات کا استعمال جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

الکحل اگر انگور یا کھجور سے کشید کیا گیا ہو تو یہ نجس بھی ہے اور حرام بھی۔ یہ خواہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں؛ بہرحال اس کا استعمال جائز نہیں۔ اگر یہ کسی دوائی میں مل جائے تو ضرورتِ شدیدہ کے علاوہ اُس دوائی کا استعمال بھی جائز نہیں۔ لیکن اگر انگور و کھجور کے علاوہ دیگر اشیا (مثلاً: گنا، مکئی، گندم، جو، پٹرول وغیرہ) سے الکحل بنایا گیا ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے ہاں یہ پاک اور حلال ہے بشرطیکہ لہو ولعب (یعنی مستی و آوارگی) کے طور پر استعمال نہ کیا جائے۔ چنانچہ اشیاے خورونوش یا ادویہ میں کسی کیمیاوی ضرورت کی بنا پر اسے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مشائخ نے اگرچہ اپنے زمانہ کو مدِّنظر رکھ کر سدّ الذرائع کے طور پر امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا تھا لیکن عصرِ حاضر میں الکحل کا استعمال ادویہ، یا اشیاے خورونوش میں مختلف جائز کیمیاوی اغراض کے لیے ہوتا ہے، اس لیے شیخین کے قول پر فتویٰ ہوگا کہ الکحل کو صحیح کیمیاوی مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں اور جس دوا یا غذا میں الکحل کی آمیزش ہو وہ نہ نجس ہوگی نہ حرام۔

---

(۲) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي: ٥ /٣٥٥

بقولِ ماہرین آج کل اقتصادی وجوہات کی بنا پر عموماً کھجور وانگور کی بجائے دیگر اشیا سے بنایا گیا الکحل استعمال ہوتا ہے، لہٰذا الکحل ملے دوائیوں کا استعمال جائز اور حلال ہے۔

والدلیل علی ذلک:

وإنما نبهت على هذا لأن الكحول المسكرة (Alcohals) اليوم صارت تستعمل في معظم الأدوية والأغراض كيمياوية أخرى، ولا تستغني عنها كثير من الصناعات الحديثية، وقد عمت بها البلوى واشتدت إليها الحاجة، والحكم على قول أبي حنيفة أسهل؛ لأنها إن لم تكن مصنوعة من النيء من ماء العنب، فلا يحرم بيعها عنده، والذي ظهر لي أن معظم هذه الكحول لا تصنع من العنب، بل تصنع من غيرها، وراجعت له دائرة المعارف البريطانيه المطبوعة ١٩٥٠م جـ١/صـ ٥٤٤ فوجدت فيها جدولا للموادالتي تصنع منها هذه الكحول، فذكر في جملتها العسل، والدبس، والحب، والشعير، والجو وعصير أناناس (التفاح الصوبر) والسلفات، والكبريتات، ولم يذكر فيها العنب والتمر، فالحاصل أن هذه "الكحول" لولم تكن مصنوعة من العنب والتمر، فبيعها للأغراض الكيمياوية جائز باتفاق أبي حنيفة وصاحبيه.(١)

ترجمہ: میں نے اس پر تنبیہ اس لیے کی کہ نشہ آور الکحل آج کل اکثر ادویات اور دوسرے کیمیاوی مواد میں استعمال ہوتا ہے، اور اکثر جدید مصنوعات اس سے مستغنی نہیں۔ اس میں عموم بلویٰ بھی ہوگیا ہے اور اس کی طرف حاجت بھی شدت اختیار کرگئی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ زیادہ سہولت والا ہے اس لیے کہ اگر یہ انگور کے کچے شیرہ سے نہ بنا ہو تو ان کے نزدیک اس کی بیع حرام نہیں اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ الکحل کی اقسام میں سے اکثر انگور سے نہیں بنتیں بلکہ اس کے علاوہ دیگر چیزوں سے بنتی ہیں۔ اس کے لیے میں نے دائرہ معارف برطانیہ (Insyclopedia Britanica) مطبوعہ ۱۹۵۰: ج ۱/ص ۵۴۴ کی طرف مراجعہ کیا تو اس میں میں نے ایک جدول پایا جس میں ان مواد کی تفصیل ہے جن سے یہ الکحل بنتے ہیں۔ من جملہ ان اشیاء کے شہد، کھجور کا شیرہ، دانہ، جو، زعفران، اناناس کا شیرہ، وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اور انگور و کھجور کا ذکر نہیں کیا ہے۔ سو حاصل یہ ہے کہ یہ الکحل اگر انگور اور کھجور سے نہیں بنائے گئے ہوں تو کیمیاوی اغراض کے لیے اس کی بیع امام صاحبؒ وصاحبینؒ کے اتفاق سے جائز ہے۔

❁❁❁

(١) تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم بيع الخمر: حكم الكحول المسكرة: ٥٥١/١

ضبطِ تولید کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(156):

ضبطِ تولید شرعاً کیسا ہے؟ کون سی صورت جائز اور کونسی ناجائز ہے؟ غریب شخص اگر فقر وفاقہ کی بنا پر ضبطِ تولید اختیار کرلے تو کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ضبطِ تولید اور خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے آج اقوام عالم میں جو تحریکیں چل رہی ہیں اور ''بچے دو ہی اچھے'' کے عنوان سے جو صدائیں بلند ہو رہی ہیں، اس کے علم بردار مغرب سے مرعوب روشن خیال لوگ ہیں، جو معاشی اور معاشرتی خوشگواری کے عنوان سے درحقیقت آبادی میں کمی لانا چاہتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور توکل کی بجائے وسائل اور مادہ کو اپنا مطمحِ نظر بنالیا ہے، اس لیے بڑھتی آبادی کو کنٹرول کرنے کے لیے ان کو خاندانی منصوبہ بندی کی سوچ اپنانی پڑی۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ کی صفتِ رزاقیت سے کھلی بغاوت ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس عمل میں آلہ کار بنے۔ تاہم اگر صحت کی خاطر ضبطِ تولید کی کوئی صورت اختیار کی جائے یعنی بچے یا ماں کی صحت منظور نظر ہو، یا معاشرتی بگاڑ کی وجہ سے بچوں کی صحیح تربیت سے عاجز ہوں، تو ایسی صورت میں مانع حمل تدابیر کی شریعت میں اجازت ہے۔ اسی طرح اگر حمل ٹھہرنے کے بعد باقی رکھنے کی صورت میں عورت کی جان کو خطرہ ہو اور کوئی ماہر ودیندار طبیب حمل گرانے کا مشورہ دے تو چار ماہ سے کم ہونے کی صورت میں اُس کو گرانے کی اجازت ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾.(١)

ترجمہ:

اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل مت کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بے شک ان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

الضرورات تبیح المحظورات.(٢)

---

(١) بنی إسرائیل : ٣١ (٢) شرح مجلة لخالد أتاسي، المقالة الثانية في القواعد الفقهية، المادة (٢١):١/ ٥٥

ترجمہ: ضرورت ایک ممنوع کام کو مباح کردیتی ہے۔

❁❁❁

چار ماہ سے کم مدت میں بوجہ عذر حمل ساقط کرنا

سوال نمبر(157):

ایک عورت کا آٹھ ماہ قبل بچہ پیدا ہوا تھا۔اب تین مہینوں سے حیض بند ہے۔لیبارٹری میں ٹسٹ کے ذریعہ پتہ چلا ہے کہ پیٹ میں حمل ہے۔کیا اس صورت میں اسقاط حمل (حمل کو آپریشن یا ٹیکہ کے ذریعہ ضائع کرنا) جائز ہے، جبکہ پہلے والے بچے کی صحت خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ اگر عورت جسمانی طور پر کمزور ہو یا پہلے سے موجود بچے کی صحت کے خراب ہونے کا قوی خطرہ ہو تو ایسی صورت میں شریعت نے اسقاطِ حمل کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ حمل چار ماہ سے کم کا ہو۔

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی عورت کی صحت یا پہلے سے موجود بچے کی صحت خراب ہونے کا قوی خطرہ ہو اور کوئی صالح و دیندار ڈاکٹر اسقاطِ حمل کا مشورہ دیدے تو چار ماہ سے کم عرصہ کا حمل ساقط کرنے کی گنجائش ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

یباح لها أن تعالج في استنزال الدّم ما دام نطفة أو مضغة أو علقة لم يخلق له عضو، وخلقه لا يستبين إلا بعد مائة وعشرين يوما أربعون نطفة، وأربعون علقة وأربعون مضغة. (۱)

ترجمہ:

عورت کے پیٹ میں حمل جب تک نطفہ، جمے ہوئے خون یا گوشت کے ٹکڑے کی شکل میں ہو اور اُس کے اعضا ظاہر نہ ہوئے ہوں تو اُس کو جسم سے باہر نکالنے کے لیے علاج کروانا جائز ہے، اور اعضا ایک سو بیس دِنوں سے پہلے ظاہر نہیں ہوتے۔(کیونکہ) حمل چالیس دن نطفہ، پھر چالیس دِن علقہ (جمے ہوئے خون) اور پھر چالیس دن مضغہ (گوشت کے ٹکڑے) کی شکل میں ہوتا ہے۔

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثامن عشر فی التداوی: ٥/٣٥٦

مانع حمل ادویات کا استعمال

سوال نمبر(158):

ایک عورت کی صحت درست نہیں اور ولادت سے اس کی طبیعت سخت خراب ہونے کا خطرہ ہے۔اس صورت میں اگر خاوند سے عزل کرنے کا مطالبہ کرے تو کیا شوہر کے لیے عزل کی گنجائش ہے۔نیز کیا کنڈوم یا مانع حمل ادویات کا استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عذر کی بنا پر بچوں میں وقفہ کے لیے مانع حمل ادویات کا استعمال جائز ہے،مثلاً پہلے سے موجود بچے کی صحت کے خراب ہونے کا خطرہ ہو یا عورت اتنی کمزور ہو کہ حمل اٹھانے کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتی اور اس کی صحت خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو ان صورتوں میں عذر کی وجہ سے مانع حمل ادویات یا اور طریقوں سے حمل منع کرنا جائز ہے۔

صورتِ مسؤلہ میں جب ولادت سے عورت کی طبیعت خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو مانع حمل ادویات یا عزل یا کنڈوم کا استعمال جائز ہے۔

والدّليل على ذلك:

العزل ليس بمكروهٍ برضا امرأته الحرة. (۱)

ترجمہ:

آزاد بیوی کی رضامندی سے عزل کرنا مکروہ نہیں۔

❀❀❀

لیبارٹری ٹسٹ کے لیے لاش قبر سے نکالنا

سوال نمبر(159):

ایک شخص کا آبائی وطن کرک ہے۔وہ تجارت کی غرض سے کراچی چلا گیا۔وہاں کاروبار شروع کیا۔وہاں

(۱) الفتاوى الهندية: كتاب النكاح، كتاب التاسع في نكاح الرقيق : ۱/۳۳۵

اچانک اس کو موت آئی اور آبائی گاؤں کرک لا کر دفن کیا گیا۔ وفات کے تقریباً دس سال بعد اس شخص کے بھائیوں اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا۔ بھائیوں نے بیوی پر یہ مقدمہ درج کیا کہ اس نے ہمارے بھائی کو زہر پلا کر مارا ہے۔ تو کیا اب مزید تحقیق کے لیے شرعاً یہ جائز ہے کہ اس کی قبر کھول کر اس کے بدن کا کچھ حصہ کاٹ کر لیبارٹری میں ٹسٹ کروایا جائے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اس کی قبر اکھاڑ کر اس کو نکالا جائے۔ لہٰذا دفنانے کے بعد میت کو دوبارہ نکالنے سے احتراز ضروری ہے۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ اتنی طویل مدت گزرنے کے بعد میت کے جسم کا صحیح سالم رہنا مشکل ہے، کیونکہ عموماً اتنی مدت میں بدن خراب ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایسی صورت میں مردہ کی قبر کو کھولنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ولا ینبغي إخراج المیت من القبر بعد ما دفن إلا إذا کانت الأرض مغصوبة.(۱)

ترجمہ:

اور مناسب نہیں کہ مردے کو دفنانے کے بعد دوبارہ قبر سے نکالا جائے، البتہ اگر غصب شدہ زمین میں دفن کیا گیا ہو تو پھر گنجائش ہے۔

❀❀❀

انسانی لاش پر تجربہ کرنا

سوال نمبر(160):

آج کل ڈاکٹر حضرات انسانی لاش تجربہ گاہ میں رکھ کر مہینوں اور سالوں تک اس پر تجربات کرتے رہتے ہیں۔ اس دوران اعضا کی چیر پھاڑ بھی ہوتی ہے۔ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔ اگر یہ ناجائز ہے تو اس کا متبادل طریقہ کیا ہوگا؟

بیّنوا توجروا

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز : ۱۶۷/۱

الجواب وباللہ التوفیق:

متعدد نصوص سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس کو باقی مخلوقات کے مقابلے میں بڑی فضیلت اور بلند مقام دیا ہے۔ اس انسانی کرامت وشرافت کا لحاظ رکھنا صرف دنیاوی زندگی سے خاص نہیں، بلکہ موت کے بعد بھی اس کا احترام ضروری ہے۔ چنانچہ جس طرح انسانی جسم کو حالتِ زندگی میں ایذا پہنچانا حرام ہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی ایذا رسانی حرام ہے۔ اس کی توہین اور تجربہ گاہوں میں اس پر تجربے و مشق کرنا انسانی عظمت کے خلاف ہے۔ یہ پریکٹس اور ضرورت دوسری متبادل صورتوں سے بھی پوری ہوسکتی ہے، جیسے پلاسٹک کے بنے ہوئے انسانی اعضا اور ہڈیوں پر مشق کی جاسکتی ہے۔ تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آج کل لاہور اور کراچی کے کالجوں اور ہسپتالوں میں پریکٹس کے لیے پلاسٹک کی مصنوعی انسانی لاشوں پر تجربے کیے جاتے ہیں اور ہماری ضرورت اس سے پوری ہوسکتی ہے، اس لیے انسانی لاش کی توہین اور تذلیل حرام ہے اور وعید اور جرم میں وہ تمام لوگ شامل ہوں گے جو اُن کے لیے لاشیں فراہم کرنے میں ملوث ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أم سلمةؓ عن النبي ﷺ قال: "كسر عظم الميت ككسر عظم الحي في الإثم." قال الطيبي الإشارة إلى أنه لا يهان الميت كما لا يهان الحي. قال ابن الملك: يستفاد منه أن الميت يتألم بجميع ما يتألم به الحي.(۱)

ترجمہ:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردہ کی ہڈیوں کو توڑنا، گناہ میں زندہ آدمی کی ہڈیوں کو توڑنے کی مانند ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح زندہ شخص کی تحقیر و بے عزتی ممنوع ہے، اسی طرح میت کی تحقیر بھی ممنوع ہے۔ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ میت کو ان تمام چیزوں سے تکلیف پہنچتی ہے، جس سے زندہ کو تکلیف پہنچتی ہے۔

❀❀❀

(۱) سنن ابن ماجة، أبواب ماجاء في الجنائز، باب في النهي عن كسر عظام الميت: ص/۱۱۷

کسی مریض کو اس کی حقیقی بیماری سے آگاہ نہ کرنا

سوال(161):

قریب الموت یالاعلاج مریضوں کوان کے رشتہ دار مرض کی صحیح صورت حال سے بے خبر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اورڈاکٹر کو مجبور کیا جاتا ہے کہ مریض کوغلط تشخیص بتائی جائے، جب کہ ڈاکٹر کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ مریض کوغلط اطلاع نہ دے۔کیونکہ اگر مرض لا علاج ہے تو یہ بیمار کاحق ہے کہ اگر وہ اپنی زندگی کے کچھ فیصلے کرنا چاہے، جیسے: وصیت، قرض اتارناوغیرہ تو اسے صحیح انجام سے باخبر کیا جائے۔فقہی طور پر اس نازک موقع پر کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

واضح رہے کہ کسی شخص کے ذمہ اگر کچھ حقوقِ واجبہ ہوں تو ان کے متعلق وصیت کرنا نہایت ضروری ہے۔اس میں مرض یا قریب الوفات ہونے کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ ایسے حقوق کے متعلق واضح وصیت کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

صورتِ مسئولہ میں وصیت کے پیش نظر مریض کوصحیح تشخیص سے آگاہ کرنا ڈاکٹر کی ذمہ داری قرار دینا اگر چہ کچھ حدتک درست ہے،لیکن چونکہ لا علاج یا مہلک مرض کی خبر ملنے سے عموماً مریض کی حالت مزید بگڑ جاتی ہے، وہ اپنی بیماری کے ساتھ ساتھ نفسیاتی بیماریوں کا بھی شکار ہو جاتا ہے اور جزع فزع اورآہ وبکا شروع کرنے لگتا ہے، لہٰذا جہاں کہیں لا علاج مریض کوصحیح تشخیص بتانے سے غلط اور مضراثرات مرتب ہونے کا اندیشہ ہوتوایسی صورت میں ڈاکٹر کے لیے شرعاً گنجائش موجود ہے کہ وہ توریہ یعنی گول مول بات سے کام لیتے ہوئے مریض کے ساتھ تسلی آمیز گفتگو کرے اور صحیح تشخیص سے اُسے آگاہ نہ کرے۔ہاں صریح جھوٹ سے حتی الامکان احتراز کرنا ضروری ہے۔اور جن اعزہ واقارب کو صحیح تشخیص سے آگاہی حاصل ہوئی ہواُن کو چاہیے کہ حکمت کے ساتھ کسی ایسے طریقہ سے اُس مریض سے وصیت کروائے کہ وہ اپنا مرض سمجھے بھی نہیں اور وصیت بھی کرلے۔

والدّليل على ذلك:

الكذب مباح لإحياء حقه و دفع الظلم عن نفسه. والمراد التعريض ؛لأن عين الكذب حرام.

قال العلامة ابن عابدين: أن كل مقصود محمود يمكن التوصل إليه بالصدق والكذب جميعاً فالكذب

فیہ حرام، وإن أمکن التوصل إلیہ بالکذب وحدہ فمباح إن أبیح تحصیل ذلک المقصود.(۱)

ترجمہ:
اپنے حق کے حصول اور اپنی جان سے ظلم کو دفع کرنے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے، لیکن اس سے مراد تعریض ہے، کیونکہ صاف جھوٹ بولنا بہر حال حرام ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: ہر وہ اچھا مقصد جس کی طرف پہنچنا جھوٹ اور سچ دونوں کے ذریعے ممکن ہو، تو جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر اس کی طرف صرف جھوٹ کے ذریعہ رسائی ممکن ہو تو اگر اس مقصد کا حاصل کرنا مباح ہو تو جھوٹ بولنا بھی جائز رہے گا۔

❁❁❁

بچے کو علاج کے لیے افیون دینے سے ہلاکت پر کفارہ

سوال نمبر (162):

ایک عورت نے اپنے بچے کو علاج کے طور پر افیون دے دی، بدقسمتی سے بچہ نشے کی زیادتی کی تاب نہ لا سکا اور فوت ہو گیا تو کیا اس کی ماں پر کفارہ لازم آتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے علاج معالجہ کی اجازت اس شخص کو دی ہے جو اس فن میں مہارت اور مرض کی تشخیص پر قدرت رکھتا ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی ڈاکٹر یا معالج کے مشورے کے بغیر مریض کو دوائی دے اور مریض کو نقصان پہنچے تو وہ شخص ضامن ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر اس عورت نے کسی ڈاکٹر یا معالج کے مشورے کے بغیر علاج کے لیے اپنے بچے کو افیون دی ہو جس سے بچہ فوت ہوا ہو تو قتل خطا ہونے کی وجہ سے اس عورت پر کفارہ اور اس کے عاقلہ پر دیت لازم ہو گی۔ موجودہ حالات میں عاقلہ سے دیت وصول کرنے کا انتظام نہیں البتہ اس عورت کو توبہ اور استغفار کے ساتھ ساتھ کفارہ میں دو ماہ مسلسل روزے رکھنے ہوں گے۔

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ: ۹/ ۶۱۲

والدليل على ذلك:

عن عمرو بن شعيبؒ، عن أبيه عن جده: أن رسول الله ﷺ قال: "من تطبّب ولا يعلم منه طب، فهو ضامن". (١)

ترجمہ:

حضرت عمروؒ بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے علاج کیا حالانکہ وہ اس فن میں (مہارت اور) شہرت نہ رکھتا ہو تو وہ ضامن ہے۔

(وموجبه) أي وموجب هذا النوع من الفعل، وهو الخطأ وما جرى مجراه (الكفارة، والدية على العاقلة) والإثم دون إثم القتل، إذ الكفارة تؤذن بالإثم لترك العزيمة. (٢)

ترجمہ:

اور قتل کی اس قسم یعنی خطا اور اس کے قائم مقام کا موجب کفارہ اور عاقلہ پر دیت ہے اور اس کا گناہ قتل کے گناہ سے کم ہے، اس لیے کہ کفارہ عزیمت ترک کرنے کی وجہ سے گناہ کی خبر دیتا ہے۔

❁❁❁❁❁

---

(١) سنن أبي داؤد، كتاب الديات، باب فيمن تطبب ولا يعلم منه ....الخ: ٢٨٥/٢

(٢) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الجنايات: ١٦١/١٠

باب فی الرقیٰ والعوذة والتمائم والأذكار الواردة والأشياء المقدسة

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

ہر انسان بلا امتیازِ مرد و زن، غریب و مالدار، نیک و بد مرض کا شکار ہو سکتا ہے، اور مرض میں مبتلا ہونے کے بعد اس سے خلاصی اور اس کے تدارک کی تدبیریں اپناتا ہے، جس کو علاج کہا جاتا ہے۔ علاج کے لیے جس طرح تداوی، تغذی، جراحت اور کئی دیگر مادی طریقے استعمال کیے جا سکتے ہیں اسی طرح بعض بیماریوں کے علاج کے لیے روحانی طریقے بھی اختیار کیے جا سکتے ہیں، مثلاً نظرِ بد، شیطانی اثرات، جنات یا ارواحِ خبیثہ کے اثرات، نفسیاتی امراض، بعض وبائی امراض، زہریلے جانوروں اور حشرات کے اثر سے تحفظ وغیرہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے بذاتِ خود اور صحابہ کرامؓ سے مذکورہ طریقۂ علاج کے متعلق کئی احادیث اور آثار ثابت ہیں۔ محدثین کرام نے کتاب الطب میں "باب الرقیٰ" "باب العوذۃ" اور "باب العین" جیسے ابواب قائم کیے ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کے کلام کا اثر ثابت ہے تو رب العالمین کے کلام کا اثر نہ ہونا کیسے درست ہو سکتا ہے۔(۱)

چنانچہ قرآن کریم کا قلوب کے لیے شفا ہونا اور شرک و کفر، اخلاقِ رذیلہ، توہمات اور امراضِ باطنہ سے نفوس کی نجات کا ذریعہ ہونا یقینی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾(۲)

ترجمہ: اور قرآن میں ہم وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہیں۔

علامہ ابن تینؒ فرماتے ہیں:

"الرقیٰ بالمعوذات وغيرها من أسماء الله هو الطب الروحاني".(۳)

(۱) فتح الباري، باب الرقیٰ بفاتحة الكتاب، رقم الحديث (۵۷۳۶): ۱۱/ ۳۵۵، المكتبة التجارية، بيروت لبنان

(۲) بنی اسرائیل: ۸۲

(۳) فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقیٰ بالقرآن والمعوذات، رقم (۵۷۳۵): ۱۱/ ۳۵۳

ترجمہ: معوذات اور اللہ کے ناموں سے دم اور تعویذ کرنا طب روحانی ہے۔

رقی، تعویذ اور تمائم کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ رقی اور استرقی کا معنیٰ "طلب الرقية" اور "التعويذ" کا معنیٰ آفات وبلیات سے پناہ مانگنا ہے، چاہے دم کے ذریعے ہو، تلاوت کے ذریعے ہو یا کسی اور روحانی طریقے سے ہو۔ العوذة، معاذلة اور تعویذ کا لغوی معنیٰ بھی یہی ہے، البتہ ہمارے عرف میں تعویذ سے مراد وہ کاغذ، کپڑا یا چمڑا ہے جس پر آیاتِ قرآنی یا مقدس الفاظ لکھ کر گلے میں لٹکایا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں ایک رتیمہ اور دوسرا تمیمہ۔ رتیمہ سے مراد وہ دھاگہ ہے جو دورِ جاہلیت میں وہ گلے اور بازو میں باندھتے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ وہ دھاگہ ان سے تکلیف کو دفع کرتا ہے۔ شریعت نے اسے ممنوع قرار دیا۔

دوسرا لفظ تمیمة ہے اس سے مراد وہ مہرے اور ہار ہیں جو دورِ جاہلیت میں بچوں کو لٹکائے جاتے تھے اور اس کو نظر سے حفاظت کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے اس کو حرام قرار دیا کہ اس سے ان کے مشرکانہ عقائد کی عکاسی ہوتی ہے، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ تمیمہ بچوں سے تقدیر کو دفع کرتی ہے یوں وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کو مشکل کشا سمجھتے تھے۔ (۱)

دم، تعویذ اور ذکر واذکار سے علاج کی مشروعیت اور اس کا حکم:

نبی کریم ﷺ بذاتِ خود معوذتین کے ذریعے اپنے آپ پر دم فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح مرض الموت میں حضرت عائشہؓ معوذتین پڑھ کر آپ ﷺ کے ہاتھوں پر دم کرکے آپ ﷺ کے ہاتھوں کو آپ ﷺ کے جسم مبارک پر پھیرتی تھیں۔ حضرت عوف بن مالکؓ اور عمرو بن حزمؓ نے جب آپ ﷺ سے تعویذ اور دم وغیرہ کے متعلق استفسار کیا تو آپ ﷺ نے اُن کی تعویذات کے الفاظ اور کلمات دیکھنے کے بعد فرمایا:

"لابأس بالرقىٰ مالم يكن فيه شرك" اور "من استطاع أن ينفع أخاه فلينفعه". (۲)

---

(۱) عمدة القاري، كتاب الطب، باب الرقىٰ بالقرآن والمعوذات: ۲۱/۲۶۱، ۲۶۲، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظروالاباحة، فصل في اللبس: ۹/۵۲۳

(۲) فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقىٰ بالقرآن والمعوذات، رقم (۵۷۳۵): ۱۱/۳۵۱، ۳۵۲، ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحظروالاباحة، فصل في اللبس: ۹/۵۲۳، الفتاوىٰ الهندية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۵/۳۵۶

ترجمہ: تعویذ میں کوئی حرج نہیں، جب تک اس میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں اور جس شخص کو یہ قدرت حاصل ہو کہ وہ اپنے بھائی کو نفع دے سکے تو چاہیے کہ وہ اس کو نفع دے۔

جن احادیث میں دم، جھاڑ پھونک اور تعویذوں سے ممانعت آئی ہے، ان کا صحیح مطلب:

جن احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ اشیا کی مذمت بیان فرمائی ہے، ان کو شرک فرمایا ہے یا ان کو جاہلیت کی عادت فرمائی ہے تو ان احادیث سے جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بذاتِ خود بھی ان اشیا کا استعمال فرمایا ہے اور آپ ﷺ کے بعد صحابہؓ نے بھی، لہٰذا مذکورہ احادیث کا صحیح مطلب علامہ ابن حجرؒ نے یہ بیان کیا ہے:

(۱) مذمت ان لوگوں کے بارے میں ہے، جنہوں نے ان اشیا کو مؤثرِ حقیقی جان کر ان پر پختہ عقیدہ رکھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا بھول گئے۔(۱)

(۲) مذمت ان تعویذات وغیرہ کے بارے میں ہے، جن کے الفاظ مبہم اور مشکوک ہوں، یعنی جن میں کفر و شرک کا احتمال ممکن ہو۔

(۳) مذکورہ احادیث میں ان اشیا سے ممانعت مقصود نہیں، بلکہ ان کی مذمت میں یہ راز مضمر ہے کہ اسباب مظنونہ سے تعلق کاٹ کر اعتماد علی اللہ کو اپنا شعار بنالیا جائے۔(۲)

(۴) اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو ان آیات وصفاتِ باری تعالیٰ کو بعض غیر شرعی کلمات کے ساتھ ملا کر ان کے ذریعے جنات وشیاطین کو مسخر کر کے ان سے غیر شرعی امور کا ارتکاب کرواتے ہیں اور شیطانی ارواح سے اعانت طلب کرتے ہیں۔(۳)

کن چیزوں سے دم کیا جاسکتا ہے؟

احادیث مرفوعہ میں معوذات (سورۃ فلق، سورۃ ناس، قل رب أعوذبك من همزات الشياطين، أعوذ بالله من الشيطن الرجيم وغیرہ) سے دم کرنے کا تذکرہ آیا ہے، تاہم بعض دوسری احادیث میں ان کے علاوہ سورتوں، مثلاً سورۃ فاتحہ اور دیگر آیات اور اسماوصفات باری تعالیٰ سے بھی دم کرنے کے آثار ملتے ہیں، علامہ ابن حجرؒ

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس: ۹/۵۲۳

(۲) فتح الباري، کتاب الطب، باب من لم يرق، رقم(۵۷۵۲): ۱۱/۳۷۱، ۳۷۲

(۳) فتح الباري، کتاب الطب، باب الرقیٰ بالقرآن والمعوذات: ۱۱/۳۵۳

"فرماتے ہیں:

"وقدأجمع العلماء علىٰ جوازالرقىٰ عنداجتماع شروط ثلاثة".(١)

دم اور جھاڑ پھونک کے جواز پر علمائے امت کا اجماع ہے، بشرطیکہ اس میں تین شرائط پائی جائیں:

تعویذ اور دم وغیرہ کے جواز کی شرائط:

(۱) دم اور تعویذ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے کلام یعنی قرآن کریم کے ذریعے ہو یا اللہ کے اسماء وصفات سے ہو۔

(۲) جھاڑ پھونک اور تعویذ عربی زبان میں ہو یا ایسی زبان میں ہو جس کا معنیٰ ومفہوم معلوم ہو، تاکہ کفروشرک اور ارواح خبیثہ سے استعانت کا معمولی شبہ بھی باقی نہ رہے۔

(۳) دم اور تعویذ کو صرف علاج اور شفا کا سبب تصور کیا جائے اور حقیقی مؤثر اور شفا دینے والا اللہ تعالیٰ کو مانا جائے۔(۲)

اگر مذکورہ شرائط میں سے کوئی بھی نہ ہو تو ایسی تعویذوں کا کم ازکم حکم کراہت ہے۔علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"وعلىٰ كراهة الرقىٰ بغير كتاب الله علماء الأمة".(٣)

ترجمہ: علمائے امت کا کتاب اللہ کے علاوہ (الفاظ سے) دم کرنے کی کراہت پر اتفاق ہے۔

کلمات اور مواد کے اعتبار سے تعویذ کی قسمیں اور ان کا حکم:

علامہ ابن حجرؒ نے قرطبیؒ سے تعویذ کی تین قسمیں نقل کی ہیں:

(۱) پہلی قسم دورِ جاہلیت کی تعویذات ہیں، یعنی جن کا معنیٰ معلوم نہ ہو۔اس قسم کی تعویذوں سے اجتناب واجب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں شرکیہ الفاظ ہوں۔

(۲) جو تعویذ اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے اسماء وصفات پر مشتمل ہو، تو یہ جائز ہے۔

(۳) جس تعویذ میں کسی فرشتے، نیک بندے یا پیغمبر کا تذکرہ ہو یا کسی معظم مخلوق، مثلاً عرش، خانہ کعبہ، مسجد نبوی، روضہ اطہر وغیرہ

---

(١) فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقىٰ بالقرآن والمعوذات: ٣٥٢/١١

(٢) فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقىٰ بالقرآن والمعوذات: ٣٥٢/١١، عمدة القاري، كتاب الطب، باب الرقىٰ بالقرآن والمعوذات: ٢٦٢/٢١

(٣) فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقىٰ بالقرآن والمعوذات: ٣٥٣/١١

کا تذکرہ ہو تو ایسی تعویذوں میں اگر استعانت نہ ہو، بلکہ محض تذکرہ ہو تو پھر بھی چھوڑ دینا بہتر ہے۔اس لیے کہ یہ عظمت کسی وقت شرک تک بھی پہنچ سکتی ہے اور اگر استعانت ہو تو ان سے احتراز واجب ہے۔(۱)

دم، جھاڑ پھونک اور تعویذ وغیرہ کے مختلف طریقے:

دم اور جھاڑ پھونک کے جو طریقے احادیثِ مبارکہ یا آثارِ صحابہ وتابعین سے ثابت ہیں یا متقدمین فقہا اور محدثین کی نظر سے گزرے ہیں اور انہوں نے ان پر خاموشی اختیار کی ہے، ان کی اجمالی فہرست یہ ہے:

(۱) مریض پر قرآن کی تلاوت یا کوئی دعا وغیرہ پڑھ کر دم کیا جائے۔

(۲) متاثرہ جگہ پر قرآنی آیت یا دعا وغیرہ سے دم کیا ہوا پانی چھڑکا جائے یا پٹی وغیرہ رکھ دی جائے۔

(۳) کاغذ وغیرہ پر لکھ کر گلے یا بازو کے ساتھ باندھ دیا جائے یا لٹکایا جائے۔

(۴) کسی پلیٹ وغیرہ پر سیاہی سے لکھ کر اس میں پانی ڈال کر مریض کو پلایا جائے۔(۲)

نظرِ بد سے بچنے یا اس کا اثر دفع کرنے کے منقولی طریقے:

(۱) مخصوص پودے (سپلینے) یا اس کے دانوں کو آگ پر رکھ کر دھونی دینا۔

(۲) عام راستے سے تنکے اور خس وخاشاک جمع کر کے اس کی دھونی دینا۔

(۳) خوبصورت اور دلکش عمارتوں، کھیتوں، گھروں وغیرہ کے اوپر کھوپڑیاں وغیرہ لٹکانا، تاکہ لوگوں کی نظر ابتدائی طور پر ان چیزوں پر پڑے اور پہلی نظر میں وہ اس گھر یا کھیت کی خوبصورتی سے حسد یا نظر بد کے شکار نہ ہوں۔

(۴) نظر بد لگ جانے کے بعد متاثرہ شخص (منظور) نظر بد لگانے والے (ناظر) سے یہ کہہ دے کہ وضو کر کے اس کا استعمال شدہ پانی مجھے دے دے، اور اس کو اپنے سر یا جسم کے پچھلے حصے پر بہا دے۔(۳)

---

(۱) فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقىٰ بالقرآن والمعوذات: ۳۵۳/۱۱

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس: ۵۲۳/۹، وكتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في التداوي بالمحرم: ۳۶۵/۱، الفتاوىٰ الهندية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۶/۵

(۳) فتح الباري، كتاب الطب، باب العين حق، رقم (۵۷۴۰): ۳۶۳/۱۱، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس: ۵۲۳/۹، ۵۲۴

جس شخص کی نظر لگ جاتی ہو، اس کے لیے ہدایت:

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص نظر بد میں مشہور ہو تو اس سے بچنا اور اس کو مجالس میں داخل ہونے سے روکنا جائز ہے۔ ایسا شخص اگر فقیر ہو تو اس کے لیے رزق کا اہتمام کر کے گھر میں بٹھانا چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایسا شخص جب کوئی اچھی چیز دیکھے تو اس کے لیے برکت کی دعا کرے اور وہ دعا یہ ہے: (۱)

"فتبارك الله أحسن الخالقين، اللهم بارك فيه"۔

تعویذات اور مقدس کلمات کے تقدس کی رعایت:

اگر تعویذ کسی چمڑے یا کپڑے میں پوشیدہ نہ ہو تو بیت الخلا اور بیوی سے صحبت کے وقت اسے اتارنا چاہیے، تاہم اگر چمڑے یا کپڑے میں ہو تو جنابت، حیض، بیت الخلا یا صحبت کے وقت بھی پہنا جا سکتا ہے۔ کسی بھی ایسے جھنڈے، کپڑے، چٹائی یا جائے نماز پر اللہ کا نام، قرآنی آیات وغیرہ لکھنا مکروہ ہے۔ جس کے متعلق یہ گمان ہو کہ زمین پر گر جائے گا یا لوگ اس پر بیٹھیں گے یا لوگ اس کی تعظیم نہیں کر سکیں گے۔ یہی حکم ان حروف کا بھی ہے جن کو الگ الگ لکھ کر کلمہ میں اتصال باقی نہ رہے، اس لیے کہ قرآنی حروف اور کلمات کا تقدس یکساں ہے۔ (۲)

متفرق مسائل:

(۱) تعویذات اور دم وغیرہ کے بدلے اجرت لینا جائز ہے، اس لیے کہ یہ عبادت نہیں، بلکہ ایک علاج ہے، اگرچہ قرآن ہی کے ذریعے کیوں نہ ہو۔ (۳)

(۲) اہل کتاب سے دم یا تعویذ کروانا جائز ہے، بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں یا اللہ تعالیٰ کی کتاب (تورات وانجیل)

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس، تتمه: ۹/ ۵۲۴

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس: ۹/ ۵۲۳، الفتاوىٰ الهندية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۵/ ۳۵۶

(۳) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب إجارة الفاسدة، مطالب تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۹/ ۷۸، فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقىٰ بفاتحة الكتاب، رقم (۵۷۳۶): ۱۱/ ۳۵۵

سے ہو۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک یہودیہ سے حضرت عائشہؓ پردم کروایا تھا۔(۴)

(۳) اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی محبت حاصل کرنے کے لیے دم درود یا تعویذ کرلے تو ایسا کرنا حرام ہے، تاہم یہ بات اس وقت ہے جب یہ تعویذ کسی سحر یا ارواح خبیثہ اور شیاطین کی مدد سے ہو۔آپ ﷺ نے اس کو''التولۃ'' کہہ کر شرک قرار دیا ہے، جس کا یہی مطلب ہے جو گزرگیا۔اگر کسی صحیح طریقے سے تعویذ یا دم وغیرہ کروالیا جائے تو کوئی قباحت نہیں۔(۲)

(۴) نجومیوں کے پاس جانا اوران پر یقین کرنا گناہِ کبیرہ ہے اوران کو عالم الغیب یا مؤثرِ حقیقی سمجھنا کفر ہے اور کسی عامل وغیرہ کے لیے ان کی مشابہت اختیار کرنا سخت مکروہ ہے:

"ویکرہ کتابۃ الرقاع......لأن فیھا إھانۃ اسم اللّٰہ والتشبہ بالمنجمین". (۳)

❁❁❁❁❁

---

(۱) فتح الباري، کتاب الطب، باب الرقیٰ بالقرآن والمعوذات: ۱۱/۳۵۳، عمدۃ القاري، کتاب الطب، باب الرقیٰ بالقرآن والمعوذات: ۲۱/۲۶۲

(۲) الفتاویٰ الھندیۃ، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۵/۳۵۶، فتح الباري، کتاب الطب، باب الرقیٰ بالقرآن والمعوذات: ۱۱/۳۵۶

(۳) الفتاویٰ الھندیۃ، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۵/۳۵۶، سنن أبي داؤد، کتاب الکھانۃ والتطیر، باب النھي عن إتیان الکھان، وباب النجوم: ۲/۱۸۹

باب في الرقیٰ والعوذۃ والتمائم والأذکار الواردۃ والأشیاء المقدسۃ

(دم، تعویذات، روحانی علاج، مسنون ومتداول اذکار اور مقدس اشیا سے متعلق مسائل کا بیان)

تعویذات باندھنے کی شرعی حیثیت

سوال نمبر (163):

ہمارے علاقہ میں بعض لوگ تعویذ باندھنے سے منع کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تعویذ باندھنا شرک ہے اور یہ حضرات ابن مسعودؓ کی روایت " التمائم والرقی والتولۃ من الشرك" دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کچھ پڑھ کر مریض پر دم کرنا یا کاغذ پر لکھ کر پانی میں حل کر کے مریض کو پلانا یا لکھ کر گلے میں لٹکانا یہ سب کچھ درج ذیل چند شرائط کے ساتھ جائز ہیں:

۱.....تعویذ قرآنی آیات واحادیث مبارکہ میں واردشدہ دعاؤں یا اللہ تعالیٰ کے اسماوصفات یا ایسے کلمات پر مشتمل ہو، جن کا بیان واضح ہواور مفہوم شریعت کے مطابق ہو۔

۲.....ان تعویذات میں غیر اللہ سے مدد نہ مانگی گئی ہو، یعنی کلمات شرکیہ یا شرک کا وہم پیدا کرنے والے کلمات پر مشتمل نہ ہو۔

۳.....تعویذ کے مؤثر حقیقی ہونے کا عقیدہ نہ رکھے، بلکہ اسباب کے درجہ میں شمار کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات کے مؤثر حقیقی ہونے کا عقیدہ ہو۔

ان شرائط کے ساتھ تعویذ لٹکانا شرعاً جائز ہے اور اس کو شرک کہنا سراسر جہالت ہے اور جن روایات میں تعویذ کو شرک کے ساتھ موسوم کیا ہے، اس سے مراد زمانہ جاہلیت میں رائج تعویذات ہیں۔ جن میں شرکیہ الفاظ پائے جاتے تھے

اور غیر اللہ یعنی جنات وغیرہ سے استعانت اور مدد حاصل کی جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری مخلوق سے بھی معزتوں کو دفع کرنے اور منافع حاصل کرنے کا اعتقاد پایا جاتا تھا۔ اس لیے شریعت ایسی تعویذوں کو ناجائز قرار دیتی ہے، لہٰذا اب بھی اگر کوئی اس اعتقاد کے ساتھ تعویذ لٹکائے تو یہ بلاشبہ ناجائز اور شرک کے مترادف ہے۔

والدّليل على ذلك:

عن عوف بن مالكؓ قال: كنّا نرقي في الجاهلية، فقلنا: يارسول الله، كيف ترى في ذلك؟ فقال: "أعرضوا علي رُقَاكُم، لابأس بالرقى مالم تكن شركا" وفي بذل المجهود: هذا وجه التوفيق بين النهي عن الرقيه والإذن فيها. (١)

ترجمہ:

حضرت عوف ابن مالک اشجعیؓ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کے ذریعے منتر پڑھا کرتے تھے، پھر (جب اسلام کا زمانہ آیا تو) ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ ﷺ ان منتروں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے جھاڑ پھونک میرے سامنے پیش کرو۔ جھاڑ پھونک جب کلمات شرکیہ پر مشتمل نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔'' بذل المجہود میں ہے: جھاڑ پھونک سے ممانعت اور اجازت میں تطبیق کی صورت یہی ہے۔

قدأجمع العلماء على جواز الرقى عند احتماع ثلاثه شروط: أن يكون بكلام الله تعالى أو بأسمائه و بصفاته، وباللسان العربي أوبما يعرف معناه من غيره، وأن يعتقد أن الرقيه لاتؤثر بذاتها بل بذات الله تعالى. (٢)

ترجمہ: جھاڑ پھونک میں جب تین شرائط پائی جائیں تو اس کے جواز پر علما کا اجماع ہے (پہلی شرط یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے اسماوصفات پر مشتمل ہو، (دوسری شرط یہ ہے کہ) عربی زبان میں ہو یا اس کے علاوہ کسی ایسی زبان میں ہو، جس کا معنی واضح ہو۔ (تیسری شرط یہ ہے کہ) یہ عقیدہ رکھے کہ جھاڑ پھونک بالذات کوئی مؤثر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مؤثر بنانے سے اثر کرتی ہیں۔

(١) خليل احمد سهارنپوري، بذل المجهود في حل ابي داؤد، كتاب الطب، باب ما جاء في الرقى: ٢١٦/١٦

(٢) فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقى بالقرآن: رقم الحديث ٥٧٣٥ :٣٥٢/١١

تعویذ میں "یابدوح" لکھنا

سوال نمبر(164):

بعض لوگ تعویذ میں "یابدوح" لکھتے ہیں۔کیا تعویذ میں "یابدوح" لکھنا درست ہے؟اس کا معنی اور شرعی حیثیت واضح کریں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بدوح عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور تعویذات میں اللہ تعالیٰ کے اسماوصفات کا لکھنا مرخص ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ اپنے استاد حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ بدوح عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔لہٰذا یابدوح یااللہ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے اس کو تعویذات میں لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ولاباس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أوأسماء اللّٰه تعالى.(١)

ترجمہ:

تعویذات میں جب قرآنی آیات یا اللہ تعالیٰ کے اسما اور صفات لکھے گئے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

❁❁❁

تعویذوں میں کافروں کے نام کی بے حرمتی کرنا

سوال نمبر(165):

ایک آدمی چوپائے کے کسی مرض کی وجہ سے تعویذ لکھ دے اور اس تعویذ میں کافروں مثلاً فرعون وغیرہ کے نام لکھے ہوئے ہوں اور طریقہ استعمال یہ بتائے کہ تعویذ چوپائے کی دم پر باندھ لیں، تاکہ وہ اس پر گوبر اور پیشاب

---

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس : ٥٢٣/٩

کرے۔شرعاًاس کی کیا حیثیت ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے فرعون، ہامان، قارون وغیرہ اگرچہ کفار کے نام ہیں، مگر چونکہ ان کے لکھنے میں حروفِ تہجی استعمال ہوتے ہیں۔ نیز یہ الفاظ قرآن پاک اور احادیث میں بھی وارد ہوئے ہیں اس لیے اس پہلو کو مدِ نظر رکھ کر ان کو نجاست میں پھینکنا درست نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں اس طرح کے تعویذ بنانا اور بعد ازاں اس کو جانور کی دم کے ساتھ باندھ کر نجاست کا محل بنا دینا یا کہیں اور نجاست کی جگہ میں پھینکنا بے ادبی کی بنیاد پر درست نہیں، قابل احتراز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

إذا كتب اسم فرعون أو كتب أبو جهل على عرض يكره أن يرموا إليه ؛لأن لتلك الحروف حرمة.(۱)

ترجمہ:

جب فرعون یا ابو جہل کا نام کسی نشانہ پر لکھا جائے تو اس پر تیر مارنا مکروہ ہے، کیونکہ ان حروف کا احترام لازم ہے۔

❁❁❁

دُکان کے لیے تعویذ لکھنا

سوال نمبر(166):

ایک شخص کا کریانہ سٹور ہے۔وہ دُکان میں حصولِ برکت کے لیے کسی بزرگ سے تعویذ لکھوانا چاہتا ہے۔ شریعت کا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

بیّنوا توٴجروا

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکرهیة، الباب لخامس فی آداب المسجد: ۳۲۳/۵

الجواب و باللّٰه التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے کسی جائز کام کے لیے تعویذ لکھنا یا لکھوانا جائز ہے، تاہم تعویذ لکھتے وقت اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ تعویذ میں عربی زبان کے ماثور اور منقول کلمات لکھے جائیں۔ مبہم کلمات پر مشتمل نہ ہو۔

صورتِ مسئولہ میں دُکان کی خیر و برکت کے لیے تعویذ مذکورہ شرائط کے ساتھ جائز ہے، البتہ تعویذ کو بالذات مؤثر نہ مانا جائے بلکہ مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

قالو :وإنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدري ما هو، ولعله يد خله سحر أو كفر أو غير ذلك، أما ما كان من القرآن، أو شيء من الدعوات فلابأس به.(١)

ترجمہ:

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ تعویذ لکھنا اس وقت منع ہے، جب کہ وہ غیر عربی زبان میں ہو اور اس کی حقیقت معلوم نہ ہو۔ کیونکہ ایسی صورت میں یہ امکان ہے کہ یہ جادو یا کفریہ کلمات وغیرہ پر مشتمل ہو۔ اس کے علاوہ جو تعویذ قرآنی آیات یا منقول دعاؤں پر مشتمل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

❁❁❁

تعویذ پر اُجرت لینا

سوال نمبر (167):

آج کل معاشرے میں ایک طبقہ تعویذ وغیرہ کا کاروبار کرتا ہے اور اس پر اُجرت لیتا ہے۔ بغیر اجرت کے کسی کے لیے بھی تعویذ نہیں لکھتے۔ کیا تعویذ پر اُجرت لینا شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللّٰه التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآنی آیاتِ مبارکہ یا دیگر منقول و ماثور وظائف کا ایک خاص اثر ہوتا ہے اس لیے امراض سے شفا کے لیے قرآنی آیات یا منقول کلمات لکھ کر تعویذ بنانا جائز ہے۔ جہاں تک تعویذ پر اُجرت لینے کا مسئلہ

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظروالا باحة، فصل في اللبس : ٥٢٣/٩

ہے تو مختلف روایات اور فقہاے کرام کے اقوال سے جائز معلوم ہوتا ہے۔اس لیے ایسے تعویذ پر جس میں قرآنی آیات یا دیگر جائز کلمات لکھے گئے ہوں، اُجرت لینا اور دینا مرخص ہے۔تاہم تعویذ فروشی کو مستقل پیشہ بنانا مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

والدّلیل علی ذلک:

جوّزوا الرقیة بالأجرة، ولو بالقرآن کما ذکره الطحاويّ؛ لأنها لیست عبادة محض بل من التداوي.(۱)

ترجمہ: فقہاے کرام نے تعویذ پر اُجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے، اگر چہ وہ قرآنی آیات پر مشتمل ہو، جیسا کہ امام طحاویؒ نے ذکر فرمایا ہے، کیونکہ یہ محض عبادت نہیں، بلکہ یہ علاج ومعالجہ میں سے ہے۔

۞۞۞

انسان پر جنات کا اثر ہونا

سوال نمبر(168):

ہمارے علاقے میں بعض لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ انسان پر جنات اثر انداز نہیں ہوتے اور نہ انسان کو کسی طریقے سے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔کیا ان کا یہ دعوی درست ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ جنات انسان پر مختلف طریقوں سے اثر انداز ہو سکتے ہیں جس کے نتیجے میں انسان پر مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں۔قرآنِ کریم سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اطبا اور فلاسفہ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ بے ہوشی اور جنون کا سبب بعض اوقات شیاطین کا اثر ہوتا ہے۔جو لوگ انکار کرتے ہیں، ان کے پاس بجز ظاہری استبعاد کے کوئی دلیل نہیں اور جنات کے اثر سے انکار کرنا تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔

والدلیل علی ذلک:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾.(۲)

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الاجارة، باب اجارة الفاسدة،: ۷۸/۹

(۲) البقرة: ۲۷۵

ترجمہ: جولوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اُٹھیں گے، تو اس شخص کی طرح اُٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو۔

❁❁❁

ناخن میں دیکھ کر چور معلوم کرنا

سوال نمبر (169):

چوری کی واردات معلوم کرنے کے لیے آج کل لوگوں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ نابالغ بچے پر کچھ خاص قسم کے عملیات کر کے اُسے اپنے ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کو مسلسل دیکھنے کو کہا جاتا ہے اور اس ناخن میں چوری کی واردات کا تفصیلی منظر اس بچے کو دکھائی دیتا ہے اور وہ اس میں دیکھ کر پوری تفصیل بتا دیتا ہے۔ شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

کسی شخص کا ذاتی تجربے، ستاروں یا علم نجوم کے ذریعہ غیب کی باتیں بتانا کہانت کہلاتی ہے۔ حضور ﷺ نے سختی کے ساتھ کاہنوں کی باتیں سننے اور اس کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چور معلوم کرنے کا جو طریقہ سوال میں مذکور ہے اگر اس میں کوئی شرکیہ کلمات یا ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہوں جن کا معنیٰ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ عمل کرنا اور کروانا شرعاً جائز نہیں۔ اور اگر مذکورہ قسم کے الفاظ نہ ہوں اور اسے صرف بطورِ حیلہ وتدبیر استعمال کیا جائے، مقصد یہ ہو کہ جس کا نام نکلتا ہے اگر وہ واقعی چور ہو تو ڈر کر مال واپس کر دے گا، تو تدبیر کی حیثیت سے اِسے اختیار کرنے کی گنجائش ہے لیکن چونکہ یہ کوئی شرعی حجت نہیں اس لیے اِس پر یقین رکھنا اور جس کا نام نکلے اُس کو خواہ مخواہ متہم کرنا، اور اس کے ساتھ چور جیسا معاملہ کرنا شرعاً ہرگز جائز نہیں، جب تک وہ خود اقرار نہ کرے یا اُس کے خلاف معتبر گواہ پیش نہ ہوں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن صفیةؓ عن بعض أزواج النبي ﷺ قال: من أتی عرّافاً فسأله عن شيء لم تقبل له صلوة أربعين ليلة.(۲)

---

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکهانة: ۲/ ۲۳۳

ترجمہ: حضرت صفیہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کاہن یا کسی نجومی کے پاس جائے اور اس سے کچھ پوچھے (یعنی غیب کی باتیں دریافت کرے) تو اس کے چالیس دِنوں کی نمازیں قبول نہیں کی جاتیں۔''

❁❁❁

عملیات کے ذریعے مرض معلوم کرنا

سوال نمبر (170):

ایک عامل علم الاعداد (جو ابجد کے حساب کا ایک علم ہے) کے ذریعے مریض کی حالت معلوم کرتا ہے کہ کیا کسی نے اس پر جادو کیا ہے یا کوئی جسمانی بیماری ہے یا اس پر جنات کا اثر ہے، اسی طرح بعض عاملین مریض کی قمیص کو ناپ کر اس سے سحر یا مرض یا جنات کا اثر معلوم کرتے ہیں، شریعت میں مذکورہ عملیات کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

جس طرح بیماری سے نجات پانے کے لیے دوا کا سہارا لیا جاتا ہے، اس طرح بعض مواقع پر جھاڑ پھونک یعنی عملیات سے بھی مریض کو اچھا خاصا فائدہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے عملیات کے ذریعے علاج کرنے اور مرض معلوم کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، لیکن ایسے عملیات جن میں شیاطین و جنات سے مدد طلب کی جائے اور ان کو مؤثر حقیقی مانا جائے یا ایسے عملیات جن کا معنی معلوم نہ ہو تو ان سے مریض کی تشخیص یا علاج دونوں جائز نہیں۔ آج کل عام طور پر ان کاموں میں جعل سازی اور دھوکہ بازی کا بازار گرم ہے، اس لیے ان عاملوں کی باتوں پر یقین رکھنا جائز نہیں، تاہم اگر کوئی دیندار، شریعت کا پابند عامل اپنے تجربے یا اوراد کے ذریعے جنات یا سحر کا اثر معلوم کرنے والا ہو اور کسی غیر شرعی طریقہ کار یا الفاظ کو استعمال نہ کرتا ہو تو اُس سے تشخیص یا علاج جائز ہے۔ بعض جاہل خلافِ شرع کام کرواتے ہیں، جیسے فال نکلوانا، ہاتھ دکھانا وغیرہ حتی کہ بعض غیر مسلموں کا سہارا بھی لیتے ہیں لہٰذا ایسے لوگوں سے عملیات کروانا ناجائز اور حرام ہے۔ نیز عملیات کے ذریعے چوری وغیرہ معلوم کرنا جائز نہیں اور اس کے لیے کاہنوں اور نجومیوں کا سہارا لینا یا ان کی باتوں پر یقین کرنا بھی حرام ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أبي هريرة ؓ أن رسول الله ﷺ قال: من أتى كاهنا، قال موسى في حديثه فصدقه بما يقول

..... فقد بریٔ ممّاأنزل علی محمد ﷺ.(۱)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص کاہن کے پاس جائے اور حضرت موسیٰ کی روایت میں ہے کہ: اور اس کی بتائی ہوئی باتوں کو سچا جانے ۔۔۔۔تو وہ اس چیز (یعنی قرآن وسنت وشریعت) سے بری ہے، جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔

❁❁❁

دم ڈالنے کے بعد پھونک مارنا

سوال نمبر(171):

بیماری یا کسی اور حاجت کے وقت بیمار پر آیاتِ کریمہ دم کرنا اور دم کے دوران یا بعد میں پھونک مارنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ دم کرنا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ زخمی حالت میں جب دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ ان پر دم فرمایا، اس سے ان کا زخم ٹھیک ہوگیا۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کا معوذتین پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونکنا اور ہاتھ اپنے پورے بدن پر ملنا بھی متعدد روایات سے ثابت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی پر دم کرنے اور پھر پھونک مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عائشةؓ أنّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کا ن إذا اشتکیٰ یقرأ علی نفسه بالمعوّ ذات وینفث، فلمّا اشتد وجعه کنت أقرأ علیه، وأمسح بیده رجاء برکتها. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تکلیف ہوتی تو آپ ﷺ معوذات (یعنی آخری

(۱) سنن أبي داؤد، کتاب الکهانة والتطیر، باب النهي عن إتیان الکهان:۱۸۹/۲

(۲) صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فصل المعوّذات: ۷۵۰/۲

تین سورتیں) پڑھتے اور پھر اپنے بدن پر پھونک مارتے، جب (مرض الوفات میں) آپ کی تکلیف سخت ہوئی تو پھر میں ان پر پڑھتی اور آپ ﷺ کے ہاتھ (آپ کے بدن پر) پھیرتی، کیونکہ (اپنے ہاتھوں کی نسبت) آپ ﷺ کے ہاتھوں سے برکت کی امید زیادہ تھی۔

عن يزيد بن أبي عبيد، قال: رأيت أثر ضربة في ساق سلمة، فقلت :يا أبامسلم ما هذه الضربة؟ قال :هذه ضربة أصابتني يوم خيبر، فقال الناس: أصيب سلمة، فأتيت النبي ﷺ،فنفث فيه ثلاث نفثات، فما اشتكيتها حتى الساعة.(۱)

ترجمہ: حضرت یزید بن ابی عبیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ بن الاکوع کی پنڈلی میں تلوار کی ضرب کا نشان دیکھا تو ان سے میں نے دریافت کیا کہ یہ کس چیز کا نشان ہے؟ فرمانے لگے: یہ غزوہ خیبر میں تلوار کی ضرب مجھے لگی تھی۔ اس وقت لوگوں نے کہا سلمہ زخمی ہوگیا۔ میں حضور ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ اس پر دم فرمایا تو میری تکلیف ایسی ختم ہوئی کہ آج تک پھر کبھی شکایت نہیں ہوئی۔

❁❁❁

کلیجہ اور تلی کے خون پر تعویذ لکھنا

سوال نمبر(172):

بعض لوگ جانور کی کلیجی اور تلی کے خون کو تعویذ لکھنے میں استعمال کرتے ہیں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حدیث سے کلیجہ اور تلی کا پاک ہونا ثابت ہے، اور جب یہ دونوں پاک ہیں تو ان کا خون بھی پاک ہے بشرطیکہ دمِ مسفوح (بہتا ہوا خون) نہ ہو لہٰذا ان کے خون سے اس پر تعویذ لکھنا جائز ہے۔

والدّلیل و علی ذلک:

عن عبد الله بن عمر أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال :أحلت لنا ميتتان ودمان، فأما

(۱) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر: ۲/ ۶۰۵

المیتان، فالحوت والجراد، وأماالدما ن فالکبد والطحال.(۱)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے لیے دو مردار اور دو قسم کے خون حلال کر دیے گئے ہیں۔ پس وہ دو مردار مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون جگر اور تلی ہیں۔

مبہم الفاظ کے ساتھ دم کرنا

سوال نمبر(173):

درجہ ذیل الفاظ پڑھ کر دم کرنا یا تعویذ میں لکھنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

’’زہر کشتم، زہر کشتم، زہر کشتم بحکم حضرت عمر صاحب کشتم بحکم حضرت علی صاحب کشتم خرندہ پرندہ کشتم تیغ شیرا خدا کشتم بزور خدا کشتم باجازہ پیر استاد۔‘‘

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ یا ایسے کلمات جن سے کوئی کفر و شرک لازم نہ آتا ہو، ان سے دم کرنا اور تعویذ میں لکھنا جائز ہے، تاہم شرکیہ کلمات والے تعویذ کا استعمال مطلقاً ممنوع ہے، بلکہ فقہائے کرام نے ایسے دم و تعویذات سے بھی منع فرمایا ہے، جن کا معنی معلوم نہ ہو۔

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ کلمات میں ایک تو الفاظ شرکیہ کا شبہ ہے اور ساتھ ساتھ معنی مبہم ہے، اس لیے ان جیسے کلمات کے ذریعے دم و تعویذ کرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

قالوا: وإنما تکره العوذة إذا کانت بغیر لسان العرب، ولا یدري ما هو، ولعله یدخله سحر أو کفر أو غیر ذلك، أما ما کان من القرآن، أو شيء من الدعوات فلابأس به.(۲)

(۱) سنن ابن ماجة، أبواب الأطعمة، باب الکبد والطحال: ص/۲۳۸

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس: ۹/۵۲۳

ترجمہ:

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ تعویذ لکھنا اس وقت منع ہے، جبکہ وہ غیر عربی زبان میں ہو اور اس کی حقیقت معلوم نہ ہو، چاہے وہ جادو یا کفریہ کلمات وغیرہ پر مشتمل ہو اور جو تعویذ قرآنی آیات یا منقول دعاؤں پر مشتمل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

❀❀❀

سحر کا علاج سحر سے کرنا

سوال نمبر(174):

ایک شخص پر جادو ہوا ہے۔اس نے قرآنی علاج بہت کیا لیکن اس پر ایسا سحر کیا گیا ہے کہ بغیر سحر کے وہ ختم ہوتا نہیں۔کیا ایسی صورت میں سحر کا علاج سحر سے جائز ہے؟ نیز یہ کہ ہمارا عقیدہ درست ہے کہ قرآن مجید سے اعلیٰ علاج اور کوئی نہیں، لیکن ہم لوگوں کا تقوی اس درجہ کا نہیں کہ اس سے علاج ہو جائے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نصوص قطعیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ سحر کا سیکھنا اور سکھانا دونوں حرام ہیں۔تاہم کسی ساحر سے سحر کا علاج کرانے میں درج ذیل شرائط کے ساتھ گنجائش معلوم ہوتی ہے:

۱...... کسی غیر مسلم ساحر سے علاج کرے، کیونکہ مسلمان کو کسی حال میں بھی سحر کرنے کی اجازت نہیں۔

۲...... جب مریض باشرع عاملوں اور صالحین علما کے علاج و عملیات وغیرہ سے بالکل مایوس ہو چکا ہو اور یہ حضرات اُسے مشورہ دیں کہ آپ کا علاج ساحر کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔اس ضرورت شدیدہ کے باوجود ایسا علاج مکروہ ہے، اس سے بچنا چاہیے۔علامہ ابن کثیرؒ نے ساحر سے علاج کو جائز کہنے کے باوجود آخر میں یہ مشورہ دیا ہے کہ معوذتین سے اس کا علاج کیا جائے، اگر خود معوذتین پڑھنے سے فرق نہیں پڑتا تو کسی متقی عالم سے یہ عمل کروالیں، ان شاءاللہ فائدہ ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

وهل يسأل الساحر حلاًلسحره؟ فأجاز سعيد بن المسيب فيمانقله عنه البخاري، وقال عامرالشعبي: لا بأس بالنشرة، وكره ذلك الحسن البصري، وفي الصحيح عن عائشةؓ :أنهاقالت:

یارسول اللہ ھلا تنشرت، فقال: أمّا اللہ فقد شفاني، وخشیت أن أفتح علی النّاس شرا(قلت): أنفع مایستعمل لإذھاب السحر ماأنزل اللہ علی رسولہ في إذھاب ذلك، وھماالمعوذتان.(۱)

ترجمہ:

کیا جادوگر سے سحر اتروانے کے بارے میں پوچھا جاسکتا ہے؟ سعید بن المسیبؒ نے اس کی اجازت دی ہے جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ان سے نقل کیا ہے۔ عامر شعبیؒ کہتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ حسن بصریؒ اسے مکروہ مانتے ہیں اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ: آپؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ منتر کیوں نہیں پھونکواتے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: پس اللہ تعالیٰ مجھے شفا دے گے اور میں اس سے ڈرتا ہوں کہ لوگوں پر شر کا دروازہ کھولو۔ (ابن کثیر کہتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ جادو کو دور کرنے کے لیے اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لیے سب سے اعلیٰ چیز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر سحر کے دور کرنے کے لیے نازل فرمایا تھا۔ جو کہ معوذتین یعنی: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ کی سورتیں ہیں۔

❁❁❁

نظر بد سے بچنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرنا

سوال نمبر(175):

عام طور پر لوگ گھروں کی دیواروں پر کسی جانور کا سینگ یا گوبر یا کالا جھنڈا وغیرہ لٹکا دیتے ہیں، تا کہ نظر بد سے محفوظ رہیں۔ شریعت کی رو سے اس عمل کی حقیقت کیا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے کھیت، باغ یا مکان وغیرہ کو نظر بد سے بچانے کے لیے کوئی ایسی تدبیر اختیار کرنا، جس سے دیکھنے والے کی توجہ میں خلل واقع ہو جائے اور وہ چیز نظر بد سے بچ جائے، جائز ہے، بشرطیکہ ان تدابیر کے مؤثر حقیقی ہونے کا عقیدہ نہ ہو۔ پس نظر بد سے بچنے کے لیے گھروں کے اوپر سینگ، گوبر، کالا جھنڈا یا کوئی اور چیز لٹکانا، تا کہ دیکھنے والے کی نظر دوسری طرف ہٹ جائے، جائز ہے، البتہ اس کو دفعِ مضرت میں مؤثر حقیقی جاننا ناجائز ہے۔

(۱) تفسیر القرآن الکریم،تفسیر ابن کثیر،البقرۃ(۱۰۲، ۱۰۳): ۱/۱۹۶، ۱۹۷

والدّلیل علی ذلک:

لابأس بوضع الجماجم في الزروع والمبطخة،ولدفع ضرر العین عرف ذلک بالآثار.(۱)

ترجمہ: کھیتوں اورخربوزوں کی باڑ میں کھوپڑیاں رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔نظر بد سے بچنے کے لیے ایسا کرنا آثار سے معلوم ہوا ہے۔

❁❁❁

شیعہ عامل سے عمل کرانا

سوال(176):

ایک بیماری کے علاج کے لیے ہم نے ایک عالم فاضل عامل سے رجوع کیا۔اس نے اپنا عمل کرانے کے بعد کہا کہ میرے پاس جنات کا توڑ نہیں ہے،لہٰذا آپ اس کا توڑ کرنے کے لیے کوئی کامل عامل دیکھ لیں۔پھر میرے بھائی نے ایک شیعہ عامل سے رابطہ کیا،جس نے جنات ختم کرنے کا دعویٰ کیا۔کیا علاج معالجہ اور جنات کا توڑ کرنے کے لیے شیعہ عامل کے پاس مریضوں کو لے جایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآنی کلمات اور دیگر وظائف ایک خاص اثر رکھتے ہیں اور مختلف بیماریوں کا علاج ان سے کیا جاسکتا ہے،اس لیے امراض کے علاج اور شرور کے دفعیہ کے لیے قرآنی کلمات پڑھنا اور ان کے ذریعے عمل کرانا جائز ہے۔تاہم اگر کوئی عامل کفریہ عقائد رکھتا ہو اور اس کے بارے میں یقین ہو کہ اس کے الفاظ شرکیہ ہیں یا اس کے عمل سے ناجائز امور کا ارتکاب لازم آتا ہو تو ایسے شخص سے عمل کرانا جائز نہیں۔البتہ اگر وہ اس عمل میں کوئی ناجائز اور غیر مشروع امور سے استفادہ نہ کرتا ہو اور قرآنی آیات یا اسماے حسنیٰ سے عمل کرتا ہو تو پھر ایسے عامل سے عمل کروانا جائز ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

وإنما تکره العوذة إذا کانت بغیر لسان العرب ولایدري ماهو، ولعله یدخله سحر أو کفر أو غیر

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة،الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات:۵/۳۵۶

ذلك، وأما ما كان من القرآن أوشيء من الدعوات فلا بأس به.(۱)

ترجمہ: اور وہ تعویذ جو عربی زبان میں نہ ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس میں کیا لکھا ہے اور شاید اس میں سحر یا کفر یا اس کے علاوہ کوئی شرکیہ الفاظ کا سہارا لیا گیا ہو، تو یہ مکروہ ہے۔اس کے علاوہ قرآنی کلمات اور دعاؤں پر اگر مشتمل ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

❀❀❀

غیر مسلم پر قرآنی آیات دم کرنا

سوال نمبر(177):

غیر مسلم بیمار شخص پر قرآنی آیات دم کرنا کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رو سے علاج کے طور پر قرآنی آیات پڑھ کر دم کرنا جائز ہے، لہٰذا علاج کے طور پر مسلمان اور کافر دونوں پر قرآنی آیات کے ذریعے دم کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ سفر کے موقع پر ایک صحابی نے عرب قبیلے کے سردار پر سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا، حالانکہ وہ سردار اس وقت مؤمن نہیں تھا۔

والدّلیل علی ذلك:

عن أبي سعيد الخدري قال: نزلنامنزلا فأتينا امرأة فقالت:إن سيد الحي سليم لدغ، فهل فيكم من راق؟فقام معهارجل مناماكنانظنه يحسن رقية فرقاه بفاتحة الكتاب فبرأ، فأعطوه غنما و سقونالبنا فقلنا:أكنت تحسن رقية ؟ فقال : مارقيته إلابفاتحة الكتاب......(۲)

ترجمہ:

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ ہمارے قبیلے کے سردار کو (کسی زہریلا جانور نے) کاٹا ہے۔کیا تم میں سے کوئی شخص دم کرنے والا ہے؟ پس ہم میں سے ایک شخص اس کے

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ :۹/۵۲۳، مکتبۃ امدادیۃ ملتان

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب السلام، باب جواز أخذ الأجرۃ علی الرقیۃ:۲/۲۲۴

ساتھ کھڑا ہو کر چلا، جس کے متعلق ہم کو یہ گمان نہیں تھا کہ وہ اچھی طرح دم کرنا جانتا ہے۔اس نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا، جس سے وہ تندرست ہوگیا۔انہوں نے اس کو بکری دی اور ہم سب کو دودھ پلایا۔ہم نے پوچھا کہ واقعی تم کو دم کرنا آتا تھا تو اس نے کہا کہ میں نے تو بس سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے۔

❁❁❁

شفا کی نیت سے قبر پر ہاتھ پھیرنا

سوال نمبر(178):

ہمارے علاقے میں بعض لوگ قبرستان جا کر وہاں قبروں پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔پھر ہاتھ بدن پر ملتے ہیں اور اس سے شفا کا عقیدہ رکھتے ہیں۔نیز قبروں کے نزدیک جو پتھر اور درخت ہوتے ہیں، وہ بھی اس نیت سے استعمال کرتے ہیں۔ان لوگوں کے یہ افعال شریعت کے موافق ہیں یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ایک مسلمان کے لیے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ ہر چیز میں موثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔وہ جسے چاہے صحت دیتا ہے اور جس کو چاہے بیمار کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں صحت ومرض کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں۔صورتِ مسئولہ میں قبروں پر ہاتھ مل کر بدن پر پھیرنا یا قبروں کے نزدیک پتھروں اور درختوں کے ساتھ بدن ملنا جب اس عقیدہ سے ہو کہ اس سے ہمیں شفا حاصل ہوگی یا کوئی اور مراد پوری ہوگی، ناجائز اور حرام ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولا يمسح القبر ولا يقبله ولا يمسه فإن ذلك من عادة النصارى.(۱)

ترجمہ:

قبر کو نہ ہاتھ سے مسح کرے اور نہ اس کو چومے اور نہ منہ لگائے۔کیونکہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے۔

❁❁❁❁❁

(۱) حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلوة،فصل في زيارة القبور:ص ۵۱۳

فصل فی الأذکار الواردة

(اذکار منقولہ کا بیان)

فجر کی نماز سے پہلے سورۃ یٰسین پڑھنا

سوال نمبر (179):

نمازِ فجر باجماعت پڑھنے سے پہلے سورۃ یٰسین پڑھنے والا حدیث شریف کی مذکورہ فضیلت میں شامل ہے یا نہیں کہ "جو شخص سورۃ یٰسین کو شروع دن میں پڑھ لے، اس کے تمام دن کے حوائج پورے ہو جاتے ہیں"۔ نیز شریعت میں دن کا آغاز کس وقت ہوتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے دن صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور فجر کا وقت صبح صادق سے لے کر طلوع شمس تک ہوتا ہے۔ مذکورہ حدیث شریف میں سورۃ یٰسین کی فضیلت ہر اس شخص کے متعلق ہے جو دن کے شروع میں سورۃ یٰسین پڑھے، خواہ نمازِ فجر سے پہلے پڑھ لے یا بعد میں۔ تاہم اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے نمازِ فجر کے وقت کے اندر اندر پڑھنا اُس حدیث شریف کی رو سے زیادہ مناسب ہے، جس میں "حین یصبح" کے الفاظ آئے ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عطاء بن ابی رباحؒ قال: بلغني أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: من قرأسورة یٰسٓ في صدر النهار،قضیت حوائجه.(۱)

ترجمہ:

حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد پہنچا ہے کہ جو شخص سورۃ یٰسین کو شروع دن میں پڑھے اس کے تمام دن کی حاجتیں پوری ہو جائیں گی۔

۞۞۞

---

(۱) سنن الدارمي، کتاب فضائل القرآن، باب في فضل یٰسٓ: ۵۴۹/۲، مکتبه رشیدیه کوئٹه پاکستان

اجتماعی طور پر روزانہ صبح ''سورۃ یٰسین'' کی تلاوت

سوال نمبر(180):

ہمارے مدرسہ میں روزانہ نمازِ فجر کے بعد طلباے کرام سورۃ یٰسین پڑھتے ہیں۔آخر میں پوری امت مسلمہ اور مدرسہ کی ضروریات کے لیے دعا کی جاتی ہے،لیکن بعض حضرات اس طریقہ سے پڑھنے کوالتزام قرار دیتے ہیں اور کسی عمل میں وقت کاالتزام کرنا شرعی نقطہ نظر سے محل اعتراض ہے توان حضرات کا کہنا دلائل کی روشنی میں کہاں تک صحیح ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی مستحب امر پر مداومت قبیح نہیں ہے،البتہ فقہاے کرام نے ایسی مداومت کومکروہ لکھاہے،جس میں نہ کرنے والوں کوموجبِ لعن طعن سمجھاجائے اوران کی تحقیر وتذلیل کی جائے،لہٰذاروزانہ نمازِ فجر کے بعدسورۃ یٰسین پڑھناباعث اجروثواب اورموجبِ برکت ہے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:''جوشخص سورۃ یٰسین کوشروع دن میں پڑھےاس کے تمام دن کی حاجتیں پوری ہوجائیں گی''۔اسی طرح اجتماعی طور پرآخر میں دُعابھی ممنوع نہیں۔البتہ اس بات کاخیال رہے کہ اس طریقہ سے نہ پڑھنے والوں یادعامیں شریک نہ ہونے والوں پرلعن طعن نہ ہو۔یوں مداومت کرنے میں کوئی قباحت نہیں،چونکہ مدرسہ میں طلبہ کااُٹھنابیٹھنا،کھاناپینااورپڑھناسب اجتماعی ہوتاہے،اسی طرح اگر سورۃ یٰس پڑھنے میں طلبہ کی جماعت کااہتمام کیاجائے اورمستقل عبادت کی نیت نہ ہوتویہ بدعت کے زمرہ میں داخل نہیں ہوتا۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عطاء بن ابی رباحؒ قال:بلغني أن رسول اللہ ﷺ قال:من قرأسورة يسٓ في صدر النهار، قضيت حوائجه.(۱)

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ مجھے حضوراکرم ﷺ کایہ ارشادپہنچاہے کہ جوشخص سورۃ یٰسین کودن کے شروع میں پڑھےاس کے تمام دن کی حوائج پوری ہوجائیں گی۔

❁❁❁

(۱) سنن الدارمي، كتاب فضائل القرآن، باب في فضل يسٓ: ۲/ ۵٤۹

تسمیہ کی بجائے ۷۸۶ لکھنا

سوال نمبر(181):

آج کل اکثر لوگ خط لکھتے وقت تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ صرف ۷۸۶ لکھتے ہیں۔اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس سے بسم اللہ کا ثواب ملتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ میں ہر عمل کو قرآن وسنت کے اصولوں کے مطابق پورا کرنے پر ثواب مرتب ہوتا ہے اور یہی چیز انسان کے اعمال میں ترقی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے، اسی بنا پر فقہائے کرام نے قرآن کریم کی کسی آیت یا اس کے تراجم کو حروف ابجد میں لکھنے پر ثواب کے مرتب نہ ہونے پر فتویٰ دیا ہے، کیونکہ قرآن کریم نظم (لفظ) و معنیٰ کے مجموعے کا نام ہے۔صرف نظم یعنی الفاظ یا صرف معنی پر قرآن کا اطلاق نہیں ہوتا۔

لہٰذا قرآن پاک کی کسی آیت کو حروف ابجد میں لکھنے یا بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ۷۸۶ کے اعداد میں لکھنے پر ثواب نہیں ملے گا اور نہ سنت ادا ہوگی، تاہم بے حرمتی سے بچنے کے لیے تسمیہ کی بجائے ۷۸۶ کا عدد تسمیہ کی نشانی کے طور پر لکھنے میں رخصت ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

إن القرآن اسم للنظم والمعنى جميعا..........لأنه إسم للنظم فقط، كماينبئي عنه تعريفه بالإنزال، والكتابة، والنقل لأنه اسم للمعنى فقط.(۱)

ترجمہ:

قرآن کریم نظم (الفاظ) اور معنی دونوں کے مجموعے کا نام ہے.......نہ فقط نظم (الفاظ) کا نام ہے جیسا کہ کتابت، انزال اور نقل کے الفاظ سے تعریف کرنے سے ظاہر ہوتا ہے اور نہ (قرآن) صرف معنی کا نام ہے۔

❀❀❀

(۱) ملاجیون، شیخ احمدؒ، نورالانوار، تعریف الکتاب ومایتعلق به :ص/۹،مکتبة المیزان لاهور

درود شریف کے الفاظ کی تحقیق

سوال نمبر(182):

کیا نبی کریم ﷺ سے منقول الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ کے ساتھ درود شریف پڑھنا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا ایک مبارک عمل اور بہترین عبادت ہے۔آپ ﷺ سے احادیث میں درود کے مختلف الفاظ منقول ہیں، اِنہی منقولہ الفاظ سے درود بھیجنا افضل ہے۔تاہم وہی الفاظ ضروری نہیں۔لہٰذا ان کے علاوہ دیگر الفاظ کے ساتھ درود شریف پڑھنے سے بھی درود کا ثواب ملتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

وأفضل الكيفيات في الصلوة عليه ﷺ ماعلمه رسول اللہ ﷺ لأصحابه بعد سؤالهم إياه ...... ونقل عن جمع من الصحابة، ومن بعدهم أن كيفية الصلوة عليه ﷺ لايوقف فيها مع النصوص. (۱)

ترجمہ:

حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجنے میں افضل کیفیات وہ ہیں، جو خود رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ان کے پوچھنے پر تعلیم فرمائی ہیں۔۔۔۔حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین کی ایک جماعت سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ پر درود بھیجنے میں الفاظ منصوصہ پر توقف لازم نہیں۔

❀❀❀

شش کلمات کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(183):

شش کلمات کا پڑھنا واجب ہے یا سنت؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱) علامہ آلوسي محمود، روح المعاني: ۸۳/۲۲

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شش کلمات میں بعض کلمات صراحتاً احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں اور بعض کے ہم معنی الفاظ احادیث میں مذکور ہیں۔اسی طرح کلمہ ردکفر میں مذکور گناہوں سے ازروئے شریعت اجتناب ضروری ہے،لیکن کسی حدیث کی کتاب میں ان کا ذکر یکجا طور پر نہیں ملتا،تاہم معنی درست ہونے کی وجہ سے ان کلمات کے پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ موجب اجروثواب ہے۔ان میں سے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت چونکہ اپنے عقائد کا اجمالی اعلان ہے،اس لیے ہر مسلمان کو یاد ہونا چاہیے،باقی کلمات ایسے الفاظ اور جملوں کے مجموعے ہیں جو مختلف روایات میں پائے جاتے ہیں،چونکہ ان کلمات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ووحدانیت اور اپنی عبدیت اور عجز واحتیاج کا اعتراف ہے،اس لیے ان کا حفظ کرنا باعث سعادت ہے۔تاہم چونکہ اِس کو یاد کرنے کا کوئی مستقل حکم وارد نہیں اس لیے اگر کسی کو یاد نہ ہوں تو اس کو ملامت کرنا یا اُس پر طعن وتشنیع درست نہیں۔

والدّليل على ذلك:

لما خلق اللّٰه عزّوجلّ جنة عدن، وهي أول ما خلق اللّٰه قال لها: تكلمي قالت :لااله إلااللّٰه محمد رسول اللّٰه قدأفلح المؤمنون، قد أفلح من دخل فيّ وشقي من دخل النار.(١)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو پیدا کیا اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا تو اسے فرمایا کہ بات کرو وہ کہنے لگی''لاالہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ''تحقیق کے ساتھ مؤمنین کامیاب ہوئے،تحقیق کے ساتھ وہ کامیاب ہوا جو مجھ میں داخل ہوا اور بد بخت ہوا جو آگ میں داخل ہوا۔

عن عبداللّٰه بن أبي أوفيٰؓ قال: أتى رجل النبي ﷺ،فذكر أنه لايستطيع أن يأخذ من القرآن، وسأله شيئا يجزئ من القرآن، فقال له : قل سبحان اللّٰه، والحمدللّٰه، ولااله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر ولاحول ولاقوة إلاباللّٰه .(٢)

ترجمہ: عبداللہ بن اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ وہ قرآن میں سے کچھ یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور آپ سے ایسی چیز کا سوال کیا جو قرآن کریم کے بدلے کافی ہو،آپ ﷺ نے اس کو فرمایا کہ:سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ ولاالہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ پڑھا کرو۔

(١) الهندي علاء الدين، كنزالعمال في الأقوال والأفعال،فضل الشهادتين :١/٥٥،مكتبه اداره تاليفات اشرفيه ملتان

(٢) المصنف لابن ابی شیبةؒ، كتاب الدعاء، في ثواب التسبيح :٢٢٢/١٥،ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی

عن سالم بن عبدالله بن عمر عن أبیه عن جده أن رسول الله ﷺ قال : من قال في السوق:"لااله إلاالله وحده لاشریك له له الملك وله الحمد یحیی ویمیت وهو حيّ لایموت بیده الخیر وهوعلی کل شئ قدیر" کتب الله له ألف ألف حسنة، ومحاعنه ألف ألف سیئة، وبنی له بیتا في الجنة.(۱)

ترجمہ: سالم بن عبداللہ بن عمر اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے بازار میں " لااله الاالله وحده لاشریك له له الملك وله الحمد یحیی ویمیت وهو حیی لایموت بیده الخیر وهوعلی کل شئ قدیر " پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامے میں دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتے ہیں اور اس کے اعمال نامے سے دس لاکھ برائیاں مٹا دیتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک محل (گھر) بنا دیتے ہیں۔

❁❁❁

ذکر بالجہر کی شرعی حیثیت

سوال نمبر (184):

صبح وشام اور نمازِ جمعہ کے بعد لاؤڈ سپیکر پر ذکر بالجہر جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سرّی طور پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔اس میں اگر ایک طرف خشوع زیادہ پایا جاتا ہے تو دوسری طرف ریاکاری سے بھی حفاظت ہوتی ہے۔تاہم چونکہ بعض اذکار جیسے اذان، تلبیہ اور تکبیرات عیدین وتکبیرات تشریق میں شارع کی طرف سے جہر کا حکم ہے،اس لیے ان میں جہر واجب ہے۔اور اِسی کی بنا پر اگر کوئی شخص کسی حکمت کی خاطر مثلاً دل کی غفلت کو دور کرنے یا اپنے خیالات کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مجتمع کرنے کے لیے جہراً ذکر کرتا ہو تو درج ذیل امور کی رعایت رکھتے ہوئے جائز رہے گا:

(۱) ریا اور ریا کا خوف نہ ہو۔

(۲) کسی کی ایذارسانی کا سبب نہ ہو۔

(۳) نمازی یا کسی دوسرے عمل میں مصروف شخص کی تشویش کا باعث نہ ہو۔

---

(۱) جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب مایقول إذا دخل السوق :۲/۱۸۱

(۴) جہر مفرط یعنی بہت زیادہ چیخ و پکار نہ ہو، بلکہ جہر متوسط ہو کہ ذکر کرتے ہوئے آواز صرف آس پاس کے لوگ سن سکیں۔

ان شرائط سے معلوم ہوا کہ لاؤڈ سپیکر پر مروجہ جہری ذکر کرنا جائز نہیں۔ دوسرے مفاسد کے علاوہ مسجد کے لاؤڈ سپیکر و بجلی کے غیر ضروری استعمال اور اہل محلّہ کو بے جا ایذا رسانی کا ذریعہ ہے اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿واذکر ربك فی نفسك تضرعا و خیفة و دون الجهر من القول﴾ والمراد بالجهر رفع الصوت المفرط وبمادونه نوع آخر من الجهر. قال ابن عباسؓ: وهو أن یسمع نفسه، وقال الإمام أن یقع الذكر متوسطاً بین الجهر والمخافة. (۱)

ترجمہ: ''اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو پکار کر بولنے سے کم ہو'' جہر سے بہت زیادہ چیخ و پکار مراد نہیں ہے اور اس سے کم جہر کی ایک دوسری قسم ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: کہ جہر وہ ذکر ہے، جس کو وہ خود سنے اور امام نے فرمایا کہ یہاں ذکر بلند اور پست آواز کے درمیان کرنا مراد ہے۔

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ اعلم أن الذكر مطلقا عبادة سواء كان جهرا إذا لم یخالطه الرياء أو سرا ...... ثم أجمع العلماء على أن الذكر سرا هو الأفضل، والجهر بالذكر بدعة إلا في مواضع مخصوصة مست الحاجة فيها إلى الجهر به كالأذان، والإقامة، وتكبيرات التشريق، وتكبيرات الانتقال في الصلوة للإمام، والتسبيح للمقتدي إذا ناب نائبة، والتلبية في الحج ونحوها. (۲)

ترجمہ: ''اور پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے'' ذکر خواہ سری ہو یا جہری، اگر ریاکاری کی اس میں آمیزش نہ ہو تو عبادت ہے...... پھر علما کا اس پر اجماع ہے کہ سری ذکر افضل ہے اور جہری ذکر بدعت ہے، البتہ چند مقامات اس سے مستثنیٰ ہیں جن میں جہری ذکر کی ضرورت ہے، جیسے اذان، اقامت، تکبیرات تشریق، امام کے لیے نماز میں تکبیرات انتقال، نماز کے اندر اگر کوئی حادثہ ہو جائے تو مقتدی کا ''سبحان اللہ'' کہنا، حج میں لبیک کہنا وغیرہ۔

❁❁❁

(۱) علامہ آلوسی، محمود، روح المعانی: ۹/۱۵۴

(۲) المظهری، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر المظهری: ۲/۳۶۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

گاہک کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ذکر وتسبیح کرنا

سوال نمبر(185):

بعض لوگ بازار میں اشیا کی خرید وفروخت کے دوران گاہکوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے تیز آواز سے اللہ تعالیٰ کے ذکر وتسبیح میں مشغول رہتے ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور رسول اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنا موجبِ اجر وثواب ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کو محض دنیاوی امور میں فائدے کے حصول کے لیے بطورِ آلہ استعمال کرے تو یہ شرعاً ناپسندیدہ عمل ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی شخص گاہک کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے تیز آواز سے ذکر وتسبیح کرتا ہو تو یہ عمل شرعاً مکروہ ہے لہٰذا اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

من جاء إلی تاجر یشتري منه ثوبا، فلما فتح التاجر الثوب سبح اللّٰه تعالیٰ، وصلی علی النبي ﷺ أراد به إعلام المشتري جودة ثوبه، فذلك مکروہ.(۱)

ترجمہ:

ایک شخص کسی تاجر کے ہاں آیا تاکہ اس سے کپڑا خریدے۔ تاجر نے جب کپڑا کھولا تو اس نے "سبحان اللہ" کہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جس سے خریدار کے لیے اپنے کپڑے کی عمدگی بتانے کا ارادہ کیا تو یہ مکروہ ہے۔

۞۞۞

تسبیحاتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

سوال نمبر(186):

ہمارے شہر میں ایک مولانا صاحب نے تسبیحات کی تعداد کے متعلق بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت

(۱) الفتاوی الهندية، کتاب الکراهية، الباب الرابع في الصلاة: ۳۱۵/۵

ابوہریرہؓ روزانہ بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) تسبیحات پڑھا کرتے تھے۔ اگر یہ بات ثابت ہو تو حوالہ بھی ذکر فرمائیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صحابہ کرامؓ شب وروز اللہ تعالیٰ کے دین کی محنت میں مصروف رہتے تھے۔ اگر ایک طرف باقاعدگی سے حضورﷺ کی مجلس میں شرکت کرتے تو دوسری طرف اپنے تزکیہ نفس کے لیے زیادہ سے زیادہ اعمال اور وظائف بھی کیا کرتے تھے۔ ان مبارک ہستیوں میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو روزانہ بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) تسبیحات پڑھا کرتے تھے۔ مصنف ابن أبی شیبہ اور السنن الکبری للبیہقی میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عكرمة عن أبي هريرة قال: إني لأسبح كلّ يوم اثنتي عشرة مرة ألف تسبيحة قدر ديتي.(۱)

ترجمہ: عکرمہؒ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؓ نے فرمایا: میں روزانہ اپنی دیت کی مقدار میں بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) تسبیحات پڑھتا ہوں۔

❁❁❁

چور کے خلاف ختم قرآن اور بددعا کرنا

سوال نمبر (187):

ایک آدمی سے کوئی چیز چوری ہوئی اور چور معلوم ہے، لیکن اعلیٰ خاندان کی وجہ سے وہ اس کو کچھ کہہ نہیں سکتا، اب مالک چور کے خلاف ختم قرآن اور بددعا کرتا ہے۔ کیا یہ عمل شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اسلام میں ان مسلمانوں کے عیوب کی پردہ پوشی مستحب ہے، جن کی ظاہری زندگی پاکیزہ سمجھی جاتی ہو۔ رہے

---

(۱) المصنف لابن أبي شيبة: ۳۰/۱٤، رقم الحديث:۲۷۲٦۹

وہ مسلمان جو علی الاعلان گناہ ومعصیت کا ارتکاب کرنے میں معمولی جھجک بھی محسوس نہیں کرتے تو ان کو گناہ کے ارتکاب سے منع کرنا اور ان کو تنبیہ دینا ضروری ہے۔ حکومت کو بھی اس کی اطلاع دینی چاہیے، تاکہ وہ ان کو ان کی ایذا رسانیوں سے باز رکھے۔ جہاں تک ان کے حق میں بددعا کی بات ہے تو مظلوم اگر صبر سے کام لے کر معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے، تو اس میں زیادہ فائدہ ہے کیونکہ جس نے ظالم کے خلاف بددعا دی، اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔

والدّلیل علی ذلك:

عن عائشةؓ قالت: سرق لها شيء، فجعلت تدعوا عليه، فقال لها رسول الله ﷺ لاتسبخي عنه. (۱)

ترجمہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کی کوئی چیز چوری ہوگئی، آپ چور کو بددعا دینے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس سے (آخرت کے) بوجھ کو کم نہ کرو۔

❀❀❀

بار بار حضور ﷺ کا اسم مبارک سن کر درود پڑھنا

سوال نمبر (188):

جب کوئی تقریر میں بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ذکر کرے تو کیا سننے والوں پر ہر مرتبہ درود پڑھنا لازم ہوگا یا صرف ایک مرتبہ کافی ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی جب کسی مجلس میں ذکر ہو تو ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے اور بار بار اسم مبارک ذکر ہونے سے بار بار درود پڑھنا مستحب ہے، واجب نہیں۔ چنانچہ صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی شخص بیان یا تقریر کے دوران آپ ﷺ کا نام سن لے تو سامع پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب فيمن دعا على من ظلمه: ۲/ ۳۳۰

اور بار بار آپ ﷺ کا نام نامی سننے کی صورت میں ہر بار درود پڑھنا مستحب ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو سمع اسم النبي ﷺ فإنه يصلي عليه، فإن سمع مرارا في مجلس واحد اختلفوا فيه، قال بعضهم :لايجب عليه أن يصلي إلا مرة، كذا في فتاوى قاضي خان، وبه يفتى.(١)

ترجمہ: اگر کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا تو آپ ﷺ پر درود پڑھے گا، پھر اگر ایک ہی مجلس میں کئی بار سنا تو اس کے حکم میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے، بعض کا قول ہے کہ صرف ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

❁❁❁

مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرنا

سوال نمبر(189):

ہمارے مدرسہ میں یہ ترتیب چلی آرہی ہے کہ جب کبھی مصیبت اور پریشانی آجاتی ہے تو اساتذہ کرام اور طلبہ جمع ہو کر بخاری شریف کا ختم کرتے ہیں۔ کیا بخاری شریف کا ختم کروانا قرون ثلثہ سے ثابت ہے؟ اس پر بدعت کا اطلاق تو نہیں ہوتا؟ بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ کے کلام اور اُس کے پیارے رسول ﷺ کے مبارک ارشادات میں سراسر خیر وبرکت اور دنیا وآخرت کی پریشانیوں کا حل یقینی ہے۔ بخاری شریف رسول اللہ ﷺ کی صحیح ترین احادیث کا مجموعہ ہے اس لیے اس کی قرأت خیر سے خالی نہیں۔ جہاں تک مشکل حالات میں ختمِ بخاری کا تعلق ہے تو اس کی ابتدا کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، البتہ اکابرین کے ہاں یہ ایک مجرب نسخہ رہا ہے کہ جب بھی ان کو مصیبت اور پریشانی لاحق ہوتی تو اس عمل کو اختیار کرتے۔ ایک بزرگ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک سو بیس (۱۲۰) مرتبہ پڑھی اور جس نیت سے پڑھی، اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ مراد پوری ہوگئی۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ بھی بعض اوقات اس کا اہتمام فرماتے تھے۔

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة :٣١٥/٥

والدّلیل علی ذلك:

قال الحافظ ابن کثیر: وکان یستسقی بقرأته الغیث. قیل :ویسمی التریاق المجرب، ونقل السید جمال الدین عن عمه السید أصیل الدین أنه قال قرأت البخاري مائه وعشرین مرة للوقائع والمهمات لي ولغیری، فحصل المرادات وقضی الحاجات، وهذا کله ببرکة سید السادات.(۱)

ترجمہ:

حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ بخاری شریف کی قرأت سے بارش طلب کی جاتی تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مجرب نسخہ ہے۔ سید جمال الدینؒ نے اپنے چچا سید اصیل الدینؒ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اوردوسروں کے لیے ایک سوبیس (۱۲۰) مرتبہ مختلف قسم کی حاجات اور مصائب پیش آنے کے وقت بخاری شریف کا ختم کیا تو ہماری مرادیں حاصل ہوئیں اور حاجتیں پوری ہوئیں اور یہ سب رسول اللہ ﷺ کی برکت سے ہوا۔

❁❁❁

لاؤڈ سپیکر پر ذکر کرنا

سوال نمبر(190):

ہمارے علاقے میں چند لوگ مجلس قائم کرکے اجتماعی طور پر مائیکروفون پر جہراً ذکر کرتے ہیں، جب کہ حاضرین مجلس تک بغیر لاؤڈ اسپیکر کے آواز پہنچ سکتی ہے۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز سے لوگوں کے گھریلو امور اور آرام وغیرہ بہت متاثر ہوتے ہیں، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جہری ذکر سے مراد یہ ہے کہ ذکر کرتے ہوئے آواز آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ سن سکیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے سارے محلّہ والوں تک ذکر کی آواز پہنچادی جائے یا کوئی اتنی زور سے ذکر کرے کہ مسجد میں نمازیوں کی توجہ نماز سے ہٹ جائے۔ اس لیے ایسا ذکر جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل آئے یا آس پاس لوگوں متاثر ہوں، شرعاً جائز نہیں۔ علاوہ ازیں لاؤڈ اسپیکر پر ذکر میں اور بھی خرابیاں ہیں، جیسے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کا

(۱) ملا علی القاری، مرقاة المفاتیح شرح مقدمه المشکوة، ترجمة الامام البخاری: ۱/ ٥٤،مکتبه حقانیة، پشاور

بلاضرورت استعمال، مسجد اور اہل محلہ، پڑوسیوں کی ایذا رسانی وغیرہ۔اس لیے مذکورہ وجوہات کی بنا پر لاؤڈ اسپیکر پر ذکر سے احتراز کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلّا أن يشوّش جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ.(۱)

ترجمہ:

سب اگلے اور پچھلے علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسجد یا کسی اور جگہ میں اکٹھے ہوکر ذکر واذکار میں مشغول ہونا مستحب ہے۔تاہم اگر ذکر بالجہر سے سوئے ہوئے آدمی، نمازی یا قاری کے تشویش میں پڑنے یعنی متاثر ہونے کا اندیشہ ہو(تو اس سے احتراز کرنا چاہیے)

❁❁❁

تبلیغی اجتماع کے بعد اجتماعی دعا

سوال نمبر(191):

تبلیغی اجتماع کے ختم ہونے پر اجتماعی طور پر دعا ہوتی ہے،اس دعا میں کوئی قباحت تو نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

دعا ایک اہم عبادت ہے،حدیث شریف میں اس کو عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے،اس لیے رب کائنات کے حضور ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنا اور اس کے سامنے عجز وانکساری اختیار کرکے دنیا وآخرت کی بھلائی مانگنا ایک مامور بہ فعل ہے۔پھر دعا جیسے تنہا کی جاسکتی ہے ایسے ہی جماعت کی صورت میں بھی جائز ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تبلیغی اجتماع کے بعد اجتماعی دعا کرنے میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ باعث اجر وثواب ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وورد في حديث حبيب بن سلمة الضمري في كنز العمال: "لايجتمع ملأ فيدعو بعضهم

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسدالصلاة:مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۲/۴۳۴

ویؤمن بعضھم إلاأجابھم اللہ" وھو دلیل للدعاء بھیئۃ اجتماعیۃ، ومظنۃ قبولھا أکثر من دعاء الوحدان.(۱)

ترجمہ: کنز العمال میں حبیبؓ بن سلمہ ضمری کی روایت منقول ہے کہ" ایک جماعت میں بعض لوگ دعا کریں اور بعض لوگ اس پر آمین کہیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اس دعا کو قبول فرماتے ہیں (علامہ محمد یوسف بنوریؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں) یہ اجتماعی دعا کے جواز پر دلیل ہے اور انفرادی دعا کے مقابلے میں اس حالت میں دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہے۔

❁❁❁

باتھ روم میں دعائے مسنونہ پڑھنا

سوال نمبر (192):

آج کل اکثر غسل خانے اور لیٹرین ایک ساتھ ہوتے ہیں تو ان غسل خانوں میں کپڑے بدلنے اور آئینہ دیکھنے وغیرہ کی دعائیں پڑھنا شریعت کی رُو سے کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ کے اسمائے مقدسہ کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ پاک جگہوں میں اس کا ذکر ہو، گندی اور ناپاک جگہوں میں اس کا نام نہ لیا جائے۔ صرف لیٹرین چونکہ محل نجاست ہے، اس لیے اس میں ذکر اور مسنون دعائیں پڑھنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ تاہم اگر لیٹرین اور غسل خانہ ایک ساتھ ہوں، لیکن دونوں جگہوں کی سطح میں فرق ہو، ایک کی اونچی اور دوسرے کی نیچی ہو اور لیٹرین میں نجاست پر پانی بہا کر اُسے زائل کر دیا گیا ہو اور کوئی ظاہری نجاست موجود نہ ہو تو غسل خانہ میں کپڑے بدلنے اور آئینہ دیکھنے وغیرہ کی دعائیں پڑھنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قراءۃ القرآن في الحمام علی وجھین: إن رفع صوتہ یکرہ، وإن لم یرفع لا یکرہ وھو

---

(۱) محمد یوسف البنوري، معارف السنن، باب مایقول إذا سلم، تفصیل الأذکار الواردۃ والدعاء بعد السلام: ۱۲۲/۳

المختار، وأما التسبیح والتهلیل لا بأس بذلك وإن رفع صوته، کذا فی الفتاوی الکبری.(۱)

ترجمہ:

حمام میں (جہاں لوگ نہاتے ہوں) تلاوت کرنا دو طرح پر ہے، اگر اونچی آواز سے پڑھے تو مکروہ ہوگا اور اگر اونچی آواز سے نہ پڑھے تو مکروہ نہیں، یہی حکم مختار ہے۔ اور (حمام میں) تسبیح اور تہلیل (سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ) پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، خواہ اس نے اونچی آواز سے پڑھا ہو۔

❁❁❁

عورتوں کا جمع ہو کر اوراد و وظائف پڑھنا

سوال نمبر (193):

ہمارے گاؤں میں ایک عورت ہے۔ اس نے ہفتہ میں ایک دن مختص کیا ہے۔ مختلف گھروں سے عورتیں جمع ہو کر گٹھلیوں پر مختلف وظائف یا کلمات پڑھتی ہیں اور پھر مجلس کے اختتام پر اجتماعی دعا بھی کرتی ہیں۔ اس مجلس میں عورتوں کا جمع ہونا اور بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ذکر کرنے اور نہ کرنے والوں کی تشبیہ آپ ﷺ نے زندہ اور مردہ سے دے کر ذکر و اذکار کی اہمیت اجاگر فرمائی ہے۔ احادیثِ مبارکہ سے مل بیٹھ کر اجتماعی صورت میں ذکر کرنا بھی جائز معلوم ہوتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر کسی فساد و فتنہ کا خطرہ نہ ہو اور ہفتہ میں کسی خاص دن کی مجلس میں بدعات کا ارتکاب نہ کیا جاتا ہو اور شرعی اصول کے مطابق پردہ کا انتظام ہو تو ایسی صورت میں عورتوں کا ایک جگہ جمع ہو کر گٹھلیوں پر مختلف کلمات شرعیہ یا وظائف شرعیہ پڑھنے اور اختتام پر دعا کرنے کی شرعاً گنجائش ہے۔ تاہم اس کے منفی اثرات کا انسداد ایک ضروری امر ہے، اس لیے اگر منفی اثرات کا انسداد نہ ہو اور بدعات میں ابتلا کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز ضروری ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع: ۳۱۶/۵

والدّليل على ذلك:

حدثنا موسى بن حزام عن جدتها يسيرة، وكانت من المهاجرات قالت: قال لنا رسول الله ﷺ: عليكن بالتسبيح، والتهليل، والتقديس، واعقدن بالأنامل، فإنهن مسئولات مستنطقات، ولاتغفلن، فتنسين الرحمة.(۱)

ترجمہ:

موسیٰ بن حزام اپنی دادی یسیرۃ (جو مہاجر صحابیات میں سے ہیں) سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم تسبیح (سبحان اللہ) تہلیل (لا الہ الا اللہ) اور اللہ کی پاکیزگی بیان کرنا اپنے آپ پر لازم کرو اور ان کا شمار پوروں سے کرو، کیونکہ ان سے پوچھا جائے گا اور ان کو گویائی حاصل ہوگی اور تم غافل نہ رہو، ورنہ اگر غفلت اختیار کی تو تم بھی رحمت سے بھلا دیے جاؤ گے۔

---

(۱) الجامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب في دعاء النبي ﷺ: ۱۹۹/۲

فصل فی الأشیاء المقدسة

(مقدس اشیا کا بیان)

سکول یونیفارم کے مونوگرام پر قرآنی آیت لکھنا

سوال نمبر (194):

آج کل اکثر سکولوں کے یونیفارم پر سکول کے مونوگرام ہوتے ہیں، جن میں بعض پر قرآنی آیت، جب کہ بعض پر کوئی حدیث یا دعا لکھی ہوتی ہے۔ کیا یونیفارم پر اس قسم کے مونوگرام بنانا جائز ہے؟ نیز اس بات کی وضاحت بھی کریں کہ ایسے کپڑوں کے ساتھ بیت الخلا میں داخل ہونا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے بطورِ علامت کسی کاغذ، کپڑے یا دوسری چیز پر اسمائے باری تعالیٰ، قرآنی آیت وغیرہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ تاہم جہاں کہیں ان مبارک کلمات کی بے ادبی کا خدشہ ہو تو ان کے لکھنے سے احتراز ضروری ہے۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ سکول کے یونیفارم پر تحریر شدہ مقدس کلمات سے ادارہ کی علامت اور مقصد کی تشہیر مقصود ہوتی ہے اور یونیفارم پر ان کی موجودگی کی صورت میں کہیں نہ کہیں ان کی بے ادبی کا اندیشہ ہوتا ہے، اس کے ساتھ بیت الخلا جانا بھی کراہت سے خالی نہیں۔ اس لیے سکول کی انتظامیہ کو چاہیے کہ قرآن وحدیث کی بجائے مونوگرام پر کوئی دوسرا با معنی جملہ لکھیں، جس سے ان کا مقصود بھی حاصل ہو اور کلماتِ مقدسہ کی تحقیر بھی نہ ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

لابأس بكتابة اسم الله تعالىٰ على الدراهم ؛لأن قصد صاحبه العلامة لاالتهاون ....وعلى هذا إذاكان في جيبه دراهم مكتوب فيها اسم الله تعالىٰ أوشيء من القرآن، فأدخلها مع نفسه المخرج يكره.(۱)

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد :۳۲۳/۵

ترجمہ: دراہم پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ لکھنے والے کا مقصد علامت ہوتا ہے، بے حرمتی نہیں......اسی طرح اگر کسی کی جیب میں ایسے دراہم ہوں، جن پر اللہ کا نام یا قرآن کی کوئی آیت ہو اور وہ ان کو بیت الخلا کے اندر لے جائے تو یہ مکروہ ہے۔

❁❁❁

مقبرہ میں بیٹھ کر تلاوت کرنا

سوال نمبر(195):

مقبرہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا کیسا ہے اور ساتھ سیپارے لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کر کے اموات کو اس کا ثواب بخشے تو اس کی برکت سے میت کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور قبر کی تکالیف سے اُس کو نجات ملتی ہے۔ ایصالِ ثواب کے لیے جیسے دیگر جگہوں پر تلاوت جائز ہے ایسے ہی مقبرہ میں تلاوت کرنا اور تلاوت کے لیے پارے لے جانا بھی مرخص ہے، تاہم مقبرہ میں قرآن مجید کے آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اور اگر کہیں قبرستان میں قرآن خوانی رسم ورواج کے طور پر لازم سمجھی جاتی ہو اور اِسے مستقل عبادت گردانا جاتا ہو اور لوگ پارے لے جا کر باقاعدہ جماعت کی صورت میں تلاوت کرنے کو لازم سمجھتے ہوں تو ایسی صورت میں بدعت کے زمرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے اس سے احتراز ضروری ہوگا۔

والدّليل على ذلك:

قرأة القرآن عندالقبور عند محمد رحمه الله تعالىٰ لاتكره، ومشايخنا رحمهم الله تعالىٰ أخذوا بقوله، وهل ينتفع ؟ والمختار أنه ينتفع، هكذا في المضمرات. (١)

ترجمہ: قبروں کے پاس قرآن مجید پڑھنا امام محمدؒ کے ہاں مکروہ نہیں ہے اور ہمارے مشائخؒ نے اسی قول کو لیا ہے اور کیا اس سے میت کو فائدہ پہنچے گا یا نہیں؟ مختار قول یہ ہے کہ اس سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

❁❁❁

(١) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز: ١٦٦/١

غلطی سے روٹی کے ٹکڑوں کا پاؤں کے نیچے آنا

سوال نمبر(196):

میں ایک مدرسہ میں باورچی کی خدمات سرانجام دے رہا ہوں۔ مطبخ میں روٹی کے چھوٹے ٹکڑے گر جاتے ہیں اور معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کبھی پاؤں کے نیچے آجاتے ہیں، جو بلاشبہ بے ادبی ہے۔ حالانکہ میری پوری کوشش ہوتی ہے کہ روٹی کے ٹکڑے زمین پر نہ گریں۔ کیا میں اس سے گنہگار ہوں گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

رزق اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک عظیم نعمت ہے، جو انسان کی زندگی اور بقا کا ظاہری ذریعہ ہے۔ اس کی بدولت انسان میں چلنے پھرنے اور اپنے رب کی عبادت کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سلیم الطبع انسان رزق کی قدردانی کرتا ہے اور اس کے ضیاع کو ناشکری سمجھتا ہے۔ فقہاے کرام کے قول وعمل سے بھی رزق کی قدردانی کا سبق ملتا ہے، لہٰذا اگر کہیں روٹی کے ٹکڑے زمین پر گر جائیں تو اگر وہ قابلِ استعمال ہوں تو انہیں استعمال کرنا چاہیے، ورنہ ایسی جگہ ڈالنے چاہیے، جہاں کسی کے پاؤں تلے آکر پاے مال نہ ہوں۔ تاہم احتیاط کے باوجود اگر کہیں غلطی سے پاؤں کے نیچے آجائیں تو اس سے آدمی گناہ گار نہیں ہوتا۔

والدّلیل علی ذلك:

و من الإسراف ترك اللقمة الساقطة من اليد بل يرفعها أوّلا ويأكلها قبل غيرها.(۱)

ترجمہ:

اور یہ بھی اسراف میں سے ہے کہ کھانے والا ہاتھ سے گرے ہوئے لقمہ کو چھوڑ دے، بلکہ چاہیے کہ دوسرے لقمہ سے پہلے اسے اٹھائے اور کھائے۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر......: ۳۳۷/۵

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا ادب

سوال نمبر(197):

ایک درزی کے نام کا ایک جز لفظ رحمٰن ہے۔ جب وہ لوگوں کے لیے کپڑا سی لیتا ہے تو اپنے نام کا لیبل کپڑوں پر لگاتا ہے۔ جب کہ یہ کپڑے میلے ہوتے ہیں تو دھوبی کے ہاں جا کر گندگی کی جگہ پڑے رہتے ہیں۔ کیا اس سے اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کی بے حرمتی نہیں ہوتی؟ اسی طرح بعض کمپنیوں کے لفافوں پر بھی ''حفیظ'' وغیرہ کے الفاظ لکھے ہوتے ہیں، ان لفافوں اور لیبلز کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے بابرکت ناموں کا ادب واحترام انتہائی ضروری ہے۔ اور ایسے اُمور سے بچنا چاہیے جو بالذات تو بے ادبی کے زمرے میں شامل نہ ہوں، لیکن بے ادبی کے اسباب بن سکتے ہوں، مثلاً: اشیاے خورد ونوش کے چھوٹے چھوٹے ڈبوں پر صنعت کاروں کے ایسے نام لکھنا، جن میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے مبارک نام استعمال ہوئے ہوں، اکثر اوقات ایسے ڈبوں اور تھیلوں کو استعمال ہونے کے بعد گلی کوچوں اور گندی نالیوں میں پھینکا جاتا ہے۔ یہی حال ایسے بابرکت ناموں والے ''لیبلز'' کا بھی ہے کہ ان کپڑوں کو پہن کر بیت الخلا جاتے وقت ان ناموں کی نادانستہ بے حرمتی لازم آتی ہے۔ اور پھر جب یہ کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں تو دھوتے وقت ان ناموں کے ناپاک پانی میں دُھلنے کی صورت میں بے ادبی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ مسلمانوں کو اپنے کپڑوں پر ایسے ''لیبل'' لگوانے سے احتراز کرنا چاہیے اور ٹیلرز حضرات کی بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ایسے مقدس ناموں کے ''لیبل'' لگانے سے اجتناب کریں۔

والدّلیل علی ذلک:

وبکره أن یجعل شیئا في كاغذة فیها اسم اللّٰہ تعالیٰ، كانت الكتابة علیٰ ظاهرها أو باطنها.(۱)

ترجمہ: اور ایسے کاغذ میں کوئی چیز ڈالنا مکروہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو، خواہ وہ لکھائی اس کاغذ کے باہر کی جانب ہو یا اس کے اندر کی جانب ہو۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد ......: ۳۲۲/۵

قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کا حکم

سوال نمبر(198):

قرآن مجیداوراحادیث مبارکہ کے بوسیدہ صفحات واوراق یا جس کاغذ پراللہ تعالیٰ کااسم گرامی لکھاہو،ان کاکیاحکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ایسے تمام صفحات اوراوراق عزت واحترام کے لائق ہیں جوکسی آیت کریمہ، حدیث مبارک یااسمائے حسنیٰ یاانبیائے کرام کے مبارک ناموں پرمشتمل ہوں۔اور جب ایسے مقدس اوراق بوسیدہ ہوجائیں توان کوکپڑے میں لپیٹ کردفن کرنا چاہیے۔ان کے جلانے سے احتراز کرنا چاہیے۔دفن کرنے میں اس بات کالحاظ رکھناضروری ہے کہ جوگڑھا اس کے لیے کھودا جائے، وہ لحد کی صورت میں ہو،تاکہ یہ اوراق براہ راست مٹی پڑنے سے محفوظ رہیں،ورنہ شق کی صورت میں ان اوراق کے اوپرکوئی پتھریالکڑی کاٹکڑارکھنا چاہیے۔دفنانے کے علاوہ کسی کنویں یادریاکے پانی میں ڈالنے کی بھی گنجائش ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

المصحف إذا صارخلقالا يقرأمنه ويخاف أن يضيع يجعله في خرقة طاهرة ويد فن، ودفنه أولىٰ من وضعه موضعايخاف أن يقع عليه النجاسةأونحوذلك ويلحدله ؛ لأنه لوشق ودفن يحتاج إلىٰ إهالة التراب عليه وفي ذلك نوع تحقير، إلاإذا جعل فوقه سقف بحيث لايصل التراب إليه فهوحسن أيضا...........المصحف إذا صارخلقاوتعذرت القراء ة منه لايحرق بالنار ......وبه نأخذ.(۱)

ترجمہ: قران مجید جب اتناپراناہوجائے کہ اس میں تلاوت ممکن نہ ہواوراس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتواسے پاک کپڑے میں لپیٹ کردفن کرے اوراس کادفن کرناایسی جگہ میں رکھنے سے بہتر ہے، جہاں اس پرنجاست وغیرہ پڑنے کااندیشہ ہو۔اوراس کے لیے لحد بنایاجائے،اس لیے کہ اگرشق بناکراس کودفن کیاگیاتواس پرمٹی ڈالنی پڑے گی،جس میں ایک قسم کی تحقیرہے،البتہ اگراس کےاوپرکوئی ایسی چھت بنائی جائے جس سےاس کومٹی نہ پہنچےتویہ بھی بہترہے۔۔۔

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية،الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف: ۳۲۳/۵

قرآن مجید جب پرانا ہو جائے اور اس سے تلاوت کرنا متعذر رہو جائے تو اس کو آگ میں نہ جلایا جائے۔۔۔۔ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں۔

۞۞۞

اخبار فروش کا گھر کے دروازے پر اخبار پھینکنا

سوال نمبر(199):

آج کل اخبار فروش روزانہ گھروں میں اخبار لے آتے ہیں۔کبھی اخبار دروازہ کے نیچے سے اندر پھینک کر چلے جاتے ہیں۔اخبارات میں اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ہوتا ہے۔اخبار فروش کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے۔اور اس بے حرمتی کے وبال میں گھر والے شریک ہوں گے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ جن اوراق پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کا نام مبارک ہو تو اس کا ادب واحترام ہر مسلمان کا دینی واخلاقی فریضہ ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اخبار والوں کا گھروں کے دروازوں کے نیچے اخبار پھینکنے میں اسمائے مقدسہ کی توہین کی نیت نہیں ہوتی ہے اور نہ ایک مسلمان سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے، بلکہ ان کی نیت اخبار مالکِ مکان تک حفاظت سے پہنچانا ہوتا ہے جس کی بظاہر یہی صورت ممکن ہوتی ہے لہٰذا گیٹ کے نیچے سے اخبار دھکیلنے کو حرام نہیں کہا جاسکتا، تاہم گھر والوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ اخبار رکھنے کے لیے لیٹر بکس کی طرح کوئی ڈبہ وغیرہ بنادیں، تاکہ اخبار محفوظ بھی رہے اور کسی کے پاؤں کے نیچے بھی نہ آئے۔

والدّلیل علی ذلک:

ویکرہ وضع المصحف تحت رأسه إلاللحفظ. (۱)

ترجمہ: اور مصحف کو سر کے نیچے رکھنا مکروہ ہے، البتہ حفاظت کی نیت سے (رکھنا جائز ہے)۔

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۲۱/۱

کتاب بغل میں رکھ کر پیشاب کرنا

سوال نمبر(200):

کبھی کبھی آدمی کو راستہ میں قضاے حاجت کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس وقت اس کے پاس دینی کتاب ہوتی ہے۔ اگر کتاب باہر رکھ کر قضاے حاجت کے لیے جائے تو اس کے چوری ہونے کا خطرہ ہے۔ ایسی صورت میں کتاب بغل میں رکھ کر پیشاب کرنے سے کتاب کی بے ادبی تو لازم نہیں آتی؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قرآنی آیات یا کسی بھی دینی موضوع سے وابستہ کتابیں ہر مسلمان کے لیے قابلِ ادب واحترام ہیں اور ان کی حفاظت ایمان کا حصہ ہے۔ چونکہ بیت الخلا گندگی کی جگہ ہوتی ہے اس لیے اس کے اندر کتاب لے جانے میں بے ادبی ہے، لہٰذا فقہاے کرام نے اسے مکروہ لکھا ہے، تاہم ضیاع یا چوری کے خطرہ کی صورت میں اندر لے جانا مرخص ہے۔ اور اگر کوئی شخص بیت الخلا کی بجائے کسی ایسی جگہ پیشاب کر رہا ہو، جو گندگی سے پاک ہو اور کتاب بغل یا ہاتھ میں رکھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

سئل الفقیه أبو جعفرؒ عمن کان في کمه کتاب فجلس للبول أیکره ذلك؟ قال:إن کان أدخله مع نفسه المخرج یکره، وإن اختارلنفسه مبالاً طاهرا في مکان طاهر لایکره.(۱)

ترجمہ:

فقیہ ابو جعفرؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کی آستین میں کتاب ہو اور وہ پیشاب کرنے بیٹھ گیا، کیا ایسا کرنا مکروہ ہوگا؟ آپؒ نے فرمایا: اگر وہ کتاب اپنے ساتھ بیت الخلا کے اندر لے گیا تو مکروہ ہے، تاہم اگر اس نے کسی پاک جگہ میں اپنے لیے پاک مکان پیشاب کے لیے اختیار کیا تو پھر ایسا کرنا مکروہ نہ ہوگا۔

❁❁❁

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة،الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف: ۳۲۳/۵

ردی کاغذات سے دسترخوان صاف کرنا

سوال نمبر(201):

ردی کاغذات سے دسترخوان یا میز وغیرہ صاف کرنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کاغذ چونکہ تحصیل علم کا ایک آلہ ہے، خواہ وہ سادہ کاغذ ہو یعنی اس پر کچھ لکھا ہوا نہ ہو یا کچھ لکھا ہوا ہو؛ دونوں صورتوں میں اس کا احترام ضروری ہے، لہٰذا اس سے دسترخوان یا دوسری گندگی صاف کرنا اس کی بے ادبی اور بے حرمتی کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے، البتہ وہ جاذب کاغذ جو صرف صفائی ہی کی غرض سے بنایا جاتا ہے جیسے ٹشو پیپر، اسے دسترخوان یا دوسری چیزوں کی صفائی کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قوله:(شيء محترم)أي ماله احترام واعتبارشرعا ...... وكذا ورق الكتابة لصقاله وتقوّمه،وله احترام أيضالكونه آلة لكتابة العلم، ولذا علله في التاتارخانية بأن تعظيمه من أدب الدين.(١)

ترجمہ: ماتن کا قول ''شے محترم'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے لیے شریعت میں احترام اور اعتبار ہو۔۔۔۔۔اسی طرح کتابت کے لیے استعمال ہونے والا کاغذ بھی ہے، اس کی صفائی اور متقوم ہونے کی وجہ سے، اور علم لکھنے کا آلہ ہونے کی وجہ سے اس کو احترام بھی حاصل ہے۔اسی وجہ سے تاتارخانیہ میں اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس (کاغذ) کی تعظیم دین کے ادب میں سے ہے۔

دیواروں پر اسمائے باری تعالیٰ لکھنا

سوال نمبر(202):

ہم نے اپنی دکان کے سٹیل گیٹ پر ''الباسط'' لکھا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک صرف برکت کی نیت سے

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة،باب الأنجاس،مطلب إذا دخل المستنجي في ماء قليل:١/٥٥٢

لکھا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ کا ادب انتہائی ضروری ہے اور ان کی بے ادبی سے بچنا ہر مسلمان کی شرعی ذمہ داری ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص حصول برکت کی غرض سے اپنے مکان یا دکان میں کسی ایسی جگہ لکھے جہاں اس کی بے ادبی کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے۔

صورتِ مسئولہ میں دکان کے گیٹ پر اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک الباسط لکھنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو کتب القرآن علی الحیطان والجدران، بعضهم قالوا: یرجی أن یجوز، وبعضهم کرهوا ذلك مخافة السقوط تحت أقدام الناس.(۱)

ترجمہ:

اگر کسی شخص نے دیواروں پر قرآن مجید لکھا تو اس کے حکم کے متعلق بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس کے جائز ہونے کی امید کی جاتی ہے اور بعض مشائخ نے لوگوں کے پاؤں تلے گرنے کے خوف سے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

❁❁❁

موبائل میں قرآن کریم کی آیت بطور گھنٹی ڈالنا

سوال نمبر (203):

آج کل بعض لوگ موبائل فون میں قرآن مجید کی کوئی آیت کریمہ بطور گھنٹی ڈالتے ہیں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ موبائل میں گھنٹی کی جگہ تعوذ، تسمیہ، کوئی آیت یا دیگر اذکار نصب کرنے سے بنیادی مقصد اطلاع

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف: ۳۲۳/۵

ہوتا ہے۔اس مقصد کے لیے عام گھنٹی کی آواز یا کسی پرندے وغیرہ کی آواز سے کام لینا بھی ممکن ہے۔ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کی کوئی صفت ایک عام اخبار کے لیے استعمال کرنا قابل توجہ ہے۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ کا نام یا کوئی صفت ذکر کرنا ایسی مقدس عبادت ہے، جس میں ثواب کی نیت کے علاوہ دوسرے مقاصد کی نیت کرنا ذکر کی عظمت اور تقدس کو مجروح کرنے کی مذموم حرکت ہے۔اس کے تقدس کا تقاضہ یہ ہے کہ آخرت اس کے ذریعے سنواری جائے۔چنانچہ دنیوی مقاصد کے لیے اس کا استعمال فقہا نے مکروہ لکھا ہے۔اس لحاظ سے تعوذ، تسمیہ، اعلام اور اخبار کے طور پر استعمال کرنا مناسب نہیں۔علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آواز کسی ایسی جگہ سنی جائے، جہاں اس کی تعظیم کی رعایت نہ ہو سکے، بلکہ بے ادبی کا خطرہ ہو۔

نیز یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ میوزک کی آواز نصب کرنے میں گناہ ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جہاں کہیں تعوذ، تسمیہ کی آواز نصب نہ ہو تو لازمی طور پر میوزک کی آواز سنی جائے گی، کیونکہ اس کی جگہ عام گھنٹی یا کسی چڑیا وغیرہ کی آواز نصب کرنے میں کراہت بھی لازم نہیں آتی، اس لیے میوزک چھوڑ کر دوسری عام آوازیں نصب کرنا تسبیح وتحمید کی نسبت سے زیادہ بہتر ہے۔البتہ ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کے الفاظ اعلام کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں، اس لیے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' جیسے الفاظ کو موبائل میں نصب کرنے سے کراہت سے جان چھوٹ سکتی ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

من جاء الی تاجر یشتري منه ثوبا،فلما فتح التاجر الثوب سبح اللّٰه تعالیٰ وصلّی علی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم أراد به إعلام المشتري جودة ثوبه،فذلك مکروه...... وعن هذا یمنع إذا قدم واحد من العظماء إلی مجلس فسبح أو صلی علی النبي صلی اللّٰه علیه وآله وأصحابه إعلاما بقدومه حتی ینفرج له الناس أو یقوموا له یأثم.(۱)

ترجمہ:

جو شخص کسی تاجر کے پاس آیا تاکہ اس سے کپڑا خریدے جب تاجر نے کپڑا کھولا تو اس نے ''سبحان اللہ'' کہا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا اور ایسا کرنے میں اس تاجر نے خریدار کو اپنے کپڑے کی عمدگی بتانے کا ارادہ کیا تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔اسی (مذکورہ حکم کی) بنا پر (اس امر سے) منع کیا جاتا ہے کہ جب بڑے اشخاص میں سے کوئی شخص مجلس میں آئے تو کوئی آدمی ''سبحان اللہ'' کہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، تاکہ اس کی آمد کا پتہ چل جائے، حتی کہ لوگ

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة،الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف: ۳۱۵/۵

اس کے لیے جگہ چھوڑ دیں یا اس کے لیے کھڑے ہوں۔ایسا کرنے والا گناہ گار ہوگا۔

۞۞۞

تلاوت کے لیے کپڑوں اور جگہ کا پاک ہونا

سوال نمبر(204):

کیا قرآن کریم کی تلاوت کے لیے کپڑوں اور جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قرآنِ مجید کی عظمت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی تلاوت کے لیے عمدہ حالت اختیار کرنا اس کے آداب میں شمار ہوتا ہے۔قرآن پاک کی زبانی تلاوت کے دوران حدثِ اکبر (جنابت،حیض،نفاس) سے پاک ہونا ضروری ہے اور قرآن اُٹھانے کے لیے حدث اصغر (بے وضو ہونے) سے بھی پاک ہونا ضروری ہے،البتہ نماز کی طرح تلاوت کلام پاک کے لیے کپڑوں کا پاک ہونا لازمی نہیں،تاہم بہتر یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا پاک وصاف اور عمدہ لباس میں ہو اور جہاں تک جگہ کی بات ہے تو جو جگہ گندگی کے لیے خاص ہو وہاں تلاوت کرنا بے ادبی کی وجہ سے مکروہ ہے۔اور جو جگہ ایسی نہ ہو وہاں تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

رجل أراد أن يقرأ القرآن، فينبغي أن يكون علىٰ أحسن أحواله، يلبس صالح ثيابه ويتعمم ويستقبل القبلة؛ لأن تعظيم القرآن والفقه واجب .... ولا بأس بالقراءة راكبا وماشيا إذا لم يكن ذلك الموضع معدا للنجاسة، فإن كان يكره.(١)

ترجمہ: جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اچھی حالت میں ہو۔اچھا لباس پہن لے،عمامہ باندھے اور قبلہ رخ ہو،اس لیے کہ قرآن مجید اور فقہ کی تعظیم واجب ہے۔۔۔سواری کی حالت میں یا پیادہ چلنے کی حالت میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں،بشرط یہ کہ وہ جگہ نجاست کے لیے نہ بنائی گئی ہو،اگر ایسی جگہ ہو تو وہاں تلاوت مکروہ ہے۔

(١) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية،الباب الرابع في الصلوٰة والتسبيح ......:٥/٣١٦

اوپر بیٹھے ہوئے لوگوں کی موجودگی میں نیچے قرآن پاک پڑھنا

سوال نمبر(205):

قرآن کریم کو چوکڑی مار کر گود میں لینا صحیح ہے یا نہیں؟ جب کہ دوسرے لوگ اوپر بیٹھے ہوں اور قرآن پاک پڑھنے والا نیچے بیٹھا ہو؟ بيّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قرآن کریم کا ادب واحترام کرنا ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔ دینی غیرت وحمیت کا تقاضا ہے کہ ہر اس فعل سے اجتناب کیا جائے جو قرآن کریم کی بے ادبی کا ذریعہ ہو۔ تلاوت کرتے وقت قرآن مجید کا کسی اونچی جگہ، مثلاً میز یا تپائی پر رکھنا اس کے آداب میں سے ہے۔ تاہم گود میں رکھنے میں بھی شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

اگر کہیں تلاوت کرنے والا نچلی منزل میں بیٹھا ہو اور کچھ لوگ اوپر منزل میں بیٹھے ہوں جیسا کہ مسجد کی نچلی منزل میں قرآن کریم ہو اور گیلری میں کچھ لوگ بیٹھے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ ایک ہی منزل میں اس طرح قرآن پاک رکھنا کہ قریب ہی شخص کسی اونچی چیز کرسی وغیرہ پر بیٹھا ہو تو اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلك:

ومن حرمته أن يضعه في حجره إذا قرأه، أوعلى شئ بين يديه ولايضعه بالأرض.(۱)

ترجمہ: اور قرآن کریم کے احترام میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو تلاوت کے وقت اپنی گود میں یا اپنے سامنے کسی شے پر رکھے۔ زمین پر نہ رکھے۔

❀❀❀

قرآن مجید کو چومنا

سوال نمبر(206):

زید نے تلاوت کے بعد قرآن مجید کو چوما تو عمر نے اُس کو اس عمل سے منع کیا اور کہا کہ قرآن مجید کا چومنا ناجائز ہے۔ شریعت اس کے متعلق کیا حکم دیتی ہے؟

(۱) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، باب مايلزم قارئ القرآن وحامله ...... : ۱/۲۸

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم ایک مقدس کتاب ہے جس کی تعظیم ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور تعظیم کا اصل مرکز انسان کا دل ہے، البتہ اعضا پر اس کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں، لہٰذا جس شخص کے دل میں قرآن مجید کی عظمت ومحبت ہو اور اسی بنا پر وہ اس کو چومے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن جس شخص کے دل میں قرآن مجید کی عظمت نہ ہو اور قرآن کی تعلیمات پر عمل کرنے اور اس کو اپنانے میں کوتاہی کرتا ہے اور صرف چومنے کو نجات کے لیے کافی سمجھتا ہے تو یہ اُس کی بیوقوفی ہے کیونکہ قرآن مجید کی اصل تعظیم اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا ہے، تاہم اس میں افراط وتفریط سے احتراز کرنا چاہیے۔ جو شخص تعظیم کے طور پر ایسا کرتا ہو، اس کو منع نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ صحابہ سے ثابت ہے اور جو نہیں کرتا اس کو اس پر ملامت نہیں کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلك:

لكن روي عن عمر رضي الله عنه أنه كان يأخذ المصحف كل غداة و يقبله ...... و كان عثمان رضي الله عنه يقبل المصحف و يمسحه على وجهه.(۱)

ترجمہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ وہ ہر صبح قرآن مجید لے کر اُس کو چومتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی قرآن مجید سے بوسہ لیتے اور اس کو اپنے چہرہ مبارک پر پھیر لیتے۔

❀❀❀

برتن یا ٹوپی پر لفظ ''اللہ اکبر'' لکھنا

سوال نمبر(207):

میں فوج کے ایک یونٹ میں ملازم ہوں۔ اس یونٹ کا نشان ''اللہ اکبر'' ہے، جو برتن، کپڑوں اور ٹوپی پر بھی لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان برتنوں میں کھانا کیسا ہے۔ نیز ٹوپی اور ایسے کپڑے پہن کر بیت الخلا جانا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغیرہ: ۵۵۲/۹

الجواب وباللہ التوفیق:

آیاتِ قرآنیہ اور تمام اسمائے حسنیٰ کی تعظیم واجب ہے۔جس برتن یا ٹوپی پر لفظ ''اللہ اکبر'' لکھا ہوا ہو،اگراس کے استعمال سے اسمائے حسنیٰ کی بے ادبی لازم نہ آتی ہوتواس میں کھانا کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں،البتہ ایسی ٹوپی اور کپڑے پہنے ہوئے بیت الخلا جانے میں بے ادبی کی وجہ سے کراہت ہے،لہٰذااس سے احتراز کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

وعلى هذا إذا كان عليه خاتم وعليه شيء من القرآن مكتوب أو كتب عليه اسم الله تعالى فدخل المخرج معه يكره، وإن اتخذ لنفسه مبالا طاهرا في مكان طاهرلايكره.(١)

ترجمہ:

یہی وجہ ہے کہ جب کسی شخص نے انگوٹھی پہن رکھی ہواور انگوٹھی پر قرآن مجید میں سے کچھ لکھا ہو یا اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو،تو وہ اس انگشتری سمیت بیت الخلا میں داخل ہوجائے تو یہ مکروہ ہوگا اور اگر کسی پاک جگہ میں اپنے لیے پاک جگہ پیشاب کے لیے اختیار کی تو مکروہ نہ ہوگا۔

(١) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية،الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف: ٣٢٣/٥

باب السلام والمصافحة

(سلام اور مصافحہ کا بیان)

سلام میں پہل کرنے کا شرعی قاعدہ

سوال نمبر(208):

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جب گھر کا بڑا یعنی باپ یا بھائی وغیرہ باہر سے گھر آتا ہے تو چھوٹے بڑے سب اس کو سلام کرتے ہیں۔اب جواب میں سب کو ایک مرتبہ'' وعلیکم السلام '' کہنا کافی ہے یا ہر ایک کے سلام کا الگ الگ جواب دینا ضروری ہے؟ نیز اس کی بھی وضاحت مطلوب ہے کہ سلام کس کو کرنا چاہیے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سلام باہم محبت واخوت بڑھانے کا بہترین ذریعہ ہے۔فقہائے کرام نے جہاں دیگر احکام کے آداب کا تذکرہ کیا ہے، وہاں سلام کے آداب کی بھی نشاندہی کی ہے۔سلام میں پہل کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ سوار آدمی پیدل چلنے والوں کو اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے لوگوں کو اور قلیل کثیر کو اور چھوٹا بڑے کو سلام پیش کرے۔اسی طرح باہر سے آنے والا گھر والوں کو سلام کرے، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، ایک ہو یا زیادہ اور اگر کوئی شخص مجلس والوں پر سلام کرے اور مجلس والوں میں سے صرف ایک شخص سلام کا جواب دیدے تو سب کا ذمہ اس سے فارغ ہو جاتا ہے۔اسی طرح اگر آنے والے زیادہ ہوں تو بھی ان میں سے ایک شخص کا سلام کرنا سب کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے۔یوں ہی کئی افراد سلام کہیں تو ایک مرتبہ سب کو جواب میں وعلیکم السلام کہنا کافی ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

قال الفقيه أبو الليثؒ: إذا دخل جماعة على قوم، فإن تركو السلام فكلهم آثمون في ذلك، وإن سلّم واحد منهم جازعنهم جميعاً، وإن سلم كلهم فهو أفضل، وإن تركوا الجواب فكلهم آثمون، وإن ردّ واحد منهم أجزأهم، و به ورد الأثر، وإن أجاب كلهم فهوأفضل، ويسلّم الماشي على القاعد ويسلم الذي يأتيك من خلفك. (۱)

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع فی السلام : ۳۲۵/۵

ترجمہ:

فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا کہ جب ایک جماعت کسی قوم کے ہاں آجائے تو اگر جماعت کے سب لوگوں نے سلام کہنا ترک کیا تو سب گناہ گار رہوں گے اور اگر اس جماعت میں سے ایک شخص نے بھی سلام کہہ دیا تو سب کی طرف سے کافی ہوگا اور اگر سب لوگوں نے سلام کہا تو یہ افضل ہے۔اسی طرح سلام کے جواب میں اگر جماعت کے سب لوگوں نے سلام کا جواب کہنا ترک کیا تو وہ سب گناہ گار رہوں گے،تاہم اگر ان لوگوں میں سے ایک نے بھی سلام کا جواب دے دیا تو وہ سب کی طرف سے کافی ہے،اسی طرح ہی ماثور ہے،البتہ اگر سب جواب دیں تو یہ بہتر ہوگا۔۔۔۔اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کہے اور جو شخص تیرے پیچھے سے آئے،وہ آگے والوں کو سلام کہے۔

ويسلم الراكب على الماشي، والقائم على القاعد، والقليل على الكثير والصغير على الكبير.(١)

ترجمہ: سوار آدمی پیدل چلنے والوں کو،کھڑا آدمی بیٹھنے والے کو،تعداد میں کم افراد زیادہ لوگوں کو اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔

بغیر الف لام کے سلام کہنا

سوال نمبر(209):

ایک آدمی اگر السلام علیکم کی جگہ سلام علیکم کہہ دے،یعنی لفظ سلام بغیر الف لام کے کہے تو کیا وہ سنت پر عمل کرنے والا ہوگا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ سلام کے لیے "السلام علیکم" اور "سلام علیکم" دونوں طرح کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے اور دونوں سے سنت ادا ہوگی،تاہم الف لام کے ساتھ ''السلام علیکم'' کہنا افضل ہے۔

---

(١) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام:٥/٣٢٥

والدّليل على ذلك:

ولو قال المبتدئ سلام عليكم أو قال السلام عليكم، فللمجيب أن يقول في الصورتين سلام عليكم، وله أن يقول السلام عليكم، و لكن الألف واللام أولى. (۱)

ترجمہ:

اگر سلام میں پہل کرنے والے نے یوں کہا کہ "سلام علیکم" یا اس نے یوں کہا کہ "السلام علیکم" تو دونوں صورتوں میں جواب دینے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ یوں کہے کہ "سلام علیکم"، البتہ الف لام کے ساتھ کہنا (یعنی "السلام علیکم") بہتر ہے۔

❁❁❁

سائل کے سلام کا جواب دینا

سوال نمبر(210):

اگر کوئی شخص اس نیت سے سلام کرے کہ مجھے مخاطب کچھ پیسے وغیرہ دیدے تو کیا اس کو جواب دینا لازم ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

اگر ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو سلام کرے تو مخاطب پر اس کا جواب دینا واجب ہو جاتا ہے۔ تاہم اس میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ واقعی سلام کرنے والا "السلام علیکم" کہہ کر مسنون طریقہ سے سلام تحیہ پیش کرنا چاہتا ہے یا کچھ اور غرض ہے۔ اگر ان کلمات سے اس کا مقصد دوسرے شخص کو اس بات پر تنبیہ کرانا ہو کہ وہ اس کی آمد پر مطلع ہو کر اس کو کچھ صدقہ وخیرات دیدے تو ایسی صورت میں سامع پر اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔

والدّليل على ذلك:

السائل إذا أتى باب دار إنسان فقال السلام عليكم لا يجب ردّ السلام عليه .(۲)

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام :۳۲۵/۵

(۲) أيضاً :۳۲۵/۵

ترجمہ:

سوال کرنے والا جب کسی انسان کے گھر کے دروازے پر آکر سلام کہے تو اس کا جواب دینا واجب نہیں۔

❁❁❁

سلام میں اضافہ کرنا

سوال نمبر(211):

مسنون سلام میں "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کے الفاظ پر زیادتی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

مسلمان ایک دوسرے سے ملتے وقت ایک دوسرے کو تحیہ پیش کرتے ہیں اس کے لیے کم از کم مسنون الفاظ "السلام علیکم" ہیں، اور اگر کوئی شخص "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" پورے الفاظ کے ساتھ سلام پیش کرے تو اس کو زیادہ ثواب ملے گا، لیکن وبرکاتہ سے آگے اپنی طرف سے الفاظ کی زیادتی شرعاً ثابت نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی آخری حد ہوتی ہے اور سلام کی آخری حد "وبرکاتہ" کے الفاظ ہیں، اس لیے اس میں مزید اضافہ نہ کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

والأفضل أن يقول السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، والمجيب كذلك يردّ، ولا ينبغي أن يزاد على البركات شيء، قال ابن عباسؓ: لكل شيء منتهى و منتهى السلام البركات.(۱)

ترجمہ: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" سے سلام پیش کرنا افضل ہے اور جواب دینے والا بھی اسی طرح جواب دے اور برکاتہ سے اضافہ مناسب نہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی ایک انتہا ہوتی ہے اور سلام کی آخری حد وبرکاتہ ہے۔

❁❁❁

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام: ۵/۳۲۵

حالتِ جنابت میں سلام کرنا

سوال نمبر(212):

اگر کسی کو جنابت لاحق ہو اور اس دوران وہ کسی مسلمان بھائی کے ساتھ ملاقات کرے تو کیا جنابت کی حالت میں اس کے لیے سلام کرنا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جنبی شخص کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز نہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اذکار اور دعائیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، چونکہ سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا بھی ایک ذکر ہے اس لیے جنبی آدمی کا حالتِ جنابت میں کسی کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

(ولا بأس) لحائض و جنب (بقراءة أدعية و مسها و حملها، وذكر الله تعالى و تسبيح).(۱)

ترجمہ: حائضہ اور جنبی کے لیے دُعائیں پڑھنے، ان کو ہاتھ لگانے اور اُٹھانے، اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

وأما السّلام، فإنه ذكر غير مختص بوقت.(۲)

ترجمہ: سلام ایک ایسا ذکر ہے، جو کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

❁❁❁

عورتوں کے سلام کا جواب دینا

سوال نمبر(213):

اگر کوئی عورت کسی شخص کو سلام کرے تو مرد کے لیے سلام کا جواب دینا شریعت کی رُو سے کیسا ہے؟

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الحيض: ۴۸۸/۱

(۲) السهارنفوري، خليل أحمد بذل المجهود في حل ابي داؤد، كتاب الطهارة، باب في الرجل يرد السلام: ۴۶/۱

الجواب و باللہ التوفیق:

ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر دیگر حقوق کے ساتھ ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کے سلام کا جواب دے۔ مرد محرم عورتوں کو اور عورت محرم مردوں کو سلام کر سکتی ہے اور جواب بھی دے سکتی ہے۔ تاہم اگر کہیں غیر محرم عورت سلام کرے تو اگر وہ بوڑھی ہے تو اس کے سلام کا جواب بلند آواز سے بھی دینا جائز ہے، لیکن اگر جوان ہے تو دل ہی دل میں جواب دے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإن سلمت المرأة الأجنبية على رجل إن كانت عجوزاً ردّ السلام عليها بصوتٍ يسمع، وإن كانت شابة ردّ عليها في نفسه.(۱)

ترجمہ:

اگر کوئی اجنبی عورت سلام کرے تو اگر وہ بوڑھی ہو تو سلام کا جواب بلند آواز سے دے دے۔ اگر عورت جوان ہو تو صرف اپنے دل میں آہستہ جواب دے۔

۞۞۞

کھانے کے دوران سلام کرنا

سوال نمبر(214):

اگر ایک آدمی کا گزر ایسے لوگوں پر ہو جو کسی جگہ بیٹھے کھانا کھانے میں مصروف ہوں تو ان پر سلام کرنا شرعاً کیسا ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

سلام کرنا ایک مسنون عمل ہے جو شعائر اسلام میں سے ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں اس کی بہت ترغیب آئی ہے۔ البتہ اس کے آداب کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ سلام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص طبعی یا شرعی ضرورت میں مصروف ہو تو اُسے سلام نہ کیا جائے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر کھانے میں مصروف افراد کو اس نیت سے سلام کیا جائے کہ وہ کھانے کی دعوت دیں،

(۱) الفتاوى الخانية على هامش الهندية، كتاب الحظر والاباحة، فصل في التسبيح والتسليم: ۴۲۳/۳

تو درست ہے اور اگر کھانے میں شمولیت کا ارادہ نہ ہو تو ان کو سلام نہ کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلك:

مرّ علی قوم یأکلون إن کان محتاجاً وعرف أنهم یدعونه سلم وإلا فلا. (۱)

ترجمہ:

آدمی کا گزر ایسے لوگوں پر ہو جو کھانا کھا رہے ہوں، اگر گزرنے والا آدمی محتاج (یعنی بھوکا) ہو اور جانتا ہو کہ کھانے والے اِسے دیکھ کر اسے بھی دعوت دیں گے تو ایسی صورت میں سلام کرے، ورنہ نہیں۔

❁❁❁

سلام بھیجنے والے کا سلام پہنچانا

سوال نمبر (215):

ایک آدمی غائب تک سلام پہنچانا چاہے اور کسی سے یوں کہے کہ فلاں کو میرا سلام کہنا تو کیا سلام پہنچانے والے پر سلام پہنچانا لازم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ جب کسی کو دوسرے تک سلام پہنچانے کو کہا جائے اور وہ ماموراسے قبول بھی کرے تو مطلوبہ آدمی تک سلام پہنچانا اس کی ذمہ داری بنتی ہے۔ تاہم اگر وہ اس وقت سلام پہنچانے سے انکار کرے تو ایسی صورت میں اس پر لازم نہیں، البتہ اس کی یہ اخلاقی ذمہ داری بنتی ہے کہ اگر مطلوبہ شخص تک سلام پہنچانا آسان ہو اور سلام پہنچانے میں کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو تو اس تک سلام پہنچائے۔

والدّلیل علی ذلك:

والتحقیق أن الرسول إن التزمه أشبه الأمانة وإلا فودیعة والودائع إذا لم تقبل لم یلزمه شيء. (۲)

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة :الباب السابع فی السلام:۳۲۵/۵

(۲) فتح الباري، کتاب الاستئذان، باب إذا قال فلان یقرئك السلام : ۳۰٤/۱۲

ترجمہ:

تحقیقی بات یہ ہے کہ اگر قاصد سلام پہنچانے کا التزام کرے تو امانت کے مشابہ ہے، ورنہ ودیعت کا حکم رکھتا ہے۔ اور ودیعت جب قبول نہ کی جائے تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں۔

۞۞۞

سلام پہنچانے والے کو سلام کا جواب دینا

سوال (216):

جب ایک آدمی کسی غائب آدمی کا سلام پہنچادے تو اس کو سلام کا جواب دینے کا کیا طریقہ ہے؟ آیا صرف سلام بھیجنے والے کے جواب پر اکتفا کرے۔ یا پہنچانے والے کو بھی جواب میں شامل کرے۔

بیّنوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

جب کوئی آدمی کسی غائب شخص کا سلام کسی اور مسلمان بھائی کو پہنچائے تو وہ شخص (جس کو سلام بھیجا گیا ہے) صرف سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب دینے پر اکتفانہ کرے، بلکہ جواب دینے میں پہلے سلام پہنچانے والے کو جواب دیدے، اس کے بعد بھیجنے والے کے سلام کا جواب دے دے۔ مسنون الفاظ یہ ہیں: "وعليك وعليه السلام."

والدّليل على ذلك:

ذكر محمدؒ في باب الجعائل من السير حديثا يدل علىٰ أن من بلغ إنسانا سلاما من غائب كان عليه أن يردّ الجواب علىٰ المبلّغ أولا ثم علىٰ ذلك الغائب. (١)

ترجمہ:

امام محمدؒ نے کتاب السیر کے باب الجعائل میں ایک حدیث روایت کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غائب شخص کی طرف سے جس آدمی نے کسی انسان کو سلام پہنچایا تو اس پر لازم ہے کہ وہ سلام پہنچانے والے کو سلام کا جواب پہلے دے اور پھر اس غائب کے سلام کا جواب دے۔

(١) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام: ٥/٣٢٦

آپریشن کے وقت سلام کا جواب دینا

سوال نمبر(217):

میں شعبہ آپریشن میں کام کرتا ہوں۔دوران آپریشن متعدد افراد آکر "السلام علیکم" کہہ دیتے ہیں۔میں کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے جواب نہیں دے سکتا۔کیا مجھ پر آنے والے کے سلام کا جواب دینا ضروری ہے اور سلام کا جواب نہ دینے کی صورت میں کیا میں گناہ گار رہوں گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو سلامتی کی دعا دیتے ہوئے "السلام علیکم" کہہ دے تو شرعاً اس کا حق بنتا ہے کہ اس کے سلام کا جواب دیا جائے۔تاہم بعض مواضع اس سے مستثنیٰ ہیں، جہاں سلام کا جواب دینا ضروری نہیں۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک آدمی کسی خدمتِ خلق میں مصروف ہو تو مصروفیت کی وجہ سے اس شخص پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔آپریشن کے دوران بھی یہی صورت پیش آتی ہے۔اس لیے سائل پر مذکورہ صورت میں سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔تاہم اگر کوئی اور جواب دینے والا نہ ہو اور سلام کا جواب دینے سے کوئی نقصان نہ ہوتا ہو تو بہتر یہ ہے کہ حتی الوسع جواب دینے کی کوشش کی جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

ردالسلام واجب إلا على من في الصلوة أو بأكل شغل

أو شربٍ أو قرآة أو أدعيه أو ذكرٍ أوفي خطبة أو تلبيه

أوفي قضاء حاجة الإنسان أوفي إقامة أوالأذان.(۱)

ترجمہ: سلام کا جواب دینا واجب ہے، مگر جو نماز، کھانے پینے، پڑھائی، دعا، ذکر، خطبہ، تلبیہ، کسی کی حاجت پوری کرنے، اقامت یا اذان میں مشغول ہو (تو ان پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں)۔

❁❁❁

(۱) رد المحتار، باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ: ۳۷۶/۲

مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرنا

سوال نمبر(218):

اکثر لوگوں کا یہ معمول ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے سلام کرتے ہیں، جب کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے بعض لوگ ذکرواذکاراوردوسری عبادات میں مشغول ہوتے ہیں۔شریعت اس کے بارے میں کیا حکم دیتی ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے کسی مسلمان کو سلام کرنا سنت ہے، جب کہ اس کا جواب دینا واجب ہے، لیکن اس کے چند آداب بھی ہیں، جن کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ان آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد میں داخل ہوکر مسجد میں بیٹھے ہوئے حضرات کو سلام کیا جائے، تاہم اگر مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگ درس وتدریس یا ذکروعبادت میں مشغول ہوں تو ان کو سلام نہ کیا جائے۔ایسا ہی اگر بعض لوگ فارغ بیٹھے ہوں اور بعض ذکروعبادت میں مشغول ہوں اور سلام کرنے سے ان کی مشغولیت میں خلل آتا ہو تو بھی سلام نہیں کرنا چاہیے۔البتہ اگر فارغ لوگوں کو سلام کرنے سے ذکر میں مشغول حضرات متاثر نہ ہوتے ہوں تو انہیں سلام کرنا مرخص رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

ذکر الفقیه رحمه اللّٰه تعالی في التنبیه: حرمة المسجد خمسة عشر أولها أن یسلم وقت الدخول إذا کان القوم جلوسا غیر مشغولین بدرس ولا بذکر.(۱)

ترجمہ:

فقیہ ابوجعفرؒ نے تنبیہ نامی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ مسجد کے احترام کی پندرہ چیزیں ہیں: ان میں اول یہ کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کہے، جب کہ وہاں کے لوگ درس وتدریس اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول نہ ہوں۔

❁❁❁

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس في آداب المسجد :۵/۳۲۱

غیر مسلم کو سلام کرنا

سوال نمبر (219):

میں ایک غیر مسلم ملک میں ملازم ہوں۔ ملازمت کے دوران چونکہ غیر مسلموں کے ساتھ خرید وفروخت ودیگر معاملات کرنے پڑتے ہیں۔ بعض مواقع سلام اور مصافحہ کی نوبت آتی ہے۔ کیا اس وقت غیر مسلموں کو سلام کیا جاسکتا ہے؟ نیز ضرورت ان سے وابستہ ہو تو پھر کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے غیر مسلموں پر سلام میں پہل کرنا بہتر نہیں، تاہم بوقتِ ضرورت "السلام علی من اتبع الھدیٰ" کے الفاظ سے سلام کیا جاسکتا ہے اور اگر وہ سلام میں پہل کریں تو جواب میں صرف ''وعلیک'' پر اکتفا کرنا چاہیے۔ یا "السلام علی من اتبع الھدیٰ" جواب میں بھی کہنا درست ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإذا كان له حاجة فلا بأس بالتسليم عليه، ولا بأس برد السلام على أهل الذمة، ولكن لا يزاد على قوله "عليكم" وإن شئت قلت والسلام على من اتبع الهدى.(۱)

ترجمہ:

اگر مسلمان کو ضرورت پیش آئے تو غیر مسلم کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح ذمی کے سلام کا جواب دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ تاہم صرف ''علیکم'' پر اکتفا کرے اور اگر چاہے تو السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ کہے۔

❁❁❁

داڑھی منڈے ہوئے کو سلام کرنا

سوال نمبر (220):

ایک شخص داڑھی منڈا ہے، اس کو سلام کرنا بہتر ہے یا سلام نہ کرنا۔ وضاحت فرما کر ثواب دارین

(۱) الفتاوی الھندیة، کتاب الکراھیة، الباب السابع في السلام: ۳۲۵/۵

حاصل کریں۔

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

سلام کرنا ایک مسنون عمل ہے۔احادیث مبارکہ میں کثرت سے اس کی ترغیب آئی ہے۔لیکن فقہائے کرام نے بعض صورتوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔جیسے بدعتی شخص کو سلام کرنا کیونکہ اس کی تعظیم سے جناب رسول اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔اسی طرح جو شخص علانیہ طور پر کسی فسق وفجور کا مرتکب ہو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے تاکہ اس کی حوصلہ شکنی ہو اور وہ اس عمل بد سے باز آجائے۔تاہم جہاں کہیں معاشرہ میں کوئی ایسا گناہ ہو کہ اکثر مسلمان اس کے مرتکب ہوں تو اس وقت سلام نہ کرنے میں فائدہ کی بجائے نقصان کا پہلو غالب ہے، کیونکہ اس عمل سے یعنی سلام نہ کرنے سے عام لوگ دین دار طبقہ سے متنفر ہو جائیں گے اور سلام نہ کرنے کی وجہ سے دونوں طبقوں میں خلا اور بُعد پیدا ہوگا جس کے مضرات غیر متناہی ہوں گے۔اس لیے موجودہ دور میں داڑھی منڈے ہوئے کو حکمت کے مقتضا پر عمل کرتے ہوئے بطور دعا سلام کرنا ہی بہتر ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

یکرہ السلام علی الفاسق لو معلنا وإلّا لا، وفي ردالمحتار: ولا یسلم علی الشیخ المازح الکذّاب، ولا علی من یسب الناس.(۱)

ترجمہ: علانیہ گناہ کرنے والے فاسق کو سلام کرنا مکروہ ہے، تاہم اگر علانیہ گناہ کا مرتکب نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ ردالمحتار میں ہے کہ اس بوڑھے کو سلام نہ کیا جائے جو جھوٹے قصوں سے لوگوں کو ہنساتا ہے اور اس شخص کو جو لوگوں کو گالیاں دیتا ہے۔

❁❁❁

نائی کی دُکان میں سلام کرنا

سوال نمبر(221):

ایک شخص کا یہ کہنا ہے کہ نائی کی دُکان میں سلام کرنا درست نہیں۔ وہ لوگوں کو اس سے منع کرتا ہے

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر الاباحة، باب الاستبراء وغیرہ، فصل فی البیع: ۵۹۵/۹

کیا اس کی یہ بات درست ہے یا نہیں؟ نیز بدگمانی پیدا ہونے کی صورت میں کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک دوسرے کو سلام کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت اور شعائرِ اسلام میں سے ہے، لیکن بعض مواقع ایسے ہیں جن میں کچھ عوارض کو مدِ نظر رکھ کر فقہاے کرام نے سلام کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔ من جملہ ان میں سے یہ بھی ہے کہ جو شخص یا جماعت لہو ولعب یا کسی معصیت کے کام میں مشغول ہو اُن کو سلام نہ کیا جائے۔ نائی کی دُکان میں اگر کوئی داخل ہوا اور وہاں کسی کی ڈاڑھی منڈوائی جارہی ہو یا کوئی اور گناہ کا کام ہو رہا ہو تو سلام نہیں کرنا چاہیے، تاہم اگر وہ کسی گناہ میں عملاً مشغول نہیں تو سلام کرنا بہتر ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ويسلم على قوم في معصية، و على من يلعب بالشطرنج ناويا أن يشغلهم عما هم فيه عند أبي حنيفة، و كره عند هما تحقيراً لهم.(١)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان لوگوں کو سلام کرنا جو کسی معصیت میں مبتلا ہوں اور اس شخص کو سلام کرنا جو شطرنج کھیل رہا ہو، اس نیت سے جائز ہے کہ ان کو اس کام سے دوسری طرف مشغول کرے اور صاحبین کے نزدیک ان کی تحقیر کی خاطر (سلام نہیں کرنا چاہیے) کرے تو مکروہ ہے۔

❁❁❁

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کا ثبوت

سوال نمبر(222):

دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنا سنت ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

محدثین وفقہاے کرام کی تصریحات کے مطابق دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔ امام بخاریؒ نے

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر الاباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ٥٩٥/٩

"باب الاخذ بالیدین" (دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا) کے نام سے مستقل باب باندھا ہے اور اس کے ثبوت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر تشہد سکھایا۔ امام بخاری اس سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے مسنون ہونے پر استدلال فرماتے ہیں۔ اس کے ساتھ حضرت حمادؒ کا عمل بھی پیش کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ فرمایا۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ، وتابعین عظامؒ اور حضرات محدثینؒ کی عبارات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا سنت ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

باب الأخذ باليدين، وصافح حمادبن يزيد ابن المبارك بيديه، حدثنا أبو نعيم حدثنا سيف قال سمعت مجاهدا يقول حدثني عبد الله بن سخبرة أبو معمر قال: سمعت ابن مسعود يقول: علمني النبي ﷺ التشهد وكفّي بين كفّيه. (١)

ترجمہ:

یہ باب ہے دونوں ہاتھوں سے پکڑنے کے بارے میں۔ حماد بن زیدؒ نے عبداللہ بن مبارکؒ کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ فرمایا۔ امام بخاری اپنی سند سے عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے تشہد سکھائی اس حال میں کہ میرا ہاتھ حضور ﷺ کے مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا۔

والسنة أن تكون بكلتا يديه، وبغير حائل من ثوب أو غيره، وعند اللقاء بعد السلام، وأن يأخذ الإبهام، فإن فيه عرقا ينبت المحبة. (٢)

ترجمہ:

مصافحہ میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو، کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو، ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ کرے اور انگوٹھے کو پکڑ لے، کیونکہ اس میں محبت پیدا کرنے والی رگ ہے۔

❁❁❁

---

(١) صحيح البخاري، كتاب الاستيذان، باب المصافحة: ٩٢٦/٢

(٢) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبرا: ٥٤٧/٩

محرم وغیر محرم عورتوں سے مصافحہ

سوال نمبر(223):

محرم عورتوں سے مصافحہ کا کیا حکم ہے؟ نیز ماموں زاد، چچازاد بیٹیوں اور دیگر غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق محرم عورتوں (جن کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو) کے ساتھ مصافحہ کرنا اس وقت جائز ہے، جب کسی ایک طرف سے بھی شہوت کا خطرہ نہ ہو، اگر کسی ایک جانب سے بھی شہوت کا خطرہ ہو تو مصافحہ کرنا ناجائز رہے گا۔ جب کہ غیر محرم عورتوں کے ساتھ مصافحہ کرنا مطلقاً جائز نہیں، خواہ شہوت کا خطرہ ہو یا نہ ہو، اس لیے ماموں زاد، چچازاد بیٹیوں اور دیگر غیر محرم عورتوں کے ساتھ مصافحہ کرنا بالکل جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

(وماحل نظره)مما مر من ذكر أو أنثى (حل لمسه)إذا أمن الشهوة على نفسه وعليها.(۱)

ترجمہ: کسی مرد و عورت کے اعضا میں سے جن اعضا کو دیکھنا جائز ہے، ان کو چھونا بھی جائز ہے، بشرطیکہ دونوں طرف سے شہوت کا خوف نہ ہو۔

ولايحل له أن يمس وجهها ولا كفها وإن كان يأمن الشهوة.(۲)

ترجمہ: اور اجنبی عورت کا چہرہ اور ہاتھ مس کرنا جائز نہیں، اگرچہ شہوت کا خوف نہ ہو۔

۞۞۞

نمازِ عید کے بعد معانقہ و مصافحہ کرنا

سوال نمبر(224):

ہمارے علاقے میں ایک مولوی صاحب عید کے دن تقریر میں یہ کہہ رہے تھے کہ عید کی نماز کے بعد معانقہ و

(۱) الدر المختار على صدر ردالمحتار، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء: ۵۲۸/۹

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر اليه وما لا يحل له: ۳۲۹/۵

مصافحہ ائمہ اربعہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ کیا واقعی ان کی یہ بات درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

مصافحہ اور معانقہ کرنے میں بذاتِ خود کوئی قباحت نہیں، بلکہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے۔ تاہم نمازِ عید یا کسی خاص نماز کے بعد مصافحہ و معانقہ خصوصی طور پر ثابت نہیں۔ اس لیے کسی بھی نماز کے بعد مصافحہ و معانقہ کو لازم سمجھنا بدعت میں شمار ہو کر ناجائز رہے گا۔ لیکن اگر لازم سمجھے بغیر مصافحہ و معانقہ کیا جائے، جو آپس میں اخوت و محبت کا سبب بنے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

اعلم أن المصافحة مستحبة عند كل لقاء، وأما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر، فلا أصل له في الشرع على هذا الوجه، ولكن لابأس به، فإن أصل المصافحة سنة.(۱)

ترجمہ:

ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا ایک مستحب عمل ہے اور لوگوں نے صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کی جو عادت بنائی ہے، اس طریقہ سے اس کی شریعت میں کوئی حقیقت نہیں۔ تاہم اس میں کوئی حرج بھی نہیں، کیونکہ اصلاً مصافحہ کرنا سنت عمل ہے۔

۞۞۞

نماز کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کرنا

سوال نمبر(225):

نماز جمعہ و عیدین اور اسی طرح ہر باجماعت نماز ادا کرنے کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کرنے کو باعثِ اجر و ثواب سمجھنا شرعاً کیسا ہے؟

بینوا توجروا

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء: ۵٤۷/۹

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ مصافحہ کرنا سنت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "جس نے کسی مسلمان بھائی کے ساتھ مصافحہ کیا اور اس کے ہاتھ کو حرکت دی تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔"

تاہم مساجد میں نمازِ جمعہ وعیدین، یا دیگر باجماعت نمازیں ادا کرنے کے بعد امام صاحب کے ساتھ مصافحہ کرنا مستقل صحیح روایات اور صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں، اس لیے اس کو مستقل باعثِ اجر وثواب سمجھنا بدعت کے زمرے میں آتا ہے، لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ نیز یہ علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ عوام کو حکمت وبصیرت کے ساتھ سمجھا کر اس سے منع کردیں۔

والدّلیل علی ذلک:

(كالمصافحة) أي كما تجوز المصافحة ؛لأنها سنة قديمة متواترة لقوله عليه السلام :من صافح أخاه المسلم، وحرّك يده تناثرت ذنوبه .(۱)

ترجمہ:

جس طرح مصافحہ جائز ہے، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے سنت متواترہ ہے "جس نے اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ مصافحہ کیا اور اس کے ہاتھ کو حرکت دی تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔"

ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلوة بكل حال؛لأن الصحابة رضى الله عنهم ما صافحوا بعدأداء الصلوة ولأنها من سنن الروافض، ثم نقل عن ابن حجر من الشافعية: أنها بدعة مكروهة لا أصل لها في الشرع.(۲)

ترجمہ:

اور ملتقط سے تبیین المحارم میں نقل کیا گیا ہے کہ نماز کی ادائیگی کے بعد مصافحہ کرنا ہر حال میں مکروہ ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ نے نماز کے بعد کبھی مصافحہ نہیں کیا اور اس لیے بھی کہ یہ روافض کا طریقہ ہے۔ پھر شوافع میں سے ابن حجرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ بری بدعت ہے، جس کا شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

۞۞۞

(۱) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة،باب الاستبراء : ۵۴۷/۹

(۲) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحة،باب الاستبرا : ۵۳۷/۹

عالم کے ہاتھ کا بوسہ لینا

سوال نمبر(226):

ہمارے علاقے میں یہ دستورِ عام ہے کہ لوگ علما اور بزرگوں کے ہاتھ کا بوسہ لیتے ہیں، جب کہ بعض لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ یہ عمل غلط اور شریعت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں غیر اللہ کے سامنے جھکنا لازم آتا ہے۔ کیا واقعی یہ ناجائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

غیر اللہ کے سامنے جھکنے کی ممانعت اس وقت ہے، جبکہ جھکنے والے کا قصد وارادہ کسی غلط عقیدہ کی تکمیل ہو۔ بزرگوں سے ملنے کے وقت بوسہ لینے کی غرض سے جھکنے کے عدم جواز کی کوئی ظاہری وجہ نہیں، بلکہ اگر اس میں محبت وعقیدت کی نیت کی جائے تو باعثِ اجر وثواب ہے۔ علما وصلحا اور مشائخ کے ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ویکرہ الانحناء عند التحیة.........تقبیل یدالعالم والسلطان العادل جائز، ولا رخصه في تقبیل ید غیر هما هو المختار. (۱)

ترجمہ: اور تحیہ کے وقت جھکنا مکروہ ہے۔۔۔۔عالم اور نیک بادشاہ کا ہاتھ چومنا جائز ہے اور ان دونوں کے علاوہ کسی کے ہاتھ چومنے میں رخصت نہیں ہے۔ یہی حکم مختار ہے۔

❁❁❁

کسی سے بوسہ لینا اور دینا

سوال نمبر(227):

بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ ملتے وقت لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ، پیشانی اور گالوں وغیرہ کا بوسہ لیتے ہے۔ والدین اور دوست بھی لیتے ہیں۔ شرعی نقطۂ نظر سے اس کا کیا حکم ہے؟

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثامن والعشرون في ملاقات الملوك: ۵/ ۳٦۹

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

بوسہ لینے اور چومنے کی چند صورتیں ہیں:

۱۔ قُبلۂ رحمت: یعنی از راہ شفقت چومنا اور بوسہ لینا، مثلاً: والدین کا اپنی اولاد کو چومنا۔

۲۔ قُبلۂ تحیہ: یعنی سلام کے وقت جائز موقع ومحل پر چومنا، مثلاً: ایک مؤمن کا دوسرے مؤمن کو چومنا۔

۳۔ قُبلۂ مؤدت: یعنی بطور دوستی اور محبت کے چومنا، مثلاً: ایک بھائی کا دوسرے بھائی کا ماتھا چومنا۔

۴۔ قُبلۂ شہوت: یعنی نفسانی خواہش سے چومنا، مثلاً: مرد کا اپنی بیوی یا باندی کو چومنا۔

چومنے کی مذکورہ پہلی تین صورتیں جائز ہیں۔ آخری صورت بیوی اور باندی کے علاوہ کسی بھی مرد یا عورت کے ساتھ ناجائز اور حرام ہے اور بغیر کسی وجہ کے مرد کا دوسرے مرد کا منہ یا اس کا ہاتھ یا اس کے گال ورخسار چومنا مکروہ ہے۔ البتہ ماتھا چومنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

يكره أن يقبل الرجل فم الرجل، أو يده، أو شيئا منه في قول أبي حنيفةؒ و محمدؒ. قال أبو يوسفؒ لا بأس بالتقبيل و المعانقة في إزار واحدة، فإن كانت المعانقة فوق قميص أو جبة أو كانت القبلة على وجه المبرة دون الشهوة جاز عند الكل.(۱)

ترجمہ: ایک مرد کا دوسرے مرد کا منہ یا اس کا ہاتھ یا اس کے کسی بھی حصّہ کو چومنا مکروہ ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ چومنے اور گلے ملنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ ایک ازار میں ہو۔ اگر قمیص یا جبہ کے اوپر سے معانقہ کرے یا وہ چومنا از راہ حسن سلوک اور خوش معاملگی سے ہو، شہوت سے نہ ہو تو سب کے ہاں جائز ہے۔

❁❁❁

معانقہ کے مسنون مواقع

سوال نمبر (228):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ معانقہ کے مسنون مواقع کون سے ہیں؟

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن و العشرون في ملاقات الملوك: ۵/ ۳۶۹

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت مطہرہ نے مسلمانوں کے مابین باہمی الفت ومحبت کو برقرار رکھنے اور بڑھانے کی خاطر سلام کو بہترین ذریعہ قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے اکثر اوقات میں سلام کے ساتھ مصافحہ بھی منقول ہے، جب کہ سفر سے واپسی پر یا عقیدت ومحبت کے پیش نظر عام حالات میں بھی معانقہ کرنا ثابت ہے، جیسا کہ حضرت جعفرؓ کو حبشہ سے واپسی کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے گلے لگایا اور حضرت ابوذرؓ کو عام حالت میں خدمت اقدس میں حاضری پر گلے ملے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

عن أيوب بن بشير بن كعب العدوي عن رجل من عنزة أنه قال لأبي ذر حيث سُيِّر من الشام إني أريد أن أسألك عن حديث من حديث رسول الله ﷺ. قال: إذاً أخبرك به إلا أن يكون سرا. قلت: إنه ليس بسرّ، هل كان رسول الله يصافحكم إذا لقيتموه؟ قال: مالقيته قط إلا صافحني. وبعث إلي ذات يوم ولم أكن في أهلي، فلما جئت، أخبرت أنه أرسل إلي، فأتيته، وهو علىٰ سرير، فالتزمني فكانت تلك أجود وأجود. (۱)

ترجمہ:

حضرت ایوب بن بشیر بن کعب عدوی بنوعنزہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوذرؓ شام سے واپس بلا لیے گئے تو میں نے ان سے کہا کہ میں آپ سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں سے ایک حدیث کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ: اگر وہ کوئی راز کی بات نہ ہو تو میں آپ کو اس حدیث کے متعلق خبر دوں گا۔ میں نے عرض کیا کہ وہ راز کی بات نہیں۔ جب تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ملاقات کرتے تو کیا رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کے ساتھ مصافحہ فرماتے؟ ابوذرؓ نے فرمایا: میں جب بھی آپ ﷺ سے ملا تو انہوں نے مجھ سے مصافحہ فرمایا اور ایک دن آپ ﷺ نے مجھے بلانے کے لیے کسی کو بھیجا لیکن میں گھر میں نہیں تھا، جب میں گھر آیا تو مجھے خبر دی گئی کہ آپ کے پیچھے کوئی شخص بھیجا گیا تھا، پس میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ ایک چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے مجھے چمٹا لیا (یعنی گلے لگا لیا) پس وہ گلے لگانا بہتر اور بہت زیادہ بہتر تھا۔

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب المعانقة: ۲/۳۵۲

باب الزینۃ

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

چونکہ شریعتِ اسلامیہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس لیے اس میں مرد وعورت کے فطری وطبعی تقاضوں کی رعایت رکھی گئی ہے۔ ان فطری وطبعی تقاضوں میں ایک زیب وزینت اور آرائش وزیبائش بھی ہے۔ زیب وزینت اور حسن وجمال انسانی زندگی کا ایک اہم اور امتیازی پہلو ہے، جس سے انسان اور غیر انسان کے درمیان فرق اجاگر ہوتا ہے، اسی لئے خود قرآن کریم نے بھی بعض صورتوں میں زیب وزینت ترک کرنے پر ملامت کا انداز اپنایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾(۱)

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کس نے اللہ کی زینت کو حرام کر دیا ہے، جسے اللہ نے اپنے بندوں کے واسطے نکالا یعنی پیدا فرمایا۔

زینت کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

زینت کا لغوی معنیٰ ہے "کل مایتزین بہ" یعنی ہر وہ چیز جس سے آرائش حاصل ہو، جب کہ اصطلاح میں زینت ہر اس چیز کو کہتے ہیں، جس کے ذریعے انسان ظاہری حسن وجمال اور صفائی ستھرائی حاصل کر لے۔ "والزينة مايتزين به الناس". چاہے وہ لباس ہو، بدن کی صفائی سے متعلق کوئی چیز ہو، سواری ہو یا زیورات وغیرہ ہوں۔(۲)

زیب وزینت کے بارے میں شرعی اصول وہدایات:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے مرد وعورت کے مناسبِ حال وفطرت، دونوں کو زینت وزیبائش اختیار کرنے کی اجازت دی ہے البتہ مرد کی بہ نسبت عورت کے لئے زینت کے جواز کا دائرہ وسیع رکھا ہے، لیکن یہ بھی کسی عقل مند انسان پر مخفی نہیں کہ کوئی بھی شے جب اپنے دائرہ کار یا حدود سے تجاوز کرنے لگے تو وہ چیز بدنما لگتی

(۱) الاعراف:۳۲

(۲) آلوسي، السيد محمود، روح المعاني، الأعراف:۳۲، تفسير قوله تعالى ﴿إنه لا يحب المسرفين﴾:۸/۱۱۱، دار احياء التراث العربي، بيروت لبنان

ہے اور نظام میں فساد و بگاڑ کا باعث بن کر انسان دشمن تصور کی جاتی ہے۔ذیل میں زیب وزینت سے متعلق شریعت کے چند بنیادی اصول کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

(۱) زیب وزینت میں حد اعتدال:

نبی کریم ﷺ نے جہاں اس بات کی ترغیب دی ہے کہ حق تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا اثر انسان پر دکھائی دے، تو وہاں یہ بھی حکم دیا ہے کہ جو شخص باوجود قدرت واختیار کے محض تواضع، عاجزی اور سادگی اختیار کرنے کے لئے زیب وزینت ترک کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں جنت کا جوڑا پہنائیں گے۔(۱)

غرض یہ کہ نہ تو بے ڈھنگے لباس، پراگندہ بالوں کو پسند کیا ہے، اور نہ ہی آرائش وزیبائش میں مبالغے کی تعریف کی ہے، بلکہ صفائی ستھرائی کے ساتھ ساتھ سادگی کو پسند کیا گیا ہے۔(۲)

(۲) زیب وزینت میں اسراف، تکبر اور کسی کی تحقیر نہ ہو:

زیب وزینت اگرچہ فی نفسہٖ جائز اور مباح ہے، لیکن یہ حکم اس وقت تک ہے جب تک یہ حدود شرعیہ سے متجاوز نہ ہو، لہٰذا زیب وزینت کی جس صورت میں بھی اسراف وفضول خرچی اور مال کا بے جا ضیاع ہو، یا اس سے چال ڈھال اور نشست وبرخاست میں تبدیلی اور خود پسندی پیدا ہو، یا اس سے کسی پر رعب جمانا، فخر وتکبر کرنا یا کسی کی تحقیر کرنا ہو تو یہ تمام صورتیں ناجائز ہیں۔اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اسراف کرنے والے، چال ڈھال اور گفتار وکردار میں تکبر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔(۳)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"والحاصل أن کل ما علیٰ وجه التکبر یکره، وإن فعل لحاجة وضرورة لا".(٤)

---

(۱) جامع الترمذي، کتاب صفة القیامة والرقاق والورع عن رسول اللہ ﷺ، باب:۲/۷۵

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس:۹/۵۰۵، مجمع الأنهر، کتاب الکراهة، فصل في للبس:۲/۵۳۱

(۳) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس:۹/۵۰۵، مجمع الأنهر، کتاب الکراهة، فصل في للبس:۲/۵۳۱، الانعام:۱٤۱، لقمان:۱۸

(٤) الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس:۹/۵۲۲، الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب العشرون في الزینة:۵/۳۵۹

(۳)زیب وزینت میں کفار یا فساق سے مشابہت نہ ہو:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس مسلمان نے لباس وغیرہ میں کسی غیر مسلم قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ ہماری ملت میں سے نہیں۔(۱)

(۴)قدرت کی تخلیق میں بلاضرورت قطع وبرید اور تبدیلی نہ ہو:

انسانی جسم اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور اس کی قدرتِ کاملہ کا عظیم مظہر ہے، اس لئے شریعتِ اسلامیہ نے کسی بھی انسان کو یہ اجازت نہیں دی ہے کہ وہ کسی شرعی وفطری ضرورت کے بغیر اپنے جسم کے کسی عضو میں من چاہے تصرف وتبدیلی کرے، لہٰذا بلاضرورتِ شرعی وفطری محض حسن وجمال کے لئے پلاسٹک سرجری، ہیئر پلانٹیشن، سونے وغیرہ کے دانت رکھنا جیسی اشیاء ناجائز اور حرام ہیں۔ تاہم جہاں کہیں کسی عضو کی منفعت اور معتاد شکل وصورت کو بحال کرنا مقصود ہو تو وہاں ان امور کی گنجائش ہے، بشرطیکہ سرجری وغیرہ سے شفایاب ہونا غالب ہو۔(۲)

(۵)زیب وزینت میں ہر صنف کے مخصوص امتیازات کی رعایت ہو (یعنی مرد کی عورتوں اور عورتوں کی مردوں سے مشابہت نہ ہو):

رسول اللہ ﷺ نے ایسے مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو مخنث بنتے ہیں، یعنی عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں، اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں جیسا بننے کی کوشش کرتی ہیں۔(۳)

لہٰذا زیب وزینت، لباس، گفتار وکردار اور نشست وبرخاست کسی بھی ایسی چیز میں ان کے مابین مشابہت جائز نہیں، جس کی وجہ سے ان کے صنفی امتیازات متاثر ہو جائیں، اور عرف ومعاشرے میں ان کو غیر جنس کی نظر سے دیکھا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے وقت جب ایک خاتون کے ہاتھوں کو مردوں کے ہاتھوں کی طرح بلا زیب وزینت دیکھا تو فرمایا: ''مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے یا مرد کا''۔ اس خاتون نے کہا کہ یہ عورت کے ہاتھ

(۱) بذل المجهود في حل أبي داؤد، كتاب اللّباس، باب في لبس الشهرة: ٣٥٦/١٦، دار اللواء الرياض

(۲) مرقاة المفاتيح مع مشكوة المصابيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الأول، رقم الحديث (٤٤٣١): ٢١٨/٨، ٢١٩، والفصل الثاني، رقم (٤٤٦٨): ٢٤٥/٨، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون فيمايسع من جراحات بني آدم والحيوانات: ٣٦٠/٥

(۳) الصحيح للبخاري، كتاب اللّباس، باب المتشبهين بالنساء: ٨٤٧/٢، مرقاة المفاتيح مع مشكوة المصابيح، كتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الأول، رقم الحديث (٤٤٦٩): ٢٤٦/٨

ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ناگواری کے طور پر فرمایا:

"لو کنتِ امرأةً لغیرتِ أظفارك ".(۱)

اگر تو عورت ہوتی تو مہندی وغیرہ سے اپنے ناخن اور ہاتھوں کا رنگ بدل دیتی۔

فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح مردوں کے لئے ہاتھ پاؤں میں مہندی کا استعمال مکروہ ہے، اسی طرح بچوں کے ہاتھوں کو بھی مہندی سے رنگنا مکروہ ہے، اس لئے کہ ایسا کرنے سے ان کی عادات عورتوں سے مشابہہ ہوجائیں گی۔ مردوں کے لئے محض زینت کی خاطر خالص سیاہ سرمے کا استعمال بھی مکروہ ہے، البتہ ٹھنڈک اور علاج کے طور پر اثمد سرمہ (جس میں سیاہ پن زیادہ نہ ہو) کا استعمال بلا کراہت درست ہے۔(۲)

(۶) زیب وزینت سے وضو اور غسل کے فرائض متاثر نہ ہوں:

جو پالش یا لوشن اعضا جسمانی یعنی بالوں، ہونٹوں یا ناخنوں پر لگانے سے جم کر تہہ کی شکل اختیار کرلے اور اس میں پانی جلد تک سرایت نہ کرسکے تو ایسے پالش یا لوشن کا استعمال عورتوں کے لیے بھی مکروہ ہے۔ اگر کسی نے ایسا پالش یا لوشن لگایا ہو تو وضو اور غسل کرتے وقت اس کا کسی دوائی یا کھردری چیز سے زائل کرنا واجب ہوگا، ورنہ وضو اور غسل صحیح نہ ہوکر سخت گناہ لازم آئے گا۔ یہی حکم مٹی، آٹے یا لمبی ناخن رکھنے کا بھی ہے۔ البتہ مہندی یا اس طرح کی ہر وہ چیز، جو محض رنگ چھوڑ دے اور اس کی تہہ نہ جمے تو وہ کسی بھی وقت لگائی جاسکتی ہے۔(۳)

(۷) زیب وزینت سے وقار میں کمی نہ آئے:

زیب وزینت کی ہر وہ صورت جس سے کسی مرد یا عورت کے وقار اور اس کی شخصیت میں کمی آئے یعنی اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف آنے کا سبب بنتے ہوئے اس کی سابقہ حیثیت پر اثر انداز ہوجائے، مکروہ ہے۔ جیسے معمر اور بزرگ افراد کا بلاضرورت اپنے سفید بالوں کو اکھاڑنا یا بالکل سیاہ رنگ اور خضاب دینا مکروہ ہے۔ یہ حکم ہر اس لباس کا بھی ہے

---

(۱) مرقاة المفاتیح، کتاب اللّباس، باب الترجل، الفصل الثاني، رقم(٤٤٦٦، ٤٤٦٧): ٨/٢٤٣_٢٤٥

(۲) الفتاویٰ الهندية، کتاب الکراهية، الباب العشرون في الزينة واتخاذ الخادم للخدمة: ٥/٣٥٨، ٣٥٩

(۳) جماعة من علماء العرب، فتاوی المرأة المسلمة، حکم الوضو بوجود المناکير والحناء: ص ٢٨١_٢٨٣، دار الفکر، بیروت لبنان، عمدة القاري شرح صحيح البخاري، کتاب الوضو، باب ماجاء في الوضوء، النوع الخامس من النوع الخامس: ٢/٢٣٣

جس کی وجہ سے آدمی لوگوں کی نظروں میں اپنا مقام کھو بیٹھے۔(۱)

(۸) زیب وزینت فتنہ وفساد کا ذریعہ نہ ہو:

اگر چہ شریعت مطہرہ نے عورتوں کے لئے زیب وزینت اختیار کرنے کی گنجائش دی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ان پر یہ پابندی بھی عائد کی ہے کہ وہ کوئی ایسا قدم ہرگز نہ اٹھائیں جس سے فتنے کو تقویت ملے اور بے حیائی وفحاشی کا دروازہ کھل جائے۔ لہٰذا زیب وزینت کی صرف وہی صورت جائز ہوگی جہاں دوسری شرائط کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی موجود ہو کہ محارم اور شوہر کے سوا کسی اور شخص کے سامنے زیب وزینت کا اظہار نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ...﴾ (۲)

اور ایمان والی خواتین سے کہیں کہ وہ اپنی نظریں جھکائیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور شوہر، والدین، بھائیوں۔۔۔۔۔۔ کے علاوہ کسی اور کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں۔

اسی طرح عورتوں کے لئے ہر وہ زیب وزینت اختیار کرنا حرام ہے، جس سے جاہلیت اور بدتہذیبی یا بدکردار عورتوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی﴾(۳)

اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دکھائی نہ پھرو جیسا کہ پہلی جاہلیت میں دکھایا جاتا تھا۔

(۹) زیب وزینت حقوق اللہ اور حقوق العباد سے غفلت کا ذریعہ نہ ہو:

جس زیب وزینت سے حقوق اللہ یا حقوق العباد میں کوتاہی لازم آئے، مثلاً: نماز، ذکر وتلاوت کا خیال نہ رہے، یا خاوند اور والدین کی خدمت، بچوں کی تربیت اور دوسرے واجبات شرعیہ میں خلل پیدا کرے تو وہ ناجائز ہوگی، اگر چہ فی نفسہ وہ جائز ہو۔

(۱۰) زینت اختیار کرنے کے لیے جاندار اشیا کی تصاویر استعمال نہ ہوں:

جاندار اشیا کی تصاویر کے ذریعے لباس، زیورات، گھر کی دیواروں، چھتوں یا پردوں کو مزین کرنا جائز نہیں۔(۴)

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب العشرون في الزینة واتخاذ الخادم للخدمة: ۵/۳۵۹، رد المحتار، کتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس: ۹/۵۰۵ (۲) النور: ۳۱ (۳) الأحزاب: ۳۳

(۴) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب العشرون في الزینة واتخاذ الخادم للخدمة: ۵/۳۵۹

باب الزينة

(زیب وزینت سے متعلقہ مسائل)

عورت کا سرخی پاوڈر اور ناخن پالش لگانا

سوال نمبر (229):

عورتوں کے لیے زیب وزینت کے واسطے ناخن پالش اور سرخی پاوڈر لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

خواتین کو شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے زیب وزینت کے اشیا استعمال کرنا جائز ہے۔ جہاں تک مروجہ ناخن پالش کا تعلق ہے تو یہ جب ناخن پر لگایا جائے تو اس کی تہہ جم جاتی ہے، جب تک اس کو صاف نہ کیا جائے، پانی نیچے نہیں پہنچ سکتا اور غسل ووضو کے لیے رکاوٹ کا ذریعہ بنتا ہے، اس لیے عورت جن ایام میں نماز پڑھتی ہے، اُن میں ناخن پالش نہ لگائے، یا اگر لگائے تو وضو یا غسل سے پہلے اُس کو مکمل ہٹا کر طہارت حاصل کرے۔ اور جہاں تک سرخی کا تعلق ہے تو یہ تیل کے مانند ہے اور پاوڈر گرد وغبار کے مانند ہے، اِن کی وجہ سے اعضا پر تہہ نہیں بنتی۔ اس وجہ سے ان کے ہوتے ہوئے بھی وضو درست ہے۔

والدّليل على ذلك:

والعجين في الظفر يمنع تمام الا غتسال، والو سخ والدرن لا يمنع.(۱)

ترجمہ: ناخن میں گوندھا ہوا آٹا لگا ہو تو وہ غسل کی تکمیل میں مانع ہوگا جب کہ میل کچیل غسل کی تکمیل میں مانع نہیں۔

واذا أدهن فأمرّ المآء، فلم يصل يجزئ.(۲)

ترجمہ: اگر کسی نے تیل ملا پھر اوپر پانی بہایا، مگر بدن تک نہیں پہنچا تو بھی جائز ہے۔

❀❀❀

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل: ١٣/١

(۲) أيضاً: ١٤/١

الکحل ملے اسپرے کا استعمال

سوال نمبر(230):

ہم نے سنا ہے کہ الکحل ملے اسپرے کا استعمال شرعاً درست نہیں۔کیا واقعی یہ بات درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ انگور اور کھجور سے کشید کیا گیا الکحل اگر پرفیوم میں ملایا گیا ہو تو اُس کا استعمال شرعاً جائز نہیں، کیونکہ یہ شراب ہونے کی وجہ سے نجس ہے اور اس کا استعمال حرام ہے۔اور اگر انگور اور کھجور کے علاوہ دیگر اشیا سے حاصل کیا گیا الکحل ملایا گیا ہو تو اسے استعمال کرنے کی شرعاً گنجائش موجود ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے ہاں یہ پاک اور حلال ہے بشرطیکہ لہو ولعب (یعنی مستی وآزادگی) کے طور پر استعمال نہ کیا جائے۔

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ آج کل الکحل انگور اور کھجور کے علاوہ دیگر اشیا سے حاصل کیا جاتا ہے لہٰذا الکحل ملے اسپرے کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإنما نبهت على هذا لأن الكحول المسكرة (Alcohals) اليوم صارت تستعمل في معظم الأدوية والأغراض كيمياوية أخرى، ولا تستغنى عنها كثير من الصناعات الحديثية، وقد عمت بها البلوى واشتدت إليها الحاجة، والحكم على قول أبي حنيفة أسهل ؛لأنها إن لم تكن مصنوعة من النيء من ماء العنب، فلا يحرم بيعها عنده، والذي ظهر لي أن معظم هذه الكحول لا تصنع من العنب، بل تصنع من غيرها، وراجعت له دائرة المعارف البريطانيه المطبوعة ۱۹۵۰م جـ۱/صـ ٥٤٤ فوجدت فيها حدولا للموادالتي تصنع منها هذه الكحول، فذكر في جملتها العسل، والدبس، والحب، والشعير، والحو،وعصيراً ناس(التفاح الصوبر) والسلفات، والكبريتات، ولم يذكر فيها العنب والتمر، فالحاصل أن هذه "الكحول" لولم تكن مصنوعة من العنب والتمر، فبيعها للأغراض الكيمياوية جائز باتفاق أبي حنيفة وصاحبيه.(۱)

(۱) تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم بيع الخمر: حكم الكحول المسكرة :۱/٥٥۱

ترجمہ: میں نے اس پر تنبیہ اس لیے کی کہ نشہ آور الکحل آج کل اکثر ادویات اور دوسرے کیمیاوی مواد میں استعمال ہوتا ہے، اور اکثر جدید مصنوعات اس سے مستغنی نہیں۔اس میں عموم بلوی بھی ہوگیا ہے اور اس کی طرف حاجت بھی شدت اختیار کرگئی ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتوی زیادہ سہولت والا ہے اس لیے کہ اگر یہ انگور کے کچے شیرہ سے نہ بنا ہو تو ان کے نزدیک اس کی بیع حرام نہیں اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ الکحل کی اقسام میں سے اکثر انگور سے نہیں بنتیں، بلکہ اس کے علاوہ دیگر چیزوں سے بنتی ہیں۔اس کے لیے میں نے دائرہ معارف برطانیہ (Insyclopedia Britanica) مطبوعہ ۱۹۵۰: ج ۱/ص ۵۴۴ کی طرف مراجعہ کیا تو اس میں میں نے ایک جدول پایا جس میں ان مواد کی تفصیل ہے، جن سے یہ الکحل بنتے ہیں۔من جملہ ان اشیاء کے شہد، کھجور کا شیرہ، دانہ، جو، زعفران، اناناس کا شیرہ، وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور انگور و کھجور کا ذکر نہیں کیا ہے۔سو حاصل یہ ہے کہ یہ الکحل اگر انگور اور کھجور سے نہیں بنائے گیے ہوں تو کیمیاوی اغراض کے لیے ان کی بیع امام صاحبؒ وصاحبینؒ کے اتفاق سے جائز ہے۔

چہرے سے تل وغیرہ اکھاڑنا

سوال نمبر (231):

ایک آدمی محض زیب وزینت کی خاطر چہرے سے تل وغیرہ اکھاڑتا ہے۔شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تغیر کے مترادف تو نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

انسان کا اپنے جسم کے اندر اس طرح تصرف کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تغیر لازم آجائے، ناجائز اور حرام ہے، البتہ اگر جسم کا کوئی حصہ بدن کے لئے مضر ہو تو اس میں آپریشن وغیرہ کے ذریعے تصرف کرنا جائز ہے۔اسی طرح اگر بیماری کی وجہ سے جسم پر کوئی چیز نکل آئے، جو انسان کے حسن وجمال میں کمی کا باعث بنتی ہو تو اس کا ہٹانا بھی جائز ہے۔صورت مسؤلہ کے مطابق چہرے پر تل کا ہونا ایک بیماری ہے، جس سے چہرے کا قدرتی حسن متاثر ہوتا ہے، اس لیے اس کا اکھاڑنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

إذا أراد الرجل أن يقطع أصبعا زائدة أو شيئا آخر،قال نصير رحمة الله عليه: إن كان الغالب على من قطع مثل ذلك الهلاك فإنه لا يفعل، وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلك رجل

أو امرأة.(۱)

ترجمہ: جب کوئی شخص اپنی زائد انگلی یا (حسب ضرورت بدن کے) کسی اور عضو کو کاٹنا چاہے تو نصیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جیسے جز کاٹنے والے لوگوں پر اگر ہلاکت غالب ہو تو ایسا نہ کرے، اور اگر نجات یعنی صحت غالب ہو تو کرنے کی گنجائش ہے، چاہے ایسا کرنے والا مرد ہو یا عورت ہو۔

۞۞۞

آنکھوں میں سرمہ ڈالنا

سوال نمبر (232):

مرد کے لیے سرمہ ڈالنے کا کیا حکم ہے؟ طریقہ بھی بتادیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

آنکھوں میں سرمہ ڈالنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے جو صحیح روایات سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ خود اثمد نامی سرمہ استعمال فرماتے تھے اور اثمد کے استعمال کا حکم بھی دیا اور اس کے مختلف فوائد بیان فرمائے، مثلاً: بینائی کا تیز ہونا، بال اگ جانا وغیرہ۔ آپ رات کے وقت سونے سے قبل سرمہ لگایا کرتے تھے۔ اور سرمہ ڈالنے کا طریقہ یہ تھا کہ ہر آنکھ میں تین سلائی لگاتے تھے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اكتحلوا بالأثمد فإنه يحلو البصر وينبت الشعر، وزعم أن النبي ﷺ كانت له مكحلة يكتحل بها كل ليلة ثلاثة في هذه وثلاثة في هذه.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اثمد نامی سرمہ لگایا کرو، کیونکہ یہ نظر کو تیز کرتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی، جس سے وہ ہر رات ہر آنکھ میں تین تین مرتبہ سرمہ لگاتے تھے۔ ۞۞۞

(۱) جامع الترمذي، أبواب اللّباس، باب ما جاء في الإكتحال: ۱/۳۰۵

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم: ۵/۳۰۷

عورتوں کے لیے ہونٹوں پر سرخی کا استعمال

سوال نمبر(233):

کیا عورتوں کے لیے لپ اسٹک (سرخی) کا استعمال جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عورتوں کے لیے گھر میں رہتے ہوئے اپنے شوہر کے سامنے اس کی خوشی کی خاطر بناؤ سنگار، میک اپ اور ہونٹوں پر سرخی لگانا جائز ہے، البتہ اگر ہونٹوں پر اس کی ایسی تہہ جمتی ہو کہ اس سے نیچے پانی جسم تک نہ پہنچتا ہو تو پھر اس کے زائل کیے بغیر وضو اور غسل نہیں ہوگا، نیز گھر سے باہر نکلتے وقت اس قسم کی آرائش وزیبائش اختیار کرنا جائز نہیں جو فتنے میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔

والدلیل علی ذلک:

وأما التحمير، ونحوه فيجوز بإذن الزوج، وفي داخل البيت، ويحرم بغير إذن الزوج، وخارج المنزل.(۱)

ترجمہ: شوہر کی اجازت سے گھر کے اندر عورت کے لیے سرخی وغیرہ لگانا جائز ہے، جب کہ شوہر کی اجازت کے بغیر اور گھر سے باہر جانے کے لیے لگانا حرام ہے۔

❁❁❁

بچے کی پیشانی یا ہاتھ وغیرہ کو گدوانا

سوال نمبر(234):

پیدائش کے بعد بچے کی پیشانی اور ہاتھ وغیرہ پر سلائی سے سیاہ نقطہ تل یا خال لگانا شرعاً کیسا ہے؟ نیز یہ کام بڑوں کے لیے کیسا ہے؟

---

(۱) الدکتور وهبة الزحيلي، الفقه الإسلامي وأدلته، الباب السابع الحظر والإباحة، تاسعاً الترجل والتخنث: ٢٦٨٣/٤، دار الفكر، دمشق، سورية

الجواب وباللہ التوفیق:

جسم گودنے کا مطلب یہ ہے کہ جسم کے کسی حصے پر سوئی وغیرہ چبھوئی جائے، یہاں تک کہ خون بہنے لگے اور اس جگہ میں معمولی سا سوارخ بن جائے، پھر اس میں سرمہ یا نیل بھر دیا جائے۔ یہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم ہے اور آج کل ہندوؤں میں اس کا رواج ہے۔ شریعت نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والے اور کروانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان نے ناسمجھی سے گدوایا ہو اور علاج ومعالجے کے ذریعے اس کا ازالہ ممکن ہو تو اس نشان کو مٹانا واجب ہے، البتہ اگر کسی حرج کے بغیر اس کا ازالہ ممکن نہ ہو، نیز اس بات کا خوف ہو کہ اس کو زائل کرنے کی صورت میں جسم کا وہ حصہ تلف یا بے کار ہو جائے گا یا زخم کا نشان بڑھ کر عیب پیدا ہو جائے گا تو ایسی صورت میں اس کا ازالہ واجب نہیں، تاہم اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگنا اور توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔

یاد رہے کہ جسم گدوا کر خال یا کوئی نشان بنانے کی حرمت میں بچے، عورتیں اور مرد سب برابر ہیں۔

والدلیل علی ذلک:

عن ابن عمرؓ أن رسول اللہ لعن الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے بالوں میں دوسرے بالوں کا جوڑ لگائے اور جو جوڑ لگوانے کا مطالبہ کرے اور جو عورت (اپنے جسم) کو گودے اور جو عورت گدوائے۔

فإن أمكن إزالته بالعلاج وجبت إزالته وإن لم يكن إلا بالحرج فإن خاف منه التلف أو فوات عضوأو منفعة ...... لم تجب إزالته، فإذا تاب لم يبق عليه إثم ...... وسواء في هذا كله الرجل والمرأة.(۲)

ترجمہ: پس اگر علاج کے ذریعے اس کا مٹانا ممکن ہو تو نشان کا مٹانا واجب ہے۔ اور اگر کسی حرج کے بغیر ممکن نہ ہو اور اس بات کا خوف ہو کہ زائل کرنے میں جسم کا کوئی حصہ یا عضو یا منفعت فوت ہو جائے گی تو مٹانا واجب نہیں۔۔۔ پس جب اس نے توبہ کیا تو اس پر کوئی گناہ باقی نہیں۔۔۔۔ اور اس حکم میں مرد وعورت سب برابر ہیں۔

❁❁❁

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب اللّباس والزینة، باب تحریم فعل الواصلة ......: ۲/۲۰۴

(۲) شرح الکامل علی صحیح مسلم، کتاب اللّباس، باب تحریم فعل الواصلة ......: ۲/۲۰۵

عورت کا کان اور ناک میں سوراخ کرنا

سوال نمبر(235):

اگر کوئی عورت کان میں بالیاں ڈالنے کے لیے اور ناک میں نتھ ڈالنے کے لیے سوراخ کرنا چاہے تو کیا شریعت کی رُو سے اُس کے لیے یہ عمل جائز ہوگا یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ نے عورت کی طبیعت میں زیب وزینت اور زیبائش کی طرف میلان ودیعت رکھی ہے۔ شریعت مطہرہ میں اس کی اس آرزو کی تکمیل کے لیے مختلف قسم کے زیورات پہننے کو جائز قرار دیا ہے اور زیور پہننے کے لیے کان اور ناک میں سوراخ کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قلت: وهل يجوز الخزام في الأنف،لم أره.قال ابن عابدين: تحت قوله (لم أره) إن كان ممايتزين النساء به كماهوفي بعض البلاد فهو فيهاكثقب القرط. (۱)

ترجمہ:

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: میں نے کہا: کیا ناک میں سوراخ کرنا جائز ہے؟ میں نے یہ کہیں نہیں دیکھا۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے ذریعے سے عورت زینت اختیار کرتی ہو، جیسا کہ بعض شہروں میں اس کا رواج ہے تو یہ بالی پہننے کے لیے کان میں سوراخ کرنے کی طرح جائز ہے۔

❁❁❁

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظروالاباحة، باب الاستبراء وغيره،فصل في البيع:۶۰۲/۹

پائل پہننا

سوال نمبر(236):

عورتوں کے لیے سونے چاندی کے اور یا آرٹیفیشل یعنی مصنوعی پائل پہننا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عورت زیورات کے ذریعے زیب وزینت اختیار کرسکتی ہے، بشرطیکہ شرعی اصول سے متصادم نہ ہو۔

صورت مسئولہ کے مطابق عورت کے لیے پائل پہننے میں کوئی قباحت نہیں، البتہ اگر وہ قدم اٹھانے کے ساتھ آواز پیدا کرتی ہو تو نامحرم لوگوں کے سامنے اس کا استعمال جائز نہیں، تاہم گھر میں شوہر کے سامنے پہن سکتی ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

قال تعالی: ﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ﴾ قال القرطبي: أي لاتضرب المرأة برجلها إذا مشت لتسمع صوت خلخالها، فإسماع صوت الزينة كإبداء الزينة وأشد.(۱)

ترجمہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور اپنے پاؤں کو زور سے زمین پر مار کر اپنی خفیہ زینت کو ظاہر نہ کریں۔یعنی عورت چلتے ہوئے اپنے پاؤں کو اس زور سے نہ مارے کہ اس کے ذریعے اس کی پازیب کی آواز سنائی دے۔پس زینت کی آواز سنانا ایسا ہے، گویا زینت کو ظاہر کرنا، بلکہ اس سے بھی سخت ہے۔

❁❁❁

مردوں کا ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا

سوال نمبر(237):

کیا مردوں کے لیے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) الجامع لأحکام القرآن للقرطبي، تحت آیة النور(۳۱): ۲۱۶/۱۲، ۲۱۷

الجواب وباللہ التوفیق:

مردوں کے لیے داڑھی اور سر کے بالوں پر سرخ مہندی لگانا مستحب ہے، البتہ ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا عورتوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے، تاہم علاج کی خاطر ضرورت کے وقت ہاتھ پاؤں پر بھی مہندی لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

يستحب للرجل خضاب شعره، ولحيته، ولو في غيرحرب في الأصح .قوله : (خضاب شعره ولحيته) لايديه، ورجليه فإنه مكروه للتشبه بالنساء .(۱)

ترجمہ:

آدمی کے لیے لڑائی کے اوقات کے علاوہ بھی سر اور داڑھی کے بالوں میں خضاب لگانا مستحب ہے۔ جب کہ ہاتھ اور پاؤں کو مہندی نہ لگائے، اس لیے کہ عورتوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

۞۞۞۞۞

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظروالاباحة، باب الاستبراء، فصل في البيع : ۹/ ٤ ٦٠

فصل فی الزینۃ بحلیۃ الذھب والفضۃ وغیرھما

(مباحثِ ابتدائیہ)

عورت چونکہ فطرتاً محل زینت ہے، اس لیے شریعتِ اسلامیہ نے اس کے اس فطری تقاضے کو دیکھتے ہوئے مردوں کی نسبت سونے، چاندی اور ریشم وغیرہ سے زینت کے حصول کی بھی اجازت دی ہے، جب کہ انہی اشیا کو دنیا میں مردوں پر حرام کیا گیا ہے۔ امام نوویؒ نے مردوں کے لیے اس کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔(۱)

عورتوں کے لیے سونے کے زیورات کے جواز کا قاعدہ:

شریعت مطہرہ میں اگرچہ عورتوں کے لیے سونے کا استعمال جائز قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے لیے چند بنیادی شرائط اور اصول کی رعایت بھی ضروری ہے، جو درج ذیل ہیں:

(۱) عورتوں کے لیے سونے کا استعمال محض زیورات کی صورت میں جائز ہے، لہٰذا جو بھی چیز عرف ورواج میں زیور کے طور پر معروف ومشہور ہو، اس کا استعمال جائز ہوگا۔(۲)

(۲) زیورات کے علاوہ ہر وہ چیز جو محض زینت، تجمل اور زیبائش کے طور پر گھر وغیرہ میں رکھی جاتی ہو اور اسے کسی طور پر بھی انسانی جسم کے فائدے کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا ہو تو ایسی چیز کو گھر میں رکھنا مردوں اور عورتوں سب کے لیے جائز ہے۔(۳)

(۳) زیورات اور خالص زینت کے علاوہ سونے چاندی سے بنی ہوئی کوئی بھی چیز جو انسانی جسم کے فائدے کے لیے استعمال ہو رہی ہو، مردوں اور عورتوں ہر ایک کے لیے حرام اور ناجائز ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”وكذالايجوز......وكل ماكان يعود الانتفاع به إلى البدن“.

اسی طرح یہ بھی لکھا ہے:

---

(۱) جامع الترمذي، أبواب اللّباس عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء في الحرير والذهب للرجال: ۱/۳۰۲، عمدة القاري، كتاب اللّباس، باب خواتيم الذهب، رقم الحديث (۸۲): ۲۲/۲۹، ۳۰

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۵/۳۳۴

(۳) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب العشرون في الزينة واتخاذ الخادم للخدمة: ۵/۳۵۹

"والنساء في ماسوى الحلي من الأكل والشرب والإدهان والقعود بمنزلة الرجال".(۱)

سونے چاندی کے برتنوں اور آلات کے استعمال کے لیے جواز وعدم جواز کا قاعدہ:

(۱) خالص سونے چاندی کا بنا ہوا جو بھی آلہ یا برتن کھانے پینے، بیٹھنے یا سونے کے دوران انسانی بدن کو بلاواسطہ فائدہ دے رہا ہو، اس کا استعمال ناجائز ہے، جیسے: کھانے پینے کے برتن، تعویذ، سرمہ دانی، خوشبو کے واسطے سونے چاندی کی شیشی، گھڑی، قلم، دوات وغیرہ۔ فتاویٰ ہندیہ میں اس کے لیے قاعدہ کلیہ لکھا ہے:

"كل ماأدخل يده فيه وأخرج ثم استعمل لابأس، وكل مايصب من الآنية فكان مكروها".(۲)

ہر وہ چیز جس میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالنے کے بعد استعمال کی جائے، جائز ہے اور جس چیز (برتن وغیرہ) سے اندر کی چیز انڈیلی جائے یعنی اس میں ہاتھ ڈالے بغیر ہی استعمال کیا جائے تو ایسے برتن وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے۔

(۲) جن برتنوں پر سونے چاندی کے نقوش یا بیل بوٹے بنادیے گئے ہوں تو ان کا استعمال تب جائز ہوگا، جب اس کے استعمال کے وقت سونے چاندی کے نقوش والی جگہ منہ، ہاتھ یا دوسرے اعضا کو مس نہیں کر رہی ہو، جیسے چاقو، تلوار، چمچ، گلاس، کرسی، چارپائی، زین اور لگام وغیرہ۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے، جب کہ امام ابو یوسفؒ کے ہاں چاہے سونے چاندی والی جگہ بدن کو مس کرے یا نہ کرے، بہر صورت مکروہ ہے۔

(۳) جن برتنوں اور آلات پر سونے چاندی کا ایسا کام ہوا ہو، جس کو جدا کرنا ناممکن ہو تو ان برتنوں اور آلات کا استعمال بلاکراہت جائز ہے۔(۳)

(۴) امام محمدؒ کے ہاں ضرورت کے وقت سونے یا چاندی کے دانت بنانا یا سونے چاندی سے دانتوں کے خول بنانا جائز

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۵/ ۳۳۵

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۵/ ۳۳۴، علي الزبيدي، أبي بكر بن علي بن محمد، الجوهرة النيرة شرح مختصر القدوري، كتاب الحظر والاباحة، مطلب في استعمال الذهب والفضة: ۲/ ۶۱۷، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان

(۳) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۵/ ۳۳۴

ہے۔اسی طرح اگر کسی شخص کی انگلیوں کے پورے کٹ گئے ہوں تو سونے چاندی سے بنانا جائز ہے، لیکن کوئی بڑا عضو جیسے ناک، مکمل انگلی یا ہاتھ بنانا کراہت سے خالی نہیں، تاہم اگر چاندی یا کسی اور دھات سے کام نہ چلے تو سونے کا استعمال بھی بلا کراہت جائز ہے۔(۱)

(۵)جن برتنوں پر سونے چاندی کا پانی چڑھایا گیا ہو(گلٹ کاری کی گئی ہو) تو ان برتنوں کا استعمال بالاجماع جائز ہے۔(۲)

مردوں کے لیے انگوٹھی کے استعمال کا حکم:

چونکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے چاندی کی انگوٹھی بہ نفسِ نفیس پہنی ہے، اس لیے کوئی مسلمان اتباع سنت کی نیت سے چاندی کی انگوٹھی پہن لے تو موجب اجر وثواب ہے۔(۳)

فقہاے کرام کے بقول ان مردوں کو چاندی کی انگوٹھی پہننا بقدر مشروع مسنون ہے جن کو انگوٹھی کی مہر وغیرہ کی ضرورت ہو، جیسے: بادشاہ، قاضی، مفتی یا کوئی ذمہ دار شخص۔اس کے علاوہ عام مردوں کے لیے انگوٹھی نہ پہننا بہتر ہے، اس لیے کہ محض زینت کے لیے زیورات کا استعمال عورتوں کو زیب دیتا ہے۔چنانچہ بعض تابعین سے منقول ہے کہ انگوٹھی امیر استعمال کرتا ہے یا کاتب یا پھر احمق، تاہم عام فقہا اس کو عام لوگوں کے لیے بھی بلا کراہت جائز سمجھتے ہیں۔(۴)

☆......مردوں کے لیے چاندی کے علاوہ بقیہ کسی بھی دھات کی انگوٹھی پہننا مکروہ ہے، جب کہ سونے کی انگوٹھی مردوں کے لیے حرام ہے۔

☆......مردوں کے لیے چاندی کی وہ انگوٹھی پہننا جائز ہے جو عرف اور معاشرے کے اعتبار سے عورتوں کی انگوٹھی کے مشابہ نہ ہو۔(۵)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية،الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة:۳۳٦/۵،الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والاباحة،فصل في اللبس:۵۲۱/۹

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية،الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة:۳۳۵/۵

(۳) عمدة القاري، كتاب اللّباس،باب خاتم الفضة،رقم(۸۳):۳۰/۲۲،۳۱

(٤) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والاباحة،فصل في اللبس:۵۲۰/۹،عمدة القاري، كتاب اللّباس،باب اتخاذ الخاتم ليختم به الشيء، رقم(۹۲):۳۵/۲۲

(۵) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية،الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة:۳۳۵/۵

☆......مردوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی کی زیادہ سے زیادہ مقدار ایک مثقال ہے، جس کی مروجہ مقدار ساڑھے چار ماشہ ہے۔(۱)

☆......نگینہ پر کوئی بھی تحریر، جو مناسب ہو، نقش کروائی جاسکتی ہے، بشرطیکہ کسی انسان یا ذی روح کی تصویر نہ ہو۔البتہ اگر کسی انگوٹھی پر مقدس کلمات وغیرہ نقش ہوں تو اس کی حرمت کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اس کو پہن کر اسی ہاتھ سے استنجا کرنا جائز نہیں۔(۲)

☆......دائیں اور بائیں کسی بھی ہاتھ میں انگوٹھی پہنی جاسکتی ہے۔آپ ﷺ سے دونوں طرح مروی ہے۔آپ ﷺ نے سب سے چھوٹی انگلی یعنی خنصر میں انگوٹھی پہنی ہے اور اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھا ہے، نہ کہ باہر کی طرف، تاکہ محض ضرورت پوری ہو اور تزئین و آرائش مدنظر نہ ہو۔اس کے علاوہ چھوٹی انگلی میں پہننے سے کام کاج کرنے میں آسانی بھی رہتی ہے۔(۳)

☆......یاد رہے کہ مرد کو انگوٹھی کے علاوہ کسی بھی قسم کا زیور پہننا حرام ہے، جیسے کانوں میں بالیاں، ہار، لاکٹ، کڑا، وغیرہ، اگرچہ سونے کے علاوہ کسی اور دھات (لوہے، پیتل، تانبے وغیرہ) کے کیوں نہ ہوں۔اسی طرح مذکورہ اشیا چھوٹے بچوں کو پہنانا بھی مکروہ ہے۔(۴)

عورتوں کے لیے سونے چاندی کے علاوہ بقیہ دھاتوں کے زیور کا حکم:

(۱)انگوٹھی کا حکم:

آپ ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا، جس نے تانبے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر و الاباحة، فصل في اللبس: ۹/ ۵۲۰، أوزان شرعیه، رائج الوقت اوزن کے مطابق نقشه: ص ۶۲، إدارة المعارف، کراچي

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر و الاباحة، فصل في اللبس: ۹/ ۵۱۹، ۵۲۰، عمدة القاري، کتاب اللّباس، باب نقش الخاتم، رقم(۸۹): ۲۲/ ۳۴

(۳) عمدة القاري، کتاب اللّباس، باب الخاتم في الخنصر، رقم (۹۱): ۲۲/ ۳۵، و باب من جعل فص الخاتم في بطن کفه، رقم (۹۳): ۲۲/ ۳۶، الفتاویٰ الهندیة، الباب العاشر في استعمال الذهب و الفضة: ۵/ ۳۳۵، ۳۳۶

(۴) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب العاشر في استعمال الذهب و الفضة: ۵/ ۳۳۵، الجوهرة النیرة شرح مختصر القدوري، کتاب الحظر و الاباحة، مطلب في استعمال الذهب و الفضة: ۲/ ۶۱۶، الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر و الاباحة، فصل في اللبس: ۹/ ۵۱۷

کہ تم سے بتوں کی بو آرہی ہے، اس شخص نے وہ انگوٹھی پھینک دی۔ دوسری مرتبہ لوہے کی انگوٹھی پہن کر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم پر جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں ۔۔۔۔ اور آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے واقعی انگوٹھی پہننی ہے تو ایک مثقال سے کم چاندی کی انگوٹھی بنا کر پہن لو۔(۱)

مذکورہ حدیث کی رو سے فقہائے کرام نے مرد اور عورت ہر ایک کے لیے لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ کی انگوٹھی کو مکروہ قرار دیا ہے۔

"والتختم بالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص مكروه للرجال والنساء؛ لأنه ذي أهل النار".(۲)

مفتی رشید احمد گنگوہیؒ نے مذکورہ کراہت کو کراہتِ تنزیہی قرار دیا ہے۔(۳)

(۲) انگوٹھی کے علاوہ بقیہ زیورات کا حکم:

مذکورہ حدیث اگرچہ صرف انگوٹھی کے بارے میں ہے، لیکن اکثر فقہا نے اسی حدیث کو مدار بنا کر مذکورہ دھاتوں سے بنی ہوئی بقیہ زیورات کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔(۴)

تاہم آیتِ کریمہ:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾(۵)

اور "الأصل في الأشياء الاباحة".

جیسے فقہی قواعد اور کلیات کو مدنظر رکھ کر جواز پر قول کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) عمدة القاري، كتاب اللباس، باب خاتم الحديد: ۳۳/۲۲

(۲) الفتاویٰ الهندية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۳۳۵/۵، الجوهرة النيرة حواله بالا: ۶۱۶/۲، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس: ۵۱۷/۹، ۵۱۸

(۳) گنگوهي، رشيد أحمد، مفتي، فتاویٰ رشيديه بتحقيق مفتی نصير احمد و مفتی عبدالهادي، ملفوظات، لوهے اور پيتل كی انگوٹهی: ص۳۹۸، مؤتمر المصنفين، دار العلوم حقانيه، اكوڑه خٹك

(۴) عثماني، ظفر أحمد، إعلاء السنن، كتاب الحظر والاباحة، باب خاتم الحديد وغيره، رقم (۵۶۳۴-۶۵۳۶): ۳۵۵/۱۷

(۵) الاعراف: ۳۲

"الأصل في المطاعم والملابس وأنواع التحملات الاباحة".(۱)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی ان دھاتوں کے زیورات سے متعلق جواز کا فتویٰ دیا ہے۔(۲)

موجودہ دور میں ابتلائے عام، عورتوں کی فطری خواہش اور معاشی کمزوری اور کساد بازاری کی وجہ سے سونے چاندی کے زیورات تک ہر کسی کی عدم رسائی کی وجہ سے اسی قول پر فتویٰ دینا زیادہ بہتر ہے۔اس لیے کہ نصوص میں چاندی کے علاوہ بقیہ زیورات سے متعلق کوئی تصریح نہیں، لہٰذا لاکھوں کروڑوں عورتوں کو کراہت اور حرمت میں مبتلا کرنے سے زیادہ بہتر یہی ہے کہ "الأصل في الأشياء الاباحة" پر عمل کیا جائے۔

فتاویٰ ہندیہ میں تو باقاعدہ ان اشیا کی اباحت پر تصریح آئی ہے:

"ولابأس للنساء بتعليق الخرز في شعورهن من صفرأونحاس أوشبة أوحديد ونحوها للزينة والسوارمنها".(٤)

اور علامہ عینیؒ نے بھی اس کے جواز کی طرف رہنمائی فرمائی ہے:

"وجميع أنواع الزينة بالحلي والطيب ونحوذلك جائزلهن مالم يغيرن شيئامن خلقهن".(٥)

جواہرات، ہڈی اور پتھر وغیرہ کے زیورات کا حکم:

حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسی، قاضی خان وغیرہ کے ہاں ہیرے جواہرات اور لؤلؤ، فیروز، زمرد، عقیق، یاقوت اور مرجان وغیرہ کے زیورات پہننا جائز ہے۔

صاحب ہدایہؒ اور ملا خسرو وغیرہ پتھر کے زیورات کے بارے میں عدم جواز کا قول کرتے ہیں، تاہم زیادہ بہتر

---

(۱) الآلوسي،السيدمحمود،روح المعاني،الاعراف:۳۲:۸/۱۱۱،داراحياء التراث العربي،بيروت لبنان

(۲) تهانوي،اشرف علي،امدادالفتاوئ، كتاب الحظروالاباحة،سونے چاندی، پیتل، لوہے وغیرہ کااستعمال،سوال نمبر(۱٤٥):٤/١٣٦،فتاوئ رشيديه،ملفوظات،عورتوں کو چاندی سونے کے علاوہ زیورات کا پہننا:ص ۳۹۰

(۳) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الطهارة،مطلب المختارأن الأصل في الأشياء الاباحة:۱/۲۲۱

(٤)الفتاوئ الهندية، كتاب الكراهية،الباب العشرون في الزينة:٥/٣٥٩

(٥) عمدةالقاري، كتاب اللّباس ،باب الطيب في الرأس واللحية،رقم(١٣٤):٢٢/٥٩

قول وہی ہے جو علامہ حصکفیؒ نے ذکر کیا ہے کہ اصل اعتبار حلقے (Ring) کا ہے، اگر وہ چاندی کا ہو تو نگینہ کسی بھی پتھر یا ہیرے کا ہو سکتا ہے، بلکہ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ نگینے کو حلقہ میں مضبوط کرنے کے لیے سونے کے میخوں کا استعمال بھی جائز ہے۔(۱)

علامہ عینیؒ اور فتاویٰ ہندیہ کی مذکورہ تصریحات کو دیکھ کر عورتوں کے لیے پھولوں کے ہار وغیرہ پہننا، بالوں میں کسی بھی دھات یا شیشے کا مہرہ (Ribben وغیرہ) لگانا درست ہے۔

جانوروں کی ہڈیوں، سینگوں اور دانتوں سے تیار کردہ زیورات کا استعمال بھی عورتوں کے لیے جائز ہے۔(۲)

زیورات کے استعمال سے متعلق عمومی ہدایات:

(۱) زیورات کے ڈیزائن پسند کرنے کا حق عورتوں کو ہے، البتہ اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ جن زیورات میں باجہ، گھنٹی وغیرہ ہوں تو ان کا پہننا جائز نہیں، حضرت عمرؓ نے ایک بچی کے پاؤں سے جرس کاٹ دیئے تھے اور آپ ﷺ کا فرمان مبارک بھی یہی ہے کہ اس کو کاٹ ڈالو، اس لیے کہ ہر جرس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔(۳)

مذکورہ حرمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ زیورات بجنے سے مردوں کی توجہ عورتوں کی طرف مبذول ہوگی اور ایسا کرنا آیتِ کریمہ ﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ﴾ کی رو سے حرام ہے۔(۴)

امام نسائیؒ نے اس پر باقاعدہ ایک باب رکھا ہے ــ "الكراهة للنساء في إظهار الحلي والذهب" جس میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک نقل کیا ہے:

"أما إنه ليس منكن إمرأة تحلت ذهبا تظهره إلا عذبت به".(۵)

(۲) زیورات کے استعمال میں انہی اصول اور قواعد کو مدنظر رکھا جائے گا جو "باب الزينة" میں ذکر کیے گئے ہیں یعنی اسراف، تکبر، تحقیر، ریا، تشبہ وغیرہ سے اجتناب ضروری ہے۔

❁❁❁❁❁

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس: ۹/۵۱۸، ۵۱۹، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۵/۳۳۵

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الترجل، باب ماجاء في الانتفاع بالعاج: ۲/۲۳۲

(۳) سنن أبي داؤد، كتاب الخاتم، باب ماجاء في الجلاجل: ۲/۲۲۵

(٤) النور: ۳۱ (۵) سنن النسائي، كتاب الزينة، باب الكراهة للنساء......: ۲/۲٤۰، ۲٤۱

فصل فی الزینۃ بحلیۃ الذھب والفضۃ وغیرھما

(سونے، چاندی اور دوسری دھاتوں کے زیورات وغیرہ سے زیب وزینت کے مسائل)

عورتوں کے لیے سونے چاندی کے علاوہ زیوارات کا استعمال

سوال نمبر(238):

عورتوں کے لیے سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات مثلاً لوہا، تانبا اور اسٹیل کی انگوٹھی پہننا جائز ہے یانہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قدرتی طور پر خواتین کی طبیعت میں زیب وزینت کی طرف میلان ہوا کرتا ہے، جس کی تکمیل کے لیے شریعت نے لباس کے علاوہ دوسری اشیا سے بدن کے کسی حصہ کان، ناک اور انگلیوں میں عمدہ اور خوبصورت زیورات کا استعمال ان کے لیے جائز قرار دیا ہے۔تاہم سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور دھات مثلاً لوہا، تانبا اسٹیل کی انگوٹھی کا استعمال مکروہ قرار دیا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

التختم بالحدید، والصفر، والنحاس، والرصاص مکروہ للرجال والنساء جمیعا.(۱)

ترجمہ: لوہے، پیتل، تانبے اور سیسہ کی انگشتری پہننا مردوں اور عورتوں سب کے لیے مکروہ ہے۔

❁❁❁

مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا

سوال نمبر(239):

مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا جائز ہے یانہیں؟اگر جائز ہے تو جواز کی مقدار کتنی ہے اور اس طرح چاندی کی جواز کی مقدار بھی واضح فرمائیں؟

بینوا تؤجروا

(۱) الفتاوی الھندیۃ، کتاب الکراھیۃ، الباب العاشر فی استعمال الذھب والفضۃ: ۳۳۵/۵

الجواب وباللہ التوفیق :

واضح رہے کہ مرد کے لیے چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے جس کی زیادہ سے زیادہ مقدار ساڑھے چار ماشہ ہے، اس کے علاوہ کسی اور دھات مثلاً سونا اور لوہے وغیرہ کی انگوٹھی پہننا مرد کے لیے جائز نہیں اور عورتوں کے لیے سونے اور چاندی دونوں کا استعمال شرعاً جائز ہے۔

والدلیل علی ذلک :

روی صاحب السنن بإسناده إلی عبدالله بن بريدة عن أبيه أن رجلاً جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم و عليه خاتم من شبه فقال له: مالي أجد منك ريح الأصنام؟ فطرحه، ثمّ جاء وعليه خاتم من حديد، فقال: مالي أرى عليك حلية أهل النار؟ فطرحه، فقال: يا رسول الله، من ايّ شيء أتخذه؟ قال: "اتخذه من ورق ولا تُتِمّهُ مثقالاً." فعلم أن التختم بالذهب والحديد والصفر حرام. (۱)

ترجمہ: امام ابوداؤد نے اپنی سند سے حضرت بریدہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اس کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھ سے بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں۔ اس آدمی نے وہ انگوٹھی پھینک دی۔ پھر دوسری بار آیا تو اس کے ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم پر جہنمیوں کا زیور پا رہا ہوں، اس نے وہ بھی پھینک دی۔ اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ مجھے بتایئے کہ میں انگوٹھی کس چیز سے بناؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چاندی سے، اور ایک مثقال سے کم رکھو۔ پس حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے، لوہے اور پیتل کی انگوٹھی پہننا حرام ہے۔

چاندی سے بنے ہوئے برتنوں کا استعمال

سوال نمبر (240):

ایسے ڈیکوریشن پیس گھر میں رکھنا جس میں سونے چاندی کا استعمال ہوا ہو، جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

(۱) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۵۱۷/۹

الجواب وباللہ التوفیق:

مردوں کے لیے سونے چاندی کے برتن اور زیورات استعمال کرنا ناجائز ہے، لیکن جن اشیا کو ذاتی استعمال میں نہیں لایا جاتا، بلکہ صرف زیبائش کے لیے گھر میں رکھی جاتی ہیں، تو ان میں سونا چاندی کا استعمال مرخص ہے، لہٰذا مذکورہ اشیا کو گھر میں رکھنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قال محمدؒ: لابأس بأن یتخذ الرجل في بیته سریرا من ذهب أو فضة، وعلیه الفرش من الدیباج یتجمل بذلك للناس من غیر أن یقعد أو ینام علیه، فإن ذلك منقول عن السلف من الصحابة والتابعین. (۱)

ترجمہ:

امام محمدؒ نے فرمایا: اگر کوئی شخص اپنے گھر میں سونے یا چاندی کی چارپائی رکھے اور اس پر ریشم کا بستر بچھائے۔ اور اس پر بیٹھتا یا سوتا نہ ہو، بلکہ لوگوں کو دکھانا اور زیبائش مقصود ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ اسلاف صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔

۞۞۞

بچوں کو سونا پہنانا

سوال نمبر(241):

نابالغ چھوٹے بچوں کو سونے کے زیورات پہنانا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جن چیزوں کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے، اُن چیزوں کے استعمال سے بچوں کو بھی بچانا ضروری ہے۔ چنانچہ سونے کے زیورات اور ریشم کے کپڑے جیسے بالغ مردوں کے لیے پہننا حرام ہے اسی طرح نابالغ بچوں کو بھی سونے کے زیورات اور ریشم کا لباس پہنانا حرام ہے۔ اس کا گناہ پہنانے والے

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب العشرون في الزینة واتخاذ الخادم: ۵/۲۵۹

کے ذمے ہوگا۔

والدلیل علی ذلک:

إن النبي ﷺ أخذ حريرا فجعله في يمينه وأخذ ذهبا فجعله في شماله ثم قال: إن هذين حرام على ذكور أمتي.(۱)

ترجمہ:

نبی کریم ﷺ نے ریشم کو دائیں اور سونے کو بائیں ہاتھ میں اٹھا کر فرمایا: یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔

ومايكره للرجال لبسه، يكره للغلمان والصبيان؛ لأن النص حرم الذهب والحرير على ذكور أمته بلاقيد البلوغ والحرية والإثم على من ألبسهم.(۲)

ترجمہ:

جن چیزوں کا پہننا مردوں کے لیے مکروہ ہے، چھوٹے اور نابالغ بچوں کے لیے بھی مکروہ ہے، کیونکہ حدیث میں ریشم اور سونے کو اس امت کے مردوں پر حرام کیا ہے، جس میں بلوغ اور آزادی کی کوئی قید نہیں۔ البتہ گناہ پہنانے والے پر ہوگا۔

❀❀❀

حضور ﷺ کی انگوٹھی مبارکہ کی کیفیت

سوال نمبر(242):

حضور ﷺ کی انگوٹھی مبارکہ کی کیفیت بتا کر ممنون فرمائیں۔ نیز اس کا نگینہ کیسا تھا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حضور ﷺ نے ابتدا میں انگوٹھی استعمال نہیں فرمائی، لیکن صلح حدیبیہ کے بعد جب عجمی بادشاہوں

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في الحرير للنساء: ۲/ ۲۰۵

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس ......: ۵/ ۳۳۱

کی ا نے تبلیغی خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا اور معلوم ہوا کہ عجم کے بادشاہ مہر کے بغیر خطوط قبول نہیں کرتے تو آپ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی، جس کے نگینہ پر ''محمد رسول اللہ'' کندہ کرایا گیا تھا۔ بعض روایات کے مطابق اس انگوٹھی کا نگینہ بھی چاندی کا تھا، جبکہ بعض روایات کے مطابق حبشی نگینے والی انگوٹھی کے استعمال کا بھی ذکر آیا ہے، جس کا شارحین یہ مطلب بیان فرماتے ہیں کہ وہ نگینہ اتنا سرخ تھا کہ اس کی سرخی حبشیوں کے رنگ کی طرح کالی معلوم ہوتی تھی اور بعض حضرات کے نزدیک حبشی نگینے سے مراد عقیق کا پتھر ہے۔ نبی کریم ﷺ دائیں ہاتھ کی چھنگلی انگلی میں یہ انگوٹھی پہنتے تھے اور اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھتے تھے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

عن أنس أن النبي ﷺ كان خاتمه من فضة و كان فصّه منه. وعنه أن رسول الله ﷺ لبس خاتم فضة في يمينه فيه فصّ حبشي، كان يجعل فصه مما يلي كفه. ....وقال بعض الشراح معناه أسود اللون يعني العقيق.(۱)

ترجمہ:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا۔ اور انہی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنی، جس کا نگینہ حبشی تھا۔ آپ ﷺ اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رکھتے۔۔۔۔۔ بعض شراح حبشی کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کالے رنگ کا نگینہ یعنی عقیق تھا۔

(۱) مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللّباس، باب الخاتم، الفصل الأول: ۸/ ۱۸۲-۱۸۵

باب التشبہ

(مباحثِ ابتدائیہ)

تشبہ کا تعارف:

صلحاء واتقیاء کی مشابہت اختیار کرنے اور کفار وفجار کی مشابہت سے بچنے کا حکم قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے ماخوذ ہے:

﴿وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ﴾ (۱)

﴿فَإِنْ اٰمَنُوا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (۲)

﴿وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (۳)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ﴾ (٤)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (٥)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى﴾ (٦)

غور کیا جائے تو اسلام اور غیر اسلام کے درمیان ظاہری طور پر ایک بڑی خلیج حائل ہے، جس کے ذریعے اسلام اور غیر اسلام میں امتیاز کیا جاسکتا ہے اور وہ خلیج ہے ''اسلامی تہذیب وتمدن''، جس کی بنیاد سادگی، زہد وقناعت، تدین، خدا پرستی، ایثار، ہمدردی، عفت وحیا اور سنن نبویہ پر قائم ہے۔ اگر مذکورہ امتیازی امور میں تساہل اور غفلت سے کام لے کر بنیادی عقائد کی طرح ان کی حفاظت نہ کی جائے تو عین ممکن ہے کہ مسلمان قوم اپنی امتیازی شان اور حیثیت کھو کر اپنے مخصوص رعب ودبدبے سے محروم ہوجائے۔ انقلابِ امم اور قوموں کے عروج کی تاریخ اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہے اور موجودہ دور میں ہر کوئی اس حقیقت کا چشم دید گواہ ہے کہ روئے زمین پر زندہ قوموں کی بقا اور تحفظ کا راز اپنی تہذیب وثقافت پر عمل اور فخر کرنے میں مضمر ہے۔

---

(۱) التوبۃ:۱۱۹ (۲) البقرۃ:۱۳۷
(۳) ھود:٤۲ (٤) المائدۃ:٥۱
(٥) آل عمران:۱٥٦ (٦) الأحزاب:٦۹

تشبہ کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

تشبہ باب تفعل سے مصدر ہے جس کی امتیازی خاصیت تکلف اور تصنع ہے۔اس خاصیت کی رو سے تشبہ کا لغوی معنیٰ ہے''کسی ایک چیز یا شخص کا دوسری چیز یا شخص کے ساتھ بتکلف مشابہہ ہونا''یعنی ذاتی فعل اور کوشش کے بعد ایک کا دوسرے کے مشابہہ اور مماثل بن جانا تشبہ کہلاتا ہے۔تشبہ کا اصطلاحی معنیٰ یہ ہے کہ کوئی مسلمان بہ تکلف صلحاء واتقیاء یا کفار، وفجار یا صنفِ مخالف کے ساتھ مخصوص وممتاز صفات میں مشابہہ ہوجائے۔(۱)

حکم کے اعتبار سے تشبہ کی قسمیں:

حکم کے اعتبار سے تشبہ کی دو قسمیں ہیں: ممدوح اور مذموم

ممدوح تشبہ سے مراد انبیاء کرام اور صحابہ کرام کی اتباع اور ان کی مماثلت ہے۔مذکورہ تشبہ حقیقت میں اتباع اور اطاعت ہی کا دوسرا نام ہے۔جس کی مشروعیت اور فرضیت پر قرآن وحدیث کے سینکڑوں قطعی نصوص دلالت کرتے ہیں،مثلاً: آیات مذکورہ بالا (التوبۃ:۱۱۹،البقرۃ:۱۳۷)اور درج ذیل آیات کریمہ:

﴿ وَمَآاٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ، وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾(۲)

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(۳)

اسی اتباع،اطاعت اور تشبہ ممدوح کی طرف امام مالکؒ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے:

"لایصلح آخرهذه الأمة إلابماصلح به أولها".

اس امت کا آخری حصہ بھی اسی چیز سے اصلاح پاسکتا ہے جس چیز سے اس کے اول حصہ نے اصلاح پائی۔

مذکورہ تشبہ یا اتباع واطاعت عقائد اور فرائض میں فرض،سنتوں میں سنت،مستحبات میں مستحب اور امور عادیہ وفطریہ میں مستحسن اور دلیل محبت ہے اور یہی اسلامی تہذیب وثقافت کی بقا اور تحفظ کا راز ہے۔(۴)

---

(۱) الموسوعة الفقهية،مادة تشبه:۱۲/۵

(۲) الحشر:۷

(۳) الاحزاب:۲۱

(٤) قاری محمدطیب،اسلامی تهذیب وتمدن(اردو ترجمه "التشبه في الاسلام"):ص ۳۱،اداره اسلامیات، انار کلي، لاهور

تشبہ مذموم:

تشبہ مذموم سے مراد ایسا تشبہ ہے:

(۱)......جس سے قومی امتیازات ختم ہو کر اقوام عالم کے مابین امتیاز کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہے۔ یاد رہے کہ قرآنی تعلیمات کی رو سے تمام مسلمان ایک ہی قوم ہیں۔ اگرچہ جغرافیائی، نسلی یا لسانی لحاظ سے ان میں اختلاف پایا جائے۔ دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم قاری محمد طیبؒ فرماتے ہیں کہ تشبہ بالغیر درحقیقت ''تخریبِ حدود اور ابطال ذاتیات'' کا نام ہے یعنی فطری حدود اور شکل وصورت سے تجاوز کرکے غیر فطری شکل وصورت میں نمایاں ہو جانا تشبہ بالغیر ہے۔ یا کسی قوم کی خصوصیات اس طرح فنا یا ملتبس اور مشتبہ کر دی جائیں کہ کوئی قوم اپنے نام اور خصوصیات کے ساتھ باقی نہ رہ سکے۔

(۲)......جس سے مذہبی امتیازات اور مخصوص مذہبی عقائد و اعمال اس طرح خلط ملط اور ملتبس ہو جائیں کہ ان پر اب گزشتہ مذہب کا نام منطبق نہ ہو سکے۔

(۳)......جس سے کسی خاص صنف کے مخصوص منافع اور مقاصد باطل ہو جائیں، مثلاً عورتوں کا مردوں سے عادات واطوار اور خلقت میں تشبہ، جس سے وہ نہ تو خالص عورت رہتی ہے اور نہ خالص مرد، بلکہ ایک تیسری جنس نظر آتی ہے۔

(۴)......جس سے مخلوق اپنی مخلوقیت کی حد توڑ کر خالق کی ذاتی تصرفات اس کا مشابہ بن جائے، جیسے: تصویر کشی، مجسمہ سازی اور بالوں اور اعضائے زینت کی غیر ضروری پیوند کاری۔

(۵)......جس سے کوئی انسان خیر سے شر یا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف آجائے، جیسے بوڑھے افراد کا اپنے سفید بالوں کو اکاڑنا، منڈوانا، شوخ لباس پہننا اور جوانوں جیسی شوخی اور آزادی برتنا تشبہ مذموم ہے، اس لیے کہ بڑھاپا اور مشیخیت عزت وشرافت کی دلیل ہے۔ جس کو چھوڑ کر جوانی کے لہو ولعب کو اختیار کرنا یقیناً اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف آنا ہے۔ اسی طرح کسی صالح اور نیک شخص کا کسی فاجر شخص کے ساتھ عادات واطوار میں تشبہ اختیار کرنا بھی مذموم ہے۔

اس کے برعکس ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف لے جانے والا تشبہ یقیناً ممدوح اور قابل اجر وثواب ہے، جیسے: ایک فاسق شخص کسی صالح کے ساتھ تشبہ اختیار کرکے فسق کو توڑ ڈالے یا کوئی کافر مسلمان سے تشبہ اختیار کرلے اور اس کی نیت خیر کی ہو تو یہ تشبہ بھی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''خیر شبابکم من تشبہ بکھولکم وشر کھولکم من تشبہ بشبابکم''.

تمہارے جوانوں میں سے بہترین جوان وہ ہیں جو بوڑھوں سے مشابہت اختیار کریں اور تمہارے

بوڑھوں میں بدترین بوڑھے وہ ہیں جو جوانوں سے تشبہ اختیار کریں۔(۱)

تشبہ مذموم کی حرمت قرآن وحدیث سے:

قرآن کریم جہاں مسلمانوں کے آپس مین اتحادو اتفاق کا داعی اور ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ کا عظیم منشور رکھتا ہے، وہاں حق کو باطل، اسلام کو کفر، امانت کو خیانت اور دین حق کو بے دینی کے ساتھ ملتبس اور متشابہ ہونے سے بچانا بھی اسی منشور کا ایک اہم باب ہے۔ اسی وجہ سے رب کریم نے قرآن کا نام فرقان اور قول فیصل رکھا ہے۔ ذیل میں کفار کے ساتھ مشابہت اور تعلقات سے متعلق چیدہ چیدہ قرآنی احکام ملاحظہ ہو:

(۱)......ترکِ موالات:

کوئی مسلمان کسی کافر کے ساتھ موالات یعنی قلبی محبت اور تعلق نہ رکھے گا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ﴾

اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ،(۲)

(۲)......ترکِ سبل:

قلب وزبان کی طرح عام افعال اور عادات واطوار میں بھی مسلمانوں کو غیروں کے راستے پر چلنے سے منع کیا گیا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُم عَن سَبِيلِهِ﴾

’’بلاشبہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے، لہٰذا اس پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گی۔(۳)

(۳)......ترکِ معاملات:

حضرت عمر فاروقؓ جیسے عظیم مدبر، سیاسی شخصیت اور حکمران نے تمام ممالکِ خلافت کو یہ فرمان بھیجا تھا کہ ذمیوں (مسلمان ملک میں رہنے والے غیر مسلموں) کے ساتھ مکاتبت کا تعلق مت رکھو، کہیں تم میں اور ان میں اس

(۱) سليمان الطبراني، المعجم الأوسط، رقم الحديث(٥٩٠٠):٦/٤٢١، مكتبة المعارف، الرياض، اسلامی تہذیب وتمدن، اردو ترجمہ "التشبه في الاسلام": ص٥٢-٦٠

(۲) المائدة:٥١ (۳) الانعام:١٥٣

بہانے سے مودّت ومحبت پیدا نہ ہو جائے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ہاں ایک نصرانی کاتب ملازم تھا جس پر حضرت عمرؓ انتہائی غصہ ہوئے تو ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین مجھے اس کی کتابت سے کام ہے، مجھے اس کے دین سے کیا تعلق ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جن کی توہین اللہ نے خود کی ہے میں ان کی تکریم نہیں کروں گا، جن کو اللہ نے ذلیل کیا ہے میں ان کو عزت نہیں دوں گا اور جن کو اللہ نے دور کیا ہے میں ان کو مقرب نہیں بناؤں گا۔

قاری طیبؒ نے مذکورہ مکالمے سے انتہائی جامع اصول کا استخراج کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

(۱) جب تک کوئی مضطرانہ ضرورت داعی نہ ہو، اصل یہی ہے کہ غیر مسلموں سے استغاثہ اور وہ بھی ایسی کہ جس میں ان کی تکریم ہوتی ہو، قرین عقل ودین نہیں۔

(۲) یہ عذر کسی طرح قابل سماعت نہیں کہ ہمیں صرف ان کی خدمات درکار ہیں، نہ کہ ان کا مذہب؛ کیونکہ اس تحصیل خدمات کے ذیل میں ان کے ساتھ معیت اس شدت وتغلیظ کو کم کردے گی، جو ایک مسلمان کا اسلامی شعار بتلایا گیا ہے اور یہی قلت تغلیظ بالآخر مداہنت، چشم پوشی اور اعراض عن الدین کا مقدمہ لے کر کتنے ہی شرعی منکرات کے نشو نما کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

(۳) مان لیا کہ ایک شخص ابوموسیٰ اشعریؓ جیسا راسخ الایمان بھی ہے اور اشتراکِ عمل سے اس میں کوئی تزلزل بھی نہیں آسکتا، لیکن یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایسی ذمہ دار ہستی کا اشتراکِ عمل عام مسلمانوں کے لیے بڑی استعانت اور زیادہ اختلاط کا دروازہ کھول دے اور عوام اپنے لیے اس طرزِ عمل کو حجت شمار کریں۔

(۴) جس مخلوق کی اس کے خالق نے تکریم نہ کی اور ان کو پھٹکار دیا، اس کی تکریم اور ان کو پیار کرنا شرائع الٰہیہ کی توہین اور افعال خداوندی کی صریح تکذیب ہے۔

(۵) اسلام میں سیاست محضہ مقصود نہیں، بلکہ محض دین مقصود ہے۔ پس اگر سیاست ہی کا کوئی شعبہ تخریبِ دین یا مداہنت وحق پوشی کا ذریعہ بننے لگے تو بے دریغ اس کو قطع کر کے دین کی حفاظت کی جائے گی، ورنہ قلبِ موضوع اور انقلاب ماہیت لازم آجائے گا۔(۱)

(۴)......ترکِ مجالست:

غیر مسلموں کے ساتھ بلا ضرورت مجالست اور نشست وبرخاست بھی درست نہیں تاکہ ان کے کفر ونفاق سے

(۱) ملخص أز اسلامي تهذيب وتمدن، اردو ترجمه "التشبه في الاسلام" فصل تشبه كاروايتي نقشه: ص ٦٥-٧٣، اداره اسلاميات، ۱۹۰، انار كلي، لاهور

متاثر ہوکر اسلامی تہذیب وتمدن اور دین میں سست روی پیدا نہ ہو۔قرآن کریم میں ہے:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ﴾(۱)

اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزا اور کفر ہوتا ہوا سنو، تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو، جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کردیں۔اس حالت میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔

(۵)......ترکِ اہواء:

مسلمان غیر مسلموں کی اہوا اور خواہشات پر کان نہ دھریں اور نہ ہی ان کے نفسانی جذبات کا احترام کریں۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَمَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ﴾(۲)

اگر آپ ان کے نفسانی خیالات کا اتباع کرنے لگیں، بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم پہنچ چکا ہے تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی آپ کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔

(۶)......ترکِ تشبہ:

ترکِ تشبہ پر قرآن کریم کی بیسیوں آیات دلالت کررہی ہیں۔آیتِ کریمہ ﴿لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور حدیثِ مبارکہ "من تشبه بقوم فهو منهم" تشبہ کی حرمت پر صریح دلائل ہیں۔(۳)

تشبہ کے فقہی مراتب اور احکام:

منع تشبہ کا حقیقی مقصد ملتِ اسلامی کو التباس سے بچانا ہے۔اس کا منشا مخلوق کو تنگی اور حرج میں ڈالنا یا عام طبعی اور قدرتی جذبات کو پامال کردینا نہیں۔چنانچہ ذیل میں تشبہ کے مراتب اور حدود کا ایک نقشہ پیش کیا جارہا ہے جس سے تشبہ کے جواز، عدمِ جواز اور کراہت وغیرہ کے احکام واضح ہو جائیں گے۔

ا۔ اضطراری (غیر اختیاری) امور میں مشابہت اور اس کا حکم

غیر اختیاری امور، جیسے انسان کی خلقی شکل وصورت اور فطری [illegible] وخواہشات [illegible] امور میں مسلمانوں اور

(۱) النساء:۱٤۰ (۲) الرعد:۳۷ (۳) سنن أبي داؤد:۲/۲۰۳، ملخص [illegible]

کفار کا ایک جیسا ہونا فطری بات ہے، لہٰذا تشبہ وعدم تشبہ کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی انسان ایسے تشبہ سے جان بچا سکتا ہے۔

۲۔ طبعی امور میں تشبہ اور اس کا حکم:

اس سے مراد وہ امور ہیں جن کو ہم اپنے اختیار سے کرتے ہیں، لیکن یہ بھی غیر اختیاری کی طرح ہیں، اس لیے کہ ہم ان سے بچ نہیں سکتے، جیسے بھوک لگے تو کھانا کھانا، پیاس لگے تو پانی پینا وغیرہ۔ یہ امور بھی اضطراری امور کی طرح تشبہ وعدم تشبہ کے حکم سے خارج ہیں۔

۳۔ امور اختیاریہ میں تشبہ اور اس کا حکم:

امور اختیاریہ دو قسم کی ہیں: عبادات، عادات اور معاشرات

الف: عبادات میں تشبہ اور اس کا حکم:

جن امور کا تعلق عبادات سے ہو تو ان میں تشبہ حرام ہے، یعنی از خود اپنے ہی قصد وارادے سے کسی کافر قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا حرام ہے، لہٰذا جو کام دوسری ملتوں اور قوموں میں عبادت سمجھے جا رہے ہوں، وہی کام اسی طریقے سے ہم کرنے لگ جائیں تو یہ حرام ہوگا، جیسے: زنار باندھنا، گلے میں صلیب لٹکانا، سکھوں کی طرح ہاتھوں میں کڑے پہننا وغیرہ۔

ب: عادات ومعاشرات میں تشبہ اور اس کا حکم:

عادات اور معاشرات کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ امور قبیح بالذات ہوں گے یا مباح بالذات۔

اگر قبیح بالذات ہیں تو ان میں تشبہ حرام ہے، جیسے: ٹخنوں سے نیچے پتلون لٹکانا، مردوں کے لیے ریشم اور سونے کا استعمال وغیرہ۔ ان امور کا ارتکاب دو وجہوں سے حرام ہے: صریح نصوص میں حرمت کا حکم آنے کی وجہ سے اور متکبرین مسرفین اور عورتوں سے تشبہ کی وجہ سے۔

پھر امور عادیہ کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱)......ایک وہ امور جو کسی قوم کا شعار بن چکے ہوں، یعنی کسی کافر قوم کے ساتھ اس طور پر خاص ہو چکے ہوں کہ اگر کوئی دوسرا یہ کام کرے تو دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہے، ایسے امور عادیہ میں کسی کافر یا غیر مسلم قوم کے ساتھ تشبہ اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے، چاہے کوئی مسلمان اس کو بطورِ عادت اختیار کرے یا بطورِ عبادت اختیار کرے۔

(۲)......اگر امور عادیہ کسی قوم کے شعار نہ ہوں تو اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

الف: مسلمانوں کے پاس ان امور کا متبادل موجود ہوگا یا نہیں۔ اگر مسلمانوں کے پاس اس کا مناسب متبادل موجود ہو تو پھر غیر شعار والے امور میں تشبہ اختیار کرنا بھی مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ تشبہ ایک طرف اسلامی غیرت وحمیت کے خلاف ہے تو دوسری طرف بذاتِ خود اپنی مصنوعات کی توہین اور کفار کی مصنوعات کی تعظیم ہے، جس سے اسلامی معیشت کو بھی سخت نقصان پہنچ سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابیؓ کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھا تو ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے پھینک دو اور عربی کمان ہاتھ میں لو، کیونکہ اس کے ذریعے اللہ نے تمہیں عزت اور شان وشوکت دی ہے۔

ب: اگر مسلمانوں کے پاس ان اشیا کا کوئی متبادل نہ ہو، جیسے آج کل کے جدید ایجادات، اسلحہ اور سامانِ جنگ، دفائی آلات اور دوسری ضروریات وغیرہ، تو ایسی اشیا کا استعمال بھی دو طرح کا ہے:

۱۔ ان کا استعمال تشبہ اور کفار کی عظمت کی نیت سے ہو تو حرام اور ناجائز ہے۔

۲۔ اگر تشبہ کی نیت نہ ہو، بلکہ ضرورت پوری کرنا مقصود ہو تو مباح اور جائز ہے۔ (۱)

❁❁❁❁❁

(۱) ملخص أز اسلامی تہذیب وتمدن، فصل تشبہ کے فقہی مراتب: ص ۱۰۶۔۱۱۱

باب التشبہ

(تشبہ سے متعلقہ مسائل)

کپڑوں میں کالر بنانا

سوال نمبر (243):

آج کل لوگوں کا یہ رواج ہے کہ وہ کپڑوں میں کالر بناتے ہیں۔اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

لباس کا تعلق اگرچہ انسان کے ظاہر سے ہے،لیکن باطن پر بھی اس کا خاص اثر ہوتا ہے اس لیے اسلامی وضع قطع مسلمانوں کے لیے نہایت ضروری ہے۔ دوسری اقوام کی وضع قطع اور ان جیسی شکل وصورت بنانے سے بچنا مسلمانوں کے لیے لازم ہے۔جہاں تک کپڑوں میں کالر بنانے کا تعلق ہے تو شاید یہ کسی زمانہ میں صرف کفار کا طریقہ رہا ہو لیکن اب مسلمانوں میں کالر بنوانے کا رواج عام ہو چکا ہے اس لیے اب یہ کفار کے ساتھ خاص نہیں رہا لہٰذا قمیص میں کالر بنانے میں کوئی حرج نہیں۔تاہم چونکہ ہمارے ہاں علما و صلحا اپنے کپڑوں میں کالر نہیں بناتے اس لیے بنانے کی نسبت نہ بنانا زیادہ بہتر ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "من تشبہ بقوم فھو منھم." قال القاري: أي من شبہ نفسہ بالکفار مثلاً في اللّباس وغیرہ، أو بالفساق، أو الفجار، أو بأھل التصوف الصلحاء، والأبرار (فھو منھم) أي في الإثم أو الخیر عنداللّٰہ تعالی.(۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے تو وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا۔" ملا علی قاریؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے آپ کو لباس وغیرہ میں کفار یا فساق وفجار کے مشابہہ بنایا اور یا صوفیا، صلحا اور نیک لوگوں کے مشابہہ بنایا تو وہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) بذل المجھود في حل أبي داؤد، کتاب اللّباس، باب في لبس الشھرۃ :۳۵۶/۱۶

کے ہاں گناہ یا بھلائی میں ان ہی لوگوں میں سے شمار ہوگا۔

❁❁❁

محرم الحرام کے ابتدائی عشرہ میں کھیر پکانا

سوال نمبر(244):

محرم کے پہلے دس دنوں میں کھیر وغیرہ پکانا کیسا ہے اور اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی کو کھانا کھلانا یا پانی پلانا ایک نیک عمل ہے، جس کی ترغیب جا بجا پائی جاتی ہے۔ البتہ کسی دلیل کے بغیر کسی خاص دن کے ساتھ اضافی ثواب کی نیت سے خاص کرنا درست نہیں۔ اس لیے محرم الحرام کے ابتدائی عشرہ میں کھیر وغیرہ کھلانے کو خاص ثواب کا ذریعہ سمجھنا جائز نہیں۔ نیز اہل تشیع اور روافض کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کی شناعت اور بھی بڑھ جاتی ہے اس لیے محرم الحرام کے ان مخصوص ایام میں کھانا کھلانے سے احتراز کرنا چاہیے۔ ایسے کھانوں کا کھانا بھی مکروہ ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

نقل في مطالب المؤمنين عن إمامنا أبي حنيفة : أنه لا يجوز التشبه بالروافض..........ومن تشبه بقوم فهومنهم.(۱)

ترجمہ:

کتاب مطالب المومنین میں ہمارے امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ روافض کی مشابہت جائز نہیں۔۔۔۔اور جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا۔

❁❁❁❁❁

(۱) نفع المفتي والسائل، كتاب الحظر والاباحة، ما يتعلق بالانتفاع بالأشياء النجسة :ص/۱۲۶،۱۲۷

باب التصاویر

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ حرمت:

تصویر سازی کے ہولناک نتائج کسی ذی ہوش پر مخفی نہیں۔ معذب اقوام کا عبرت ناک انجام ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أولئك إذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا، ثم صوروا فيه تلك الصورة، أولئك شرار الخلق عند الله". (۱)

ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی دنیا سے رخصت ہوجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنالیتے اور اس میں اس شخصیت کی تصویر بنالیتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مخلوق میں بدترین لوگ ہیں۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ گزشتہ امتوں میں تصویر سازی حلال ہونے کی وجہ سے ان لوگوں میں کفر وشرک کی گمراہی تصویر ہی کے راستے سے آئی تھی۔ پیغمبر اسلام ﷺ جن کی بعثت شریعت کی تکمیل، عقیدہ توحید کے قیامت تک کے لیے غلبہ واظہار اور دینِ حقیقی کو ہر طرح کی تحریف وتصحیف سے محفوظ رکھنے کے لیے وجود پذیر ہوئی تھی، نے ضروری سمجھا کہ کفر وشرک کے اس چور دروازے کو بند کردیا جائے، تاکہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے دفن ہوجائے۔ (۲)

موجودہ دور میں بے پردگی، فحاشی اور عریانی کا جو سیلاب بڑھتے ہوئے تمام بند توڑ چکا ہے، اس کے متعلق ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فتنہ تصاویر ہی کا شاخسانہ ہے اور یہ پورا سیلاب موبائل، ٹی وی، سی ڈیز، ڈیجیٹل آلات اور فحش اخبارات کے دہانہ سے اُبل رہا ہے، لہٰذا ان اشیا کی حرمت پر بھی اکثر فقہا کا اتفاق ہے۔ جامعہ عثمانیہ کی مجلسِ فقہی کی تحقیق وتدقیق کے بعد جو فقہی اور سائنسی رپورٹ سامنے آئی ہے، اس میں ٹھوس اور مظبوط دلائل کے ساتھ ان اشیا کو تصویر قرار دے کر ان کے متعلق حرمت کا حکم لگایا گیا ہے۔ (۳)

---

(۱) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب التصاوير، الفصل الثالث، رقم(٤٥٠٨): ٢٨٢/٨، المكتبة الحقانية، پشاور

(۲) ابن حجر، أحمد بن علي، فتح الباري، كتاب اللّباس، باب التصاوير، رقم(٥٩٤٩): ٥٨٠/١١، ٥٨١

(۳) ماهنامه العصر پشاور، فروری ۲۰۰۹ء، مجلسِ فقهی: ص ۲۵-۳٤

تصویر کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

تصویر باب تفعیل کا مصدر ہے، جس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کی خاص صورت اور ہیئت بنانا۔ اللہ تعالیٰ کا اسم صفتی بھی "المصور" ہے۔ جس کا معنیٰ ہے "ایک چیز کو خاص شکل وصورت دینے والا، جس کے ذریعے وہ چیز دوسری چیز سے ممتاز ہوسکے۔ فقہائے کرام کے ہاں عموماً تصویر مصدری معنیٰ کی بجائے "صورۃ" کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، یعنی بنائی جانے والی چیز کو فقہا کے عرف میں تصویر کہا جاتا ہے۔(۱)

تصویر سے ملتی جلتی اصطلاحات:

(۱) تماثیل......: ذی روح کی شکل وصورت کو تمثال کہتے ہیں، جب کہ تصویر اور صورت عام ہے، چاہے ذی روح کی ہو یا غیر ذی روح کی، تاہم عرف عام میں عموماً صورت اور تمثیل ایک معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں۔(۲)

(۲) الرسم......: جدید دور میں رسم ہاتھوں سے بنی ہوئی پینٹنگ، تصاویر، نقشہ جات، قدرتی مناظر وغیرہ کو کہتے ہیں۔ ڈیجیٹل کیمروں یا دوسرے آلات سے بنائی جانے والی تصاویر کو رسم نہیں کہتے۔

(۳) النحت......: کسی بڑے پتھر، لکڑی وغیرہ کو تیز دھار آلات سے تراش تراش کر اس سے کوئی شکل وصورت بنانا النحت کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہ اسی معنیٰ میں مستعمل ہے۔

(۴) الصورۃ المسطحۃ /غیر ذات ظل......: اس سے وہ تصاویر مراد ہیں جو سطحی یعنی غیر مجسم ہوں، جیسے کسی کاغذ یا دیوار یا سکرین پر بنائی جانے والی تصاویر۔

(۵) الصورۃ المسطحۃ /ذات ظل......: اس سے وہ تصاویر مراد ہیں جو مجسم شکل وصورت میں ہوں، چاہے پتھر، مٹی، لوہے، پلاسٹک وغیرہ کسی بھی مادے یا کیمیکل کے ہوں۔(۳)

اہم نوٹ:

حنفیہ کے ہاں مذکورہ تمام قسم کی تصاویر کا حکم یکساں ہے، لہٰذا آگے آنے والی تفصیلات اور احکام میں اس اہم نکتے کی رعایت ضروری ہوگی۔ مذکورہ تمام قسموں کو "الصورۃ الثابتۃ" کہتے ہیں۔

---

(۱) الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، مادۃ تصویر: ۱۲/۹۲، ۹۳

(۲) ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا: ۲/۴۱۶

(۳) ملخص أز الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، مادۃ تصویر: ۱۲/۹۳-۹۵

اس کے برعکس جو تصویر محض سایہ یا شبہ ہو اور اس میں دوام نہ ہو تو اس کو "الصورة المؤقتة" یعنی غیر دائمی تصویر کہیں گے، جیسے: آئینے یا کسی چمک دار چیز میں کسی چیز کی شکل وصورت اور شبہ دیکھنا۔ قدیم دور میں کاغذی اشکال اور روشنی کی مدد سے سفید دیوار وغیرہ پر پروجیکٹر کی طرح کچھ تصاویر دکھائی جاتی تھیں، ان کا حکم بھی محض سائے اور شبہ کی ہے، ایسی قسم کی تصاویر بالاتفاق جائز اور مباح ہیں، ان کو تصویر کہنا بھی محض ایک مجازی اصطلاح ہے۔(۱)

تصاویر کی حرمت اور اس کا حکم:

احادیث مبارکہ میں انتہائی سختی کے ساتھ تصویر سازی کی مذمت کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لاتدخل الملئكة بيتافيه كلب ولاتصاوير".(۲)

ترجمہ: (رحمت وبرکت کے) فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس میں کتا یا تصاویر ہوں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

قیامت کے دن سب سے سخت ترین عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو تصویر سازی کرتے ہیں اور ان کو (زجر اور تہدید کے طور پر) کہا جائے گا کہ جو تصویریں تم لوگوں نے بنائی ہیں، ان کو زندہ کرو۔(۳)

ایک اور حدیث میں اس شخص کو سب سے زیادہ ظالم کہا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرح تخلیق کرنے کے درپے ہو اور اللہ تعالیٰ سے مشابہت کی کوشش میں ہو، اس سے بھی قیامت کے دن کہا جائے گا کہ چلو! ایک دانہ یا ایک ذرہ تو بنالو۔(۴)

مذکورہ احادیث کو دیکھ کر امام نوویؒ نے مطلق تصویر کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے، چاہے عظمت کی نیت سے بنائی جائیں یا توہین وتحقیر کی نیت سے اور چاہے وہ کسی دیوار یا بلند جگہ پر لگائی گئی ہوں یا کسی کپڑے، بستر، کرسی، برتن

---

(۱) ملخص أز الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة تصوير: ۹۳/۱۲-۹۵

(۲) فتح الباري، كتاب اللباس، باب التصاوير، رقم(۵۹٤۹): ۵۷۸/۱۱

(۳) فتح الباري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، رقم(۵۹۵۰، ۵۹۵۱): ۵۸۱/۱۱

(٤) فتح الباري، كتاب اللباس، باب نقض الصور وباب ماوطئي من التصاوير، رقم(۵۹۵۳، ۵۹۵٤): ۵۸٤/۱۱، ۵۸۶

یا کسی اور چیز پر ہو۔(۱)

اکثر فقہاء و محدثین نے امام نوویؒ کی رائے سے بالکلیہ اتفاق نہیں کیا ہے، اس لیے کہ ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے ہاں تصویر کی حرمت کے لیے کچھ اصول اور شرائط مقرر کی گئی ہیں، البتہ ذی روح کی تصویر سازی پر فی الجملہ ان سب کا اتفاق ہے، بقیہ تفصیلات میں اختلاف کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

"قال ابن العربي: حاصل مافي اتخاذ الصور أنها إن كانت ذات الأجسام حرم بالإجماع".(۲)

حکم کے اعتبار سے تصویر کی قسمیں:

(۱) مصنوعات کی تصویریں:

جو اشیا انسان اپنے ہاتھوں سے بناتا ہے، اس کی تصویریں بنانا بھی جائز ہے۔

(۲) غیر ذی روح مخلوقات کی تصویریں:

پہاڑوں، دریاؤں، سورج، چاند، ستاروں، درختوں، جنگلوں اور قدرتی مناظر و اشیا کی تصاویر بنانا جائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک شخص کو ذی روح کی تصاویر سے منع کرنے کے بعد فرمایا:

"ويحك إن أبيت إلاأن تصنع، فعليك بهذاالشجروكل شيء ليس فيه روح".(۳)

اس پر تمام فقہا کا اتفاق ہے۔البتہ امام مجاہدؒ نے پھل دار درخت کی تصویر بنانے سے منع کیا ہے، تاہم یہ قول شاذ ہے۔

---

(۱) الصحيح للمسلم مع حاشية للنووي، كتاب اللّباس و الزينة،باب تحريم تصوير صورة الحيوان:۲/۱۹۹

(۲) فتح الباري، كتاب اللّباس ،باب من كره القعود على الصور:۱۱/۵۹۹،ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مايفسدالصلوة ومايكره فيها:۲/۴۱۶،حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب ما يفسدالصلوة ومايكره فيها:۱/۲۷۳

(۳) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس ،باب التصاوير،الفصل الثالث،رقم(۴۵۰۷) :۸/۲۸۱،۲۸۲،ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مايفسدالصلوة ومايكره فيها:۲/۴۱۸

بعض فقہا کا کہنا ہے کہ جہاں ان مخلوقات کی عبادت کا شائبہ ہو تو وہاں ایسی تصویریں بنانا مکروہ ہے۔(۱)

(۲) حیوانات اور انسانوں کی تصاویر کا حکم:

احادیث مبارکہ میں جن تصاویر کی سخت مذمت اور ان پر عذاب کی وعید آئی ہے ان سے مراد حیوانات اور انسانوں کی تصاویر ہیں، تاہم ان تصاویر کی حرمت پر بھی ائمہ کا مکمل اتفاق نہیں، بلکہ ہر ایک کے ہاں الگ الگ شرائط ہیں۔ امام مالکؒ کے ہاں تصویر کی حرمت کے لیے تین شرائط ہیں: یہ تصویر انسان یا حیوان کی ہو، تصویر کاملۃ الاعضا یعنی مکمل ہو اور کسی ایسی چیز سے بنائی گئی ہو، جو جلد مٹنے والی نہ ہو، یعنی مجسم ہو جیسے پتھر، لوہا، لکڑی وغیرہ۔(۲)

جمہور فقہا (حنفیہ، حنابلہ، شافعیہ) کے ہاں پہلی دو شرائط تو ضروری ہیں، البتہ تیسری شرط یعنی مجسم ہونا ضروری نہیں، بلکہ کاغذ، کپڑے، دیوار وغیرہ پر بنائی جانے والی کوئی بھی تصویر ان فقہا کے ہاں حرام ہے۔ جمہور فقہا کی دلیل ان تمام احادیث کا عموم ہے جن میں تصاویر کی مذمت اور حرمت کا تذکرہ آیا ہے۔(۳)

تصاویر کی حرمت کی علت:

چونکہ شریعتِ مطہرہ کے ہر حکم کے لیے ضرور بالضرور کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے، اس لیے فقہائے کرام نے احادیث مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے تصاویر کی حرمت کے لیے چند علتیں ذکر کی ہیں، ان علتوں کی موجودگی میں تصویر حرام ہوگی:

(۱) تصویر بنانے میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ مصوری وصفتِ خالقیت میں مشابہت ہے۔(۴)

(۲) تصویر غیر اللہ کی تعظیم میں غلو اور حدود سے تجاوز کا ذریعہ ہے۔(۵)

(۱) الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، مادۃ تصویر: ۱۲/۹۷، ۹۸

(۲) الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، مادۃ تصویر: ۱۲/۱۰۰۔۱۰۲

(۳) فتح الباري، کتاب اللّباس، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ: ۱۱/۵۸۳، رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا: ۲/۴۱۶، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، مادۃ تصویر: ۱۲/۱۰۲۔۱۰٤

(٤) فتح الباري، کتاب اللّباس، باب نقض التصاویر، رقم (۵۹۵۳)، وباب ماوطئ من التصاویر، رقم (۵۹۵٤): ۱۱/۵۸٤۔۵۸٦

(۵) فتح الباري، کتاب اللّباس، باب التصاویر: ۱۱/۵۸۰، ۵۸۱، رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب ما یفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا: ۲/۴۱۹

(۳) مشرکین کے ساتھ مشابہت ہے، اگرچہ بنانے والے نے مشابہت کی نیت نہ کی ہو۔

"ویکره التشبه بهم في المذموم وإن لم يقصده". (۱)

اگر تصویر بنانے میں مشرکین کے ساتھ مشابہت یا اللہ کی صفتِ تخلیق وتصویر میں مشابہت مقصود ہو تو پھر معاملہ کفر کی حد تک بھی جا سکتا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"فإنه يصير بذلك القصد كافرا، وأما ماعدا ذلك فيحرم عليه، ويأثم، لكن إثمه دون إثم المضاهي". (۲)

(۴) تصاویر جنسی ہیجان اور فتنوں کا ذریعہ ہے، اس لیے کہ نظر اور نفس ہر ایک اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔

"لأن النظر إليها يفتن وبعض النفوس إليها تميل". (۳)

(۵) تصاویر کی موجودگی میں رحمت کے فرشتے گھر یا تصویر والی جگہ داخل نہیں ہوتے، البتہ کراماً کاتبین اور حفاظت کرنے والے فرشتے داخل ہوں گے۔ (۴)

تصاویر اور مجسموں کی چند جائز صورتیں:

فقہائے کرام کے ہاں جن صورتوں میں مذکورہ علتیں مفقود ہوں تو وہاں تصاویر بنانا حرام نہیں ہوگا، مکروہ تب بھی ہوگا، البتہ ایسی صورتوں میں تصویر رکھنا بلا کراہت جائز رہے گا، اس لیے کہ تصویر بنانا الگ چیز ہے اور اس کو اپنے پاس رکھنا اور جائز طریقے سے فائدہ اٹھانا الگ چیز ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"وكلام النوويؒ في فعل التصوير، ولا يلزم من حرمته الصلاة فيه، بدليل أن التصوير يحرم". (۵)

---

(۱) كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۴۱۷/۲

(۲) فتح الباري، كتاب اللّباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة: ۵۸۳/۱۱، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۴۱۹/۲، الموسوعة الفقهية، مادة تصوير، تعليل تحرم التصوير: ۱۰۴/۱۲ـ۱۰۷　　(۳) فتح الباري حواله بالا

(۴) فتح الباري، كتاب اللّباس، باب التصاوير، رقم(۵۹۴۹) :۵۷۸/۱۱، ۵۷۹، ردالمحتار على الدرالمختار، باب ما يفسد الصلوة ومايكره فيها: ۴۱۹/۲

(۵) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۴۱۷/۲، الموسوعة الفقهية، مادة تصوير، تعليل تحرم التصوير: ۱۱۰/۱۲

اورعلامہ نوویؒ کا کلام (حرمت پر اجماع) تصویر بنانے کے بارے میں ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں نماز بھی ناجائز ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تصویر کھینچنا اور بنانا حرام ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"هذا كله في اقتناء الصورة، وأما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقاً."(۱)

یہ جواز تصویر رکھنے کے بارے میں ہے، جہاں تک تصویر بنانے کی بات ہے تو یہ مطلقاً ناجائز ہے۔

علامہ شامیؒ نے تصویر رکھنے کے متعلق ایک قاعدہ کلیہ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"أن ما لا يؤثر كراهة في الصلاة لا يكره إبقاءه".

جن تصاویر کی وجہ سے نماز میں کراہت نہیں آتی، ان کو اپنے پاس رکھنا بھی مکروہ نہیں۔

اور یہ بھی کہا ہے کہ علامہ نوویؒ نے اگرچہ ہر قسم کی تصویر سے رحمت کے فرشتوں کو ممنوع قرار دیا ہے، لیکن علامہ عیاضؒ نے اس کی نفی کی ہے اور مذکورہ احادیث کو چند شرائط کے ساتھ مخصوص مانا ہے اور یہی ہمارے علمائے حنفیہ کا ظاہر قول ہے۔(۲)

لہٰذا علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق درج ذیل قسم کی تصاویر یا مجسمے رکھنا جائز رہے گا:

(۱) تصویر ایسی جگہ ہو جو پاؤں تلے روندھا جا رہا ہو یا اس پر لوگ بیٹھتے ہوں یا تکیہ لگاتے ہوں۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو یہی حکم دیا تھا کہ اس پردے کو چاک کر کے اس سے تکیے بنا دو۔ مذکورہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسی تصاویر رحمت کے فرشتوں کے لیے مانع نہیں۔ علامہ ابن حجرؒ نے اس کو جمہور صحابہؓ، تابعین اور فقہا کا مذہب قرار دیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ عرف کے اعتبار سے جس صورت میں بھی تصویر کی تعظیم ہو رہی ہو، وہ حرام ہوگی، جیسے دیوار پر یا کپڑوں یا پگڑی پر سامنے کی جانب تصویر بنانا یا لٹکانا۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں قبلہ کی جانب یا اوپر تصویر لٹکانا تعظیم اور تشبہ کی وجہ سے حرام ہے اور دائیں، بائیں یا پیچھے رکھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں تعظیم اور تشبہ نہیں۔(۳)

---

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، تنبيه: ۲/۴۲۰

(۲) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۲/۴۱۹

(۳) فتح الباري، كتاب اللباس، باب ما وطئ من التصاوير، رقم (۵۹۵۴): ۱۱/۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ردالمحتار على الدر المختار، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۲/۴۱۷

(۲) وہ تصویریں جو کسی چیز میں پوشیدہ ہوں یا تھیلی، ڈبے وغیرہ میں بند ہوں تو اس تھیلی یا ڈبہ وغیرہ کا گھر میں رکھنا جائز ہے اور ملائکہ رحمت کے دخول سے مانع نہیں۔ اگرچہ بنانا ان کا بھی ناجائز ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے ہاتھ یا بدن پر کوئی تصویر گدی ہوئی ہو اور وہ کپڑوں میں مستور ہو تو ایسے شخص کی امامت جائز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب یا کسی رسالے میں جو تصاویر مستور ہوں تو ان کو گھر میں رکھنا جائز ہے، البتہ دیکھنے کا حکم الگ ہے جو آگے آرہا ہے۔(۱)

(۳) جو تصاویر اس قدر چھوٹی ہوں کہ اگر وہ زمین پر رکھی ہوں اور کوئی متوسط بینائی والا آدمی کھڑے ہو کر دیکھے تو تصویر کے اعضا کی تفصیل دکھائی نہ دے تو ایسی تصویر کا گھر میں رکھنا اور استعمال کرنا جائز ہے، اگرچہ بنانا اس کا بھی ناجائز ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ کی انگوٹھیوں پر جانداروں کی چھوٹی چھوٹی تصاویر کے متعلق سب فقہا کا اتفاق ہے۔(۲)

(۴) سر کٹی ہوئی یا مکمل چہرہ مٹی ہوئی تصویریں گھر میں رکھنا جائز ہے، اس لیے کہ جب جبرئیلؑ نے وحی میں تاخیر کی اور آپ ﷺ نے استفسار فرمایا تو جبرئیلؑ نے کہا کہ آپ کے گھر میں ایک پردہ ہے جس میں تصاویر ہیں تو آپ یا تو تصاویر کے سر کاٹ دیجئے یا اس پردہ کو بستر یا تکیہ بنا دیجئے، تاکہ پاؤں تلے روندھا جائے۔(۳)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ سر یا مکمل چہرہ مٹانا، کاٹنا، سیاہی سے کالا کرنا، پانی سے دھونا یا کسی بھی طریقے سے اس کی شناخت اور پہچان ختم کر دینا کافی ہے۔(۴)

(۵) کسی تصویر کا ایسا عضو کاٹنا، جس عضو کے بغیر کوئی جاندار زندہ نہ رہ سکے، تصویر رکھنے کو جائز کر دیتا ہے، جیسے: سینہ اور پیٹ۔ تاہم یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ اس تصویر کی بات ہے جو مکمل تصویر ہونے کے بعد اس کے سینہ یا پیٹ مٹا دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کسی تصویر کا پیٹ یا سینہ مٹانے سے اس تصویر کی توہین و تحقیر نہ ہوگی تو اور کیا ہوگا؟ اسی وجہ سے علامہ حصکفیؒ نے "ممحوۃ الأعضاء" (جس کا عضو مٹا دیا گیا ہو) کا لفظ لایا ہے اور علامہ شامیؒ نے "منقوبہ البطن" (جس

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، باب مایفسد الصلوۃ و مایکرہ فیھا: ۲/۴۱۷، ۴۱۸

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، باب مایفسد الصلوۃ و مایکرہ فیھا: ۲/۴۱۸، حاشیۃ الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب مایفسد الصلوۃ و مایکرہ فیھا: ۱/۲۷۳

(۳) مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللّباس، باب التصاویر، الفصل الثاني، رقم (۴۵۰۱): ۸/۲۷۷

(۴) ردالمحتار علی الدرالمختار، باب مایفسد الصلوۃ و مایکرہ فیھا: ۲/۴۱۸

کے پیٹ میں سوراخ کر دیا گیا ہو) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ توہین کی بنا پر ایسی تصویر کو حرمت کے درجے سے نکال دیا گیا ہے۔(۱)

صرف سر یا نصفِ اعلیٰ (بدن کے اوپر والے حصے) کی تصویر کا حکم:

اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف چہرے یا نصفِ اعلیٰ کی تصویر جائز ہے، جس طرح کہ بعض فقہا نے کہا ہے:

"قال القهستاني: وفيه إشعار بأنه لاتكره صورة الرأس وفيه خلاف كما في اتخاذها".

لیکن اکثر فقہاے کرام کے ہاں پاسپورٹ سائز کی تصاویر (ہاف ٹون پکچرز) جس کا سر نہ ہو، بنانا اور استعمال کرنا ہر ایک جائز ہے۔ ان کی دلائل درج ذیل ہیں:

......(۱) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

"الصورة الرأس فكل شيء ليس له رأس فليس بصورة".(۲)

تصویر سر کا نام ہے، ہر وہ چیز جس کا سر نہ ہو تو وہ تصویر نہیں۔

......(۲) ابن عباسؓ کی روایت ہے:

"الصورة الرأس فإذا قطع الرأس فلا صورة".(۳)

تصویر سر کا نام ہے، جب سر کاٹ دیا جائے تو تصویر باقی نہیں رہتی۔

......(۳) علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"وإن لم تكن مقطوعة الرأس فتكره الصلوة".(٤)

......(۴) اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ٢/٤١٨

(۲) الطحاوي، أبي جعفر أحمد بن محمد الأزدي، شرح معاني الآثار، كتاب الكراهية، باب الصور تكون في الشباب: ٢/٣٣٩، المكتبة الحقانية، ملتان

(۳) علاؤ الدين المتقي، كنز العمال، حرف الميم، كتاب المعيشة [illegible] الرابع، فرع في محظورات البيت والبناء، رقم (٤١٥٧٤): ١٥/٤٠٤، اداره تاليفات اشرفيه، ملتان

(٤) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل [illegible]

"إن الصورة إذا قطع رأسها ارتفع المانع".(۱)

(۶) بچوں کی گڑیا اور چھوٹے کھلونے اگر مصور ہوں تو بچوں کا ان سے کھیلنا اور ان کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں حضرت عائشہؓ مختلف کھلونوں سے کھیلتی تھیں، جس میں ایک گھوڑا بھی تھا۔ اس کے علاوہ ان کھلونوں سے کھیلنا نابالغ بچوں کا فطری تقاضا اور ان کو مصروف رکھنے کے لیے ضروری امر ہے۔ ایسا کرنے سے ان میں تدبیر منزل، ترحم، شفقت اور بعض دوسرے امور خانہ داری بھی نکھر جاتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

"یجوز بیع اللعبة وأن یلعب بها الصبیان".(۲)

اور علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وخص ذلك من عموم النهي عن اتخاذ الصور وبه جزم عیاض ونقله عن الجمهور، وأنهم أجازوا بیع اللعب للبنات لتدریبهن من صغرهن علىٰ أمر بیوتهن وأولادهن".(۳)

(۷) عام مٹی، مٹھائی یا دوسری کھانے کی چیزیں اگر بشکل تصویر بنائی گئی ہوں اور ان اشیا کو کچھ بھی پائیداری اور استحکام حاصل نہ ہو تو مالکیہ اور شافعیہ کے ہاں اس کے جواز وعدم جواز دونوں قول ملتے ہیں، البتہ حنفیہ کے ہاں کوئی صریح قول نہیں، تاہم اگر ایسی چیزیں بچوں کے استعمال کے لیے چاکلیٹ، ٹافی، ببل گم، مٹھائی وغیرہ سے بنائی جائیں تو توہین وتحقیر کی وجہ سے ان کا استعمال اور خرید وفروخت کچھ حد تک جائز رہے گا، البتہ ایسی اشیا بنانے والے گنہگار ضرور ہوں گے، اس لیے کہ یہاں نہ تو کوئی ضرورت درپیش ہے اور نہ ہی کوئی خاص فائدہ منظور نظر ہے "والأمور بمقاصدها". یعنی مباح امور کے حکم کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہوتا ہے۔(۴)

(۸) تعلیم وتربیت، تجربات اور دیگر تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کی جانے والی تصاویر اور مجسم چیزوں کے متعلق

---

(۱) فتح الباري، كتاب اللّباس، باب ماوطئ من التصاویر: ۵۸۸/۱۱

(۲) ردالمحتار علی الدر المختار، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۴۲۰/۲

(۳) فتح الباري، كتاب الأدب، باب الانبساط إلى الناس: ۱۵۸/۱۲، ۱۵۹، الموسوعة الفقهية، مادة تصوير: ۱۱۲/۱۲، ۱۲۱

(٤) الموسوعة الفقهية، مادة تصوير: ۱۱۱/۱۲، ۱۱۲، الأتاسي، محمد خالد، شرح المجلة، مادة (۲): ۱۳/۱

تو فقہانے تصریح نہیں کی ہے، لیکن فقہی قواعد کی رو سے ایسی اشیا کا استعمال دو شرائط کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے:

(۱) تعلیم و تعلم کی ضرورت کسی اور چیز سے پوری نہ ہو۔

"لأن الضرورات تبيح المحظورات". (۱)

(۲) ان اشیا کا استعمال ضرورت ہی کی حد تک ہو، یعنی جن اعضا پر تجربہ ہو رہا ہو، انہی اعضا کے مجسمے، تصاویر استعمال کی جائیں۔ "والضرورات تتقدر بقدرها". (۲)

چند اہم مسائل:

(۱) تصویر سازی اور فوٹو گرافی کی اجرت:

جاندار کی تصویر بنانے اور فوٹو لینے کی اجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں۔ طحطاویؒ نے اس کو مکروہ تحریمی کہا ہے، البتہ کھلونوں کی خرید و فروخت امام ابو یوسفؒ کے ہاں جائز ہے، تاہم دیگر حنفیہ کے ہاں اس میں بھی عدم جواز اور کراہت کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ (۳)

(۲) کپڑوں کے تابع تصاویر کی خرید و فروخت:

برتنوں، کپڑوں وغیرہ پر اگر کچھ تصاویر بنائی گئی ہوں اور مقصود برتن یا کپڑے کی خرید و فروخت ہو تو ایسی تصاویر کی خرید و فروخت تبعاً جائز ہے۔ تاہم احتراز کرنا بہتر ہے۔ فقہی قاعدہ ہے:

"يغتفر في التوابع مالا يغتفر في غيرها". اور "قد يثبت الشيء ضمناً ولا يثبت قصدا". (٤)

(۳) تصاویر دیکھنے کا حکم:

جن تصاویر کا بنانا اور گھر میں رکھنا ناجائز ہے، ان کا ارادہ اور قصد کے ساتھ دیکھنا بھی ناجائز ہے اس لیے کہ فقہی قاعدہ ہے:

---

(١) الأتاسي، محمد خالد، شرح المجلة، مادة (٢١): ١/٥٥

(٢) الأتاسي، محمد خالد، شرح المجلة، مادة (٢٢): ١/٥٦، الموسوعة الفقهية، مادة تصوير: ١٢/١١٣

(٣) ردالمحتار على الدر المختار، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ٢/٤٢٠، حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ١/٢٧٣

(٤) الأتاسي، محمد خالد، شرح المجلة، مادة (٥٤): ١/١٣١

"لأن الوسيلة الى الحرام حرام".(۱)

البتہ تبعا بلا قصد نظر پڑ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔اس کی دلیل بھی یہ قاعدہ کلیہ ہے:

"يغتفر في التوابع مالا يغتفر في غيرها".(۲)

(۴) تصاویر والی جگہ داخل ہونے کا حکم:

علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

"ويكره جعل الصورة في البيت لما ورد أن الملائكة لاتدخل بيتا فيه كلب أو صورة".(۳)

یہ قول توان تصاویر کے بارے میں ہے جو بذاتِ خود حرام ہیں۔علامہ شامیؒ نے توان تصاویر کو بھی گھر میں رکھنا مکروہ قرار دیا ہے،جن کی توہین ہوتی ہو۔وہ فرماتے ہیں کہ تصاویر کو پاؤں تلے روندھنے سے اگرچہ نماز میں کراہت نہیں آتی،لیکن گھر میں تصویر رکھنے کی کراہت تو بہرصورت موجود ہے۔(۴)

(۵) تصاویر والے کپڑے میں نماز پڑھنا:

تصویر والا کپڑا پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے،البتہ اگر تصویر بہت چھوٹی ہو تو کراہت اس درجے کا نہیں ہوگا۔ 'تكره التصاوير على الثوب صلّى فيه أولا، وهذه الكراهة تحريمية".

اور علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"ولا يكره......لو كانت صغيرة لاتتبين تفاصيل أعضائها للناظر قائماً".(۵)

اور مکروہ نہیں......اگر تصاویر اتنی چھوٹی ہوں کہ کھڑے ہو کر دیکھنے والے کو اس کے اعضا کی تفصیل اچھی طرح واضح نہ ہو سکے۔

---

(۱) عظيم آبادي،محمد شمس الحق،عون المعبود شرح سنن أبي داؤد، كتاب الاجارة،فصل في النهي عن العينة، فصل ......: ۹/۲٦٤،دار الفكر،بيروت لبنان

(۲) الأتاسي،محمد خالد،شرح المجلة،مادة(٥٤):۱/۱۳۱

(۳) حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة،باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۲۷۳

(٤) رد المحتار على الدر المختار،باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها:۲/٤۱۹

(٥) رد المحتار على الدر المختار،باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها:۲/٤۱٦،والدر المختار حواله مذكوره:۲/٤۱۸

(۶) شناختی کارڈ، پاسپورٹ وغیرہ کی تصاویر کا حکم:

سرکاری یا غیر سرکاری طور پر ضروری دستاویزات کے لیے بنائی جانے والی تصویریں علمائے کرام نے "الضرورات تبیح المحظورات" کے تحت جائز قرار دی ہیں۔ اسی طرح جدید دور میں عالمِ اسلام کے دفاع اور عالمِ کفر کا مقابلہ کرنے کے لیے اگر کہیں پرنٹ یا الیکٹرانک میڈیا کا استعمال کرتے ہوئے تصویر کی ضرورت پڑے تو وہ بھی اسی زمرے میں داخل ہوگا، لیکن اس ضرورت کی آڑ میں شرعی حدود سے تجاوز کرنا حرام اور دھوکہ دہی ہے۔

(۷) ڈیجیٹل تصاویر کا حکم:

موجودہ دور میں تصویر کی کثرت استعمال نے ذہنوں میں اس گناہ کی خفت پیدا کی ہے اور بالخصوص الیکٹرانک میڈیا، موبائل، کمپیوٹر، ٹی وی اور مختلف قسم کی سکرینز نے اس قدر تصویر کو عام کردیا ہے کہ شاید ہی کوئی آدمی اس سے بچ سکتا ہو، ان اشیا پر نظر آنے والی تصاویر کے بارے میں جامعہ عثمانیہ کی مجلس فقہی نے سائنسی، تکنیکی اور فقہی تحقیق کے بعد اسے دیگر تصاویر کی طرح حرام قرار دیا ہے۔ اس کی تفصیل ماہنامہ العصر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (۲)

❁❁❁❁❁

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا: ۲/ ۴۲۰

(۲) ماہنامہ العصر پشاور، فروری ۲۰۰۹ء، مجلس فقہی: ص ۲۵۔۳۴

مسائل باب التصاویر

(تصاویر سے متعلقہ مسائل)

عورت کا شناختی کارڈ میں تصویر لگانا

سوال نمبر(245):

جس طرح مرد حضرات کے لیے ضرورت کے تحت شناختی کارڈ کے لیے تصویر بنانے کی اجازت ہے، کیا عورت کی تصویر بھی اس طرح ضرورت کے تحت داخل ہے اور کیا عورت پاسپورٹ وغیرہ میں تصویر لگا سکتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

واضح رہے کہ شریعت میں ضرورت کی بنا پر مثلاً شناختی کارڈ وغیرہ کے لیے تصویر بنانے کی گنجائش ہے، حکومت نے چونکہ مرد اور عورت دونوں کے لیے شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں تصویر لگانا لازم کیا ہے، اس لیے مرد کی طرح عورت کے لیے بھی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے لیے تصویر بنانا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

الضرورات تبیح المحظورات.(۱)

ترجمہ: ضرورت ایک ممنوع امر کو مباح کر دیتی ہے۔

❁❁❁

تصاویر جلانے اور ضائع کرنے کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(246):

ایک آدمی کے گھر میں تصویریں ہیں۔ یہ ان تصاویر کو جلانا چاہتا ہے لیکن والد صاحب ان کے جلانے پر راضی نہیں ہے، بلکہ اس پر غصے کا اظہار کرتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ والد صاحب کی ناراضگی کے باوجود ان تصاویر کو جلانا

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة /۲۱: ص/۲۹

جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور بندگی کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی فرمان برداری کی تاکید فرمائی ہے۔ دنیاوی معاملات میں جہاں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لازم نہ آئے وہاں والدین کی اطاعت واجب ہے۔ البتہ جہاں کہیں والدین کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لازم آئے تو پھر والدین کی فرمان برداری جائز نہیں۔ گھر میں تصویر رکھنا ایک ناجائز عمل ہے۔ جس گھر میں ذی روح کی بلاضرورت تصاویر رکھی ہوں، وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، اس لیے گھر کے سربراہ اور ذمہ دار کے لیے ضروری ہے کہ گھر سے تصاویر ہٹادے اور جو گھر کا سربراہ نہ ہو، جیسے صورتِ مسئولہ میں بیٹا، وہ حکمت وبصیرت کے ساتھ اُن کو ہٹانے کی کوشش کرے، نرمی وشائستگی کے ساتھ تصاویر کی مذمت اور برائی بیان کرے، اگر کامیاب ہوا تو بہت خوب ورنہ تو استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگے کہ وہ اُن کے دِل میں ڈال دے۔ والدین اور بڑوں سے اُلجھنے کی کوشش ہرگز نہ کرے کیونکہ اس پر یہ مکلّف نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

إذا رأی منکراً من والدیه یأمرهما مرة، فإن قبلا فبها وإن کرها سکت عنهما، واشتغل بالدعاء والاستغفار لهما، فإن اللّٰه تعالیٰ یکفیه ما أهمه من أمر هما.(۱)

ترجمہ: اگر کوئی شخص اپنے والدین کو کسی گناہ کا مرتکب پائے تو ایک مرتبہ انہیں اس کام کے چھوڑنے کی درخواست کرے، اگر بات مان لیں تو اچھی بات ہے اور اگر ان کو یہ بات ناگوار گزرے تو خاموشی اختیار کرے اور ان کے لیے دُعا اور استغفار میں مشغول رہے۔ والدین کے بارے میں اس کو جو فکر وغم لاحق ہے، اس میں اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے۔

❁❁❁

برکت کے حصول کے لیے بزرگوں کی تصاویر گھر میں رکھنا

سوال نمبر (247):

ایک آدمی نے اپنے گھر میں صرف اس غرض سے اپنے پیر صاحب کی تصویر لگائی ہے کہ اس کی وجہ سے برکت

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب في تعزیر المتهم: ۱۳۰/۶

ہوگی اور گھر میں امن وامان کا ذریعہ بنے گا۔ کیا تبرک کے لیے اپنے مرشد کی تصویر گھر میں لٹکانا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ تصویر بنانا اور لٹکانا دونوں جائز نہیں۔ تصویر چاہے عام آدمی کی ہو یا کسی بزرگ کی ہو، بہرحال اس کے لٹکانے میں کسی قسم کی خیر و برکت نہیں، بلکہ اس کی وجہ سے خیر و برکت جاتی رہتی ہے۔ حدیث میں اس پر صاف وعید آئی ہے کہ جس گھر میں تصویر ہو، اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ چاہے وہ کسی عام آدمی کی تصویر ہو یا کسی پیر مرشد کی یا کسی اور ذی روح کی۔ اس لیے اپنے گھر میں یا کسی اور جگہ میں برکت کے نام سے بزرگ کی تصویر لٹکانا جائز نہیں۔ یہ برکت کی بجائے بے برکتی اور رحمت سے دوری کا ذریعہ بنے گی۔

والدّلیل علی ذلك:

وظاهر كلام النوويؒ في شرح لصحيح مسلم : الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال ؛لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى.(۱)

ترجمہ:

شرح مسلم میں امام نوویؒ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ حیوان کی تصویر کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔ وہ فرماتے ہیں: چاہے توہین پامال کرنے کے لیے بنائی ہو یا کسی اور غرض کے لیے ہر حال میں حرام ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ہے۔

❁❁❁

پریس والوں کی تصویر سازی

سوال نمبر(248):

ایک آدمی نے اشتہار چھپوانے کے لیے خود اپنی تصویر بنا کر پرنٹنگ والوں کے حوالہ کردی۔ اب پرنٹنگ والے

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب مایفسدالصلاۃ وما یکرہ فیها :۲/ ٤١٦

اس سے پوسٹر چھپوا کر اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔کیا یہ کاروبار از روئے شریعت جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

جاندار اشیا کی تصاویر بنانے اور رکھنے کی شریعت میں سخت ممانعت آئی ہے لہٰذا جاندار اشیا کی تصاویر بنانا یا بنانے میں مدد کرنا جائز نہیں۔البتہ اگر تصویر غیر جاندار اشیا کی ہو تو اس کے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔تصویر جب پہلے سے بنی ہوئی ہو تو اس کو چھپوانا یا اس کی پرنٹنگ کرنا اگرچہ تصویر بنانے کے حکم میں نہیں ہے،لیکن اسے نتیجہ خیز بنانے میں تعاون ضرور ہے۔لہٰذا جہاں تک ہو سکے اس سے اجتناب کیا جائے،لیکن اگر اس کے علاوہ چارہ کار نہ ہو تو توبہ واستغفار کے ساتھ متبادل کام تلاش کرنے کی کوشش کرے۔

والدّلیل علی ذلك:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾(۱)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو"۔

❁❁❁

کارٹون کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(249):

آج کل اخبارات اور رسائل میں جو کارٹون شائع ہو رہے ہیں،ان کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں؟

بینوا توجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے کسی مسلمان کی تحقیر و تذلیل یا اُس کے ساتھ مذاق اُڑانا ناجائز اور حرام ہے۔ صورتِ مسئولہ میں آج کل اخبارات اور رسائل وغیرہ میں جو کارٹون شائع ہو رہے ہیں، عموماً اس سے تحقیر

---

(۱) المائدۃ : ۲

وتذلیل مراد ہوتی ہے، اس لیے یہ دو وجہ سے جائز نہیں، ایک تصویر سازی کی حرمت اور دوسرے مسلمان کی توہین کی حرمت۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿یا أیّها الّذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیرا منهم﴾.(۱)

ترجمہ:

اے ایمان والو! کوئی مرد کسی مرد کا مذاق نہ اُڑائے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ کے ہاں وہ ان سے بہتر ہو۔

❀❀❀

ویڈیو بنانا

سوال نمبر(250):

آج کل اکثر تقریبات میں ویڈیو بنانے کا خصوصی طور پر اہتمام کیا جاتا ہے۔ کیا ویڈیو بنانا تصویر کے حکم میں نہیں ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ویڈیو کیمرہ کے ذریعے جو ریکارڈنگ ہوتی ہے یہ دراصل مسلسل تصاویر ہوتی ہیں جو سکرین پر نمودار ہوتی ہیں، اس لیے یہ بھی تصویر کے حکم میں داخل ہے اور تصویر کی ممانعت احادیث نبویہ ﷺ اور فقہاے کرام کی تصریحات سے واضح ہے اس لیے شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں ویڈیو کیمرہ کے ذریعے مردوں یا عورتوں کی ریکارڈنگ ممنوع اور حرام ہے، اس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

عن عبد اللہ ابن مسعودؓ یقول: قال رسول اللہ ﷺ: أشد الناس عذاباً یوم القیمة

---

(۱) الحجرات: ۱۱

المصورون.(۱)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سخت ترین عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

❁❁❁

بے جان چیزوں کی تصویر بنانا

سوال نمبر(251):

تصویر بنانے کے متعلق تو بہت سی وعیدات وارد ہوئی ہیں کیا نباتات و جمادات کی تصاویر بنانے کا بھی یہی حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ جاندار اشیا کی تصویر کھینچنا شرعاً جائز نہیں لیکن بے جان اشیا جیسے درخت، پتھر وغیرہ کی تصویر کھینچنے اور اپنے پاس رکھنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک مصور کو جاندار کی تصاویر سے منع کرکے فرمایا: اگر تم خواہ مخواہ تصاویر بنانا چاہتے ہو تو ان درختوں اور غیر ذی روح اشیا کی تصاویر بناؤ۔

والدّلیل علی ذلک:

وأما تصویر صورۃ الشجر و نباتات الأرض وغیر ذلک ممّا لیس فیه صورۃ حیوان، فلیس بحرام.(۲)

ترجمہ:

درخت، نباتات اور اس کے علاوہ ہر اس چیز کی تصویر کھینچوانا حرام نہیں جو ذی روح نہ ہو۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب اللّباس، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان :۲/۲۰۱

(۲) العینی، بدرالدین، شرح سنن أبی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب الجنب یؤخر الغسل: ۱۱/۵۰۵

قال ابن عباسؓ: "ویحك إن أبیت إلاأن تصنع، فعلیك بهذا الشجرو كل شيء لیس فیه روح".(۱)

ترجمہ: ابن عباسؓ نے فرمایا: اگر تم خوامخواہ تصویر بنانا چاہتے ہو تو اس درخت اور ہر اس چیز کی تصویر بنایا کرو جس میں روح نہ ہو۔

❀❀❀

جائے نماز پر بیت اللہ کی تصویر بنانا

سوال نمبر(252):

آج کل جائے نمازوں پر بیت اللہ اور مسجد نبوی کی تصویریں بنی ہوتی ہیں۔ اُن پر بیٹھنا یا لیٹنا کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب و باللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ بیت اللہ شریف اور روضہ اقدس کی تعظیم ہر مسلمان کا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ لیکن جہاں تک ان کے نقوش و تصاویر پر بیٹھنے یا لیٹنے کی بات ہے تو اس کے متعلق یہ وضاحت ضروری ہے کہ نقوش اور تصاویر کا احترام ان کے اعیان کی طرح ضروری نہیں ہوتا، کیونکہ یہ عکس ہوتا ہے حقیقت نہیں۔ اس لیے اس پر بیت اللہ شریف اور روضہ اقدس ﷺ کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں جب نماز پڑھی جاتی ہے تو وہاں کی زمین پیروں کے نیچے ہوتی ہے۔ جب وہ تعظیم کے منافی نہیں تو تصویر کا پیروں کے نیچے ہونا بطریقِ اولیٰ تعظیم کے منافی نہ ہوگا۔ تاہم اگر عرف میں یہ بے ادبی ہو تو اس سے اجتناب بہتر ہے، کیونکہ ادب کی دنیا الگ ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولو صلّی في جوف الكعبة أوعلی سطحها جاز إلیٰ أيّ جهة توجه. (۲)

ترجمہ: اگر ایک شخص خانہ کعبہ کے اندر یا اس کی چھت پر نماز پڑھتا ہو تو جس طرف متوجہ ہو کر پڑھ لے، جائز ہے۔

---

(۱) مرقلة المفاتیح، كتاب اللباس باب التصاویر،الفصل الثالث،رقم(۴۵۰۷):۲۸۱/۸،۲۸۲، ردالمحتار علی الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایكره فیها:۴۱۸/۲

(۲) الفتاوی الهندیة، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الثالث في استقبال القبلة:۶۳/۱

باب الملاهی، والملاعبات، والمزاح، والشعر واقتناء الکلاب والحمامات

(لہولعب، کھیل کود، مزاح، شعروشاعری اور جانور پالنے سے متعلق)

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت وعدم مشروعیت:

دین فطرت ہونے کی وجہ سے اسلام کسی فطری تقاضے پر پابندی لگانے کے حق میں نہیں، بلکہ انہیں تسلیم کر کے انہیں پورا کرنے کی اجازت یا ترغیب دی ہے۔ انسانی فطرت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ کچھ وقت کھیل یا تفریح میں خرچ ہو۔ کھیل وتفریح کی ضرورت دو وجہ سے ہوتی ہے: ایک تو جسمانی صحت کے لیے کھیل اور ورزش کی ضرورت ہوتی ہے، دوسری ضرورت دماغی اور ذہنی صحت کے لیے ہوتی ہے کہ آدمی کا کچھ وقت کسی ایسے تفریحی کام میں گزرے جو سنجیدہ نہ ہو اور اس کی وجہ سے اس کا ذہن کچھ ہلکا پھلکا ہو جائے۔ یوں کھیل اور تفریح انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے انسانوں کی ان دونوں ضرورتوں کو تسلیم کر کے ان کو پورا کرنے کی اجازت دی ہے، ایک حدیث میں آتا ہے:

"المؤمن القوي خير من المؤمن الضعيف".(۱)

مضبوط مؤمن کمزور مؤمن سے بہتر ہے۔

اسی طرح حضور اقدس ﷺ نے ان ورزشوں کی خاص طور پر ترغیب دی ہے، جن سے یا تو جسم مضبوط ہوتا ہے یا جہاد کی تیاری میں مدد ملتی ہے، مثلاً حضور ﷺ نے گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی کی ترغیب دی ہے اور باقاعدہ آپ ﷺ کے زمانے میں ان دونوں کے مقابلے ہوا کرتے تھے۔(۲)

ایک مرتبہ خود آپ ﷺ نے بھی تیر اندازی کے ایک مقابلے میں شرکت کی اور فرمایا کہ میں ان کے ساتھ ہوں۔ دوسرے فریق نے کھیلنے سے معذرت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کھیلو! میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔(۳)

(۱) سنن ابن ماجه، المقدمة، باب ما جاء في القدر: ص۹

(۲) الصحيح للبخاري، كتاب الجهاد والسير، باب السبق بين الخيل: ۱/۴۰۲

(۳) الصحيح للبخاري، كتاب الجهاد والسير، باب التحريض على الرمي: ۱/۴۰۶

تفریح کا ثبوت:

جسمانی ورزش سے متعلق مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے مواقع پر بھی ہر ایسے تفریحی سرگرمی کی اجازت دی ہے جس سے کوئی شرعی مقصد حاصل ہو رہا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر لہو ولعب باطل ہے، سوائے تین قسم کے لہو کے، ایک آدمی کا تیر چلانا، دوسرا گھوڑ دوڑ اور تیسرا اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا۔ (۱)

اسی طرح حضرت انسؓ کی مرسل حدیث میں ہے" روّحوا القلوب ساعة فساعة "یعنی کبھی کبھار اپنے دلوں کو آرام اور راحت پہنچایا کرو۔ (۲)

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے آپ سے پوچھا: یارسول اللہ! کیا آپ بھی ہمارے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (ہاں لیکن) میں وہی بات کرتا ہوں جو حق ہو۔ (۳)

آپ کی مبارک زندگی میں ان تفریحی سرگرمیوں کی اور بھی کافی مثالیں ہیں۔ آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی خوش طبعی اور تفریح کیا کرتے تھے، مثلاً ایک دفعہ کچھ حبشیوں نے مدینہ منورہ میں اپنا ایک خاص قسم کا کھیل پیش کیا تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو بھی وہ کھیل دکھایا، تاہم ان کو اپنے پیچھے کھڑا کر دیا، تاکہ حجاب کے تقاضے بھی پورے ہوں۔ (۴)

اسی طرح ایک چھوٹی بچی کے کھیل کود کو دیکھنے کے لیے آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو بلا کر اپنے پیچھے کھڑا کر دیا اور کافی دیر تک اس کھیل کود سے محظوظ ہوتی رہی اور بار بار حضرت عائشہؓ سے پوچھتے رہے کہ سیر ہوگئی؟ تسلی ہوگئی؟ جتنا دیکھنا تھا، دیکھ لیا یا نہیں؟ (۵)

حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے بعد آپؓ اپنے ساتھ کھلونے بھی لائی تھیں، آپؓ کی سہیلیاں جب کبھی آپؓ کے ساتھ کھیلتیں اور رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو وہ شرما کر وہاں سے کھسک جاتیں، لیکن آپ ﷺ دوبارہ ان کو جمع فرما کر

---

(۱) فتح الباري، كتاب الاستيذان، باب كل باطل لهو إذا شغله عن طاعة الله: ۱۲/۳۶۶، ۳۶۷

(۲) كنز العمال، من حرف الهمزة، باب الاقتصاد والرفق في الأعمال: رقم (۵۳۵۴) :۳/۳۷

(۳) فتح الباري، كتاب الأدب، باب الانبساط إلى الناس: ۱۲/۱۵۸

(٤) الصحيح للبخاري، كتاب النكاح، باب حسن المعاشرة مع الأهل: ۲/۷۸۰

(۵) مشكوة المصابيح، كتاب المناقب، باب مناقب عمر: ۲/۵۶۶، مكتبه رحمانيه، لاهور

حضرت عائشہؓ کے ساتھ کھیلنے میں لگادیتے۔(۱)

مزاح اور تفریحی سرگرمیوں کے متعلق شرعی اصول:

مقاصد اور خارجی امور کے اعتبار سے مزاح کی تین صورتیں ہیں:

(۱)......ناجائز صورتیں:

وہ صورتیں جن میں درج ذیل مفاسد ہوں، ناجائز ہیں:

(۱) مزاح اور تفریح میں مبالغہ آرائی کر کے اس کو زندگی کا مقصد بنالیا جائے۔

(۲) مزاح پر مداومت اور انہماک کی وجہ سے شرعی احکامات سے غفلت پیدا ہو جائے۔

(۳) کثرتِ مزاح سے دل سخت ہو کر خشیت خداوندی سے خالی ہو جائے۔

(۴) مزاح سے کسی کو تکلیف پہنچ جانے کا یقین یا غالب گمان ہو۔

(۵) مزاح سے بغض، حسد اور کینہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔

(۶) مزاح کو کمائی کا ذریعہ بنالیا جائے یعنی مزاح کو صرف لوگوں کے ہنسانے کا مقصد بنا کر بطور پیشہ اختیار کیا جائے۔

(۷) مزاح فحش گوئی اور گناہ کے امور پر مشتمل ہو۔

(۲)......مباح صورت:

جن صورتوں میں مذکورہ بالا خرابیاں نہ ہوں تو مزاح اور تفریح مباح ہے۔

(۳)......مستحب صورت:

اگر کسی رنجیدہ شخص کی دل جوئی اور غم ہلکا کرنے کی نیت سے مزاح کیا جائے یا کسی سے اپنی محبت جتانے کے لیے گپ شپ ہو جائے تو یہ صورت استحباب کی ہے۔ آپ ﷺ سے اس قسم کا مزاح ثابت ہے۔(۲)

شعر و شاعری، غزل گوئی وغیرہ سے تفریح کی شرائط:

خالص شعر، جو موسیقی اور عورتوں کی آواز جیسے مفاسد سے خالی ہو، چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ آپ ﷺ

(۱) فتح الباري، كتاب الأدب، باب الانبساط إلى الناس، رقم (۶۱۳۰): ۱۵۷/۱۲

(۲) فتح الباري، كتاب الأدب، باب الانبساط إلى الناس: ۱۵۷/۱۲، ۱۵۸، الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي: ۳۵۲/۵

نے بھی چند مواقع پر بلا اختیار منظوم کلام پیش فرمایا ہے۔(۱)

اسی طرح لبید، عامر بن اکوعؓ اور دوسرے صالح شعرا کے کلام کو پسند فرما کر بعض اشعار کو حکمت قرار دیا ہے۔(۲)

علامہ ابن حجرؒ نے چند خاص صورتوں میں شعر اور رجز وغیرہ کو قابل ثواب قرار دیا ہے، مثلاً جہاد، حج یا کسی شرعی سفر میں گھوڑوں یا اونٹوں کو دوڑانے کے لیے کہے جانے والے اشعار، پیغمبر علیہ السلام یا مقدس ہستیوں اور مقامات کی شان میں کہے جانے والے تعریفی اور نعتیہ اشعار، جہاد یا کسی اور شرعی امر پر لوگوں کو برانگیختہ کرنے کے لیے کہی جانے والی نظمیں یا ترانے، بچے کو سلانے یا خاموش کرنے کے لیے کہے جانے والے اشعار وغیرہ۔(۳)

عام اشعار کے جواز کے لیے شرائط درج ذیل ہیں:

(۱) کسی شخص یا قوم کی تحقیر یا کسی کی دل آزاری مقصود نہ ہو۔

(۲) کسی کی مدح میں مبالغہ اور جھوٹ سے کام نہ لیا جائے۔

(۳) مسجد میں کثرت سے شعر گوئی نہ ہو۔

(۴) فحش گوئی پر مشتمل نہ ہو۔(۴)

(۵) شعر سننے سے جنسی ہیجان، فتنے یا بغاوت کا اندیشہ نہ ہو۔ آپ ﷺ نے اپنے غلام انجشہ کو فرمایا، جو صحابیات کی اونٹوں کو ہنکانے کے لیے حدی پڑھ رہے تھے:

"ويحك يا انجشة: رويدك سوقا بالقوارير".(۵)

خیال رکھو اے انجشہ! ان نازک شیشوں (یعنی خواتین) کو نرمی کے ساتھ لے جاؤ۔

(۶) عورتوں کی صفات، شراب، قتل وقتال اور فسق وفجور پر مشتمل اشعار نہ ہوں۔(۶)

---

(۱) فتح الباري، كتاب الأدب، باب مايجوز من الشعر والرجز: ۱۷۶/۱۲

(۲) فتح الباري، كتاب الأدب، باب مايجوز من الشعر والرجز، برقم (٦١٤٥-٦١٤٨): ۱۷۱/۱۲

(۳) حواله بالا: ۱۷۲/۱۲

(٤) فتح الباري، كتاب الأدب، باب مايجوز من الشعر والرجز، برقم: ۱۷٤،۱۷۳/۱۲

(٥) فتح الباري، كتاب الأدب، باب مايجوز من الشعر والرجز، برقم (٦١٤٩): ۱۸۱،۱۷۲/۱۲

(٦) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي: ۳٥۱/٥

موسیقی کا حکم:

آلاتِ لہو وموسیقی کا استعمال اور سننا سنانا دونوں بالاجماع حرام ہیں۔ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے طبل (ڈول)،کوبہ (ڈول کی قسم) اور شراب وجوئے کو حرام قرار دیا ہے۔(۱)

حضرت ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ ڈول کی آواز سنی تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر اُس جگہ سے ہٹ گئے اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی فرماتے تھے۔(۲)

فقہائے کرام کے ہاں جہاد یا حج کے سفر میں اعلان کے لیے ڈول بجانا جائز ہے۔اسی طرح اگر کوئی شخص تنہائی کی وحشت دور کرنے، بچے کو سلانے یا خاموش کرنے، کسی نظم یا مباح شعر کو یاد کرنے وغیرہ کے لیے شعر گنگنانا چاہے تو یہ جائز ہے۔

جو شخص بلا ارادہ کسی راستے یا گاڑی وغیرہ میں موسیقی وغیرہ سن لے تو اگرچہ گنہگار نہیں، لیکن اس سے لذت اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔(۳)

شادی بیاہ، عید یا خوشی کے موقعوں پر اشعار اور دف وغیرہ کے ذریعے خوشی منانے کا حکم:

نبی کریم ﷺ نے خوشی کے موقع پر ہمیشہ یہی کوشش فرمائی ہے کہ شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے مسلمان اپنی خوشی کا اظہار کرلیں۔ربیع بنت معوذؓ کی رخصتی کے موقع پر آپ ﷺ کے سامنے بچیوں نے دف بجایا اور اشعار پڑھے۔آپ ﷺ نے ان اشعار میں ایک شعر کی اصلاح فرمائی اور بقیہ پر خاموشی اختیار کی۔اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے انصار کی ایک بچی کی رخصتی کی،آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس بچی کی ڈولی کے ساتھ آپ نے کچھ اشعار بھیجنے والی بچیاں بھی بھیجی ہیں یا نہیں؟ تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا:نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ انصار لوگ فطری طور پر شعر گوئی اور غزل کی طرف مائل ہیں۔مناسب ہوتا کہ آپ اس کے ساتھ کسی کو بھیجتی جو "أتيناكم أتيناكم فحيانا وحياكم". پڑھتی۔

ایک مرتبہ عید کے موقع پر حضرت عائشہؓ کے پاس دو بچیاں کچھ گا رہی تھیں، حضرت ابوبکرؓ نے منع فرمایا تو آپ ﷺ

(۱) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس،باب التصاوير،الفصل الثاني:۲۷۹/۸

(۲) سنن ابن ماجه،باب الغناء والدف،ابواب النكاح:ص۱۳۷

(۳) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية،الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي:۳۵۱/۵،مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس،باب التصاوير،الفصل الثاني:۲۷۹/۸

نے فرمایا کہ: اے ابوبکر! ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔(۱)

ان احادیث مبارکہ کی تشریح میں علما حضرات فرماتے ہیں کہ خوشی کے موقعوں پر شرعی حدود میں رہتے ہوئے اور مبالغہ سے بچتے ہوئے خوشی منانے یا دف بجانے میں کوئی حرج نہیں۔(۲)

کھیلوں کے جواز و عدم جواز کا قاعدہ:

ضابطہ یہ ہے کہ کسی کھیل یا تفریح میں کوئی قابل ذکر فائدہ ہوگا یا نہیں، اگر جسمانی صحت یا تفریح طبع جیسا کوئی فائدہ حاصل نہ ہو تو یہ خالص لہو میں داخل ہونے کہ وجہ سے ممنوع ہوگا اور اگر اس میں کوئی فائدہ ہو تو پھر دیکھا جائے کہ کسی صریح حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے یا نہیں؟ اگر منع کیا گیا ہو تو وہ کھیل بھی ناجائز ہوگا، جیسا کہ شطرنج اور نردشیر یا اس قسم کی دوسری ذہنی سرگرمیاں۔ ان سرگرمیوں سے اگرچہ ذہن کی تیزی اور چالاکی کا ملکہ حاصل ہوتا ہے، لیکن حدیث مبارک میں ان کھیلوں سے منع فرما کر ان میں ممکنہ مفاسد کی نشان دہی کی گئی۔ چونکہ ان جیسے کھیلوں کی ابتدا محض تفریح کے لیے ہوتی ہے، مگر رفتہ رفتہ اس سے جوئے، ضیاع وقت، لڑائی وقتال اور غفلت جیسے مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں، لہٰذا شریعت مطہرہ کے مزاج کے مطابق حرام کے اس موقوف علیہ کو بھی حرام قرار دیا گیا اور آپ ﷺ نے نردشیر اور شطرنج سے کھیلنے والے کو خنزیر کے خون سے ہاتھوں کو رنگنے والا، عاصی، خطا کار اور باطل پرست شخص قرار دیا۔ امام شافعیؒ سے شطرنج کے جواز کا قول اگرچہ نقل کیا گیا ہے، لیکن وہ تین شرائط کے ساتھ مشروط ہے: جوا نہ ہو، نماز میں سستی کا سبب نہ ہو اور فحش گوئی یا قتل وقتال نہ ہو۔(۳)

حنفیہ اور جمہور فقہا کے ہاں نردشیر اور شطرنج سے اگر جوا کھیلا جارہا ہو تو بالاجماع حرام ہے، البتہ اگر جوئے کے بغیر کھیلا جارہا ہو تو کراہت اور نفرت کی وجہ سے صاحبین کے ہاں ان لوگوں کو سلام کرنا بھی مکروہ ہے۔(۴)

---

(۱) سنن ابن ماجه، أبواب النكاح، باب الغناء والدف: ص۱۳۶، ۱۳۷

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي: ۳۵۱/۵

(۳) مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، رقم (۴۵۰۰) والفصل الثاني، رقم (۴۵۰۵) والفصل الثالث، رقم (۴۵۱۱، ۴۵۱۲): ۲۷۶/۸-۲۸۴

(۴) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي: ۳۵۲/۵، مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الثاني: ۲۷۶/۸

امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اگر اخروٹ وغیرہ سے کھیل کر تفریح کی بجائے اخروٹوں کا جوا کھیلا جار ہا ہو تو بالا جماع حرام ہے۔(۱)

اور اگر کھیل کے اندر فائدہ ہو اور کسی نص میں اس سے منع بھی نہ کیا گیا ہو تو پھر اس میں ممکنہ مفاسد دیکھیں گے، اگر مفاسد زیادہ ہوں تو یہ کھیل بھی ناجائز ہے اور اگر کوئی مفسدہ اور خرابی نہ ہو تو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس کی اجازت ہوگی۔

بعض کھیلوں میں ممکنہ مفاسد:

مزاح کے جواز کے لیے جو شرائط ذکر کیے گئے ہیں، وہ کھیلوں میں بھی مدنظر رہنی چاہیے، البتہ بعض کھیلوں میں ان مفاسد کے علاوہ ایک اور حرام امر 'کشفِ عورت' ہے۔ کئی کھیل ایسے ہیں جن میں بدن کا حصہ ستر کھلا نظر آتا ہے، ایسے تمام کھیل بھی حرام ہیں۔

کتے پالنا:

شوق اور محبت کی وجہ سے کتے پالنا حرام اور ناجائز ہے، اس لیے بعض فقہانے اس کو نجس العین قرار دیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ شیطانوں کی ایک قسم ہے، تاہم اگر نجس العین یا شیطان نہ بھی ہو تو اس کی گندہ خوری اور بعض خبیث صفات کی وجہ سے یہ رحمت کے فرشتوں کے دخول سے مانع ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"لاتدخل الملئكة بيتافيه كلب ولاتصاوير".

جس گھر میں کتا یا تصاویر ہوں تو وہاں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

البتہ اس حکم سے تین قسم کے کتے مستثنیٰ کیے گئے ہیں: شکاری کتے، جانوروں کے ریوڑ کے ساتھ حفاظت کے لیے پھرنے والے کتے اور کھیتی یا گھر کی چوکیداری کے لیے رکھے جانے والے کتے۔(۲)

کبوتر بازی کا حکم:

ملا علی قاریؒ نے امام نوویؒ سے کبوتر بازی کی تین صورتیں نقل کی ہیں:

---

(۱) مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب التصاوير، الفصل الثالث: ۸/۲۸٤

(۲) فتح الباري، كتاب اللّباس، باب التصاوير: ۱۱/۵۷۸-۵۸۱، مرقاة المفاتيح، كتاب اللّباس، باب التصاوير، الفصل الاول، رقم (٤٤٨٩): ۸/۲٦۵، ۲٦٦

(۱) حرام......: یہ وہ صورت ہے جس میں کبوتر پالنے کا مقصد جوا وغیرہ ہو یا اس میں انہماک کی وجہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد سے کوتاہی لازم آتی ہو۔ آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک کبوتر کے پیچھے بھاگ رہا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"شیطان یتبع الشیطانة".(۱)

شیطان شیطانہ کے پیچھے جارہا ہے۔

(۲) مکروہ......: کبوتر بازی کو بطور مشغلہ اور کھیل اپنانا مکروہ ہے۔

(۳) مباح......: انڈے، گوشت یا کثرت ونسل کے لیے کبوتر یا دوسرے پرندے رکھنا جائز ہے۔ محدثین نے اباحت کا استدلال حضور ﷺ کے اس قول "یا أبا عمیر! ما فعل النغیر؟" سے کیا ہے۔ (۲)

❁❁❁❁❁

---

(۱) مرقاة المفاتیح، کتاب اللّباس، باب التصاویر، الفصل الثاني، رقم(٤٥٠٦):٨/٢٨٠

(۲) فتح الباري، کتاب الأدب، باب الانبساط إلی الناس، رقم(٦١٢٩):١٢/١٥٧، ١٥٨

باب الملاھی، والملاعبات، والمزاح، والشعر واقتناء الکلاب والحمامات

(لہولعب، کھیل کود، مزاح، شعروشاعری اور جانور پالنے سے متعلق مسائل)

دُف بجانا

سوال نمبر(253):

ہمارے علاقے میں بعض لوگوں کا یہ دعوی ہے کہ دف بجانا ہر وقت جائز ہے اور اس میں کسی قسم کی ممانعت نہیں ہے۔ اگر ان کا یہ دعوی صحیح نہیں تو عدم صحت کی دلیل کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دف بجانے کی عام اجازت ہے اور کسی بھی وقت اس سے لطف اندوز ہونا جائز ہے، مگر یہ بات غلط ہے۔ جن علمائے کرام نے اس کی اجازت دی ہے، ان کے ہاں بھی مطلق اجازت نہیں، بلکہ یہ اجازت چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے، کہ شادی بیاہ کا موقع ہو، چھوٹی بچیاں بجائیں، مردوں اور عورتوں کی مخلوط محفل نہ ہو اور وہ دف گھونگرو والا نہ ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

استماع ضرب الدف، والمزمار، وغیر ذلك حرام، وإن سمع بغتة یكون معذورا،ویجب أن یُجتهد أن لا یسمع.(۱)

ترجمہ: دف اور ڈھول بجانے کی آواز سننا حرام ہے، اگر اچانک کسی کے کان میں اس کی آواز پڑے تو وہ معذور ہے اور حتی الوسع اس کے سننے سے بچنے کی کوشش کرے۔

وقال الفقهاء: المراد بالدف مالا جلاجل له.(۲)

ترجمہ: فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ دف سے مراد وہ ہے جس کے گھونگرو نہ ہو۔

---

(۱) ردالمختار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغیره::۹/۵٦٦

(۲) فتح القدیر، کتاب النکاح :۳/۱۰۲،مکتبه حقانیه پشاور

بلا ساز گانا سننا

سوال نمبر (254):

ایک آدمی صرف تفریح کی غرض سے کسی ایسی مجلس میں بیٹھتا ہے جہاں گانے سننے سنانے کا ماحول ہو اور اس کے ساتھ ساز وغیرہ نہ ہو تو کیا ایسے گانوں کا سننا یا گانا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

گانوں کے ساتھ اگر موسیقی اور ساز ہو تو ان کا سننا بلاشبہ حرام ہے، لیکن جہاں تک بلا ساز گانا سننا یا خود گانا ہے تو اگر ایک شخص اکیلے ہو اور صرف دل بہلانے اور وحشت دور کرنے کے لیے بغیر ساز گانا سنتا ہے یا گاتا ہے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن لہو ولعب کے طور پر مجلس لگا کر گانا گانا یا سننا شرعاً ناجائز وحرام ہے، اگرچہ بلا ساز کیوں نہ ہو۔

والدّلیل علی ذلك:

اختلفوا في التغني المجرد، قال بعضهم أنه حرام مطلقاً والا ستماع إليه معصية، وهو اختيار شيخ الإسلام، ولو سمع بغتة فلا إثم عليه، ومنهم من قال :لابأس بأن يتغني ليستفيد به نظم القوافي والفصاحة، ومنهم من قال :يجوزالتغني لدفع الوحشة إذاكان وحده، ولا يكون على سبيل اللهو،وإليه مال شمس الائمه السرخسيؒ.(۱)

ترجمہ:

ساز کے بغیر گانے کے حکم میں مشائخ کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض کا قول یہ ہے کہ گانا مطلقاً حرام ہے اور اس کا سننا گناہ ہے شیخ الاسلامؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ البتہ اچانک سننے والا گناہ گار نہیں۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ اس گانے میں کوئی حرج نہیں، جس سے قافیہ بندی یا فصاحت کا فائدہ حاصل کرے اور بعض کا قول یہ ہے کہ اس گانے میں کوئی حرج نہیں، جو تنہائی میں وحشت دور کرنے کے لیے ہو اور بطور لہو نہ ہو۔ شمس الائمہ سرخسیؒ بھی اسی کی طرف مائل ہیں۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية ، الباب السابع عشر فی الغناء :۳۵۱/۵

موبائل فون پر غیر اخلاقی ٹونز اور گانا لوڈ کرنا

سوال نمبر(255):

آج کل موبائل فون میں مختلف قسم کے ٹونز اور گانے لوڈ ہوتے ہیں جن میں اکثر ٹونز اور گانے غیر اخلاقی ہوتے ہیں تو کیا اس کا استعمال شرعاً جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

موسیقی کے ساتھ گانا سننا شرعاً ناجائز ہے۔ اس کا سننا دل میں نفاق جیسی مہلک بیماری پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا موبائل فون میں گانوں اور غیر اخلاقی ٹونز کی بجائے سادہ ٹونز لوڈ کرنا چاہیے۔ مسلمان کی شان کے مناسب نہیں کہ وہ ایسے ناجائز امور کا مرتکب بن جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

وعن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول اللهﷺ: "الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع." يعني الغناء سبب النفاق ومؤد إليه.........وقال النووي في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه، وسماعه مكروه، وإن كان سماعه من الأجنبية كان أشدّ كراهة.(١)

ترجمہ: راگ و گانا دل میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے، جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔ یعنی گانا نفاق پیدا کرنے کا سبب اور اس کی طرف لے جانے والا ہے۔۔۔۔۔ امام نوویؒ نے کتاب الروضۃ میں لکھا ہے کہ محض آواز کے ساتھ گانا گانا مکروہ ہے اور سننا بھی مکروہ ہے۔ اور اگر اجنبی عورت سے سنے تو سخت مکروہ ہے۔

۞۞۞

ٹی وی پر تلاوت اور دین کے مسائل دیکھنا

سوال نمبر(256):

اگر ایک شخص صرف اس نیت سے اپنے پاس ٹی وی رکھے کہ قرآن مجید کی تلاوت یا کوئی دوسرا اچھا پروگرام،

(۱) مرقاۃ المفاتیح، کتاب الآداب، الفصل الثالث: ۵۵۷/۸

مثلاً: کسی بزرگ کی تقریرین لے یا نماز اورحج کا طریقہ دکھایا جارہا ہو یا وی سی آر کیسٹ بھردی گئی ہو اوراس میں جنازہ کی تدفین کا منظر ریکارڈ کرلیا گیا ہو تو اس کا دیکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ٹی وی، ریڈیو، وی سی آر محض آلات ہیں، ان میں ذاتی طور پر نہ کوئی حسن ہے اور نہ قباحت، ان کی اچھائی اور برائی کا مدار ان کے استعمال پر ہے۔ اگر ان اشیا کا استعمال بے حیائی، فحاشی اور عریانی پھیلانے کا ذریعہ ہو، جیسے گانا، ناچنا وغیرہ تو اس کا دیکھنا شرعاً جائز نہیں۔ البتہ اگر استعمال صحیح ہو اور اس میں کسی قسم کی خرابی نہ ہو تو دیکھنا ممنوع نہ ہوگا۔ موجودہ دور میں ٹی وی، وی سی آر پر مغربی تہذیب وثقافت کا رنگ غالب ہے، اس لیے عموماً ٹی وی میں ایسے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں جو بے حیائی اور فحاشی کو کھلے عام دعوت دیتے ہیں جن سے متاثر ہوکر سادہ لوح مسلمان بالخصوص نوجوان طبقہ اسلامی تعلیمات سے غافل ہوکر نہ صرف مغربی تہذیب کے دلدادہ بن جاتے ہیں، بلکہ ان کے دین پر بھی گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے جتنا ممکن ہوسکے ایسے پروگراموں کے دیکھنے سے گریز کرنا چاہیے۔ البتہ ٹی وی پر کوئی ایسا پروگرام دیکھنا جس میں شریعت کی رُو سے کوئی خرابی نہ ہو، ممنوع نہیں۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ اور مفاسد میں پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے ٹی وی کو تلاوت اور دیگر اچھے کاموں یعنی حج کا طریقہ وغیرہ دیکھنے کی غرض سے رکھنے سے بھی احتراز بہتر ہے۔ دینی مسائل سیکھنے کے لیے اور بھی کئی طریقے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

والدلیل علی ذلک:

الأمور بمقاصدها يعنى أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على مقتضى ماهو المقصود من ذلك الأمر. (۱)

ترجمہ:

مباح امور کا حکم مقاصد کے مطابق ہوتا ہے۔ یعنی جو حکم کسی معاملہ پر مرتب ہوتا ہے، اس کی بنیاد اس مقصد پر ہوگی، جو اس کام سے مقصود ہوتا ہے۔

---

(۱) شرح المجلة لخالد أتاسي، المقالة الثانيه في بيان قواعد الفقهية، المادة: (۲، ۱۳/۱)

اسٹیج شو میں فرضی کردار ادا کرنا

سوال نمبر (257):

اگر کوئی شخص اسٹیج شو میں فرضی کردار ادا کرے تو کیا یہ جائز ہے؟ جب کہ اس میں فحش عناصر نہ ہوں، یعنی صرف مرد اس میں حصہ لیتے ہوں اور کہانی بھی تاریخی سبق آموز امور پر مشتمل ہو یا کسی مزاحیہ کرداروں پر مشتمل ہو۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اسٹیج پر فرضی کردار ادا کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں کسی کی ذات کی تحقیر نہ ہو اور نہ کسی مفسدے کا سبب اور ذریعہ ہو، بلکہ محض معاشرتی مسائل پر تنبیہ کے لیے کسی شو میں کردار ادا کیا جائے تو ایسا کردار ادا کرنا مرخص ہے، اسی طرح مزاحیہ کردار اگر اخلاق کے دائرے میں ہو، اور اس سے مقصود صرف لوگوں کو ہنسانا نہ ہو بلکہ دلچسپ انداز سے کوئی سبق دینا ہو؛ تو جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

لابأس بالمزاح بعد أن لايتكلم الإنسان فيه بكلام يأثم به أويقصد به إضحاك حلساء ه.(۱)

ترجمہ:

ہنسی مذاق میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ انسان کسی گناہ کے الفاظ پر تکلم نہ کرے یا اس کا مقصد لوگوں کو ہنسانا نہ ہو۔

❁❁❁

کمپیوٹر پر تلاوت سننا اور تاریخی مقامات دیکھنا

سوال نمبر (258):

آج کل تلاوت، نعت خوانی اور تاریخی مقامات کی سی ڈیز ملتی ہیں، کمپیوٹر پر ان سی ڈیز کا دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي:۳۵۲/۵

الجواب وباللہ التوفیق:

کمپیوٹر کا استعمال موجودہ دور میں تعلیمی، تجارتی اور مختلف قسم کے انتظامی امور میں لازمی طور پر ہوتا ہے، چونکہ کمپیوٹر اپنے دائرہ اختیار سے خارج نہیں ہوتا اس لیے اس میں بے حیائی اور فحاشی سے بچنا آسان ہے، لہٰذا سی ڈی کے ذریعہ تلاوت، نعت اور تاریخی مقامات دیکھنا جائز ہے۔

تاہم جہاں کہیں ان میں جاندار کی تصاویر آتے ہوں تو پھر اس کے دیکھنے سے احتراز ضروری ہے، البتہ اگر یہ تصاویر غیر ذی روح اشیا کی ہوں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عبداللہ بن عمرؓ :أن رسول اللہ ﷺ قال: إن الذین یصنعون ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ، یقال لھم أحیوما خلقتم.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لوگ تصاویر بناتے ہیں، ان کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: جو تم نے بنایا ہے ان کو زندہ کرو۔

❁❁❁

معذب اقوام کے مقامات کی سیر وتفریح کرنا

سوال نمبر(259):

اگر ایک شخص کی خواہش ہو کہ مدائن صالح یا قومِ لوط کے آثار قدیمہ کی سیر وتفریح کرے تو کیا شرعاً اس کے لیے ان مقامات کی سیر وتفریح جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ ان مقامات کی سیر وتفریح جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو چکا ہے، شرعاً مستحسن نہیں، بلکہ بلاضرورت محض تفریح طبع کے لیے ان مقامات کی سیر وتفریح ممنوع ہے۔ تاہم اگر ان مقامات کی سیر وتفریح سے مقصود عبرت حاصل کرنا ہو یا قرآن کے مطالب سمجھنے ہوں تو پھر ان مقامات کے دیکھنے کی گنجائش ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب اللّباس، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ: ۸۸۰/۲

والدليل على ذلك:

عن عبدالله بن عمر يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحاب الحجر: "لاتدخلوا على هولاء أقوام المعذبين إلا أن تكونوا باكين، فإن لم تكونوا باكين، فلا تدخلوا عليهم أن يصيبكم مثل ماأصابهم." (۱)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب حجر کے بارے میں صحابہؓ سے فرمایا: جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو چکا ہے، ان معذب اقوام کی بستی میں داخل مت ہونا، الا یہ کہ روتے ہوئے داخل ہوں اور اگر رونا نہ آئے تو ان کے پاس نہ جاؤ، کہیں تم پر بھی وہ عذاب نازل نہ ہو جائے، جو ان پر نازل ہو چکا ہے۔

❁❁❁

مرغ لڑانے کی شرعی حیثیت

سوال نمبر (260):

بعض لوگ مرغ لڑانے کے شوقین ہوتے ہیں۔ اس لیے خاص طور پر اس کے لیے مرغ پالتے ہیں اور اس میں کبھی کبھی شرط بھی لگاتے ہیں اور بعض دفعہ بغیر شرط کے بھی مرغ لڑاتے ہیں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے مرغ، بٹیر، کتے یا دیگر جانوروں کو آپس میں لڑانا جائز نہیں، کیونکہ اس میں خواہ مخواہ جانوروں کو ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو آپس میں لڑانے سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے جانوروں یا پرندوں کا لڑانا خواہ بغیر شرط کے کیوں نہ ہو، تب بھی ناجائز ہے اور اگر اس میں شرط لگائی جائے تو اس میں جوا بھی آ جائے گا، اس لیے حرمت اور بھی سخت ہو جائے گی۔

---

(۱) صحيح لمسلم، كتاب الزهد، باب النهي عن الدخول على أهل الحجر: ۲/۴۱۰

والدّلیل علی ذلک:

عن ابن عباسؓ قال :نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن التحریش بین البهائم.(۱)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو آپس میں لڑانے سے منع فرمایا ہے۔

❁❁❁

معقول انتظام کے ساتھ پرندے پالنا

سوال نمبر(261):

ہمارے علاقے میں بعض لوگوں کا یہ مشغلہ ہے کہ وہ پرندوں کو پکڑ کر پنجروں میں پالتے ہیں۔کیا گھر کے اندر پنجروں میں پرندے پالنا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ پرندوں کا پالنا اگر عبادات اور دینی امور میں غفلت اور سستی کا سبب نہ ہو، نیز فخر وریا کا باعث نہ بنتا ہو تو ان کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے پالنے میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ اگر پرندوں کو گھر میں اس طرح پالا جائے کہ ان کو تکلیف اور ایذا پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، نیز خوراک وغیرہ کا بھی معقول انتظام کیا جاتا ہو تو شرعاً ان کا پالنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أنس بن مالك قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحسن الناس خلقا، وكان لي أخ يقال له أبو عمير قال أحسبه قال: كان فطيما قال : فكان إذا جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فراه قال:"أباعمير ما فعل النغير"، قال : وكان يلعب به. قال الإمام النوويّ في شرح هذه الحديث : وفي هذا الحديث فوائد كثيرة...... وجواز لعب الصبي بالعصفور، وتمكين الولي إياه.(۲)

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في التحريش بين البهائم : ۳٤٦/۱

(۲) الصحيح لمسلم مع شرح النووي، كتاب الأدب، باب جواز تكنية من لم يولدله: ۲۱۰/۲

ترجمہ:

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق والے تھے۔میرا ایک بھائی تھا،جس کو ابوعمیر کہا جاتا تھا،میرا گمان ہے کہ وہ فطیم تھا(فطیم اس بچے کو کہا جاتا ہے کہ روٹی کے ساتھ ساتھ ماں کے دودھ سے مکمل فارغ نہ ہو) جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور اُسے دیکھتے تو فرماتے:''ابوعمیر!نغیر کہاں گیا''۔حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میرا چھوٹا بھائی اس پرندہ سے کھیلا کرتا تھا۔امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں۔۔۔۔ان میں بچہ کے پرندہ کے ساتھ کھیلنے کا جواز اور ولی کا اس پر اس کو قدرت دینا بھی ہے۔

❁❁❁

بغیر ضرورت کے کتا پالنا

سوال نمبر(262):

ایک آدمی نے محض شان وشوکت کے لیے کتا پالا ہے اور بہانہ یہ بناتا ہے کہ پہرے کی ضرورت کے لیے یہ کتا پالا ہے۔بغیر ضرورت کتا پالنا شرعاً کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ اگر کتا شکار یا کھیتی یا جانور وغیرہ کی حفاظت کے لیے پالا جائے تو جائز ہے، اگر بغیر ضرورت کے صرف شوقیہ طور پر پالا جائے تو پالنا ناجائز ہوگا اور اعمال صالحہ کے ثواب سے محرومی کا سبب بنے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے زراعت یا دودھ والے جانوروں کی حفاظت اور یا شکار کے علاوہ بغیر ضرورت کے کتا پالا تو اس کے اعمال سے ہر دن ایک قیراط ثواب کم کردیا جائے گا۔دوسری حدیث میں ہے کہ اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے،جس گھر میں کتا یا تصویر ہو۔اس لیے بلا ضرورت کتا پالنے سے احتراز کیا جائے۔

والدّليل على ذلك:

سمعت ابن عمر رضى الله عنه يحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من اتخذ كلبا إلا كلب زرع، أوغنم أوصيد ينقص من أجره كل يوم قيراط. (۱)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے کھیتی یا بھیڑ بکریوں کی حفاظت یا شکار کے علاوہ کتا پالا تو اس کے اعمال سے ہر دن ایک قیراط ثواب کم کردیا جاتا ہے۔

وفي الأجناس :لا ينبغي أن يتخذ كلبا إلا أن يخاف اللصوص أو غيرهم......ويجب أن يعلم بأن اقتناء الكلب لأجل الحرس جائز شرعا، و كذلك اقتناء ه للاصطياد مباح، و كذلك اقتنائه لحفظ الزرع والماشية جائز. (۲)

ترجمہ:

اجناس نامی کتاب میں ہے کہ کتا پالنا جائز نہیں، البتہ اگر چوروں وغیرہ کا خوف ہو تو پال سکتا ہے۔ نیز یہ بھی جاننا چاہیے کہ گھر کی چوکیداری کے لیے کتا رکھنا شرعاً جائز ہے۔ اسی طرح شکار کے لیے کتا رکھنا مباح ہے اور اسی طرح کھیتی اور مویشیوں کی حفاظت کے لیے بھی کتا رکھنے کی شرعاً اجازت ہے۔

❀❀❀

شادی بیاہ میں ڈھول بجانا

سوال نمبر(263):

شادی بیاہ میں ڈھول بجانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا اس کے لیے بیرون علاقہ سے کوئی فنکار بلایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

---

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة، باب الأمر بقتل الكلاب: ۲۱/۲

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات: ۳۶۱/۵

الجواب وباللہ التوفیق:

نکاح کے لیے شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے اعلان اور تشہیر کرنا مباح ہے۔حضورعلیہ السلام کے زمانے میں شادی بیاہ کے موقع پر نابالغ بچیاں دف بجاتی تھیں، جو رقص وسرور اور لغویات سے بالکل پاک خوشی منانے کا طریقہ تھا۔ جہاں تک ڈھول بجانے کی بات ہے تو ایک روایت کے مطابق ڈھول بجانے اور گانوں وغیرہ سے لطف اندوز ہونا اور اس کو سننا گناہ اور اس کے لیے بیٹھنا فسق ہے، لہٰذا آج کل شادی بیاہ کے موقع پر فنکار بلوا کر جو ڈھول بجائے جاتے ہیں اور گانے گائے جاتے ہیں، شریعت مطہرہ کی رو سے بہت سے مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ ناجائز اور حرام ہے۔

والدلیل علی ذلک:

عن عليؓ أن النبي ﷺ نهى عن ضرب الدف والطبل وصوت المزمار

وعن أبي هريرة أن النبي ﷺ قال: استماع الملاهي معصية والجلوس عليهافسق والتلذذبها كفر.(۱)

ترجمہ:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے دف اور ڈھول بجانے اور بانسری کی آواز سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ موسیقی کا سننا گناہ، اس کے لیے بیٹھنا فسق اور اس سے محظوظ ہو کر (حلال سمجھنا) موجب کفر ہے۔

❁❁❁❁❁

(۱) نيل الأوطار للشوكاني، باب ماجاء في آلات اللهو:۸/۱۰۴

باب المسائل المتفرقة

(متفرق مسائل کا بیان)

فاسق، فاجراور ظالم کی غیبت

سوال نمبر(264):

کسی ظالم شخص کی غیبت کرنااور اُس کاظلم اور برائیاں لوگوں کے سامنے بیان کرنا کیاشریعت کی رُو سے غیبت کے زمرہ میں داخل ہوکر حرام ہے یانہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ غیبت کرناایک عظیم گناہ ہے۔قرآن وحدیث میں ایسے شخص کے بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔البتہ چند صورتیں ایسی ہیں جن میں غیبت مباح ہوجاتی ہے، جیسے:کسی ظالم کی غیبت ایسے شخص کے سامنے کی جائے جواس کے ظلم کودفع کرنے پر قادر ہو یافاسق وفاجر کی غیبت جوعلانیہ طور پر فسق وفجور کا مرتکب ہو، تاہم یہ بھی واضح رہے کہ صرف ان امور میں اس کی غیبت جائز ہے جن کا وہ علانیہ طور پر مرتکب ہو، باقی اس کے مخفی عیوب کو بیان کرناشرعاً جائزنہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

(فتباح غيبة مجهول)......وإن اغتاب الفاسق ليحذره الناس يثاب عليه ؛لأنه من النهي عن المنكر......(ولشكوى ظلامته للحاكم) فيقول ظلمني فلان بكذا لينصفه منه .(١)

ترجمہ:

مجہول آدمی کی غیبت جائز ہے۔۔۔۔اگر کسی نے فاسق کی غیبت اس نیت سے کی کہ لوگ اس سے بچ جائیں تواس پراس کوثواب ملے گا، کیونکہ یہ منکر سے منع کرنے میں داخل ہے اور ظالم کی ظلم کا حاکم کوشکایت کرناہے کہ فلاں نے مجھ پرایساایساظلم کیا تاکہ حاکم اس کوظالم سے انصاف دلائے۔

(١) ردالمختار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والا باحة، باب الاستبراء وغيره:٥٨٦/٩

غیبت کرنے اور گالی دینے کا حکم

سوال نمبر(265):

ایک عالم کے بارے میں یہ کہنا کہ ''میں تو اس کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا'' یا آج کل عورتوں کا اپنے بچوں کو ''ہندو کے بچے'' وغیرہ جیسے الفاظ کہنا کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

گالی دینا گناہ کبیرہ ہے اس لیے کسی صحیح عقیدہ رکھنے والے مسلمان کے متعلق یہ کہنا کہ ''میں تو اس کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا'' اگر اس کی تحقیر وتذلیل مقصود ہو تو یہ بہتان اور بہت بری گالی ہے جو سخت گناہ ہے۔اور اگر علم کی وجہ سے کسی عالم کی تحقیر کی جائے تو اس میں ایمان جانے کا خطرہ ہے۔

اس طرح عورتوں کا اپنے بچوں کو ''ہندو کے بچے'' کہنا گالی ہے، جو موجب فسق ہے۔یوں گالی دینے والوں پر لازم ہے کہ اس عادت سے باز آ کر توبہ کریں اور جس شخص کو گالی دی ہو اس سے معافی مانگیں اور آئندہ کے لیے ایسے معاصی سے اجتناب کریں۔

والدلیل علی ذلك:

عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ قال: أتدرون ما الغيبة قالوا الله ورسوله أعلم قال ذكرك أخاك بما يكره قيل أفرأيت إن كان فی أخی ما أقول قال إن كان فيه ما تقول فقد اغتبته وإن لم يكن فيه فقد بهته.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے جواب دیا: اللہ اور اُس کے رسول خوب جانتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا اپنے بھائی کا ایسا تذکرہ کرنا جس کو وہ برا سمجھے۔کسی نے پوچھا: اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو پھر؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ جو کہہ رہے ہیں، اگر وہ اُس میں موجود ہو تو آپ نے اُس کی غیبت کی، اور اگر اُس میں وہ بات موجود نہ ہو پھر تو آپ نے اُس پر بہتان باندھا ہے۔

(فيعزر) بشتم ولده وقذفه و(بقذف مملوك) ولو أم ولده (وكذا بقذف كافر) ......

---

(۱) صحیح مسلم، تحریم الغیبة: ۳۲۲/۲

(وعزر)الشاتم (بيا كافر)وهل يكفر إن اعتقد المسلم كافرا؟نعم، وإلّا،لا،به يفتیٰ.

قال الشامي: لأنه لمااعتقد المسلم كافراً فقد اعتقد دين الإسلام كفراً .(١)

ترجمہ:

پس اپنے بیٹے کو گالی دینے، تہمت لگانے اور اپنے مملوک پر تہمت لگانے سے اگر چہ وہ ام ولدہ ہو اور اس طرح کافر پر تہمت لگانے سے اس کو تعزیری سزا دی جائے گی......اور''اے کافر'' کہہ کر گالی دینے والے کو تعزیر دی جائے گی۔ اور اگر ایک مسلمان کو کافر سمجھے تو کیا اس سے کافر ہو جاتا ہے؟ ہاں ورنہ نہیں (یعنی مسلمان کے کفر کا عقیدہ نہ رکھنے کی صورت میں کافر نہیں ہوتا) اسی پر فتویٰ ہے۔ شامی کہتے ہیں: کیونکہ جب اس نے ایک مسلمان کے کفر کا عقیدہ رکھا تو اس نے دین اسلام کو کفر سمجھا۔

❁❁❁

گپ شپ میں جھوٹ بولنا

سوال نمبر(266):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گپ شپ میں جھوٹ بولنا جائز ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

واضح رہے کہ جھوٹ بولنا بذات خود گناہ ہے، جو کسی حال میں بھی جائز نہیں، البتہ چند مواقع میں فقہائے کرام نے تعریض کی اجازت دی ہے، جیسا کہ جنگ میں دشمنوں کو دھوکہ دینے، دو فریقوں میں صلح کرانے، اپنے اہل وعیال کو راضی کرانے اور ظالم کے ظلم کو دفع کرنے کے لیے، اس کے علاوہ کسی بھی صورت میں تعریض کے طور پر بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ گپ شپ میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں، لہٰذا ایسی گپ شپ سے اجتناب کرنا چاہیے جس میں جھوٹ بولا جاتا ہو۔

والدّليل على ذلك:

(والكذب حرام إلّافي الحرب للخدعة، وفي الصلح بين اثنين، وفي إرضاء الأهل، وفي دفع

(١) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير مطلب :في الجرح المجرد:٦/١٦-١١٣

الظالم عن الظلم)وفي الحاشية :والمراد التعريض ؛لأن عين الكذب حرام، قال في المجتبیٰ :وهو الحق. قال تعالى :﴿قتل الخرّاصون﴾.(۱)

ترجمہ:

اور جھوٹ بولنا حرام ہے، البتہ جنگ میں دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے، دو آدمیوں کے مابین صلح کرتے وقت، اپنے اہل وعیال کو راضی کرنے کے لیے، ظالم کو ظلم سے روکنے اور منع کرنے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ حاشیہ میں ہے کہ ان صورتوں میں جھوٹ سے مراد تعریض ہے، کیونکہ صریح جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اور مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے کہ یہی درست ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ: مارے گئے اٹکل دوڑانے والے یعنی اندازہ اور تخمینہ سے بات کرنے والے (اور خراصون کا ترجمہ کذابون سے بھی کیا جاتا ہے یعنی جھوٹ بولنے والے)۔

❁❁❁

عملِ قومِ لوط کو لواطت کہنا

سوال نمبر(267):

عام طور پر لوگ ہم جنس پرستی کو لواطت کا نام دیتے ہیں، کیونکہ یہ عمل حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں عام تھا، اسی مناسبت سے اسے لواطت کہتے ہیں، خیال ہوتا ہے کہ ایسا نہیں کہنا چاہیے، کیونکہ اس میں ایک پیغمبر کے نام کی توہین ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ لڑکوں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کر کے اپنی خواہشات پوری کرنا شرعاً اور اخلاقاً ایک قبیح فعل ہے۔ اس قبیح فعل کی تعبیر حضرت لوطؑ جیسے عظیم المرتبت پیغمبر کے نام سے کرنا ایک نامناسب اور غیر مودبانہ

---

(۱) داماد أفندي، عبدالله بن الشيخ محمد بن سليمان، مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲/ ۵۵۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت

تعبیر ہے۔اس نامناسب تعبیر سے بچنے کے لیے بہتر یہ ہے کہ اس شنیع فعل کی تعبیر اغلام بازی یا عمل قوم لوطؑ سے کی جائے۔

والدلیل علی ذلك:

وقولهم تلوط فلان إذا تعاطى فعل قوم لوط، فمن طريق الا شتقاق، فإنه اشتق من لفظ لوط الناهي عن ذلك لا من لفظ المتعاطين له. (۱)

ترجمہ:

حضرت لوطؑ کے نام سے اشتقاق کرکے تلوط فلان کا محاورہ استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی خلاف فطرت فعل کرنے کے ہیں، یہ لفظ حضرت لوطؑ کے نام سے مشتق ہے جو اس عمل بد سے منع کرنے والے تھے۔قوم لوط سے مشتق نہیں جو اس کا ارتکاب کرتے تھے۔

⊚⊚⊚

زلزلہ کے وقت پائینچے ہلانا

سوال نمبر(268):

زلزلہ کے وقت لوگوں کا پائینچے ہلانا کیسا ہے؟ آیا یہ ایک رسم ورواج کا درجہ رکھتا ہے یا شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

زلزلہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔زلزلہ کے دوران گھروں سے نکل کر صحرا اور کھلے میدان کی طرف نکلنا اور جان بچانے کی کوشش کرنا انسان کی ذمہ داری ہے۔اگر زلزلہ کے وقت گھر ہی میں رہ کر باہر نکلنے کی کوشش نہ کی جائے تو اس سے آدمی گناہ گار ہوگا۔تاہم زلزلہ کے وقت اپنے پائینچوں کو ہلانا محض ایک رسم ورواج کا درجہ رکھتا ہے۔شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں،اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس کی بجائے استرجاع یعنی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون اور تکبیر یعنی اللہ اکبر کا ورد کیا جائے۔اور اس سے اللہ کی کبریائی کا اظہار ہو۔

---

(۱) الراغب أصفهاني، معردات ألفاظ القرآن، حرف اللام (لوط): ص/ ۷۵۱، دار القلم بيروت دمشق

والدّلیل علی ذلك:

رجل کان في البیت أخذته الزلزلة لا یکره الفرار إلی الفضاء، بل یستحب لماروي عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم :أنه مرّ بحائط مائل فأسرع في المشي، فقیل له أتفرمن قضاء اللّٰه، قال :أفرّ من قضاء اللّٰه إلی قضاء اللّٰه.(۱)

ترجمہ:

ایک آدمی مکان کے اندر تھا، اس دوران زلزلہ آیا تو اس کے لیے فضا یعنی کھلی جگہ کی طرف بھاگنا مکروہ نہیں، بلکہ اس کے لیے ایسا کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک دیوار کے پاس سے گزرے جو جھکی ہوئی تھی، تو آپ ﷺ جلدی سے گزرنے لگے۔ کسی نے کہا کہ آپ ﷺ اللہ کی قضا سے بھاگ رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کی قضا سے اللہ کی قضا کی طرف بھاگ رہا ہوں۔

❁❁❁

سرٹیفکیٹ میں عمر کی زیادتی

سوال نمبر(269):

ایک آدمی کی عمر سرٹیفکیٹ کے اندازے کے مطابق اٹھارہ سال ہے۔ اب وہ اس میں اضافہ کرنا چاہتا ہے، تاکہ وہ حکومت میں کہیں ملازمت حاصل کرنے کا اہل قرار پائے۔ کیا ملازمت کے حصول کی خاطر اس کے لیے زیادہ عمر بتلانا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

واضح رہے کہ جس طرح شرعی قوانین کی پابندی ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، اسی طرح حاکم وقت کے ان قواعد وضوابط کی پابندی بھی لازمی ہے، جو شرعی اصولوں سے متصادم نہ ہوں۔

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ شخص کا اپنی اصلی عمر کی بجائے زیادہ عمر لکھنا تاکہ حکومت میں ملازمت وغیرہ حاصل کرسکے دھوکہ ہے۔ اگر حکومت کے معیار کے مطابق اس کی عمر پوری نہ ہو تو وہ نااہل ہی شمار ہوگا۔ محض

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثلاثون في المتفرقات: ۳۷۹/۵

سرٹیفکیٹ میں زیادہ عمر بتلانے سے اس کو اہل قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس کا یہ عمل دھوکہ اور غدر ہونے کی وجہ سے شرعاً ناجائز متصور ہو کر آخرت میں رسوائی کا باعث ہوگا۔

والدّليل على ذلك:

عن أبي سعيد الخدريؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ألا إن لكل غادر لواء يوم القيامة بقدر غدرته.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ہر دھوکہ باز کے لیے اس کے دھوکہ کے بقدر جھنڈا ہوگا۔

❀❀❀

مدارس کے سفیروں کے لیے ہدایا قبول کرنا

سوال نمبر(270):

زید مدرسہ کا سفیر ہے۔ سفر کے اخراجات کا بوجھ مدرسہ پر ڈالتا ہے۔ دوران سفر بعض لوگ مدرسہ کے لیے چندہ دینے کے علاوہ ذاتی طور پر اس کو بھی کچھ ہدیہ پیش کرتے ہیں، جب کہ ان کا آپس میں تعارف چندہ کے واسطے سے ہے۔ اگر وہ وہاں نہ جاتا تو اس کو ان کی طرف سے کوئی ہدیہ نہ ملتا۔ شرعی اعتبار سے زید کا اخراجات اور ہدیہ قبول کرنے کا کیا حکم ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ سفیر اگر مدرسہ کے خرچ پر صرف اس مقصد کے لیے سفر کرے کہ اس کو لوگوں کی طرف سے ذاتی تحائف حاصل ہوں تو ان کا لینا اس کے لیے جائز نہیں۔ اس طرح اگر مدرسہ کی طرف سے شخصی طور پر ہدیہ قبول کرنے کی اجازت نہ ہو تو پھر اس پر لازم ہے کہ یا تو یہ شخص ہدیہ قبول نہ کرے یا قبول کر کے مدرسہ کے فنڈ میں جمع کرا دے تاہم اگر ذاتی تعلقات یا قرابت داری کی بنیاد پر رشتہ داروں یا دوستوں کی طرف سے کچھ ہدایا مل جائیں یا مروت کی خاطر کوئی تھوڑا بہت ہدیہ دیا جائے تو اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ مقصود اس سفر سے ہدایا وصول کرنا نہ ہو۔

---

(۱) مسند احمد، مسند أبي سعيد الخدري، رقم الحديث: ۱۱۲٦۸: ۳/ ٤۸۱

والدليل على ذلك:

الحاكم لايقبل هدية واحدمن الخصمين .الأصل في ذلك مافى البخاري: استعمل النبي صلى الله عليه وسلم رجلا من الأزد على الصدقة، فلما قدم، قال لكم هذا، وهذالي، قال عليه الصلاة والسلام: هلا جلس في بيت أبيه أوبيت أمه، فينظر أيهدي له أم لا. قال عمر بن عبدالعزيز: كانت الهدية على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم هدية واليوم رشوة، واستعمل عمراً با هريرةؓ فقدم بمال، فقال له من أين لك هذا، قال تلاحقت الهدايا، قال له عمر: هلا قعدت في بيتك، فتنظر أيهدي لك أم لا، فأخذ ذلك منه، وجعله في بيت المال.(۱)

ترجمہ: حاکم کسی فریق سے ہدیہ قبول نہیں کرے گا۔صاحب شرح مجلّہ اس مادہ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اصل اس کی وہ حدیث ہے، جو بخاری شریف میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو صدقات واجبہ کی وصولی پر عامل بنایا، جب وہ صدقات لے کر حاضر ہوا تو کہنے لگا یہ آپ لوگوں کے لیے ہے اور یہ میرے لیے (یعنی اس نے جو مال صدقات وصول کر کے لایا تھا اس کا بعض حصہ اپنے لیے رکھ دیا) اس کے جواب میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ باپ یا ماں کے گھر بیٹھ جائے، پھر دیکھے کہ اس کو کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں۔عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہدیہ لینا ہدیہ تھا، آج کل ہدیہ رشوت دینے کا دوسرا نام ہے۔حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو عامل بنایا، وہ اپنے پاس کچھ مال لے آئے۔حضرت عمرؓ نے پوچھا: یہ مال کہاں سے حاصل کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ لوگوں نے ہدایا دیے ہیں۔اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ اپنے گھر میں بیٹھیں پھر دیکھیں کہ آپ کو کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے وہ مال لے کر بیت المال میں جمع کر دیا۔

❁❁❁

قادیانیوں سے تعلق قائم کرنا

سوال نمبر (271):

ہمارے رشتہ داروں کی دوستی ایک قادیانی خاندان سے چلی آرہی ہے اور کافی عرصہ سے ہمارے رشتہ دار بھی

(۱) شرح المجلة لخالد الأتاسي، الفصل الثاني في آداب الحاكم، المادة/۱۷۹٦: ٦/۳۹

ان سے ملنے جاتے ہیں۔ مہمان بن کر ساتھ کھانا بھی کھانا پڑتا ہے۔ شرعاً ہمارے لیے کیا حکم ہے؟
بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ایک کافر تو وہ ہے جس کا کفر علانیہ ہو اور اسلام سے مکمل برأت کا اظہار کرتا ہو اور دوسرا کافر وہ ہے جو اسلام کے مسلمہ اصولوں اور قطعی عقائد میں اپنے نظریات کے مطابق تحریف کر کے حلقۂ کفر میں داخل ہو کر پھر بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ اسلام میں پہلی قسم کے کافروں کے ساتھ تعلق معاملات کے درجہ میں رکھنے کی گنجائش ہے، لیکن دوسری قسم کے کافر شریعت کی اصطلاح میں مرتد اور زندیق ہیں۔ مسلمانوں کے لیے اس دوسری قسم کے کافروں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات رکھنا شریعت کی رُو سے جائز نہیں کیونکہ ایسے لوگ باغی کے حکم میں ہیں جس کی وجہ سے ان کے احکام دوسرے کافروں سے مختلف ہیں۔

آج کل قادیانی فرقہ مرتد ہونے کے ساتھ ساتھ زندیق بھی ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ قرآن وحدیث میں اپنے غلط نظریات کے مطابق تحریف کر کے اپنے پیشوا کے لیے جھوٹی نبوت ثابت کرتے ہیں، جو عقیدہ ختم رسالت سے صاف انکار ہے، اس کفریہ عقیدہ کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر اپنے علاوہ باقی سب مسلمانوں پر کفر کا حکم بھی لگاتے ہیں جس کی تصریح اس فرقہ کے پیشواؤں کی کتابوں میں موجود ہے۔ لہٰذا ان کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات رکھنا جائز نہیں۔ ہر مسلمان کی دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ ان کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے مکمل اجتناب کرے۔

والدّلیل علی ذلك:

قلت والزنديق من يحرف في معاني الألفاظ مع إبقاء ألفاظ الإسلام، كهذا اللعين في القاديان يدعي أنه يؤمن بختم النبوة، ثم يخترع له معنى من عنده يصلح له بعده الختم، دليلا على فتح باب النبوة، فهذاهو الزندقة حقا.(۱)

ترجمہ:

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ زندیق وہ آدمی ہے جو اسلام کے الفاظ باقی رکھ کر ان الفاظ کے معانی میں تحریف کرے، جیسا کہ قادیان کے اس ملعون کا معاملہ ہے۔ یہ ختم نبوت پر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس کا ایسا معنیٰ

(۱) فيض الباري، كتاب استتابة المرتدين، باب حكم المرتد والمرتدة: ۴۷۲/۴

وہ مقصد اپنی طرف سے بیان کرتا ہے، جس سے اس کے لیے ختم نبوت کے بعد نبوت اور ختم ملنا درست ہو اور نبوت کا دروازہ کھلنے پر اسے دلیل بناتا ہے۔ یقیناً یہی زندقہ ہے۔

❁❁❁

غیر مسلم کے لیے ہدایت کی دعا کرنا

سوال نمبر (272):

اگر کسی مجلس میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی بیٹھے ہوں اور اسی مجلس میں دعا کی نوبت آ جائے تو ایسی صورت میں غیر مسلم کے لیے دعاے مغفرت یا ہدایت مانگنا جائز ہے یا نہیں؟
بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے غیر مسلم کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا جائز نہیں البتہ ہدایت کی دعا مانگنا درست ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوم کے لیے ہدایت اور سیدھے راستے پر آنے کی دعا مانگنا ثابت ہے۔ لہٰذا ہدایت کی دعا مانگنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ولا يدعو للذمي بالمغفرة، ولو دعا له بالهدى جاز؛ لأنه عليه السلام قال: اللهم اهد قومي فإنهم لا يعلمون.(١)

ترجمہ: ذمی کے لیے مغفرت کی دعا نہ کرے اور اگر ہدایت کی دعا کرے تو یہ جائز ہے، اس لیے کہ حضور ﷺ نے اپنی قوم کی ہدایت کے لیے یوں دعا مانگی: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، اس لیے کہ وہ جانتے نہیں۔

❁❁❁

سمگلنگ کرنے والوں سے ٹیکس وصول کرنا

سوال نمبر (273):

ایک آدمی کی زمین میں لوگوں کے گزرنے کا راستہ ہے۔ سمگلنگ کے دوران سمگلروں کا آنا جانا اسی راستہ

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في اهل الذمة :٥/٣٤٨

سے ہوتا ہے۔ اس پر زمین کا مالک ان سمگلروں سے ٹیکس لیتا ہے تو آیا زمین کے مالک کا یہ پیسے لینا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جو راستے لوگوں کی ذاتی زمینوں سے گزرتے ہیں ان راستوں پر گزرنے والوں سے اُجرت لینا اگرچہ جائز ہے، لیکن اسلامی اُخوت کے خلاف ہے، کیونکہ اس صورت میں راہ گیروں کو بیسیوں جگہ اجرت دینی ہوگی۔ اس لیے اس سے احتراز کرنا بہتر ہوگا۔ ایسے ٹیکس وصول کرنا ملک کے اندر دوسری ریاست قائم کرنے کے مترادف ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

استأجر طريقا بمرفيه، فعنده لا يجوز، وعندهما يجوز، واختار في العيون قولهما.(۱)

ترجمہ:

اگر کوئی شخص راستہ سے گزرنے کی اُجرت لے لے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحب عیون نے صاحبین کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

❁❁❁

اپنی ضرورت کے لیے کسی چیز کو ذخیرہ کرنا

سوال نمبر(274):

ایک شخص گندم کمیاب ہونے کے اندیشہ سے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے زیادہ گندم خرید کر ذخیرہ کرتا ہے؟ شریعت مطہرہ کی رُو سے یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

انسانی غذا اور جانوروں کے لیے چارہ وغیرہ ذخیرہ کرنا تا کہ قیمت بڑھنے پر فروخت کرے یا جب لوگوں کو سخت ضرورت پڑے تو مہنگے داموں فروخت ہو، جائز نہیں۔ تاہم اگر ذخیرہ اندوزی اس واسطہ ہو کہ اس کے ذریعے اپنی

(۱) شرح المجلة: لسليم رستم باز، الكتاب الثاني في الإجارة، الباب السادس في أنواع المأجور: الفصل الأول: المادة: ۵۲۷: ص/۲۸۷

ضرورت پوری کرے یا بڑا شہر ہو، جس میں ایک دو اشخاص کے ذخیرہ کرنے سے لوگوں کو تکلیف اور نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔لہٰذا اپنی ضرورت کے لیے گندم کی ذخیرہ اندوزی جائز ہے۔

والدلیل علی ذلك:

(واحتكار قوت الآدميين، والبهائم في بلد لم يضر بأهلها) يعني يكره الاحتكار في بلد يضر بأهلها.........هذا إذا كانت البلدة صغيرة يضر بأهلها، أما إذا كانت كبيرة، فلا يكره ؛ لأنه حابس ملكه.(۱)

ترجمہ:

انسانوں اور جانوروں کی غذا کا ذخیرہ کرنا ایسے شہر میں جس سے شہر والوں کو تکلیف نہ پہنچتی ہو تو مکروہ نہیں یعنی کراہت اس صورت میں ہے، جب ذخیرہ اندوزی شہر والوں کے لیے باعث تکلیف ہو، اور یہ اُس وقت جب کہ شہر چھوٹا ہو۔ چنانچہ اگر شہر بڑا ہو تو مکروہ نہیں، کیونکہ یہ آدمی اپنی ملکیت کو روکنے والا ہے۔

❁❁❁

پانی کے لیے پائپ لائن لگانے میں حکومت کی اجازت

سوال نمبر(275):

زید فوجی کالونی میں رہائش پذیر ہے۔اس میں بجلی اور پانی سرکاری طور پر مہیا ہے۔اب کچھ دنوں بعد عمر کے کوارٹر اور اس کے ساتھیوں کی پائپ لائن کسی عارض کی وجہ سے مکمل طور پر بند ہو گئی ہے۔عرض یہ ہے کہ عمر کے لیے پائپ لائن لگانے میں اہل محلّہ یا حکومت سے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

پانی، بجلی اور گیس صارفین کو حکومت فراہم کرتی ہے اور اس کا باقاعدہ عوض وصول کرتی ہے۔اس لیے حکومت کی اجازت کے بغیر اس کا استعمال درست نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ فوجی کالونی میں چونکہ مذکورہ اشیا سرکاری ہیں۔اس لیے پائپ لائن بچھانے میں

(۱) تكملة البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۲۷۰/۸

متعلقہ شعبہ سے رجوع کرنا چاہیے اور مذکورہ محکمہ سے اجازت لینی چاہیے۔

والدّلیل علی ذلك:

وهذا الحكم أي وجوب طاعة الأمير مختص بمالم يخالف أمره الشرع.(١)

ترجمہ:

یہ حکم یعنی امیر کی اطاعت ان امور میں واجب ہے، جو حکم شریعت سے متصادم نہ ہو۔

❁❁❁

کمرشل جگہ میں گھریلو بجلی استعمال کرنا

سوال نمبر (276):

ہمارے شہر میں ایک آدمی ہے، جو اپنی دکان میں کمرشل بجلی کی بجائے گھریلو بجلی استعمال کرتا ہے۔کیا اس کے لیے بجلی کا اس طرح استعمال جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

والدّلیل علی ذلك:

شرعی نقطہ نظر سے جب ملک میں حکومت نے ملکی معیشت کو صحیح نہج پر استوار کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے بجلی کا نرخ (فی یونٹ) گھریلو اور کمرشل کے لیے الگ الگ مقرر کیا ہے اور کمرشل بجلی صارفین کو بجلی گھریلو صارفین کی نسبت سے کچھ مہنگی ملتی ہے، تو ایسی صورت میں دکان میں کمرشل بجلی کی بجائے گھریلو بجلی کا استعمال دھوکہ کے مترادف ہوگا، لہٰذا اس سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

أمر السلطان إنما ينفذ إذاوافق الشرع، وإلا فلا.(١)

ترجمہ: بادشاہ کا حکم اس وقت نافذ کرنا ضروری ہے، جب وہ شریعت کے موافق ہو اور اگر شریعت کے مخالف ہو تو نفاذ درست نہیں۔

❁❁❁

(١) ظفر أحمد عثماني،أحكام القران تحت قوله تعالى :يا يها الذين امنوا اطيعو الله...... : ٢٩٢/٢

(٢) الدرالمختارعلى صدرردالمختار، كتاب القضاء : ١١٧/٨

استاذ کی تعظیم کے لیے طلبہ کا کھڑا ہونا

سوال نمبر(277):

اکثر مدارس میں یہ ہوتا ہے کہ جب استاذ کلاس میں تشریف لاتے ہیں تو طلبہ احتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں، شرعاً اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے بڑوں، بزرگوں اور اساتذہ کرام کی تعظیم واحترام کے لیے کچھ حدود متعین کی ہیں۔ان حدود کے اندر رہتے ہوئے ان کی عزت وتعظیم ضروری ہے اور ان کے ادب واحترام کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور یہی ادب واحترام کامیابی وکامرانی کا ذریعہ ہے اس لیے کہا گیا ہے"باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب"

صورتِ مسئولہ میں استاذ کے لیے کھڑے ہونے میں بذاتِ خود کوئی کراہت نہیں اور نہ ہی عدم جواز کی کوئی وجہ موجود ہے۔تاہم اگر ایسا کرنے سے استاذ میں فخر وتکبر پیدا ہونے کا امکان ہو یا خود کھڑے ہونے کا مطالبہ کرے یا اس کی خواہش یہ ہو کہ طلبہ اس کے لیے کھڑے ہو جائیں تو ان صورتوں میں کھڑا ہونا ناجائز رہے گا،اگر یہ باتیں نہ ہوں تو بڑوں کے ادب کے لیے کھڑے ہونا شرعاً ایک مستحسن عمل ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

قیام المرء للرئیس الفاضل، و الإمام العادل، و المتعلم للعالم مستحب، وإنّمایکره لمن کان بغیر هذه الصفات. (۱)

ترجمہ:

کسی شخص کا اپنے سردار یا عادل بادشاہ کے لیے کھڑے ہونا،اسی طرح طالبِ علم کا عالم کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے اور جو ان صفات سے متصف نہ ہو، ان کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

❁❁❁

(۱) فتح الباري،کتاب الاستیذان، باب قول النبي ﷺ قوموا إلیٰ سید کم، رقم الحدیث (٦٢٦٢): ٣١٩/١٢

کسی سے بات چیت اور گفتگو ترک کرنا

سوال نمبر (278):

کسی دنیاوی یا اُخروی منافع کے حصول یا کسی نقصان سے بچنے کی خاطر کسی مسلمان سے قطع تعلق اور بات چیت نہ کرنے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے معمولی سی باتوں پر قطع تعلق اور اپنے مسلمان بھائی سے بات چیت چھوڑ دینا جائز نہیں۔ اسلام امن وسلامتی، ایثار اور آپس میں محبت اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے اور اس بات کی کبھی بھی اجازت نہیں دیتا کہ آپس میں ترش روئی، قطع کلامی اور جھگڑے وفساد کی وجہ سے معاشرتی ماحول کو پراگندہ کیا جائے، بلکہ اسلام تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہنے کا حکم دیتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے اور اس حال میں مرجائے تو جہنم میں داخل ہوگا۔ تاہم اگر کسی شخص کو معلوم ہو کہ ترکِ تعلق کے بغیر حقوق دین متاثر ہوں گے تو اس صورت میں ترکِ کلام کی گنجائش مل سکتی ہے، لیکن اس کو دلیل فساد نہ ٹھہرایا جائے، بلکہ ترکِ تعلق وکلام اس کے فعل بد سے محض اظہارِ نفرت کے لیے ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أبي أيو ب الأنصا ري :أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : لا يحل لر جل أن يهجر أخاه فوق ثلا ث ليال، فيلتقيان فيعرض هذا و يعرض هذا، و خيرهما الذ ي يبدأ بالسّلام.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلق جائز نہیں کہ جب ان کا آمنا سامنا ہوتا ہے تو ایک دوسرے سے منہ موڑ لیتے ہیں، اوران دونوں میں بہتر آدمی وہ ہے، جو سلام میں پہل کرے۔

❁❁❁

(۱) صحيح البخاري، كتاب الادب، باب الهجرة : ۸۹۷/۲

گرگٹ کو مارنا

سوال نمبر(279):

ایک عالم نے تقریر میں کہا کہ جس نے گرگٹ کو مارا یا اس کا شکار کیا تو اس نے گویا دو رکعت نفل نماز کے برابر ثواب پایا۔کیا واقعی اس کا یہ کہنا صحیح ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

چونکہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ گرگٹ ضرر رساں ہے، چنانچہ کھانا خراب کرنے پانی ونمک میں لوٹ کھوٹ وغیرہ اس کا مشغلہ ہے، اس لیے اس کے قتل پر حدیث میں ثواب کا تذکرہ ملتا ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ جس نے پہلے وار میں اس کو قتل کر دیا تو اس کو ستر نیکیاں ملیں گی۔ایک دوسری حدیث میں بھی ستر (۷۰) نیکیاں ملنے کا ذکر ہے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُسے قتل کرنے کا حکم دیتے تھے۔البتہ دو رکعت نفل نماز کے برابر ثواب کی روایت ہمیں معلوم نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

عن عامر بن سعد عن أبيه قال : أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقتل الوزغ، وسماه فويسقا.(۱)...

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کو مارنے کا حکم دیا اور اس کا نام فویسق رکھا۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: أنه قال: في أول ضربة سبعين حسنة.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص گرگٹ کو ایک ہی وار میں مار ڈالے اس کے لیے ستر نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في قتل الأوزاغ : ۳۵۸/۲

(۲) أيضاً

کیڑے مکوڑوں کو مارنے کے لیے زہریلی دوا استعمال کرنا

سوال نمبر (280):

گھروں میں جو کیڑے مکوڑے ہوتے ہیں اُن سے جان چھڑانے کی نیت سے گھر میں زہریلی دوا چھڑک سکتے ہیں یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کیڑے مکوڑے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اس لیے بغیر کسی وجہ کے ان کا مارنا جائز نہیں، البتہ جو کیڑے مکوڑے تکلیف دہ ہوں اور بغیر مارے کے کسی طرح ان کا چلا جانا اوران سے نجات پانا ممکن نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے ان پر زہریلی دوا چھڑک کر مارنے کی گنجائش ہے، تاہم ان کو جلانے کی اجازت نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

قتل الزنبور، والحشرات هل يباح في الشرع ابتداء من غير إيذاء، وهل يثاب على قتلهم ؟قال: لا يثاب على ذلك، وإن لم يوجد منه الإيذاء فالأولى أن لا يتعرض بقتل شيء منه.(١)

ترجمہ: کیا بھڑ اور دیگر حشرات کو ان کی طرف سے ایذا کے بغیر مارنا جائز ہے؟ اور کیا ان کے مارنے پر ثواب ملے گا؟ فرماتے ہیں کہ اس عمل پر کوئی ثواب نہیں ملے گا اور اگر ان کی طرف سے ایذا رسانی کا اندیشہ نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ ان کو مارا نہ جائے۔

ضرررساں جانوروں کا قتل کرنا

سوال نمبر (281):

عموماً گھروں میں دیواروں اور ٹیوب لائٹ کے ساتھ چھپکلیاں ہوتی ہیں۔ اگر چہ بظاہر یہ مضر نہیں، لیکن بدشکلی کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف کا ذریعہ بنتی ہیں اور لوگ اس سے کراہت محسوس کرتے ہیں۔ نیز سننے میں آیا ہے کہ یہ

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم : ٣٦١/٥

سارا زہر ہوتا ہے۔ اگر پانی میں گر جائے اور لوگ اس پانی سے پئیں گے تو سارے مر جائیں گے۔ کیا ایسی مضر چیزوں کا مارنا شرعاً جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

وہ جانور جن سے انسان کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ایسے ضرر رساں جانوروں کا مارنا شرعاً جائز ہے۔ چھپکلی بھی ان جانوروں میں شامل ہے، جن سے انسان کو ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے اس کا مارنا باعثِ اجر وثواب ہے۔ حدیث میں ''الوزغ'' کا لفظ آیا ہے جو گرگٹ اور چھپکلی دونوں کو شامل ہے اور اس کے مارنے پر اجر وثواب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ آتش نمرود میں پھونک مار کر اس کو تیز کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ضرر پہنچانے میں کوشاں تھی۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أم شريك: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بقتل الوزغ، وقال: وكان ينفخ على إبراهيم عليه السلام.(۱)

ترجمہ: حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپکلی کے مارنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ آتش نمرود میں پھونک مار رہی تھی۔

❁❁❁

پرندوں کو دفع ضرر کے واسطے مارنا

سوال نمبر(282):

ہمارے گھر میں چڑیوں نے بہت بڑا فساد برپا کر رکھا ہے۔ ایک تو آرام کے وقت بہت زیادہ شور مچاتی ہیں۔ دوسرا یہ کہ کپڑے جب دھو کر خشک کرنے کے واسطے تار پر ڈالے جاتے ہیں تو ان پر بیٹھ کر گندا کرتی ہیں۔ پانچ منٹ کے اندر پھر دھونا پڑتا ہے۔ کیا ان کو مار بھگانا یا کسی اور طریقے سے گھر سے نکالنا شرعاً جائز ہے؟

بینوا توجروا

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب قول الله واتخذ الله ابراهيم خليلا: ۴۷۴/۱

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ پرند چرند، حشرات الارض اور دیگر جانور اگر مضر ہوں اور ان سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ایسے جاندار اشیا کو دفع ضرر کے واسطے بھگانا یا بوقتِ ضرورت مارنا جائز ہے۔

صورت مسئولہ میں اگر واقعی پرندوں سے گھر والوں کو تکلیف ہو تو ان کو کسی بھی مناسب طریقے سے بھگانا درست ہے۔ اگر مارنے کے بغیر چارہ نہ ہو تو مارنا بھی جائز ہے۔ تاہم خواہ مخواہ پرندوں کو زیادہ تکلیف اور ایذا نہ پہنچائی جائے۔

والدّلیل علی ذلك:

قتل النملة تكلموا فيه، والمختار أنه إذا ابتدأت بالأذى لابأس بقتلها، وإن لم تبتدئ يكره قتلها، واتفقوا على أنه يكره إلقاء ها في الماء.(١)

ترجمہ: چیونٹی مارنے میں مشائخ نے کلام کیا ہے۔ مختار حکم یہی ہے کہ جب چیونٹی ایذا رسانی میں ابتدا کرے تو اس کے ماردینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس نے ایذا رسانی میں ابتدا نہ کی ہو تو اسے ماردینا مکروہ ہے۔ مشائخ اس پر متفق ہیں کہ چیونٹی کا پانی میں ڈال دینا مکروہ ہے۔

❁❁❁

سانپ اور دیگر موذی جانوروں کا مارنا

سوال نمبر (283):

ہر قسم کے موذی جانور سانپ وغیرہ کو مارنا ضروری ہے یا کچھ کو مارنا، کچھ کو چھوڑنا مثلاً جن جب سانپ کی شکل میں آئے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس کو قتل نہیں کرنا چاہیے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ بعض جانور خلقتاً موذی ہوتے ہیں اور بعض جانور ایسے ہوتے ہیں جو تعرض کے بغیر انسان کو کچھ نقصان نہیں پہنچاتے، لہٰذا جانور اگر ابتدا موذی نہ ہو تو اس کا مارنا خلاف اولیٰ ہے، تاہم اگر وہ بغیر تعرض کے

(١) الفتاوى الهندية، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات: ٣٦١/٥

انسان کونقصان پہنچاتا ہوتو اس کے مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔سانپ اور بچھو چونکہ خلقتاً موذی ہوتے ہیں ان کے مارنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ثواب ہے۔ہاں بعض دفعہ جنات سانپ کی شکل میں آتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں یہ طریقہ بتایا ہے کہ اس کو تین دفعہ ڈراؤ یا تین دفعہ اعلان کرو کہ نکل جاؤ تو اس کے باوجود اگر نہ نکلے تو اس کو قتل کیا جائے۔

والدّليل على ذلك:

عن عبد الله بن مسعودؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من قتل حية فله سبع حسنات،ومن قتل وزغافله حسنة.(۱)

ترجمہ: حضورﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے سانپ کو مار ڈالا اس کے لیے سات نیکیاں ہیں اور جس نے چھپکلی کو مارا تو اس کو ایک نیکی ملے گی۔

عن أبي السائب قال أتيت أبا سعيد الخدري فبينا أنا جالس عنده سمعت تحت سريره تحريك شيء فنظرت فإذا حية فقمت فقال أبو سعيد ما لك قلت حية هاهنا قال فتريد ماذا قلت أقتلها فأشار إلى بيت في داره تلقاء بيته فقال إن ابن عم لي كان في هذا البيت فلما كان يوم الأحزاب استأذن إلى أهله وكان حديث عهد بعرس فأذن له رسول الله صلى الله عليه وسلم وأمره أن يذهب بسلاحه فأتى داره فوجد امرأته قايمة على باب البيت فأشار إليها بالرمح فقالت لا تعجل حتى تنظر ما أخرجني فدخل البيت فإذا حية منكرة فطعنها بالرمح ثم خرج بها في الرمح ترتكض قال فلا أدري أيهما كان أسرع موتا الرجل أو الحية فأتى قومه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا ادع الله أن يرد صاحبنا فقال استغفروا لصاحبكم ثم قال إن نفرا من الجن أسلموا بالمدينة فإذا رأيتم أحدا منهم فحذروه ثلاث مرات ثم إن بدا لكم بعد أن تقتلوه فاقتلوه بعد الثلاث.(۲)

ترجمہ: ابوسائب کہتے ہیں کہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اسی دوران کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا ان کی چارپائی کے نیچے مجھے کسی چیز کی سرسراہٹ محسوس ہوئی، میں نے دیکھا تو سانپ موجود تھا، میں اُٹھ کھڑا ہوا،

---

(۱) مسند أحمد، مسند عبدالله بن مسعود، رقم الحديث (۳۹۷٤): ۶۹۲/۱

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في قتل الحيات:۳۷۵/۲

ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہوا تمہیں؟ میں نے کہا: یہاں ایک سانپ ہے، انہوں نے کہا: تمہارا ارادہ کیا ہے؟ میں نے کہا: میں اِسے ماروں گا۔ اُنہوں نے اپنے گھر میں ایک کوٹھری کی طرف اشارہ کیا اور کہا: میرا ایک چچازاد بھائی اس گھر میں رہتا تھا، غزوۂ احزاب کے موقع پر اس نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے اہل کے پاس جانے کی اجازت مانگی، اُس کی ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسے اجازت دے دی اور حکم دیا کہ اپنا ہتھیار ساتھ لے جاؤ۔ وہ اپنے گھر آیا تو اپنی بیوی کو دروازے پر کھڑا پایا، تو اس کی طرف نیزہ لہرایا۔ بیوی نے کہا: جلدی نہ کرو، پہلے یہ دیکھو کہ کس چیز نے مجھے باہر آنے پر مجبور کیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو ایک خوفناک سانپ دیکھا، اُسے نیزہ گھونپ دیا اور نیزے میں چبھوئے ہوئے اُسے لے کر باہر آیا۔ وہ تڑپ رہا تھا۔ ابوسعید کہتے ہیں: میں نہ جان سکا کہ کون پہلے مرا، آدمی یا سانپ؟ اُس کی قوم کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ ہمارے آدمی کو لوٹا دے۔ آپ نے فرمایا: اپنے آدمی کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔ پھر آپ نے فرمایا: مدینہ میں جنوں کی ایک جماعت مسلمان ہوئی ہے، تم ان میں سے جب کسی کو دیکھو (سانپ وغیرہ موذی جانور کی صورت میں) تو اُنہیں تین مرتبہ ڈراؤ کہ اب نہ نکلنا ورنہ مارے جاؤ گے۔ اس تنبیہ کے باوجود اگر وہ غائب نہ ہو اور تمہیں اس کا مار ڈالنا ہی مناسب معلوم ہو تو تین بار کی تنبیہ کے بعد اسے مار ڈالو۔

موت کی تمنا کرنا

سوال نمبر (284):

ہم چند دوست بحث کر رہے تھے۔ اچانک اس مسئلہ پر بحث شروع ہوئی کہ آدمی موت کی تمنا کرسکتا ہے یا نہیں؟ کچھ دوست جواز اور کچھ دوست عدم جواز کے قائل تھے۔ اس مسئلہ کے شرعی حل سے آگاہ فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہی نقطۂ نظر سے بعض صورتوں میں موت کی تمنا کرنا مرخص ہے، جبکہ بعض صورتوں میں ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص معیشت کی تنگی، دشمن کے خوف یا مال کے چلے جانے وغیرہ کی وجہ سے موت کی تمنا کرتا ہے تو یہ ناجائز ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص پرفتن دور یا غلط معاشرہ میں زندگی گزارتا ہو اور اسے ڈر ہو کہ معصیت میں پھنس جائے

گا تو پھر موت کی تمنا کرنا مرخص ہے، لیکن اس کے باوجود معاشرہ کی اصلاح کی فکر کرنا اور نیک اعمال میں لگنا بہتر ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

سئل أبو بكر عمن تمنى المو ت هل يكر ه؟ قال :إن تمنى الموت لضيق عيشه، أو لغضب دخل من عدو، أو يخاف ذ هاب ماله، أو نحو ذلك، فإ نه يكر ه له ذلك، وإن تمنى لتغير أهل زمانه، فيخا ف من نفسه الو قوع في المعصية لا بأس به.(۱)

ترجمہ: شیخ ابوبکرؒ سے موت کی تمنا کرنے کی کراہت کے بارے پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر کسی شخص نے رزق کی تنگی یا دشمن پر غصہ کی وجہ سے یا مال جانے کے خوف سے یا اس جیسے کسی اور وجہ سے موت کی تمنا کی، تو یہ مکروہ ہے۔ اور اگر اس نے یہ تمنا اس لیے کی کہ اہل زمانہ کی حالت بدل گئی ہے اور اسے گناہ میں مبتلا ہونے کا ڈر ہو تو اس کے لیے ایسی تمنا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

❁❁❁

پنشن کے حصول کے لیے میڈیکل بورڈ سے سفارش کروانا

سوال نمبر (285):

میں ایک میڈیکل ٹیکنیشن ہوں اور اٹھارہ سال سے اس شعبہ میں خدمات سرانجام دے رہا ہوں۔ اب مجھے کافی مشکلات کا سامنا ہے۔ میں احسن طریقے سے ڈیوٹی نہیں کرسکتا، اگرچہ میں پوری کوشش کرتا ہوں۔ اس لیے میں اس نوکری سے دست بردار ہونا چاہتا ہوں۔ پنشن کے حصول کے لیے میڈیکل بورڈ سے سفارش کروانا پڑتا ہے۔ میرے لیے شرعاً میڈیکل بورڈ سے سفارش کروانا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی جائز حق کے حصول کا درست مطالبہ کررہا ہو لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے اسے حاصل نہ کرسکتا ہو تو ایسی صورت میں کسی بااثر شخص کا سہارا لے کر سفارش کرواسکتا ہے، لیکن اگر وہ اس حق کی وصولی

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثلاثون ۳۷۹/۵

کا مستحق نہ ہوتو اس کا کسی سے سفارش کروانا یا کسی کا اس کے لیے سفارش کرنا بوجہ ظلم کے ناجائز ہوگا۔

صورت مسئولہ میں اگر بوجہ بیماری یہ شخص اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے سے معذور ہو اور اس معذوری کی وجہ سے استعفٰی دینے کی صورت میں قانوناً پنشن کا مستحق بنتا ہو لیکن میڈیکل بورڈ کی سفارش کے بغیر وصولی ناممکن ہو تو میڈیکل بورڈ سے سفارش کروانا جائز ہے، لیکن اگر یہ بیمار نہ ہو اور میڈیکل بورڈ کی رپورٹ کے ذریعے اپنے آپ کو بیمار ظاہر کروا رہا ہو اور یوں دھوکہ دہی کے ساتھ اپنے آپ کو پنشن کا مستحق بنا رہا ہو تو ایسی صورت میں سفارش کروانا اور سفارش کرنا شرعاً درست نہیں ہیں۔

والدّليل على ذلك:

﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾(۱)

ترجمہ:

جو کوئی سفارش کرے نیک بات میں اس کو بھی ملے گا اس میں سے ایک حصہ اور جو کوئی سفارش کرے بری بات میں اس پر بھی ہے ایک بوجھ اس میں سے۔

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (۲)

ترجمہ:

اور آپس میں مدد کرو نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں اور مدد نہ کرو گناہ اور ظلم کے کام میں۔

"عن أبي موسى الأشعريؓ قال: كان رسول اللهﷺ إذا أتاه طالب حاجة أقبل على جلساءه فقال: اشفعوا فلتؤجروا و ليقض الله على لسان نبيهﷺ إلى ما أحب" (۳)

ترجمہ:

حضرت ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی ضرورت مند آتا تو آپ ﷺ اپنے ہم نشینوں (صحابہؓ) کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے: تم اس کی سفارش کرو تمہیں اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے وہی حکم جاری کرے گا، جو اس کو پسند ہوگا۔

(۱) النساء: ۸۵

(۲) المائدہ: ۲

(۳) الصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة، باب استحباب الشفاعة: ۲/۳۳۰

طالب علموں کا درس کے اوقات میں اخبار پڑھنا

سوال نمبر (286):

دینی مدرسہ میں رہائش پذیر طلبا کا درسی مطالعہ یا تکرار یا کسی فارغ وقت میں اخبار یا دیگر خارجی کتب کے مطالعہ میں مشغول رہنا شرعاً کیسا ہے؟ وضاحت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جس مدرسہ میں داخلہ کے وقت طلبہ سے زبانی یا تحریری طور پر یہ عہد لیا جاتا ہو کہ طالب علم مدرسہ کے سب قواعد وضوابط کی پابندی کرے گا اور مدرسہ کے قاعدہ کی رُو سے اسباق، تکرار و مطالعہ کے اوقات میں درسی کتابوں کے سوا دیگر کتب کا مطالعہ ممنوع ہو تو ایسی صورت میں طلبہ کے لیے درسی اوقات میں متعلقہ اسباق کے علاوہ دیگر مشاغل اپنانا اور اخبارات ورسائل یا خارجی کتابوں کا مطالعہ کرنا معاہدہ شکنی کی بنا پر ناجائز ہے اور اگر مدرسہ کی طرف سے پابندی نہ ہو، تو پھر بھی درسی کتب چھوڑ کر اخبار کا مطالعہ کرنا غیر مناسب حرکت ضرور ہے، کیونکہ اس سے وقت ضائع ہوتا ہے اور اسباق پر منفی اثر پڑتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا﴾ قال القرطبي: عام في جميع ماعهده الله إلى عباده. ويحتمل أن يراد به جميع ما انعقد إنسانان. وأضيف ذلك العهد إلى الله من حيث أمر بحفظه والوفاء به. (۱)

ترجمہ: اور اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرو۔

امام قرطبیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ان تمام معاہدوں کو شامل ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بندوں سے کیے ہیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد ہر وہ عہد ہو جو دو انسانوں کے درمیان ہو جائے چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اور پورا کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی۔

❁❁❁

(۱) القرطبي، أبي عبدالله محمد بن أحمد، الجامع لأحكام القرآن، الأنعام:۱۵۲: ۱۲۲/۷، ۱۲۳، دارالکتاب العربي

بدنظمی کی وجہ سے طالب علم کو خارج کرنا

سوال نمبر (287):

میں ایک مسجد میں امام ہوں اور بچوں کو قرآن کی تعلیم دیتا ہوں۔ اپنی طاقت کے مطابق بھرپور کوشش کرتا ہوں، لیکن بعض بچے شریر قسم کے ہوتے ہیں، ان کے والدین کو بھی آگاہ کیا جاتا ہے، لیکن وہ بھی ان کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ کیا اس صورت میں ہم بچے کو دوسرے بچوں کی تربیت میں خلل ڈالنے کی وجہ سے خارج کر سکتے ہیں اور اس عمل سے ہم گناہ کے مرتکب تو نہیں ہوں گے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بچوں کو قرآن کریم حفظ و ناظرہ پڑھانا دین کے ایک اہم فریضے کو نبھانا ہے۔ دوران تعلیم نظم وضبط اور بچوں کی اخلاقی تربیت کا خیال رکھنا استاد اور ادارہ کی ذمہ داری ہے۔ ایسی صورت حال میں اگر نظم وضبط کا خیال نہیں رکھا جائے تو پورا نظام خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ شریعت بچوں کی اصلاح کے لیے تادیب کا حق دیتی ہے۔ اس طرح نظام کو خرابی سے بچانے کی خاطر اس کے اخراج کا فیصلہ بھی کیا جا سکتا ہے اور قصور چونکہ استاد کا نہیں، اس لیے عنداللہ اس کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا، البتہ بچے کی اصلاح کی فکر ملحوظ رہنی چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ﴾(۲)

ترجمہ:

خضر نے کہا: یہی (بار بار سوال کر کے اپنا وعدہ بھلانا) میرے اور آپ کے درمیان جدائی (کا سبب) ہے۔

۞۞۞

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ: ۹/۶۱۶

(۲) الکہف: ۷۸

غیر مسلم ممالک سے امداد لینا

سوال نمبر(288):

اگر کسی اسلامی ملک میں زلزلہ یا طوفان آنے کی وجہ سے لوگوں کو نقصان پہنچ جائے تو اس کے لیے اگر غیر مسلم ممالک ان کے لیے امداد بھیج دیں تو ان سے امداد قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

دنیاوی امور میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ایک دوسرے سے باہمی تعاون اور ہمدردی شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ اس سے اسلام اور اسلامی اقدار متاثر نہ ہوتے ہوں۔ ہنگامی حالات میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا باہمی تعاون ایک انسانی ہمدردی کے تحت ہوتا ہے، اس لیے زلزلہ زدگان کا غیر مسلم ممالک سے امداد لینا شرعاً جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولا تكره عيادة جاره الذمي ولاضيافته. قال الحموي: يعلم من عبارة الجامع الصغير أن تقييد المصنف بالجار اتفاقي لا احترازي ففي الجامع الصغير عن الإمام لا بأس بعيادة النصارى. وفي الفتاوى: وأما عيادة المجوسي منهم من قال: لا بأس بها. وقال بعضهم لاتجوز.(۱)

ترجمہ: اپنے ذمی پڑوسی کی عیادت اور اس کی مہمان نوازی کرنا مکروہ نہیں۔ علامہ حمویؒ فرماتے ہیں: جامع الصغیر کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے جو پڑوسی کی قید لگائی ہے، یہ قید احترازی نہیں، بلکہ اتفاقی ہے۔ اور جامع صغیر میں امام صاحب سے یہ بھی مروی ہے کہ نصاریٰ کی عیادت میں کوئی حرج نہیں اور فتاویٰ میں ہے کہ مجوسی کی بیمار پرسی کے بارے میں بعض حضرات جواز کا قول کرتے ہیں اور بعض حضرات مجوسی کی بیمار پرسی کو جائز نہیں سمجھتے۔

﴿وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ﴾ أي تقسطوهم قسطاً من أموالكم على وجه الصلة.(۲)

ترجمہ: اور ان (کفار) کے ساتھ انصاف اور نیکی کا معاملہ کرو۔ یعنی اپنے مالوں کے ذریعے صلہ رحمی کے طور پر ان کے ساتھ نیکی کرو۔

❁❁❁

(۱) إعلاء السنن، كتاب السير، باب شروط أهل الذمة ومايجوز، حكم عيادة الذمي: ۵۵۰/۱۲

(۲) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، تحت الآية، الممتحنة (۸) : ۵۹/۱۸

سرکاری سکول سے گملے اور پھول گھر لے آنا

سوال نمبر(289):

چند سال پہلے میں ایک سرکاری سکول میں استاد کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ میں پرنسپل صاحب اور مالی کی اجازت سے سکول سے کچھ پھول اور گملے گھر لے آیا تھا۔ کیا میرا یہ کام شرعاً جائز تھا یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سرکاری اموال سے چونکہ اجتماعی مفاد وابستہ ہوتے ہیں اس لیے کسی شخص کے لیے شرعاً یہ جائز نہیں کہ ان کو اپنے ذاتی مفاد میں استعمال کرے۔ سرکاری مقامات میں زینت اور خوبصورتی کے لیے جو گملے یا پودے لگائے جاتے ہیں، ان کی قیمت بھی چونکہ سرکاری خزانہ سے ادا ہوتی ہے، اس لیے یہ پھول اور گملے سرکار ہی کی ملک ہیں اور اس میں کسی مالی یا پرنسپل وغیرہ کی اجازت ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں، البتہ اگر کسی استاد نے اپنی طرف سے پودے لگائے ہوں تو اس میں اس کی ملکیت ثابت ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت معتبر ہو سکتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جو سرکاری گملے اور پھول گھر لائے گئے ہیں لانے والے پر انہی گملوں اور پھولوں کا واپس کرنا ضروری ہے۔ ان کی قیمت ادا کرنے سے ذمہ فارغ نہیں ہوگا، البتہ اگر پھول کا پودا ایسا ہو کہ دوبارہ نکالنے سے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا ہم مثل پودا یا اس کی قیمت سکول کو ادا کرے۔ نیز جس پودے کے بارے میں شک ہو کہ ذاتی ہے یا سکول کا ہے تو احتیاط یہی ہے کہ سکول ہی کا متصور کر کے اس کی قیمت ادا کی جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإذا غرس شجراً في أرض موقوفة على الرباط ينظر إن كان الغارس ولي تعاهد هذه الأرض الموقوفة على الرباط فالشجر للوقف وإن لم يول ذلك فالشجرة له وله قلعها.(۱)

ترجمہ: اگر کسی نے اصطبل کی موقوفہ زمین میں درخت لگا دیا تو اب دیکھا جائے گا۔ اگر پودا لگانے والا اس زمین کی نگرانی کا ذمہ دار ہو تو یہ درخت وقف کا ہوگا اور اگر وہ نگرانی کا ذمہ دار نہ ہو تو درخت اس کا ہے اور اس کے لیے اس کا اکھاڑنا جائز ہے۔

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات: ۲/ ٤٧٤

محلہ میں رہائش کے لیے محلے والوں کا وضعی قانون

سوال نمبر(290):

ایک شخص ایک محلے میں خطابت کے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔اس محلے والوں نے یہ قانون وضع کیا ہے کہ جو لوگ دوسرے گاؤں چھوڑ کر اس محلے میں رہائش کے لیے آتے ہیں تو محلے والے ان لوگوں کے ساتھ خوشی وغمی میں اس وقت تک شریک نہیں ہوتے، جب تک محلے والے ان سے دوگائے اور پانچ ہزار روپیہ وصول نہ کریں۔اگر محلہ والوں میں سے کوئی بغیر ان اشیا کی وصولی کے ان کی شادی بیاہ وغیرہ میں شریک ہوجائے تو ان سے جرمانہ وصول کرتے ہیں۔شریعت میں اس قانون کا کیا حکم ہے؟ وضاحت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اسلام نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کئی حقوق رکھے ہیں، مثلاً: مسلمان کے دکھ درد، خوشی وغمی وغیرہ میں شریک ہوں۔اس کے ساتھ ظلم کا رویہ نہ اپنائے اور نہ ہی اس کو ناحق تکلیف پہنچائے۔اسی طرح مصیبت کے وقت اس کو تنہا نہ چھوڑے، جبکہ پڑوس میں آنے سے اس کے حقوق اور بھی بڑھ جاتے ہیں،اس لیے پڑوس میں گھر آباد کرنے والے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک اور اس کے حقوق کی رعایت رکھنے کی بجائے اس سے رہائش کا معاوضہ طلب کرکے اس کو تکلیف پہنچانا کسی مسلمان کے شایان شان نہیں اور نہ ہی شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔اس طرح اگر ان کے ساتھ کوئی ہمدردی کرے تو اس کو مجرم ٹھہرا کر اس سے جرمانہ وصول کرنا یا اس سے بائیکاٹ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ایسے لوگوں کو دین اسلام کی مقدس تعلیمات سمجھا کر وعظ ونصیحت کرکے اس قبیح رسم سے روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

عن سالم عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه، من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته،ومن فرّج عن مسلم كربة فرج الله عنه بها كربة من كرب يوم القيامة، ومن ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة.(۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔نہ

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم: ۲/ ۳۲۰

اس پر ظلم کرے، نہ اس کو کسی کے حوالہ کردے۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی میں رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی میں رہتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت دور کردے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کے عیوب پر پردہ ڈالے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

صابن کے ٹکڑے استعمال کرنا

سوال نمبر(291):

اگر طلبا سے صابن کا ٹکڑا غسل خانہ میں یا اس طرح باہر کپڑے دھونے کی جگہ رہ جائے تو کیا اس کا استعمال شرعاً جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے دوسرے کی چیز اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں۔ تاہم جہاں کہیں دوستی اور بے تکلفی کی بنا پر ایک دوسرے کے اشیا استعمال کی جائیں اور اس میں ناراضگی نہ ہو تو پھر دلالتاً اجازت کی بنا پر استعمال جائز ہوگا۔

صورت مسئولہ میں اگر غسل خانوں میں صابن کے ٹکڑے مالک نے عام استعمال کے لیے چھوڑ دیے ہوں، چاہے یقینی طور پر معلوم ہو یا قرائن سے یہ ثابت ہو جائے کہ مالک استعمال سے ناراض نہیں ہوتا تو پھر جواز کی گنجائش ہے، البتہ اگر مالک سے بھول کر رہ گئے ہوں اور عام استعمال سے ناراض ہوتا ہو تو پھر استعمال جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:لايحل مال امرئٍ مسلم إلا بطيب نفس منه.(١)

ترجمہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی مسلمان کا مال اس کی خوشی اور رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔

(١) شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، رقم (٥٤٩٢) : ٣٨٧/٤

ذاتی ٹرانسفارمر کے پارٹس آپس میں تبدیل کرنا

سوال نمبر(292):

مسمی ظاہر شاہ فیکٹری کا مالک ہے۔اس نے فیکٹری میں دوعدد ٹرانسفارمر لگائے ہیں،ان میں سے ایک جو کہ (5-KV) ہے پرلوڈ بڑھ گیا ہے۔اب اگر اس موجودہ ٹرانسفارمر میں اندرونی نظام (چکی) کو تبدیل کیا جائے اور (10-KV) لگایا جائے تو اس پر لوڈ کم ہوگا۔نیز یہ بات بھی واضح رہے کہ اس کی وجہ سے یونٹوں کی کمی زیادتی پر فرق نہیں پڑتا ہے۔صرف بوجھ کم ہوتا ہے۔تو کیا مذکورہ صورت میں اس کے اندر والے نظام کو تبدیل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ ''ٹرانسفارمر'' جیسے حکومت کی تحویل میں ہوتے ہیں ایسے ہی بعض اداروں اور فیکٹریوں کو پرائیوٹ ''ٹرانسفارمر'' بھی دیے جاتے ہیں، جو ذاتی ملکیت شمار ہوتے ہیں،اس لیے مالک کو شرعاً تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے۔مسئولہ صورت میں فیکٹری کے مالک کے پاس موجود چھوٹے (5-KV) ٹرانسفامر میں مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس میں تبدیلی کرے۔اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، تاہم اگر قانوناً اس میں واپڈا سے اجازت لینا ضروری ہو تو متعلقہ محکمہ سے اجازت لے لی جائے، باقاعدہ اجازت ملنے پر مذکورہ اقدام میں کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ وهذا الحکم أي وجوب طاعة الأمیر مختص بمالم یخالف أمره الشرع.(۱)

ترجمہ:

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس کی بھی جو تم میں سے حاکم مقرر ہو۔یہ حکم یعنی امیر کی اطاعت واجب ہے، ان امور میں جو شریعت سے متصادم نہ ہوں۔

---

(۱) أحکام القرآن لظفر أحمد عثماني،تحت آیة النساء (۵۹) : ۲/۲۹۲

رات کو برتن نہ ڈھانپنا

سوال نمبر(293):

اگر کوئی شخص کھانے پینے کی اشیاپر ڈھکن نہ رکھے تو اس کا کھانا حرام ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رات کو سونے سے پہلے اگر برتن نہ ڈھانپ دیے جائیں تو شیطان ان میں پیشاب کرتا ہے۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ رات کے وقت پانی سالن وغیرہ کے برتن ڈھانپ دیے جائیں تاکہ شیطان وغیرہ کے شر سے محفوظ رہیں۔ نیز وبا یعنی مرض سے بھی محفوظ رہیں اس لیے کہ سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے، جس میں وبا نازل ہوتی ہے۔ انہی خطرات سے حفاظت کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو یہ ادب سکھایا کہ رات کو برتن ڈھانپ لیا کرو۔ حضور ﷺ کا یہ حکم اگرچہ واجب یا فرض نہیں، اس لیے عمل نہ کرنے پر گناہ نہیں ہوگا، لیکن اس حکم سے خلاف ورزی پر دنیوی ضرر لاحق ہوسکتا ہے۔ نیز اگر کسی برتن کو نہ ڈھانپ دیا تو شیطان کا اس میں پیشاب کرنے کا کوئی تذکرہ نہیں، البتہ شیطان کے چھونے کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

عن جابرؓ عن رسول اللّٰہ ﷺ أنه قال:غطّوا الإناء وأوكوا السقاء وأغلقوا الباب وأطفئوا السراج...... إلخ.(۱)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: برتنوں کو ڈھانک دیا کرو، مشکیزوں کے منہ باندھ دیا کرو، دروازوں کو بند کر دیا کرو اور چراغوں کو بجھا دیا کرو.....

❁❁❁

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الأشربة، باب استحباب تخمیر الإناء:۲/۱۷۰

دینی یا رفاہی تنظیم میں حصہ لینا

سوال نمبر(294):

ہمارے علاقے میں ایک غیر سیاسی فلاحی تنظیم ہے''تنظیم نوجوانان''۔اس کے اغراض ومقاصد مندرجہ ذیل ہیں:(۱)نوجوان نسل کی دینی تربیت (۲) یتیم وغریب طلبا کے ساتھ مالی تعاون اور راستوں کی مرمت (۳) فحاشی و عریانی کی روک تھام وغیرہ۔کیا اس تنظیم کا رکن بننا درست ہے؟ نیز اس کے ساتھ تعاون کرنا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی دینی یا رفاہی تنظیم کے اغراض ومقاصد اگر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخلاص کے ساتھ مخلوق خدا کی خدمت اور اُن کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ ہو تو یہ قابل تحسین ہے،اس لیے ایسی تنظیم کا رکن بننا اور تعاون کرنا باعث خیر ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

جاء رجل إلى النبي صلى اللّٰہ علیه وسلم فقال:إني سائلك عما في الدنيا والآخرة فقال له: سل عما بدالك ......قال: أحب أن أكون خير الناس. فقال:خير الناس من ينفع الناس،فكن نافعالهم.(۱)

ترجمہ:

ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: یا رسول اللہ! میں آپ سے ان چیزوں کے بارے میں سوال کرتا ہوں جو دنیا وآخرت میں مفید ہوں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ پوچھو جو پوچھنا چاہتے ہو ....اُس نے عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ لوگوں میں بہتر بنوں۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں سے بہتر وہ شخص ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہو۔پس تم لوگوں کو نفع پہنچانے والے بنو۔

❁❁❁

(۱) کنزالعمال،کتاب المواعظ،رقم الحدیث ٤٤١٥٤ :١٦/١٢٧،١٢٨

وطی فی الدبر کا حکم

سوال نمبر(295):

بیوی سے وطی فی الدبر کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ کیا اس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

نکاح شرعی کے بعد شوہر چند مخصوص اوقات کے علاوہ بیوی سے ہر وقت ہم بستری کر سکتا ہے، لیکن جماع کے لیے جو محل (فرج) متعین ہے، اس سے تجاوز کرنا اور ایسا طریقہ اختیار کرنا جو نصوص قطعیہ کی رو سے حرام ہو، ناجائز ہے۔ بیوی کے ساتھ دبر میں وطی کرنا ایک غیر فطری اور ناجائز عمل ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس غیر فطری عمل کے ارتکاب کرنے والوں کے متعلق سخت وعیدیں آئی ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے غیر محل (دبر) میں وطی کرے تو وہ ملعون ہے۔ لہٰذا اس قسم کے غیر فطری اور حرام عمل کے ارتکاب سے بچنا ضروری اور لازمی ہے۔ تاہم اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

والدّلیل علی ذلك:

عن أبي هريرة قال:قال رسول الله صلى الله عليه و سلم:ملعون من أتى امرأة في دبرها. (۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنی عورت کے ساتھ دبر میں جماع کرے، وہ ملعون ہے۔

اللواطة مع مملوكه أو مملوكته أو امرأته حرام.(۲)

ترجمہ: لواطت (دبر میں جماع) خواہ اپنے غلام کے ساتھ ہو یا اپنی باندی کے ساتھ یا اپنی بیوی کے ساتھ، سب حرام ہیں۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب النكاح،باب في جامع النكاح:۱/۲۹٤

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية،الباب الثامن في مايحل للرجل ......: ٥/۳۳۰

حفاظت کی خاطر اسلحہ ساتھ رکھنا

سوال نمبر (296):

ایک آدمی محض اپنی حفاظت کے لیے اسلحہ ساتھ رکھتا ہے اور بعض علاقوں میں اسلحہ ساتھ رکھنے اور لے کر پھرنے کا عام رواج ہے۔ شرعاً ان دونوں کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رو سے اپنی حفاظت مسلمان کی ذمہ داری ہے، اس لیے اپنی جان کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔ ان میں سے ایک تدبیر اسلحہ رکھنے کی بھی ہے۔ حضور ﷺ بھی بطور حفاظت اپنے ساتھ اسلحہ رکھا کرتے تھے، اس لیے اگر کوئی شخص اپنی جان ومال کے تحفظ کی بنا پر اسلحہ اپنے ساتھ رکھے تو شرعاً اس کے لیے یہ عمل جائز رہے گا، البتہ اگر اسلحہ ساتھ رکھنے اور لے کر باہر پھرنے سے غرض حفاظت کے علاوہ دیگر مذموم عزائم کی تکمیل اور فساد پھیلانا ہو تو پھر شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ نیز اگر عام حالات میں اسلحہ پھرانے پر قانوناً پابندی ہو تو پھر قانون کی پاسداری کرتے ہوئے اسلحہ کے لیے قانون کے مطابق لائسنس وغیرہ بنانا ضروری ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: کا ن النبي ﷺ أحسن الناس وأشجع الناس ولقد فزع أهل المدينة ليلة فخرجوا نحو الصوت فاستقبلهم النبي ﷺ وقد استبرأ الخبر و هو على فرس لأبي طلحة عري و في عنقه السيف و هو يقول لم تراعوا. (۱)

ترجمہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور سب لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک بار مدینے میں رات کے وقت (دشمن کے ڈر سے) گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ لوگ دشمن کی آواز کی طرف چل دیے۔ آپ ﷺ خبر کی تحقیق کرکے واپس آرہے تھے۔ آپ ﷺ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر ننگی پیٹھ سوار تھے۔ گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے تھے اور فرمارہے تھے کہ تم لوگ مت ڈرو۔

(۱) صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب الحمائل وتعليق السيف: ۱/۴۰۷

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا

سوال نمبر (297):

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا شریعت میں اس کا جواز موجود ہے یا نہیں؟ آج کل ائیرپورٹ اور دیگر مقامات پر ایسی جگہیں بنی ہوتی ہیں، جہاں کھڑے ہونے کے علاوہ اور کوئی صورت ممکن نہیں۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ بغیر عذر کے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا کیسا ہے۔ سنا ہے کہ احادیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عام حالات میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو فقہائے کرام نے مکروہ لکھا ہے، لیکن موجودہ حالات کے پیش نظر چونکہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا کفار کا شعار بن چکا ہے، اس لیے ایسا کرنا حرام کے درجہ میں ہوگا، تاہم اگر بیماری کی وجہ سے بیٹھنا ممکن نہ ہو یا پاجامہ ایسا ہو جس میں بیٹھ کر پیشاب کرنا مشکل ہو اور کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی سہولت موجود ہو یا بیٹھ کر پیشاب کرنے کی جگہ موجود نہ ہو تو جواز کی گنجائش ہے، البتہ بغیر عذر کے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا درست نہیں۔ جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو احادیث میں جواز اور عدم جواز دونوں کا تذکرہ موجود ہے۔ جواز کی احادیث حالت عذر پر محمول ہیں، جبکہ عدم جواز کی احادیث کا اطلاق عام حالات پر ہوتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ثم إن البول قائماوإن كانت فيه رخصة والمنع للتأديب لاللتحريم كماقاله الترمذي، ولكن اليوم الفتوى على تحريمه أولى حيث أصبح شعارا لغيرالمسلمين من الكفار وأهل الأديان الباطلة.(١)

ترجمہ: کھڑے ہوکر پیشاب کرنا اگرچہ مرخص ہے اور منع تادیباً ہے، نہ کہ حرام ہونے کی وجہ سے، جس طرح امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے، لیکن آج کل حرمت پر فتوی دینا بہتر ہے، اس وجہ سے کہ موجودہ دور میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنا کفار اور ادیانِ باطلہ کے پیروکاروں کا شعار بن چکا ہے۔

(١) معارف السنن،باب ماجاء من الرخصة في ذلك: ١٠٦/١

نمازِ عشا کے بعد باتیں کرنا

سوال نمبر (298):

عشا کی نماز کے بعد دنیاوی باتیں یا گپ شپ لگانا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ احادیث مبارکہ میں عشا کی نماز کے بعد لایعنی اور فضول قصہ گوئی کی ممانعت آئی ہے، کیونکہ اس وجہ سے فجر کی نماز باجماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔ تاہم دینی ضرورت یا کسی اہم دنیاوی ضرورت کے پیش نظر نماز عشا کے بعد گفتگو میں مشغول ہونا بلاشبہ درست ہے، مثلاً: مسلمانوں کے حوائج کا انتظام زیر بحث ہو یا قرآن وحدیث کی تعلیم کا مشغلہ وغیرہ ہو۔

والدّلیل علی ذلك:

قال الفقیه رحمه الله تعالی: السمر علی ثلا ثه أوجه: أحدها أن یکون مذاکرة العلم فهو أفضل من النوم. والثاني أن یکون السمر في أساطیر الأولین والأحادیث الکاذ بة والسخریة والضحك فهو مکروه. والثالث أن یتکلموا للموانسة ویجتنبوا الکذ ب وقول الباطل فلا بأس به والکف عنه أفضل وإذا فعلوا ذلك ینبغي أن یکون رجوعهم علی ذکر الله عز وجل والتسبیح والاستغفار حتی یکون ختمه بالخیر. (۱)

ترجمہ: فقیہ سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ عشا کے وقت گفت وشنید تین قسم پر ہے: ایک یہ ہے کہ کوئی علمی مذاکرہ ہو تو وہ سونے سے بہتر ہے۔ دوم یہ کہ کوئی پہلے لوگوں کی کہانیاں اور جھوٹی باتیں، مسخرہ پن اور مضحکہ خیز باتیں ہوں، یہ صورت مکروہ ہے۔ سوم یہ کہ وہ باہم موانست کی باتیں ہوں اور ان میں جھوٹ اور باطل باتوں سے بچتے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں، تاہم اس سے بھی باز رہنا افضل ہے اور اگر ایسا کریں تو آخر میں اللہ تعالیٰ کے ذکر وتسبیح اور استغفار کی طرف رجوع کریں، تاکہ اختتام بالخیر ہو۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثلاثون في المتفرقات: ۳۳۷/۵

جانوروں کے گلے میں گھنٹی ڈالنا

سوال نمبر(299):

بعض لوگ جانوروں کے گلے میں گھنٹی ڈالتے ہیں۔شرعاً یہ کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جانوروں کے گلے میں گھنٹی ڈالنا جائز ہے۔اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، کیونکہ جانوروں کے گلے میں جو جرس (گھنٹی) لٹکائی جاتی ہے،اس سے مقصود جانوروں میں نشاط اور تیزی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے جانور چست پھرتے ہیں،اس لیے اس کے پہنانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

لا بأس بتعليق الأجراس على عنق الفرس والثور.ومنها أن صوت الجرس يزيد في نشاط الدواب فهو نظير الحداء.(۱)

ترجمہ: گھوڑے اور بیل کے گلے میں گھنٹیاں ڈالنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔اس گھنٹی کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ گھنٹی کی آواز چوپاؤں میں نشاط بڑھاتی ہے اور یہ حدی خوانی کی طرح ہے۔

❁❁❁

والدین کو ان کے نام لے کر پکارنا

سوال نمبر(300):

ہمارے علاقے میں ایک آدمی اپنے والد کو نام لے کر پکارتا ہے۔شریعت کا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

والدین کی عزت واحترام اور ان کے سامنے ادب سے پیش آنے کی شریعت میں بہت تاکید آئی ہے۔اولاد

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء: ۳۵٤/٥

کو ہر اس قول وعمل سے منع کیا گیا ہے، جس سے والدین کو اذیت پہنچتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ والدین کے سامنے ''اُف'' تک کہنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں باپ کو اس کا نام لے کر پکارنا بے ادبی ہے اور اس سے والد صاحب کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

يكره أن يدعو الرجل أباه و المرأة زوجها باسمه.(۱)

ترجمہ:

کسی شخص کا اپنے والد کو اور عورت کا اپنے شوہر کو نام لے کر پکارنا مکروہ ہے۔

❁❁❁

خودکشی اسلام کی نظر میں

سوال نمبر(301):

اگر کسی نے خودکشی کی تو اس پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی مغفرت کی دعا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ وضاحت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے اپنے آپ کو قتل کرنا ایک عظیم جرم ہے، تاہم اہل السنّت والجماعت کے نزدیک اس عمل سے انسان اسلام سے خارج نہیں ہوتا، لیکن اس عمل کی شناعت اور لوگوں کو اس سے نفرت دلانے کے واسطے اس پر جنازہ نہ پڑھانے کے آثار ملتے ہیں، تاہم راجح قول کے مطابق اس پر جنازہ پڑھی جائے گی۔ رہی مغفرت کی بات تو دائمی عذاب صرف کفار کے لیے ثابت ہے اس لیے اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کی جاتی ہے کہ سزا پانے کے بعد اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کردیں گے۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد: ٣٦٢/٥

والدّليل على ذلك:

من قتل نفسه ولو (عمدا يغسل و يصلى عليه) به يفتى، وإن كان أعظم وزرا من قاتل غيره.(۱)

ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو قتل کیا اگرچہ قصداً ہی کیوں نہ ہو، اُسے غسل دے کر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور یہی مفتی بہ قول ہے۔ اگرچہ یہ دوسرے آدمی کے قتل کرنے کی نسبت بڑا گناہ ہے۔

❀❀❀

چھٹی لے کر تبلیغ میں نکلے ہوئے سرکاری ملازم کی تنخواہ

سوال نمبر(302):

ایک سرکاری ملازم دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں چلہ کے لیے چھٹی لے کر گیا ہے اور ہر مہینے اس کے گھر والوں کو تنخواہ بھجوائی جاتی ہے۔ کیا یہ تنخواہ لینا اس کے لیے جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سرکاری محکمے کا ملازم اجیر خاص کی حیثیت رکھتا ہے اور اجیر خاص کے لیے اجرت کا استحقاق اس وقت ثابت ہوتا ہے، جب وہ اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتا ہو، ورنہ غیر حاضری کی صورت میں وہ اجرت کا مستحق نہیں، تاہم جو شخص قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے محکمہ کے ذمہ دار افسر سے چھٹی لے کر چلہ کے لیے تبلیغ کے سلسلے میں چلا جائے تو اس کے لیے تنخواہ لینا جائز ہے، بشرطیکہ قانونی جواز ہو، ورنہ کسی افسر کی چشم پوشی سے تنخواہ لینا جائز نہیں۔

والدّليل على ذلك:

إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرساتيق أسبوعا أو نحوه، أو لمصيبة أو لاستراحة لابأس به، ومثله عفو في العادة والشرع.(۱)

ترجمہ: امام اگر دیہاتوں میں اپنے اقربا کی زیارت کے لیے یا کسی مصیبت یا آرام کرنے کی وجہ سے ایک ہفتہ یا اس کے لگ بھگ کے لیے امامت چھوڑ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس جیسا عمل عرف اور شریعت میں معاف ہے۔

---

(۱) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة: ۱۰۸/۳

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فيما إذا قبض المعلوم وغاب قبل تمام السنة :٦٣٠/٦

عیدکارڈیاعیدمبارک کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(303):

آج کل لوگ عید کے موقع پر اپنے دوست واحباب کو عید کارڈ اور''عید مبارک ہو'' کے الفاظ بھیجتے ہیں۔اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

خوشی اور مسرت کے موقع پر خوشی کا اظہار کرنا ایک طبعی امر ہے، چنانچہ ایسے لمحات میں شرعی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو مبارک باد دینا بھی جائز ہے۔لہٰذا عید کے موقع پر لوگوں کا ایک دوسرے کو نیک خواہشات پر مشتمل عید کارڈ یا''عید مبارک ہو'' کے الفاظ بھیجنا ایک مستحسن امر ہے،جس میں شرعی نقطہ نظر سے کوئی قباحت نہیں،کیونکہ یہ الفاظ برکت کی دعا پر مشتمل ہیں اور مختلف امور میں برکت کی دعا مانگنا روایات سے بھی ثابت ہے۔تاہم کارڈ میں اسراف سے بچنا چاہیے اور ایسا کارڈ استعمال نہیں کرنا چاہیے جس سے اسلامی اقدار پامال ہوں۔

والدّليل على ذلك:

(والتهنئة بتقبل الله منا ومنكم لا تنكر) قوله : (لاتنكر) ......قال المحقق ابن أمير الحاج : بل الأشبه أنها جائزة مستحبة في الجملة، ثم ساق آثارا بأسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلك، ثم قال : والمتعامل في البلاد الشامية والمصرية " عيد مبارك عليك " ونحوه.(۱)

ترجمہ: اور''تقبل الله منا ومنكم'' کے الفاظ سے مبارک باد دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔محقق ابن امیر حاج نے فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ فی الجملہ یہ جائز اور مستحب ہے اور پھر انہوں نے اس کے ثبوت میں صحیح سندوں کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے چند آثار بھی لائے ہیں۔پھر فرمایا کہ شام اور مصر کے علاقوں میں''عید مبارک ہو'' اور اس جیسے الفاظ کے ساتھ مبارک باد دینا رائج ہے۔

❀❀❀

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب العيدين، مطلب يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۴۹/۳، ۵۰

طالب علم کا فریضہ

سوال نمبر(304):

طالب علم کے لیے علم حاصل کرنا بہتر ہے یا نفلی عبادات میں مشغول رہنا افضل ہے؟ نیز علم حاصل کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ہر مسلمان مرد اور عورت پر ان احکام کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے جو اس کی روزمرہ زندگی میں اس کے لیے ضروری ہوں، جیسے: نماز، روزہ، وضو، غسل، تیمم وغیرہ۔ اسی طرح جو حضرات صاحب نصاب اور مال دار ہوں، ان کے لیے زکوۃ اور حج کے ضروری مسائل سیکھنا بھی فرض عین ہے اور جو احکام بندے کی طرف براہِ راست متوجہ نہ ہوں ان احکام کا دوسروں کو سکھانے کی غرض سے یا ان کی رہبری ورہنمائی کے لیے حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، جب کہ ان میں علمی مہارت حاصل کرنا مستحب ہے اور دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا نفلی عبادات سے افضل ہے۔ پس طالب علم کے لیے نفلی عبادات کرنے سے دینی کتب کا مطالعہ کرنا بہتر ہے۔ البتہ رات کے کسی حصے میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں انتہائی عجز وانکساری اور آہ وزاری کے ساتھ دو چار رکعت نفل پڑھنے کے بعد علم وعمل اور اخلاص وتقویٰ نصیب ہونے کی دعا بھی کرتے رہنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلک:

النظر في كتب أصحابنا من غير سماع أفضل من قيام الليل. قال ابن عابدين: أقول: وهذا إذا كان مع الفهم ...... من له ذهن يفهم الزيادة أي على مايكفيه، وقدر أن يصلي ليلا، وينظر في العلم نهارا، فنظره في العلم نهارا وليلا أفضل. (١)

ترجمہ: ہمارے اکابر کی کتابوں کا مطالعہ کرنا قیام اللیل (رات کی عبادات) سے افضل ہے۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: یہ اس وقت ہے جب سمجھ کے ساتھ پڑھتا ہو۔۔۔۔۔ جس کا ایسا ذہن ہو جو بقدر کفایت سے زیادہ سمجھتا ہو اور رات کو نماز یا عبادت اور دن میں علم پڑھنے پر قادر ہو تو اس کا شب وروز علم حاصل کرنا افضل ہے۔

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، المقدمة، مطلب الفرق بين المصدر والحاصل بالمصدر: ١٢١/١

انتخابات میں حصہ لینا

سوال نمبر(305):

احادیث مبارکہ میں اپنے آپ کو کسی عہدے کے لیے پیش کرنے سے منع کیا گیا ہے۔اب پوچھنا یہ ہے کہ آج کل انتخابات (الیکشن) میں بطور امیدوار حصہ لینا ایسا ہے گویا کہ وہ اپنے آپ کو کسی عہدے کے لیے پیش کر رہا ہے تو کیا انتخابات میں حصہ لینا اس حدیث کے زمرے میں آ کر ممنوع ہے یا نہیں؟　بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ملک کے نظم ونسق کو چلانے کے لیے ایک ایسے شخص کا انتخاب ضروری ہے، جو ان امور کو بخوبی سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔شریعت مطہرہ اصولی طور پر کسی عہدہ کو طلب کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی، چنانچہ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اگر کسی نے امارت طلب کر لی تو اس سے مدد ہٹا دی جاتی ہے۔لیکن جہاں کہیں ایسی صورت در پیش ہو کہ فساق وفجار ایک عہدہ طلب کرنے کی کوشش کر رہے ہوں اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ ان لوگوں کے اقتدار سنبھالنے سے عام لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے تو اس صورت میں باصلاحیت شخص کے لیے عہدہ طلب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، جو عدل وانصاف کے ساتھ حکومتی نظم ونسق کو چلا سکتا ہو۔

احادیث مبارکہ میں حرص کی وجہ سے کسی عہدہ کو طلب کرنے کی ممانعت آئی ہے،لیکن جہاں کہیں لوگوں کو نفع پہنچانے کا ارادہ ہو اور مستحقین کو ان کا حق دلانا مقصود ہو تو پھر عہدہ طلب کرنا امر مستحسن ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی مصر کے بادشاہ سے وزیرِ خزانہ کا عہدہ سنبھالنے کا مطالبہ اسی مقصد کے لیے کیا تھا۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عبدالرحمن بن سمرة قال قال رسول اللهﷺ: یا عبد الرحمن بن سمرة، لا تسأل الأمارة فإن أعطیتها عن مسألة و كلت إلیها، و إن أعطیتها من غیر مسألة أعنت علیها.(۱)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن سمرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:اے عبدالرحمٰن بن سمرۃ!امارت کا مطالبہ نہ کرنا،اس لیے کہ اگر یہ تجھے تیرے مانگنے اور طلب کرنے پر دی جائے تو اس کے سپرد کر دیا جائے گا(یعنی تو جانے اور تیری ذمہ داری)اور اگر بن مانگے دی جائے تو تیری مدد اور اعانت کی جائے گی۔

(۱) صحیح البخاري، كتاب الأحكام، باب من سأل الأمارة و كل إلیها:۱۰۵۸/۲

إن السعي في إيصال النفع إلى المستحقين ودفع الضرر عنهم أمرمستحسن في العقول.(١)

ترجمہ:

مستحقین کو نفع پہنچانے اور ان سے ضرر دفع کرنے کی کوشش کرنا عقلاً ایک قابل ستائش امر ہے۔

❁❁❁

عورتوں کا ووٹ ڈالنا

سوال نمبر(306):

قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ میں عورت کو باہر پھرنے سے منع کیا گیا ہے یہاں تک کہ فقہا مسجد میں باجماعت نماز کے لیے جانے سے بھی منع فرماتے ہیں۔اب موجودہ دور میں عورتوں کے ووٹ ڈالنے اور انتخابات میں حصہ لینے کی شرعی حیثیت کیا ہوگی جب کہ اس میں بے پردگی، مردوں کے ساتھ اختلاط اور دوسرے شرور کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔

بيّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رو سے عورت اہل رائے، اہل مشورہ اور اہل شہادت ہے۔ووٹ بھی درحقیقت شہادت، مشورہ اور رائے کی حیثیت رکھتا ہے جس کے ذریعے ووٹر کسی امیدوار کی اہلیت کی گواہی دیتا ہے،اس لیے عورت کا ووٹر بن کر اپنا حق استعمال کرنا شرعی امور کی رعایت رکھتے ہوئے ممنوع نہیں۔تاہم اگر ووٹ کے حق کو استعمال کرتے ہوئے بے پردگی کا غالب گمان ہو یا دیگر امور شرعیہ پائے مال ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں عورت کو ووٹ ڈالنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

والدّليل على ذلك:

﴿فإن لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان﴾ (٢)

ترجمہ:

پھر اگر (گواہ بننے کے لیے) دو مرد نہ ہوں،تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنائی جائیں)۔

(١) التفسيرالكبيرللرازي، سورة يوسف، الآية (٥٥) : ٤٧٣/٦

(٢) البقرة:٢٨٢

روٹی کو چھری سے کاٹنا

سوال نمبر(307):

کیا ضرورت کے موقع پر روٹی کو چھری سے کاٹا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ بعض اوقات تقریبات یا مدارس وغیرہ میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔یہ بے ادبی کے زمرے میں تو نہیں آتا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ کے انعامات میں انسان کے لیے روٹی ایک بڑی نعمت ہے۔اس نعمت کی قدر دانی کرتے ہوئے اس کی بے ادبی اور ضائع کرنے سے اجتناب ضروری ہے۔تاہم ضرورت کے وقت روٹی یا اس کے علاوہ دوسری خوردنی چیزوں کو چھری کے ساتھ کاٹنے میں کوئی قباحت نہیں، کیونکہ چھری سے کسی چیز کو کاٹنا بے ادبی نہیں۔قرآن پاک کی طباعت یا جلد بندی میں اس کے اوراق کو بھی کاٹنا پڑتا ہے جو بے ادبی نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

لایکرہ قطع الخبز واللحم بالسکین.(۱)

ترجمہ: روٹی اور گوشت کا چھری کے ذریعے سے کاٹنا مکروہ نہیں۔

❁❁❁

”گیدڑ کی شادی“ کی تحقیق

سوال نمبر(308):

دھوپ کی موجودگی میں جب بارش شروع ہوجائے تو لوگوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ”آج گیدڑ کی شادی ہے“ لیکن بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں کسی ایک کے ساتھ شادی کے دوران دھوپ کے ہوتے ہوئے بارش بھی شروع ہوگئی تو کفار نے (نعوذ باللہ) یہ الفاظ کہے تھے۔شریعت مطہرہ کی رو سے ان باتوں کی حقیقت کیا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة،باب الاستبراء وغیرہ: ۹/۵۵۲

الجواب وباللہ التوفیق:

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اس نے اس دنیا کے نظام کو چلانے کے لیے کچھ ظاہری اسباب مقرر کیے ہیں، تاہم بعض اوقات اپنی قدرت کے اظہار کے لیے ان اسباب سے ہٹ کر کوئی امر سرانجام دیتے ہیں، مثلاً بارش برسانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بادل پیدا کیے ہیں، لیکن بعض اوقات بادل کے بغیر دھوپ میں بارش برساتے ہیں، جس کو عام لوگ ''گیدڑ کی شادی'' سے منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے ظہور کے لیے ایسا نام تجویز کرنا مسلمان کے لیے مناسب نہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضور ﷺ کا ازواج مطہرات میں کسی ایک کے ساتھ نکاح کے وقت دھوپ میں بارش ہوئی تھی تو یہ بات کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں، لہٰذا ایسا عقیدہ رکھنا یا اس کی تشہیر کرنا مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾اي لا تتبع ولا تقتف مالاعلم لك به من قول أو فعل. (۱)

ترجمہ: اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں تجھ کو۔ یعنی پیچھے نہ لگنا اور جستجو نہ کرنا اس بات یا واقعے کی جس کا تجھ کو علم نہ ہو۔

۞۞۞

دوست کا مال بغیر اجازت کے استعمال کرنا

سوال نمبر (309):

ایک شخص کو یہ یقین ہے کہ دوست اس کو اپنا مال بخوشی استعمال کرنے کی اجازت دے گا اور بار ہا ایسا ہوا بھی ہو یا قرائن سے اس امر کا یقین ہو تو کیا ایسے شخص کے لیے دوست کی عدم موجودگی میں اس کا مال بلا اجازت استعمال کرنا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی شخص کی کوئی چیز اجازت کے بغیر استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں، تاہم اجازت کی صورت میں استعمال

---

(۱) التفسیر الکبیر للرازي، الأسراء آیة (۳۶): ۳۳۹/۷

کرنے میں کوئی حرج نہیں، اجازت خواہ قولاً ہو یا دلالتاً۔ اگر کسی شخص کو معلوم ہو کہ دوست طیبِ نفس کے ساتھ استعمال کی اجازت دے گا، اور کئی مرتبہ ایسا ہوا بھی ہو یا قرائن سے معلوم ہوا ہو تو ایسی صورت میں استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

والدلیل علی ذلك:

قال الفقيه أبو الليثؒ: إن استأذنه فحسن وإن لم يستأذنه ولكنه يعلم أنه يريد أن يستمد من محبرته، فإن لم يأذن ولم ينه فلا بأس، ولو انه استمد منه من غير أن يتكلم ولا أشار إليه بشيء فلا أحب له ذلك إلا أن يكون بينهما انبساط فلا بأس به.(۱)

ترجمہ:

فقیہ ابو اللیثؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس سے اجازت طلب کرلے تو اچھی بات ہے اور اگر اجازت نہ لے لیکن اسے یہ پتہ ہو کہ یہ آدمی میرے دوات سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے، تو اگر نہ اجازت دے اور نہ منع کرے تو استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اس شخص نے بغیر کسی بات چیت اور بغیر کسی اشارہ کے اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہا تو یہ میرے نزدیک پسندیدہ نہیں، الا یہ کہ ان دونوں کے درمیان بے تکلفی ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

❁❁❁

اجازت کے بغیر کسی کے کھیت سے کچھ اٹھانا

سوال نمبر(310):

ہمارے ہاں عموماً لوگ ایک دوسرے کے کھیت (فصل) سے کھانے کی چیز اٹھا کر کھالیتے ہیں، مثلاً: گنا، ساگ وغیرہ، کیا اس میں صراحتاً اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ایک مسلمان کا مال دوسرے مسلمان کے لیے اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا حرام ہے، ہاں صراحتاً یا دلالتاً اجازت کی صورت میں اس کا مال استعمال کرنا جائز ہے۔

اگر کسی علاقہ کے عرف میں لوگوں کو کھیت سے تھوڑی سی چیز لینے کی اجازت ہو اور مالک اس سے ناراض نہ

(۱) الفتاویٰ الخانية علیٰ هامش الهندية، كتاب العارية، فصل في المستعير: ۳/۳۸۷

ہوتے ہوں تو شرعاً استعمال کرنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر مالک بلااجازت کھیت سے کوئی چیز کاٹنے پر ناراض ہوتا ہو تو ایسی صورت میں صراحتاً اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں۔

والدلیل علی ذلك:

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله ﷺ: ألا، لاتظلموا، ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوحرۃ رقاشی اپنے چچا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار کسی پر ظلم نہ کرنا، جان لو کسی دوسرے شخص کا مال (لینا یا استعمال کرنا) اس کی مرضی اور خوشی کے بغیر حلال نہیں۔

قال الفقيه أبو الليثؒ: إن استأذنه فحسن، وإن لم يستأذنه ،ولكنه يعلم أنه يريد أن يستمد من محبرته، فإن لم يأذن له ولم ينه فلابأس ،ولوأنه استمد منه من غيرأن يتكلم ولاأشارإليه بشي، فلاأحب له ذلك إلاأن يكون بينهماانبساط فلابأس به.(۲)

ترجمہ:

فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس سے اجازت طلب کرلے تو اچھی بات ہے اور اگر اجازت نہ لے لیکن اسے یہ پتہ ہو کہ یہ آدمی میرے دوات سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے، تو اگر نہ اجازت دے اور نہ منع کرے تو استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اس شخص نے بغیر کسی بات چیت اور بغیر کسی اشارہ کے اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہا تو یہ میرے نزدیک پسندیدہ نہیں، الا یہ کہ ان دونوں کے درمیان بے تکلفی ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

چوری یا غلطی سے تبدیل ہونے والی شے کا استعمال

سوال نمبر (311):

کسی دوسرے آدمی کے ساتھ اگر غلطی سے سائیکل تبدیل ہوگئی تو مجھے اس پرائے سائیکل کے استعمال اور اس میں مکمل تصرف کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ نیز اس سائیکل پر اگر کسی کا صحیح علامت بتانے سے دعوی استحقاق ثابت

---

(۲) الفتاوی الخانية علی هامش الهندية، كتاب العارية، فصل في المستعير:۳/۳۸۷

ہو جائے تو اس صورت میں سائیکل اس کے حوالے کیا جائے گا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص لاپرواہی، غلطی اور یا چوری کے ذریعے دوسرے شخص کی کوئی چیز لے کر اس کی جگہ اس جیسی اپنی کوئی چیز چھوڑے تو اس میں چند صورتیں ہیں:

مثلاً اکرم اور اصغر نے مسجد میں ایک ہی جگہ اپنی اپنی چادریں رکھیں، پھر اکرم نے اصغر کی چادر چوری یا غلطی سے اٹھا کر وہاں اپنی چادر چھوڑ دی، اس صورت میں اگر یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو کہ اکرم اپنی چادر چھوڑ کر اصغر کی چادر لے گیا ہے، تو اگر یہ چادر اس کی چادر سے کم درجہ کی ہو تو اصغر کے لیے بلاشک وشبہ اس چادر کا استعمال کرنا جائز اور صحیح ہے، لیکن اگر دونوں چادریں ایک جیسی ہوں یا وہ اصغر کی چادر سے اچھی ہو تو اصغر کے لیے اس کا استعمال درست نہیں، ہاں فقہائے کرام نے ضرورت کے درجے میں ایک حیلہ لکھا ہے کہ اصغر اس چادر کو اپنے کسی معتمد فقیر دوست پر اس چادر کے مالک کی طرف سے صدقہ کردے، پھر اس سے بطورِ ہبہ لینے کے بعد استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ فقہائے کرام نے ضرورت کے درجے میں اس لقطے کو بغیر کسی تشہیر کے استعمال کرنا جائز لکھا ہے۔

اس تمہید کو سامنے رکھتے ہوئے صورتِ مسئولہ میں اگر

(۱) سائل دوسرے شخص کی سائیکل لاپرواہی سے لا کر اپنی سائیکل وہاں چھوڑ دے۔ (۲) دوسرا شخص سائیکل کو غلطی سے لے جا کر اپنی سائیکل وہاں چھوڑ دے، جس کو سائل اپنی سائیکل سمجھ کر لے آئے۔ (۳) سائل کی سائیکل کسی چور نے چوری کی ہو اور وہ غلطی سے دوسرے شخص کی سائیکل لے آئے۔

پہلی دو صورتوں کا حکم یہ ہے کہ اگر چھوڑی ہوئی سائیکل سائل کی سائیکل سے کم درجہ کی ہو تو بلاشک وشبہ اس کا استعمال کرنا جائز ہے اور اگر وہ سائل کی سائیکل کے ساتھ قیمت میں برابر ہو یا اس سے قیمتی ہو تو یہ سائیکل اپنے کسی معتمد فقیر دوست پر اس کے مالک کی طرف سے صدقہ کرلے، پھر اس سے بطورِ ہبہ لینے کے بعد استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

البتہ تیسری صورت میں یعنی سائل کی سائیکل کسی نے چوری کرلی ہو تو اس کے لیے دوسری پرائی سائیکل استعمال کرنا صحیح نہیں، جب تک اس کی تشہیر کرکے مالک معلوم نہ ہو جائے، ہاں اگر اس کے غالب گمان میں یہ بات آجائے کہ اب مالک اس کو تلاش نہیں کرے گا تو غریب ہونے کی صورت میں سائل کو بذاتِ خود استعمال کرنے کی

اجازت ہے، ورنہ اس کے مالک کی طرف سے کسی غریب پر صدقہ کرلے، پھر بھی اگر مالک آجائے اور صحیح نشانات کے ساتھ دعویٰ تحقاق ثابت ہو تو یہ سائیکل اس کے حوالہ کی جائے گی، کیونکہ اس نے اپنا عین مال پالیا، جو اس کا حق ہے۔

والدّليل على ذلك:

"وفي الخانية :وضعت ملاء تها ووضعت الأخرىٰ ملاء تها ثم أخذت الأولىٰ ملاءة الثانية لاينبغي للثانية الإنتفاع بملاءة الأولىٰ، فإن أرادت ذلك قالوا:ينبغي أن يتصدق بهاعلى بنتهاالفقيرة بنية كون الثواب لصاحبتهاإن رضيت،ثم تستوهب الملاءة من البنت ؛لأنهابمنزلة اللقطة.

وكذلك الجواب في المكعب إذاسرق .وقيده بعضهم بأن يكون المكعب الثاني كالأول، أوأجود، فلودونه له الإنتفاع به بدون هذاالتكلف ؛لأن أخذ الأجود، وترك الأدون دليل الرضا بالإنتفاع به...... وفيه مخالفة اللقطة من جهة جواز التصدق قبل التعريف وكأنه للضرورة .(۱)

ترجمہ:

اور خانیہ میں ہے کہ کسی عورت نے اپنی چادر رکھ لی، اسی طرح دوسری عورت نے بھی اس جگہ اپنی چادر رکھ لی، پھر پہلی عورت نے دوسری عورت کی چادر اٹھالی (اور اپنی چادر ادھر ہی چھوڑ دی) تو دوسری عورت کے لیے پہلی عورت کی چادر سے فائدہ لینا یا استعمال کرنا مناسب نہیں، لیکن اگر دوسری عورت نے پہلی عورت کی چادر کو استعمال کرنا چاہا تو فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ یہ (دوسری عورت) اس چادر کو اپنی غریب بیٹی پر اس نیت سے صدقہ کرلے کہ اگر پہلی عورت اس پر راضی ہوئی تو ثواب اس کو ملے گا، پھر یہ (دوسری) عورت اس چادر کو اپنی بیٹی سے بطور ہبہ لے لے، کیونکہ اس صورت میں یہ بہ منزلہ لقطہ کے ہے۔

اور اسی طرح پھول دار چادر کے چرانے میں بھی یہی جواب ہے اور بعض نے یہ قید لگائی ہے کہ اگر دوسری پھول دار چادر مالیت میں پہلی کی طرح ہو یا اس سے عمدہ ہو تو یہ حکم ہوگا اور اگر یہ دوسری چادر پہلی سے مالیت میں کم ہو تو پھر اس سے بغیر تکلف کے فائدہ اٹھانا جائز ہے، کیونکہ عمدہ چیز کو اٹھا کر کم درجہ والی چیز کو چھوڑنا اس پر راضی ہونے کی دلیل ہے کہ وہ اس کم درجہ والی چیز سے فائدہ حاصل کرے.....اور یہ صورت لقطہ کی صورت سے مخالف ہے اس جہت سے کہ یہاں تشہیر سے پہلے ہی اس کو صدقہ کرنا جائز ہے، اور اس کی وجہ ضرورت ہے۔

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب اللقطة، مطلب :أخذصوف ميتة أو جلدها:٦/٤٤٦

"إن كان الملتقط محتاجاً فله أن يصرف اللقطة إلى نفسه بعدالتعريف، وإن كان الملتقط غنياً لايصرفهاإلى نفسه، بل يتصدق على أجنبي، أوأبويه، أوولده أوزوجته إذاكانوافقراء .(١)

ترجمہ:

اگر ملتقط (لقطہ اٹھانے والاشخص) فقیرومحتاج ہوتو اسے جائز ہے کہ اس لقطہ کے بارے میں اعلان کرانے کے بعد مذکورہ مدت میں مالک کے حاضر نہ ہونے کی صورت میں وہ لقطہ اپنے آپ پرخرچ کردے اوراگر ملتقط غنی ہوتو وہ لقطہ کواپنے آپ پرصرف نہ کرے، بلکہ کسی اجنبی پر یااپنے والدین یااپنی اولاد یااپنی زوجہ پرخرچ کردے، اگروہ فقیرہوں۔

❁❁❁

قبلہ روہوکراوردائیں کروٹ پرلیٹناالگ الگ سنت ہے یاایک سنت

سوال نمبر(312):

کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سوتے وقت قبلہ روہوکراوردائیں کروٹ پرلیٹنادوالگ الگ سنتیں ہیں یاایک سنت ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

احادیث مبارکہ میں دائیں کروٹ پرلیٹنے کی ترغیب آئی ہے، جبکہ حضورﷺ کے عمل سے اس کے ساتھ قبلہ روہوکرلیٹنابھی معلوم ہوتاہے، لہٰذاسوتے وقت دائیں کروٹ پراورقبلہ روہوکرلیٹنادوالگ الگ سنتیں ہیں، کیونکہ ان دونوں پرحضورﷺ نےعمل فرمایاہے۔

والدليل على ذلك:

عن أبي هريرة ؓ أن رسول الله ﷺ قال :إذا آوى أحدكم إلى فراشه فليأخذ داخلة إزاره فلينفض بهافراشه، وليسم الله فإنه لايعلم ماخلفه بعده على فراشه، فإذاأرادأن يضطجع ،فليضطجع على شقه الأيمن،وليقل "سبحانك اللهم ربي، بك وضعت جنبي وبك أرفعه، إن أمسكت نفسي فاغفر

(١)الفتاوى الهنديه، كتاب اللقطة :٢/ ٢٩١

لها،وإن أرسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحين.(۱)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بستر پر جائے تو تہہ بند کے اندرونی حصے سے بستر کو جھاڑے اور بسم اللہ پڑھے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے بستر پر اس کے بعد کیا چیز آئی اور جب لیٹنے کا ارادہ کرے تو دائیں کروٹ پر لیٹے اور یہ دعا کرے: اے اللہ! میرے رب، تو پاک ہے، میں تیرے نام کے ساتھ کروٹ لیتا ہوں اور تیرے نام کے ساتھ اٹھوں گا، اگر تو میری جان کو روک لے تو اس کو بخش دینا اور اگر تو اس کو چھوڑ دے تو اس کی اس طرح حفاظت کرنا جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔

عن بعض آل أم سلمةؓ قال:"كان فراش النبي ﷺ نحوا مما يوضع الإنسان في قبره، وكان المسجد عند رأسه. قوله :وكان المسجد عند رأسه"أراد بالمسجد المسجد النبوي ﷺ فهو بيان لما كان عليه منامه من التوجه إلى القبلة مضطجعاً على شقه الأيمن، وإن أريد به مسجد بيته فهو بيان لأمر زائد على المذكور قبله فأفاد بقوله نحوا مما يوضع الإنسان في قبره أن نومه كان على شقه الأيمن متوجهاً إلى القبلة.(۲)

ترجمہ:

حضرت ام سلمہؓ کے آل میں سے کسی نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بستر کی کیفیت انسان کو قبر میں رکھنے کی طرح تھی اور مسجد آپ ﷺ کے سر مبارک کی طرف تھی۔

(یہ قول کہ مسجد آپ ﷺ کے سر مبارک کی طرف تھی) مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے۔ یہ آپ کی نیند کی ہیئت کا بیان ہے کہ آپ دائیں کروٹ پر قبلہ رو ہو کر سویا کرتے تھے۔ اور اگر مسجد سے گھر کی مسجد مراد ہو تو اس سے پہلے مذکورہ عبارت پر امر زائد کا بیان ہے "نحوا مما يوضع الإنسان في قبره" کے قول سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کی نیند دائیں کروٹ پر قبلہ رو ہوا کرتی تھی۔

❀❀❀

---

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الذكر والدعاء، والتوبة والإستغفار، باب الدعاء عند النوم: ۳۴۹/۲

(۲) بذل المجهود في حل أبي داؤد، كتاب الأدب، باب كيف يتوجه: ۲۸۱/۱۹

لے پالک کا اپنے حقیقی باپ کے توسط سے مفت علاج کروانا

سوال نمبر(313):

زید ایک فوجی ہے جس کے والدین اور اولاد کا علاج سی، ایم، ایچ ہسپتال سے مفت ہوتا ہے۔زید نے اپنا بیٹا خالد اپنی بہن فاطمہ کے حوالے کیا ہے اور فاطمہ نے اس کو لے پالک بنایا ہے۔اب فاطمہ اپنے لے پالک بیٹے (خالد) کا علاج زید کے واسطے سی، ایم، ایچ ہسپتال سے کروانا چاہتی ہے۔کیا فاطمہ کے لیے یہ علاج کروانا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے کسی کو لے پالک بنانے سے وہ حقیقی بیٹا نہیں بنتا اور نہ اس پر حقیقی بیٹے کے شرعی احکامات مرتب ہوتے ہیں۔

صورت مسئولہ میں زید نے اپنا بیٹا خالد اپنی بہن فاطمہ کو دیا ہے اور فاطمہ نے اس کو لے پالک بنایا ہے، لیکن لے پالک بنانے سے وہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں بنا، بلکہ وہ بدستور زید ہی کا بیٹا ہے۔لہٰذا خالد کا علاج سی، ایم، ایچ ہسپتال سے کروانے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ زید کا حقیقی بیٹا ہے، جس کا علاج سی، ایم، ایچ ہسپتال سے قانونا مفت ہوتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَ كُمْ أَبْنَآءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ﴾(۱)

ترجمہ:

اور نہیں بنایا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے، یہ بس تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔

❁❁❁

---

(۱) الأحزاب : ٤

پرائیویٹ علاج کے خرچہ کی سرکاری ہسپتال سے رسید بنوانا

سوال نمبر(314):

حکومت پاکستان ایک سرکاری ملازم اوراس کے اہل وعیال کے علاج کی ذمہ داری اس شرط کے ساتھ قبول کرتی ہے کہ علاج معالجہ کسی سرکاری ہسپتال سے ہو، جس کا اس ہسپتال کے عملہ کی طرف سے تحریری ثبوت موجود ہو، لیکن ایک سرکاری ملازم نے اپنے گاؤں کے ایک خستہ حال ہسپتال اور علاج معالجہ کی تسلی بخش سہولیات موجود نہ ہونے کے بنا پر والد صاحب کا علاج پرائیویٹ ڈاکٹر سے کروایا تو کیا اس کا علاقے کے سرکاری ہسپتال والوں کو اپنے کاغذات دکھا کران سے یہ تحریری رپورٹ لینا شرعاً جائز ہے کہ میں نے یہ علاج اس سرکاری ہسپتال سے کروایا ہے اور اپنا خرچہ حکومت سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ سرکاری ملازم کی حیثیت اجیر خاص کی ہوتی ہے اور عقد اجارہ میں اجیر (نوکر) کا حق صرف متعین شدہ اجرت (تنخواہ) میں ثابت ہوتا ہے، اس کے علاوہ حکومت کی طرف سے دی جانے والی مراعات (علاج وغیرہ کی سہولیات) ایک تبرع اور احسان ہے، لہٰذا اس میں حکومت کی طرف سے مقرر کردہ شرائط وقیود کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اوران کی خلاف ورزی کر کے دوسرے طریقوں سے ان مراعات وسہولیات کے حاصل کرنے کی کوشش کرنا دھوکہ دہی کے زمرے میں آنے کی وجہ سے جائز نہیں۔

صورت مسئولہ میں جبکہ حکومت نے ملازم اوراس کے اہل وعیال کے علاج معالجہ کی سہولت فراہم کرنے میں یہ شرط لگائی ہے کہ یہ علاج کسی سرکاری ہسپتال سے ہو تو پرائیویٹ ڈاکٹر یا ادارے سے علاج کرا کے جعل سازی کا سہارا لے کر سرکاری ہسپتال سے رسید بنوانا اوراس کی بنیاد پر مذکورہ سہولت حاصل کرنا دھوکہ ہے جو جائز نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال :"من حمل علينا السلاح فليس منا،ومن غشنافليس منا". (١)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے، وہ ہم

(١)الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنافليس منا:١/٧٠

میں سے نہیں ہے اور جس نے ہم کو دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں۔

❁❁❁

کتوں کے ذریعے جرائم کی تفتیش کرنا

سوال نمبر(315):

پولیس وغیرہ کی تربیت یافتہ کتوں کے ذریعے مختلف جرائم اور مجرموں کی تفتیشی کارروائی کو شریعت میں گواہی کا درجہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قاضی کی مجلس میں کسی حق کو ثابت کرنے کی غرض سے لفظِ گواہی کے ذریعے سچی خبر دینے کا نام شہادت ہے اور شہادت کی ادائیگی سے کسی کو دیکھے ہوئے واقعے کا قاضی کے سامنے اظہار کرنا مراد ہے، جس کے لیے گواہ کا عاقل، بالغ، مسلمان، بینا اور عادل (قابل اعتبار) ہونا ضروری ہے، اسی طرح کسی دعویٰ کے اثبات کے لیے مدعی کو دو گواہوں کا پیش کرنا یا مدعیٰ علیہ کا خود اقرار کرنا ضروری ہے، ورنہ بصورت دیگر مدعیٰ علیہ کو قسم دی جائے گی، اور قسم اٹھانے کی صورت میں وہ بری الذمہ قرار دیا جائے گا۔

شہادت کی ادائیگی کی شرائط کو مدنظر رکھ کر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تربیت یافتہ کتا کسی قسم کی گواہی کا اہل نہیں اور نہ اس کی تفتیشی کارروائی کو گواہی کی طرح قبول کیا جاسکتا ہے، ہاں اس کے ذریعے کھوج لگانے سے حقیقت تک رسائی میں آسانی پیدا ہوسکتی ہے، اس لیے جمہور فقہاے کرام کے نزدیک یہ ذریعہ جرم یا مجرم کے اثبات اور تعیین میں صرف تائید تو ہوسکتی ہے، لیکن مدعیٰ علیہ پر کتوں کے ذریعے کسی دعویٰ کا ثبوت یا کسی جرم کا الزام اس وقت تک ناجائز متصور ہوگا، جب تک اس کے اثبات میں شریعت کے معتبر ذرائع یعنی دو گواہوں کی گواہی یا مدعیٰ علیہ کا اقرار موجود نہ ہو۔

والدلیل علی ذلك:

إخبار صادق بلفظ الشهادة لإثبات حق لغيره على غيره في مجلس القضاء ولو بلادعوى.(۱)

---

(۱)حاشية على بدائع الصنائع، كتاب الشهادات:۹/۳دارالكتب العلمية بيروت،لبنان

ترجمہ: قاضی کی مجلس میں کسی غیر کے حق کو غیر پر ثابت کرنے کے لیے لفظ شہادت سے سچی خبر دینے کا نام شہادت ہے اگرچہ دعوی کے بغیر ہو۔

(وشرطها:العقل الكامل) وقت التحمل والبصر، ومعاينة المشهود .(١)

ترجمہ: اورشہادت کی شرط یہ ہے کہ تحمل شہادت کے وقت شاہد کامل العقل، بینا اوراس واقعے کا مشاہدہ کرنے والا ہو، جس کے بارے میں گواہی دینے والا ہے۔

(وإذاصحت الدعوىٰ سأل القاضي المدعى عليه عنها) لينكشف وجه الحكم (فإن اعترف قضى عليه بها)لأن الإقرارموجب بنفسه فيأمره بالخروج عنه (وإن أنكرسأل المدعي البينة)لقوله عليه السلام :ألك بينة ؟فقال:لا،فقال :لك يمينه .(٢)

ترجمہ: اور جب دعوی صحیح ہوگیا تو قاضی مدعٰی علیہ سے اس دعویٰ کے بارے میں دریافت کرے گا،تا کہ فیصلہ کی صورت کھل جائے، پس اگر مدعٰی علیہ نے اقرار کیا تو قاضی مدعٰی علیہ پر اس دعوی کا حکم کرے گا، کیونکہ اقرار بذات خود موجب ہے، پس قاضی اس کو حکم کرے گا کہ وہ اس اقرار کی ذمہ داری سے نکلے اور اگر مدعٰی علیہ نے دعویٰ کا انکار کیا تو قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے گا، کیونکہ حضور علیہ السلام نے مدعی سے فرمایا: کیا تیرے پاس بینہ(گواہ) ہے؟ تو اس نے کہا نہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اب تیرے واسطے اس مدعٰی علیہ کی قسم ہے۔

❁❁❁

مارکیٹ کے چوکیدار پر چوری کا ضمان

سوال نمبر(316):

زید مارکیٹ میں چوکیدار ہے، ایک رات چند آدمیوں نے اس کو چائے میں نشہ آور چیز ملا کر پلائی، جس کے پینے سے زید بے ہوش ہوگیا اور آدمیوں نے مارکیٹ کی دکانیں لوٹ لیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ لوٹ شدہ

(۱) الدرالمختارعلی صدرردالمحتار، کتاب الشهادات:۸/۱۷۳

(۲) الهداية، كتاب الدعوىٰ:۳/۲۱۰

دکانوں کے سامان وغیرہ کا چوکیدار ضامن ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

چوکیدار اجیر خاص کے حکم میں ہے اور اجیر خاص کے ہاتھوں میں مال امانت کے حکم میں ہوتا ہے، کیونکہ اجیر خاص امین ہوتا ہے اور امین کے ہاتھوں سے اگر بلا تعدی یعنی بغیر اس کے عمل دخل کے مال ہلاک ہوجائے تو اس پر کوئی ضمان نہیں۔

لہٰذا اگر واقعی مارکیٹ کے چوکیدار کو چائے میں نشہ آور چیز پلا کر بے ہوش کر کے مارکیٹ سے چوری کی گئی ہو تو اس صورت میں چوکیدار پر چوری ہونے والے مال کا کوئی ضمان نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

الأجير الخاص أمين حتیٰ أنه لايضمن المال الذي تلف في يده بغير صنعه ...... و كذا لا يضمن المال الذي تلف بعمله بلاتعدٍّ أيضاً.(۱)

ترجمہ: اجیر خاص امین ہوتا ہے، اس لیے اگر اس کے عمل دخل کے بغیر غلطی سے مستاجر کا مال اس کے ہاتھ میں ضائع ہوجائے تو اس پر ضمان اور تاوان لازم نہیں ہوتا۔۔۔۔۔اور اسی طرح اس کے عمل سے بلا تعدی مال ضائع ہوجائے تو بھی اس پر تاوان لازم نہیں آتا۔

(۱)شرح المجلة، الكتاب الثاني في الإجارة، الباب الثامن في الضمانات،الفصل الثالث في ضمان الأجير،مادة: ٦١٠ ص٣٢٩

کتاب الوصیۃ

(وصیت کا بیان)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

وصیت کا تصور زمانہ قدیم سے ہے۔اسلام سے پہلے اکثر مذاہب اور قوانین میں وصیت کی بے قید اجازت تھی۔اس کا نتیجہ تھا کہ غیر منصف مزاج لوگ اپنے اصل ورثا کو محروم کردیتے تھے، یا ان کے لیے اپنی جائیداد کا بہت معمولی حصہ چھوڑ جاتے تھے اور محض شہرت و ناموری کے جذبہ سے اپنی پوری دولت یا اس کے بڑے حصے کی دوسروں کے لیے وصیت کر جاتے تھے یا خود اپنے ہی ورثا میں کسی کے لیے وصیت کرتے اور کسی کو محروم کردیتے۔اسلام نے وصیت کی گنجائش باقی رکھی کہ انسان اس کو اپنے لیے زادِ آخرت بنا سکے اور اس کے ذریعے سماج میں رفاہی کام انجام پاسکے کیونکہ انسان زندگی میں اپنی امکانی ضروریات کے پیشِ نظر چاہتا ہے کہ اپنی دولت کے کسی حصے سے محروم نہ ہو۔وصیت کے ذریعے یہ راستہ کھلا رکھا گیا کہ وہ اپنی موت کے بعد اپنی دولت کا کچھ حصہ صلہ رحمی اور خیر کے کاموں میں استعمال کر سکے،لیکن وصیت کے غیر منصفانہ طریقہ سے منع کیا گیا۔اسی لیے ایک تہائی سے زیادہ ترکہ میں وصیت کی اجازت نہیں دی گئی اور اس بات کی بھی اجازت نہیں دی کہ کسی ایک وارث کے لیے وصیت کی جائے تا کہ نہ ورثا کو محروم کیا جاسکے اور نہ ان کے ساتھ غیر منصفانہ اور غیر مساویانہ سلوک روا رکھا جاسکے۔(۱)

وصیت کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

وصیت کا لغوی معنیٰ ہے ''ملانا اور جوڑنا''۔چونکہ وصیت کے ذریعے میت اپنی زندگی کے تصرفات کے ساتھ موت کے بعد بھی ایک حصہ جوڑتا ہے اس لیے اس کو وصیت کہتے ہیں۔علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ کسی غیر شخص سے اپنی موت کے بعد یا اپنی زندگی ہی میں کسی کام کروانے کی طلب ''وصیت'' کہلاتی ہے۔(۲)

فقہ کی اصطلاح میں بطور تبرع و احسان کسی سامان یا اس سے نفع اٹھانے کا مالک بنا دینے کو ''ایصاء'' یا ''وصیت'' کہتے ہیں۔(۱)

---

(۱) قاموس الفقه،مادة وصية: ٥/٢٧٣

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار مع حواشيه، كتاب الوصايا: ١٠/٣٣٤

باب سے متعلقہ فقہی اصطلاحات:

(۱)موصي ....: وصیت کرنے والے شخص کو موصي کہتے ہیں۔

(۲)موصی لہ ....: جس شخص کے حق میں وصیت کی جائے، اس کو موصی لہ کہتے ہیں۔

(۳)موصی الیہ یا وصي ....: وصیت پوری کرنے کی ذمہ داری جس شخص پر ڈالی جائے اس کو موصی الیہ یا وصي کہتے ہیں۔

(۴)موصی بہ ....: جس چیز کی وصیت کی جائے اس کو موصی بہ کہتے ہیں۔(۲)

وصیت سے ملتی جلتی دیگر فقہی اصطلاحات:

ہبہ، عاریت، بیع و اجارہ کا وصیت کے ساتھ فرق یہ ہے کہ ہبہ میں اصل شے کا اور عاریت میں اس کے نفع کا زندگی میں مالک بنایا جاتا ہے، نہ کہ موت کے بعد۔ اسی طرح بیع و اجارہ بھی زندگی ہی سے متعلق ہیں۔ نیز بیع میں اصل شے کا اور اجارہ میں اس کے نفع کا عوض وصول کیا جاتا ہے، جب کہ وصیت محض تبرع اور احسان ہے جس میں کوئی عوض وصول نہیں کی جاتی۔(۳)

وصیت کی مشروعیت:

وصیت کا مشروع ہونا کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مواقع پر وصیت کا ذکر فرمایا گیا ہے، مثلاً: البقرۃ:۱۸۰، النساء:۱۱، المائدۃ:۱۰۶۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دو تہائی مال وصیت کرنے کی اجازت چاہی لیکن رسول اللہ ﷺ نے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی وصیت کی اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا: الثلث ،والثلث كثير.(٤)

نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے پاس کچھ ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہتا ہو تو

---

(١) الفتاویٰ الهندية، كتاب الوصايا، الباب الأول:٦/٩٠، بدائع الصنائع، كتاب الوصايا، فصل وأما بيان معنى الوصية:١٠/٤٨١،٤٨٢، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا،١٠/٣٣٥

(٢) ملخص از بدائع الصنائع، كتاب الوصايا، فصل وأما شرائط الركن:١٠/٤٨٢،٤٨٣، رد المحتار، كتاب الوصايا، باب الوصي:١٠/٤٠٨

(٣) بدائع الصنائع، كتاب الوصايا، فصل وأما بيان معنى الوصية:١٠/٤٨١،٤٨٢

(٤) الصحيح للبخاري، كتاب الوصايا، باب أن يترك ورثته اغنياء خيرمن ......:١/٣٨٣

دو شب بھی ایسی نہیں گزرنی چاہیے کہ اس کا وصیت نامہ اس کے پاس موجود نہ رہے۔ (۱)

چنانچہ علامہ کاسانیؒ نے اس پر علمائے اُمت کا اجماع نقل کیا ہے۔ (۲)

حکم کے اعتبار سے وصیت کی چار قسمیں:

حکم کے اعتبار سے وصیت کی چار قسمیں ہیں: واجب، مستحب، مباح اور مکروہ۔ اگر متوفی کے پاس کسی کی امانت ہو، کسی کا دَین اور قرض باقی ہو جو ورثا کو معلوم نہ ہو، زکوۃ و کفارات اور نماز و روزے کا فدیہ باقی ہو، حج باوجود فرض ہونے کے نہ کر پایا ہو؛ تو ان کی وصیت واجب ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حقوق الناس سے متعلق واجبات کی وصیت واجب ہے اور حقوق اللہ سے متعلق وصیت مستحب ہے، یہ صاحب مجتبیٰ کی رائے ہے، لیکن علامہ کاسانیؒ اور حصکفیؒ نے دونوں ہی کو واجب قرار دیا ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ایسے اقربا کے لیے جو محتاج و ضرورت مند نہ ہوں، مباح ہے اور اہلِ فسق و معصیت کے لیے وصیت کرنا مکروہ ہے۔ (۳)

بہر حال ایسی وصیت کرنا جس سے حقیقی ورثا کو نقصان پہنچ جائے، شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔ اس لیے جس کے پاس کم مال ہو یا ورثا نابالغ ہوں یا بالغ ہوں مگر اس قدر محتاج کہ مرنے والے کا دو تہائی متروکہ اس کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہو، تو وصیت نہ کرنا بہتر ہے۔ ہاں اگر ورثا مستغنی ہوں تو وصیت کرنا بہتر ہے۔ (۴)

وصیت کے ارکان:

وصیت کا رُکن 'ایجاب و قبول' ہے۔ وصیت کرنے والے کی طرف سے ایجاب اور جس کے لیے وصیت کی گئی ہے، اس کی طرف سے قبول۔ چاہے صراحتاً قبول کرے یا دلالۃً قبول پایا جائے۔ چنانچہ خاموش رہنا بھی اس کی طرف سے قبولیت کا اظہار ہے۔ اسی لیے علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے کہ تم یوں بھی کہہ سکتے ہوں کہ وصیت کا رکن وصیت کرنے والے کی طرف سے ایجاب اور دوسرے فریق کی طرف سے ''انکار نہ پایا جانا'' ہے۔ (۵)

---

(۱) الصحیح للبخاري، کتاب الوصایا وقال الله عزوجل......: ۱/۳۸۲

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الوصایا: ۱۰/۴۷۱

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوصایا: ۱۰/۳۳۶، بدائع الصنائع، کتاب الوصایا: ۱۰/۴۷۲، ۴۷۷، ۴۷۹

(٤) بدائع الصنائع، کتاب الوصایا: ۱۰/۴۷۷، ۴۷۸، خلاصة الفتاوی، کتاب الوصایا، الفصل الأول، الجنس الأول: ٤/۲۲۳، ۲۲٤

(٥) بدائع الصنائع، کتاب الوصایا، فصل وأما رکن الوصية: ۱۰/۴۷۹، الفتاوی الهندية، کتاب الوصایا، الباب الأول: ٦/۹۰

چنانچہ اگر کسی شخص کے لیے وصیت کی گئی اور وصیت کرنے والے کی موت کے بعد قبول یا رَد کے اظہار کے بغیر ہی جس شخص کے لیے وصیت کی گئی تھی اُس کا انتقال ہوگیا تو وہی شخص (موصیٰ لہ) اس کا مالک متصور ہوگا اور اُسی کے ورثا میں اس کی تقسیم عمل میں آئے گی۔

وصیت کی قبولیت کا اظہار بعض دفعہ فعل کے ذریعے بھی کیا جاتا ہے، جیسے وہ شخص جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے، وہ اس مال میں کوئی تصرف کرے۔(۱)

وصیت کی درستگی کی شرائط:

وصیت کے صحیح اور نافذ ہونے کے لیے کچھ شرطیں ہیں: بعض شرطیں وہ ہیں جو وصیت کے ارکان یعنی ایجاب و قبول سے متعلق ہیں، بعض ''موصي'' یعنی وصیت کا ایجاب کرنے والے سے متعلق ہیں، بعض ''موصیٰ لہ'' یعنی اس شخص یا ان اشخاص سے متعلق ہیں جن کے حق میں وصیت کی جائے اور بعض شرائط اس مال سے متعلق ہیں جس کی وصیت کی گئی ہے۔ جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''موصیٰ بہ'' کہتے ہیں۔

ایجاب وقبول کے لیے شرط:

ارکانِ وصیت سے متعلق شرط یہ ہے کہ ایجاب وقبول میں موافقت پائی جائے، مثلاً کسی شخص نے ایک چیز کی وصیت دو آدمیوں کے لیے کی اور ان میں سے کسی ایک نے قبول نہیں کیا تو وصیت نافذ نہیں ہوگی۔(۲)

وصیت کنندہ سے متعلق شرطیں:

وصیت کنندہ (موصی) سے متعلق تین شرطیں ہیں: اول یہ کہ وہ تبرع اور احسان کا اہل ہو، چنانچہ نابالغ اور پاگل کی مالی وصیت معتبر نہیں، کیونکہ یہ لوگ کسی کے ساتھ تبرع کے اہل نہیں۔ دوسری شرط یہ کہ وصیت کرنے والا اپنی رضامندی سے وصیت کرے۔ ہنسی مذاق، جبر واکراہ یا خطا سے کی جانے والی وصیت نافذ نہیں ہوگی۔(۳)

تیسری شرط یہ کہ وصیت کنندہ پر اتنا دَین نہ ہو کہ اس کا پورا ترکہ دَین ہی کی ادائیگی میں ختم ہوجائے، کیونکہ دَین کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے، اس لیے دَین کی ادائیگی کے بعد ہی وصیت نافذ ہوگی۔

وصیت کرنے والے کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، اگر غیر مسلم کسی دوسرے غیر مسلم یا مسلمان کے لیے وصیت

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الوصایا، الباب الأول: ۹۰/۶

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الوصایا، فصل وأما شرائط الرکن: ۴۸۳/۱۰

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الوصایا، فصل وأما شرائط الرکن، وأما الذي یرجع إلی الموصي: ۴۸۵،۴۸۴/۱۰

کر لے تو یہ وصیت معتبر ہوگی۔(۱)

جس کے لیے وصیت کی جائے، اس سے متعلق شرطیں:

جس شخص کے حق میں وصیت کی جائے یعنی "موصی لہٗ" کے لیے ضروری ہے کہ وہ:

(۱) وصیت کے وقت موجود اور زندہ ہو، مثلاً کوئی شخص اس طرح وصیت کرے کہ فلاں عورت کا آئندہ جو بچہ پیدا ہو، میں اس کے لیے وصیت کرتا ہوں اور وصیت کے چھ ماہ کی مدت کے بعد بچہ پیدا ہوا تو وصیت درست نہیں ہوگی، کیونکہ وصیت کے وقت اس کا موجود ہونا یقینی نہیں۔

(۲) یہ بھی ضروری ہے کہ وہ متعین ہو۔ چاہے شخصیت متعین ہو، جیسے رشید، حمید وغیرہ، یا نوعیت متعین ہو، جیسے مساکین، فقراء وغیرہ۔ غرض ایسا ابہام نہ ہو کہ جس کا ازالہ ممکن نہ ہو۔

(۳) وصیت کنندہ کی موت کے وقت وہ اس کا وارث نہ ہو، اس لیے کہ وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں، البتہ اگر دوسرے ورثا اس وارث کے حق میں وصیت کو نافذ کرنے پر رضامند ہوں تو وصیت نافذ ہوگی۔(۲)

(۴) وہ بطریقِ حرام عمداً یا خطاءً موصی کے قتل کا مرتکب نہ ہو۔

(۵) وہ دار الحراب کا باشندہ نہ ہو۔

(۶) وہ موصي کا غلام نہ ہو۔(۳)

(۷) موصیٰ لہٗ مالک بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ "والموصیٰ له أهلاً للتملّك".(٤)

جس چیز کی وصیت جائے، اُس سے متعلق شرطیں:

(۱) وہ چیز مال ہو یا مال سے متعلق ہو، جیسے صدقہ یا ہبہ کی وصیت۔ یا مال کی منفعت کی وصیت ہو، چاہے فی الحال موجود ہو یا نہ ہو، جیسے یوں کہے کہ اس باغ میں جو بھی پھل آئے، اُس کو فلاں فلاں پر خرچ کر دیا جائے۔ چنانچہ خون،

(١) بدائع الصنائع، كتاب الوصايا، فصل وأما شرائط الركن، وأما الذي يرجع إلى الموصي: ١٠/٤٨٤-٤٨٧، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا: ١٠/٣٣٧

(٢) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ٦/٩٠

(٣) بدائع الصنائع، كتاب الوصايا، فصل وأما شرائط الركن، وأما الذي يرجع إلى الموصىٰ له: ١٠/٤٨٨-٥٠٢، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا: ١٠/٣٣٧، ٣٣٨

(٤) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ٦/٩٠

اعضائے بدن اور مردار کی وصیت درست نہیں، اس لیے کہ یہ شریعت کی نظر میں مال ہی نہیں۔(۱)

چونکہ اصل مال کی بجائے صرف منفعت کی وصیت بھی کی جاسکتی ہے، اس لیے یہ بات ممکن ہے کہ ایک شخص کے لیے اصل شے کی وصیت کی جائے اور دوسرے کے لیے اس کے منافع کی، جیسے زمین کی وصیت ایک آدمی کے لیے اور پیداوار کی دوسرے کے لیے۔(۲)

(۲) وہ مال شریعت کی نگاہ میں قابلِ قیمت ہو، اسی لیے اگر شراب کی وصیت کی جائے تو معتبر نہیں، اس لیے کہ یہ مال تو ہے، لیکن شریعت کی نگاہ میں یہ قیمت والا نہیں۔(۳)

(۳) وہ ایسی چیز ہو کہ کسی عقد کے ذریعے اس کا مالک بنایا جانا ممکن ہو۔(۴)

(۴) اگر کسی متعین چیز کے بارے میں وصیت کی ہو تو ضروری ہے کہ وصیت کنندہ کی موت کے وقت وہ موجود رہے، اگر اس کی وفات سے پہلے ہی وہ مال ضائع ہوگیا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ البتہ میوہ جات، غلہ جات اور خدمات اس سے مستثنیٰ ہیں۔(۵)

(۵) ترکہ میں سے دَین کی ادائیگی کے بعد زیادہ سے زیادہ ایک تہائی کے بقدر وصیت ہو، اگر ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی تو تہائی سے زیادہ کی وصیت معتبر نہیں۔ ہاں اگر وصیت کنندہ کی وفات کے بعد ورثا اس زائد وصیت کے نافذ کرنے پر راضی ہوں تو وصیت نافذ ہوگی، البتہ وصیت کنندہ کی زندگی میں ورثا کا راضی ہونا معتبر نہیں اور اس کی وفات کے بعد بھی نابالغ ورثا کا رضامند ہونا معتبر نہیں۔ اگر کچھ ورثا بالغ ہوں اور کچھ نابالغ یا بعض اس کے نافذ کرنے پر رضامند ہوں اور بعض نہیں، تو بالغوں پر اور ان لوگوں پر جو رضامند ہیں، مال میں اُن کے حصوں کے بقدر وصیت نافذ ہوگی۔ البتہ اگر متوفی کا کوئی بھی وارث نہ ہو اور وہ اپنی پوری جائیداد کسی کے لیے وصیت کر جائے تو یہ وصیت نافذ ہوگی۔(۶)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الوصایا، فصل و أما شرائط الرکن، و أما الذي یرجع إلی الموصیٰ به: ۵۲۲/۱۰، الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوصایا: ۳۳۸/۱۰

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الوصایا، فصل و أما شرائط الرکن، و أما الذي یرجع إلی الموصیٰ به: ۵۲۵/۱۰

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الوصایا، فصل و أما شرائط الرکن، و أما الذي یرجع إلی الموصیٰ به: ۵۲۲/۱۰

(۴) الدرالمختار، کتاب الوصایا: ۳۳۸/۱۰، الفتاویٰ الهندیة، کتاب الوصایا، الباب الأول: ۹۰/۶

(۵) بدائع الصنائع، کتاب الوصایا، فصل و أما شرائط الرکن، و أما الذي یرجع إلی الموصیٰ به: ۵۲۵/۱۰، ۵۲۶

(۶) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الوصایا، الباب الأول: ۹۰/۶

غیر ضروری کام کی وصیت:

معاصی یا غیر ضروری کاموں کی وصیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص وصیت کر جائے کہ اس کی قبر پر گنبد تعمیر کر دیا جائے تو اس وصیت کی تعمیل نہ کی جائے گی، اسی طرح اگر وصیت کر جائے کہ اس کی موت کے بعد ایک قاری اُجرت پر اس کی قبر کے پاس قرآن مجید پڑھتا رہے تو یہ وصیت بھی غیر معتبر ہے۔(۱)

وصیت عقد لازم نہیں:

وصیت کے بارے میں فقہا متفق ہیں کہ یہ موصی یعنی وصیت کرنے والے کے حق میں عقد لازم نہیں، لہٰذا وہ جب تک زندہ ہو، اس کو اپنی وصیت سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا اس لیے کہ یہ ایک عقدِ تبرع واحسان ہے، جس میں رجوع حنفیہ کے ہاں عام قاعدہ ہے۔

علامہ کاسانیؒ نے رجوع کرنے کی تین صورتیں لکھی ہیں: صراحتاً، دلالۃً اور ضرورتاً۔ صراحتاً سے مراد یہ ہے کہ وصیت کرنے والا خود کہے کہ وہ اپنی وصیت سے رجوع کر رہا ہے۔ دلالت سے مراد یہ ہے کہ وصیت کنندہ کوئی ایسا فعل کر گزرے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے وصیت سے رجوع کر لیا ہے، جیسے کپڑے کی وصیت کرے، پھر اسے اپنے لیے سلوالے، یا ایسی بات کہے کہ جس سے اگرچہ صراحتاً وصیت سے رجوع کرنا معلوم نہ ہوتا ہو، لیکن اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہو۔ ضرورتاً وصیت سے رجوع ثابت ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ جس چیز کی وصیت کی ہے اس میں ایسا اضافہ کر دیا جائے کہ اس شے سے اضافہ کو الگ کرنا ممکن نہ ہو، جیسے زمین کی وصیت کی اور اس میں تعمیر کر دی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس چیز کی وصیت کی تھی، اس میں ایسا تغیر ہو گیا کہ نام ہی بدل گیا، جیسے: انگور کی وصیت کی اور وہ وصیت کنندہ کی موت سے پہلے کشمش بن گیا، یا انڈے کی وصیت کی تھی اور اس نے اب بچے کی صورت اختیار کر لی، تو اب یہ وصیت باطل ہو جائے گی۔(۲)

وصیت کے مطابق ملکیت:

وصیت کا دوسرا حکم یہ ہے کہ جس چیز کی وصیت کی گئی ہے، وصیت کنندہ کی موت کے بعد اس پر موصیٰ لہ کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، چاہے کسی چیز کی وصیت کی گئی ہو یا اس کی منفعت کی، اگر کسی شخص کے لیے صرف منفعت جیسے

---

(۱) خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الوصایا، الفصل الرابع في الدفن والكفن: ٤/٢٣٥، ٢٣٦

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الوصایا، فصل في صفة العقد: ١٠/٥٦٦، ٥٧٧

گھر میں رہائش وغیرہ کی وصیت کی گئی ہوتو یہ وصیت محدود مدت ہی کے لیے ہوگی، اگر خود وصیت کنندہ نے مدت کی تحدید کی ہو، مثلاً یوں کہا کہ ''فلاں شخص کو میری موت کے بعد دس سال اِس مکان میں رہنے کا حق ہوگا'' تو دس سال کے بعد موصیٰ لہ کا استحقاق ختم ہوجائے گا اور اگر مطلق وصیت کی، کسی مدت کی تحدید نہیں کی تو جس کے حق میں وصیت کی ہے اُس کی موت تک منفعت کا استحقاق ہوگا اس شخص کی موت کے بعد اس کے ورثا کو نفع اٹھانے کا حق نہیں ہوگا۔ بلکہ وصیت کرنے والے کے ورثا کی طرف لوٹ آئے گا کیونکہ وہی اُس کے مالک ہیں (۱)

وصیت سے رجوع:

وصیت سے رجوع کرنے کی بعض صورتوں (صراحتاً، دلالۃً، ضرورتاً) کا تذکرہ پہلے ہوچکا۔ ان کے علاوہ درج ذیل صورتوں میں بھی وصیت باطل ہوجاتی ہے:

(۱) وصیت کنندہ جنون مطبق میں مبتلا ہوجائے، یعنی اس پر ایسا جنون طاری ہوجائے جو مسلسل ایک ماہ سے متجاوز ہو۔

(۲) جس کے حق میں وصیت کی تھی، وصیت کنندہ سے پہلے اس کی وفات ہوجائے۔

(۳) جس چیز کی وصیت کی تھی، وہ چیز ہی باقی نہ رہ پائے۔

(۴) وصیت کرنے کے فوراً بعد تمام کی تمام وصیت کا استثنا کرنے سے امام محمدؒ کے ہاں وصیت باطل ہوجائے گی، جب کہ شیخین کے ہاں باطل نہیں ہوگی۔ (۲)

اس کے علاوہ اگر ایسا سبب پایا جائے جو وصیت سے متعلق ذکر کی گئی شرطوں کی تکمیل میں رکاوٹ ہو، تو اس سے بھی وصیت باطل ہوجائے گی، جیسے موصیٰ لہ وصیت کنندہ کو قتل کردے یا وصیت کنندہ کی وفات کے بعد وہ وصیت کو قبول نہ کرے، یا وصیت کنندہ مرتد ہوجائے۔ ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الوصایا، فصل في بیان حکم الوصیة: ۱۰/۵۷۸، ۵۷۹

(۲) أیضاً

باب الوصي

(وصیت کی تکمیل کی ذمہ داری اُٹھانے والے شخص یعنی 'وصي' کا بیان)

وصي کا تعارف اور اس کا مفہوم:

''وصي'' اُس شخص کو کہتے ہیں، جس کو کوئی اپنی موت کے بعد اپنے مال کی نگرانی یا نابالغ اولاد سے متعلق ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لیے نگران مقرر کرے۔(۱)

جو شخص وصی بنائے، اس کو 'موصي'' کہتے ہیں اور جس شخص کو نگرانی کی اس ذمہ داری پر مامور کیا جائے اُس کو 'وصي' یا ''موصیٰ الیہ'' کہا جاتا ہے۔(۲)

وصي بننے میں احتیاط:

فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اپنی امانت، تدین اور احساسِ ذمہ داری پر پورا یقین نہ ہو تو وہ کسی کی وصیت کو قبول نہ کرے۔ وصي بن کر ذمہ داری سے کما حقہ عہدہ برآ ہونا ایک مشکل کام ہے اِسی لیے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وصیت قبول کرنے کے لیے پہلی مرتبہ میت کے پاس حاضر ہونے والا غلطی پر ہے، دوسری مرتبہ خیانت پر ہے اور تیسری مرتبہ وہ چور ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ جیسے لوگ بھی وصیت میں مکمل انصاف پر قدرت نہیں رکھتے اور ابو مطیع فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بیس سالہ دورِ قضا میں کسی بھی وصی کو اپنے بھائی کے مال میں انصاف سے کام لینے والا نہیں پایا۔(۳)

وصی بننے کے لیے ایجاب وقبول کی حیثیت:

وصی بنانے کے لیے کوئی بھی ایسی تعبیر اختیار کی جاسکتی ہے جو اس مفہوم کو واضح کرتی ہو، جیسے یوں کہے: تم میرے وصی ہو، تم میرے مال میں وصی ہو، میں نے موت کے بعد اپنی اولاد تمہارے حوالے کی، میری موت کے بعد تم میری اولاد کی نگرانی کرنا، تم میری موت کے بعد میرے وکیل ہو، تم میری موت کے بعد میرے مال کے نگران ہو وغیرہ۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الوصایا، باب الوصي: ۱۰/ ۴۰۹

(۲) أيضاً

(۳) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الوصایا، باب الوصي: ۱۰/ ۴۰۸، الفتاویٰ الهندية، کتاب الوصایا، الباب التاسع في الوصي وما يملكه: ۶/ ۱۳۶، ۱۳۷

حنفیہ کے نزدیک اگر کسی ایک کام میں بھی وصی بنایا تو وہ تمام ہی نوع کے کاموں میں وصی سمجھا جائے گا۔(۱)

امام محمد اور شوافع وحنابلہ کے ہاں جس شخص کو کسی خاص شعبہ میں وصی بنایا گیا ہو تو وہ صرف اُسی شعبہ میں وصی ہوگا۔(۲)

وصیت کے لیے ضروری ہے کہ جس شخص کو وصی بنایا گیا ہو، وہ اُس ذمہ داری کو قبول بھی کرلے، اگر اس نے قبول نہیں کیا تو وصیت رد ہو جائے گی۔ اگر خاموشی اختیار کرلی تو یہ قبول کرنا متصور نہیں ہوگا، تاہم اگر زندگی میں کسی شخص نے قبول کرلیا تو وصی بنانے والے کی موت کے بعد وہ اِس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ ہاں! اگر وصی بنائے جانے کے وقت ہی وصی سے یہ بات ہوگئی تھی کہ وہ جب بھی چاہے، اُس ذمہ داری سے سبکدوش ہوسکتا ہے، تو اب اسے سبکدوش ہونے کا حق ہوگا۔(۳)

وصی کی قسمیں:

وصی تین قسم کا ہوسکتا ہے:

(۱) امانت دار، ذمہ دار اور وصیت کی ادائیگی پر قدرت رکھنے والا شخص: قاضی کو ایسے وصی کے معزول کرنے کا حق حاصل نہیں۔

(۲) امانت دار ہو لیکن وصیت کی ادائیگی پر قادر نہ ہو۔ قاضی ایسے شخص کے ساتھ کسی کو مددگار بنالے تاکہ امانت کے ساتھ وصیت کی ادائیگی ممکن ہوسکے۔

(۳) فاسق، کافر یا غلام ہو تو قاضی کے لیے اس کو معزول کر کے کسی اور کو وصی بنانا واجب ہے۔(۴)

ایک سے زیادہ وصی کا تقرر:

یہ بھی درست ہے کہ ایک سے زیادہ وصی مقرر کیے جائیں۔ ایسی صورت میں یہ ضروری ہوگا کہ جو بھی تصرف کرے، دونوں مل کر کریں، البتہ میت کی تجہیز وتکفین، دَین کی ادائیگی، میت کی وصیت کی تنفیذ، امانتوں کی واپسی،

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الوصایا، باب الوصي: ۴۰۹/۱۰

(۲) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الوصایا، الباب التاسع في الوصي ومایملکه: ۱۳۹/۶، قاموس الفقه، مادة وصي بحواله المغني: ۲۶۹/۵

(۳) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الوصایا، الباب التاسع في الوصي ومایملکه: ۱۳۷/۶، الهدایة، کتاب الوصایة، باب الوصي ومایملکه: ۶۶۸/۴، ۶۶۹

(۴) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الوصایا، الباب التاسع في الوصي ومایملکه: ۱۳۷/۶

میت کے حقوق کے سلسلہ میں مقدمات کی پیروی، نابالغ بچے کے لیے ہدیہ قبول کرنا اور ایسی چیز کی فروخت جس کو زیادہ دِنوں نہیں رکھا جاسکتا اور اگر رکھا جائے تو اس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو، اور اس طرح کی بعض اور چیزوں کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، اِن اُمور کو کوئی ایک وصی بھی انجام دے سکتا ہے۔(۱)

وصی کے لیے مطلوبہ اَوصاف:

وصی ایسے شخص کو بنایا جاسکتا ہے جو عاقل و بالغ ہو، اگر نابالغ بچے، یا فاتر العقل شخص کو وصی بنایا جائے تو درست نہیں۔(۲)

دوسرے کے غلام اور کافر نیز فاسق کو بھی وصی بنانا درست نہیں۔ اگر ایسے شخص کو وصی بنادیا تو قاضی اُس کی جگہ دوسرے مناسب شخص کو مقرر کرے گا، ہاں اگر نابالغ کو وصی مقرر کیا اور بالغ ہوگیا یا کافر تھا مسلمان ہوگیا، یا فاسق تھا اور وہ فسق سے تائب ہوگیا، یا غلام تھا اور آزاد کردیا گیا، تو قاضی کو چاہیے کہ ان لوگوں کو...... بشرطیکہ امانت دار ہوں...... اس ذمہ داری پر برقرار رکھے۔(۳)

وصی کی معزولی یا اس کے لیے معاون کا تقرر:

جس شخص کو متوفی نے وصی مقرر کیا ہے اگر وہ اپنے فرائض انجام دینے سے قاصر ہو تو قاضی اس کے لیے کسی اور شخص کو معاون مقرر کردے اور اگر وہ بالکل ہی معذور ہوگیا ہو تو قاضی اسے معزول کر کے اس کی جگہ دوسرے شخص کا تقرر کرسکتا ہے۔(۴)

اسی طرح وصی فاتر العقل ہوجائے، تب بھی قاضی کو اس کی جگہ کسی اور شخص کو وصی مقرر کردینا چاہیے، تاہم اگر قاضی نے اسے معزول نہیں کیا اور وہ دوبارہ صحت مند ہوگیا تو وہ اپنی ذمہ داری پر برقرار رہے گا۔

عورت یا نابینا شخص کو بھی وصی بنایا جاسکتا ہے۔(۵)

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصي وما يملكه: ۶/۱۳۹

(۲) أيضا: ۶/۱۳۸

(۳) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصي وما يملكه: ۶/۱۳۸، الدر المختار، كتاب الوصايا، باب الوصي: ۱۰/۴۱۱، ۴۱۲

(۴) الدر المختار، كتاب الوصايا، باب الوصي: ۱۰/۴۱۲

(۵) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوصايا: ۶/۱۳۸، رد المحتار على الدر المختار، كتاب الوصايا، باب الوصي: ۱۰/۴۱۲

وصی کے تصرفات:

وصی کے لیے نابالغ کا منقولہ مال کسی اور شخص کے ہاتھوں بیچنا یا اس کے لیے خریدنا جائز ہے، بشرطیکہ ناقابلِ قیاس حد تک کم قیمت میں بیچا یا زیادہ قیمت میں خریدا نہ گیا ہو، اگر اتنی زیادہ یا کم قیمت لگائی گئی ہو، جس کا عموماً لوگوں کو دھوکہ نہیں ہوتا، تو یہ خرید وفروخت نافذ نہیں ہوگی۔ قاضی کے مقرر کیے ہوئے وصی کے لیے جائز نہیں کہ یتیم کا مال خود خریدے یا اپنا مال اُس یتیم کو فروخت کرے، البتہ باپ کی طرف سے مقرر کیا ہوا وصی ایسی قیمت میں اپنے مال سے خرید وفروخت کرسکتا ہے، جس میں بظاہر اس یتیم کا فائدہ ہو۔ صاحبین کے نزدیک اس قسم کے وصی کے لیے بھی یتیم کے مال میں اپنے آپ سے خرید وفروخت کا معاملہ مطلقاً جائز نہیں۔(۱)

نابالغ کی غیر منقولہ جائیداد وصی کچھ شرطوں کے ساتھ فروخت کرسکتا ہے اور وہ یہ کہ:

(۱) خود نہ خریدے بلکہ کسی اجنبی کو فروخت کرے۔

(۲) عام نرخ سے زیادہ پر فروخت کرے یعنی زیادہ فائدہ مل رہا ہو تو فروخت کرے۔

(۳) فروخت کرنا اس لیے ہو کہ خود اس نابالغ کے نفقہ کے لیے ضرورت ہو۔

(۴) یا متوفی کا دَین ادا کرنا مقصود ہو۔

(۵) یا متوفی نے اپنی جائیداد کا ایک متناسب حصہ، جیسے تہائی، چوتھائی کی وصیت کی ہو، اور اس کو نافذ کرنا مقصود ہو، بشرطیکہ وہ کسی اور مال سے پوری نہ ہو۔

(۶) یا اس جائیداد کی آمدنی اس کے اخراجات سے زیادہ نہ ہو یعنی فائدے کا حصول نہ ہو۔

(۷) یا زمین کے خراب یا ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔

(۸) یا اس میں تغلب یعنی کسی ظالم جابر شخص کی طرف سے قبضہ کرنے کا اندیشہ ہو۔

ان صورتوں میں وصی نابالغ کی غیر منقولہ جائیداد کو فروخت کرسکتا ہے، اگرچہ نابالغ کو اس کی قیمت کی ضرورت نہ ہو، بشرطیکہ وہ باپ، دادا یا قاضی کی طرف سے وصی مقرر کیا گیا ہو۔(۲)

وصی یتیم کے لیے خود اس کے مال سے تجارت کرسکتا ہے، اپنے لیے نہیں کرسکتا۔ اگر خود اپنے لیے تجارت کرے اور اس میں نفع ہو جائے تو وہ یتیم کے لیے اصل سرمائے کا ضامن ہوگا اور نفع اس کے لیے حلال نہ ہوگا، نفع کا

(۱) الدر المختار، کتاب الوصایا، باب الوصي: ۱۰/ ۴۲۱-۴۲۳

(۲) أیضاً

صدقہ کر دینا واجب ہوگا۔ وصی کو اس بات کا بھی حق ہے کہ وہ یتیم کے مال کو مضاربت پر دے یا اس کا مال کسی اور کے ساتھ شرکت میں لگائے۔(۱)

وصی نابالغ بچے کو کسی جائز کام میں اُجرت پر رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح یتیم کی خدمت کے لیے کسی کو اجیر رکھ سکتا ہے، بشرطیکہ اجرت ناقابل قیاس حد تک زیادہ نہ ہو۔ اگر نابالغ کا مکان کسی شخص کو مناسب سے بہت کم کرایہ پر دے، تب بھی کرایہ دار پر مناسب مروجہ اُجرت واجب ہوگی۔ وصی یتیم کا مال کسی کو بعوض یا بلا عوض ہبہ نہیں کر سکتا۔(۲)

یتیم کی زمین کو بٹائی پر دے سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں یتیم کا مفاد ہو۔ اگر یتیم پر قربانی یا صدقۃ الفطر واجب ہوتی ہو تو وصی اس کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرے گا اور قربانی کرے گا۔ وصی کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ متوفی کا پورا دَین یا اس کا کچھ حصہ معاف کرے، یا اس کے لیے مہلت دے دے۔(۳)

یتیم کی جان و مال کے تحفظ اور یتیم سے ظلم دفع کرنے کے لیے وصی کو کچھ خرچ کرنا پڑے تو جائز ہے۔ یتیم کی تعلیم و تربیت پر اس کے پیسے خرچ کیے جاسکتے ہیں، وصی کے لیے مناسب نہیں کہ یتیم پر مال کے خرچ کرنے میں اسراف سے کام لے یا اس کے ساتھ تنگی کا برتاؤ روا رکھے، اُس پر فراخی کے ساتھ خرچ کرے اور اس کے حالات کی رعایت کو ملحوظ رکھے۔

وصی اگر اپنی زیرِ نگرانی یتیم کے کام سے کہیں جائے تو اس کے لیے سفر اور خورد و نوش کے ضروری اخراجات لینا جائز ہے، تاہم اس سے بھی اجتناب بہتر ہے۔(۴)

حنفیہ کے نزدیک خود وصی بھی دوسرے کو وصی نامزد کر سکتا ہے۔(۵)

بچے کے بالغ ہونے کے بعد اس کو اس کا مال حوالہ کرنا چاہیے، اگر بالغ ہونے سے پہلے ہی وصی نے اس کو اس کا مال حوالہ کر دیا اور بچوں سے مال ضائع ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ صاحبین کی رائے کے مطابق اگر بچے بالغ ہو گئے لیکن ان میں رُشد (معاملہ فہمی) پیدا نہیں ہوا، تب بھی وصی اس کو مال حوالہ نہ کرے، اگر حوالہ کیا اور مال ان کے ہاتھوں ضائع ہو گیا تو وصی اس کا ضامن ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب کسی انسان کی عمر پچیس سال ہو جائے تو بہر حال اس کو اس کا مال حوالہ کر دیا جائے کیونکہ پچیس سال 'رُشد' تک پہنچنے کی عمومی متوقع حد ہے۔(۶)

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصي وما يملكه: ۱۴۷/۶ (۲) حواله بالا: ۱۴۸/۶

(۳) الفتاوى الهندية حواله بالا: ۱۴۹/۶ (۴) الفتاوى الهندية، حواله بالا: ۱۵۰/۶

(۵) ردالمحتار، كتاب الوصايا، باب الوصي: ۴۴۰/۱۰ (۶) الدر المختار مع ردالمحتار، باب الوصي: ۴۲۳/۱۰

یتیم کے مال سے اجرتِ نگرانی:

اصل تو یہ ہے کہ وصی کا کام فی سبیل اللہ ہو، نہ کہ اجرت پر، لیکن اگر وصی محتاج اور ضرورت مند ہو تو بقدر حاجت یتیم کے مال میں سے خوردونوش کی گنجائش ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾(۱)

جو محتاج ہو وہ معروف طریقہ پر کھائے۔

البتہ اگر وصی کی اجرت متعین کر دی گئی ہو تو معینہ اجرت اس کے مال میں سے لے سکتا ہے۔(۲)

وصی کی اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوشی:

وصی کا اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی چند صورتیں ہیں:

(۱) موصی اُسے ذمہ داری سے سبکدوش کر دے، اس لیے کہ وصی کی حیثیت موصی کے وکیل کی ہے اور مؤکل کو حق ہے کہ وہ جب چاہے، وکیل کو معزول کر دے۔

(۲) قاضی وصی کو ذمہ داری کی ادائیگی سے عاجز ہونے یا اس کی خیانت کی وجہ سے معزول کر دے۔

(۳) وصی خود سبکدوش ہونا چاہے اور موصی کا انتقال ہو چکا ہو تو ضروری ہے کہ وہ اپنا استعفیٰ قاضی کے سامنے پیش کرے، اگر قاضی محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص امانت دار ہے اور اپنے فرائض کی ادائیگی پر قادر ہے تو اُسے چاہیے کہ اس کا استعفیٰ قبول نہ کرے اور اگر قاضی محسوس کرے کہ وصی کثرتِ مشاغل یا دوسری وجوہ سے اس ذمہ داری کو انجام نہیں دے سکتا، یا وہ اس میں کوتاہی کا مرتکب ہو سکتا ہے تو اس کا استعفیٰ قبول کر لے۔

(۴) وصی کی وفات یا اس کا فاتر العقل ہو جانا یا فسق کا مرتکب یا مرتد ہو جانا بھی ان اسباب میں سے ہے، جن کی وجہ سے وصی کو اس کی ذمہ داری سے معزول کر دیا جائے گا۔

(۵) منشاءِ وصیت کی تکمیل کے بعد بھی وصی اپنے عہدہ پر باقی نہیں رہے گا، مثلاً اسے متوفی نے قرض کی ادائیگی کا ذمہ دار بنایا تھا اور وصی نے قرض ادا کر دیا یا نابالغ بچوں کی نگہداشت کا ذمہ دار بنایا تھا بچے بالغ ہو گئے تو اب چونکہ منشاءِ وصیت پورا ہو چکا، اس لیے اب وہ وصی باقی نہیں رہے گا۔(۳)

❁❁❁❁❁

(۱) النساء:٦ (۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوصایا، باب الوصي: ١٠/٤٤٤

(۳) الفقه الاسلامي وأدلته، الفصل الثالث الوصاية، المبحث الثالث، أحكام تصرفات الوصي، عزل الوصي: ١٠/٧٥٩٥

وصیت سے متعلقہ مسائل کابیان

ثلث مال سے زیادہ وصیت کرنا

سوال نمبر(317):

زید نے یہ وصیت کی تھی کہ میری نصف جائیداد مسجد کو دے دی جائے۔اب مرحوم کی وصیت کے نفاذ کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ کیا یہ وصیت وصیت کنندہ کے قول کے مطابق لاگو ہوگی یا ثلثِ مال میں سے اس کا نفاذ ہوگا؟

بيّنوا تؤجروا

الجوابُ وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ وصیت ہمیشہ کل مال کے ایک تہائی حصے میں نافذ ہوتی ہے،اس سے زائد مال میں وصیت معتبر نہیں،البتہ اگر ورثا میں کوئی نابالغ نہ ہواور تمام ورثا باہمی رضامندی سے میت کی وصیت کو ایک تہائی سے زائد مال میں بھی جاری کرنا چاہیں تو شریعت کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہیں،اس لیے کہ ایک تہائی سے زائد مال میں وصیت کا عدمِ نفاذ انہی ورثا کا حق محفوظ کرنے کے لیے تھا چنانچہ اگر وہ خود ہی اس کو نافذ کرنا چاہیں تو ثلثِ مال سے زیادہ میں بھی نافذ کر سکتے ہیں۔

والدّليل على ذلك:

ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما يبقى بعد الكفن ، والدين إلا أن تجيز الورثة أكثر من الثلث.(۱)

ترجمہ:

تجہیز وتکفین اور قرض کی ادائیگی کے بعد جو باقی رہ جائے اُس کی ایک تہائی سے وصیتوں کو نافذ کیا جائے گا، البتہ اگر ورثا ثلثِ مال سے زیادہ کی اجازت دیں (تو پھر ثلثِ مال سے زیادہ میں بھی جائز ہے)

(ولا تجوز بما زاد على الثلث) لقول النبي ﷺ في حديث سعد بن أبي وقاصؓ : "الثلث والثلث كثير" بعد ما نفى وصيته بالكل والنصف.(۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية ، كتاب الفرائض ، الباب الأول في تعريفها : ٦/٤٤٧

(۲) الهداية ، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية مايجوز من ذلك ...... : ٤/٦٣٨

ترجمہ:

اور وصیت جائز نہیں اس مقدار کے ساتھ جو ثلث سے زیادہ ہو، نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے جس میں آپ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے کل مال اور نصف مال کی وصیت کی نفی کرنے کے بعد فرمایا تھا: ''تہائی مال (کی وصیت کرو) اور تہائی بھی زیادہ ہے۔

❁❁❁

ورثا کے لیے وصیت کا حکم

سوال نمبر(318):

ایک شخص نے وفات سے پہلے ورثا میں سے ایک بیوی، دو بیٹے اور ایک بیٹی کے حق میں درج ذیل وصیت کی:

☆......کرایہ پر دیے گئے مکان میں سے نصف حصہ بیوی اور بقیہ نصف چھوٹے بیٹے کے مہر کے لیے ہوگا۔

☆......آٹھ مرلہ رہائشی مکان میں سے نصف حصہ بیوی اور بقیہ نصف بڑے بیٹے کا ہوگا۔

☆......دکان بڑے بیٹے کا ہوگا۔

☆...... پانچ مرلہ پلاٹ (جس کی قیمت ایک لاکھ اٹھارہ ہزار روپے تھی) بیچ کر بیٹوں کو وصیت کی کہ اس کی قیمت بہن کو ادا کرنا۔

☆......پنشن بیوی کا ہوگا اور سونا بیچ کر خود اس کی تدفین پر خرچ کیا جائے گا۔

اب اس کی وفات کے بعد پچھتر ہزار روپے نقد، موٹر سائیکل اور چند دوسری چیزیں بھی موجود ہیں اور اس پر کوئی قرض بھی نہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس کی مذکورہ بالا وصیت شریعت کی رُو سے درست ہے یا نہیں؟

نیز یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ مذکورہ مال کی تقسیم سے پہلے جو مال خرچ کیا گیا ہے، وہ تقسیم کے تحت داخل ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجوابُ وباللہ التوفیق:

مرحوم شخص نے وفات سے پہلے اپنے ورثا کے لیے جو وصیت کی ہے اگر تمام ورثا اس کے نافذ کرنے پر راضی ہوں تو یہ وصیت درست ہے۔ اس صورت میں دونوں گھروں کا نصف حصہ بیوی اور بقیہ نصف نصف دونوں بیٹوں کے

لیے وصیت کے مطابق ہوگا۔بٹی کو پلاٹ کی قیمت اور بڑے بیٹے کودکان حوالہ کرنے کے بعد جومال بچ جائے تو اس کوتمام ورثہ میں شرعی طریقہ سے تقسیم کیا جائے گا۔

اور اگر ورثااس وصیت پر راضی نہ ہوں اور پورا ترکہ شرعی طریقے سے تقسیم کرنا چاہتے ہوں تو اس صورت میں وصیت کالعدم ہوکر پورا ترکہ تمام ورثامیں ان کے حقوق کے بقدر تقسیم کیا جائے گا،اس طرح کہ بیوی کوکل ترکہ میں سے آٹھواں حصہ اور ہر بیٹے کو بیٹی سے دوگنا حصہ ملے گا۔

جہاں تک تقسیم سے پہلے ہونے والے اخراجات کا تعلق ہے تو اگر وہ اخراجات تمام ورثا کی باہمی رضامندی اوران سب کے مشترکہ مفادات میں خرچ ہوئے ہوں توان کو چھوڑ کر بقیہ مال تقسیم کیا جائے گا اور اگر کسی نے انفرادی خرچ کیا ہو تو اس سے واپس لے کر یااس کے حصے سے منہا کر کے تقسیم کر دی جائے گی۔

والدّلیل علی ذلک:

(ولا تجوز لوارثه) لقوله عليه السلام: "إن الله أعطى كل ذي حق حقه، ألا لا وصية للوارث" .... إلا أن يجيزها الورثة.(۱)

ترجمہ:

موصی کے وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔نبی کریم ﷺ کے اس فرمان مبارک کی وجہ سے کہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اپنا حق دیا ہے۔خبردار کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں.......... البتہ یہ کہ اس وصیت کو دوسرے ورثا جائز قرار دے دیں۔

❀❀❀

حقیقی ورثا کو محروم کر کے بھتیجوں کے لیے کل مال کی وصیت

سوال نمبر(319):

ہمارے ایک دوست نے کینسر کا آپریشن کیا جو بدقسمتی سے ناکام ہوا۔زندگی سے مایوس ہوکر اُس نے اپنی جملہ منقولہ وغیر منقولہ جائیداد چند گواہوں کے سامنے اپنے بھتیجوں (کلیم اللہ مرحوم کے بیٹوں) کے نام منتقل کرنے کی وصیت تحریر کر کے دستخط کر دیے۔اس وقت اس کی دوسگی بیٹیاں بھی موجود تھیں،جن سے جبراً دستخط لیا گیا،اُنہوں نے اس موقع پر میراث

(۱) الهداية، كتاب الوصايا: ٦٣٩/٤، ٦٤٠

سے محرومی پر احتجاج اور افسوس بھی کیا۔ اس وقت ان کا ایک اور بھائی وسیم اللہ بھی زندہ تھا، جس نے وصیت پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ کے صرف بارہ دن بعد ہمارے وہ دوست اسی بستر مرگ پر وفات پاگئے۔ اب اس کی بیٹیاں اور حقیقی بھائی میراث میں حصہ دار بننا چاہتے ہیں اور اپنا حق طلب کر رہے ہیں۔ اب مرحوم کی میراث کو کس طرح تقسیم کیا جائے اور کس کو کتنا دیا جائے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعت کی رُو سے اگر کوئی شخص کسی کے لیے اپنی کل مملوکہ جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کی وصیت کرلے تو ورثا کی حق تلفی کو مدنظر رکھتے ہوئے پورے مال میں اس کی وصیت کو اعتبار نہیں دیا جائے گا بلکہ صرف ایک تہائی مال میں اس کی وصیت نافذ ہوگی، تاہم اگر وصیت کرنے والے کی موت کے بعد اس کے ورثا اس وصیت کی اجازت دیں تو یہ وصیت نافذ ہو جائے گی، جب کہ وصیت کرنے والے کی موت سے پہلے ورثا کی اجازت شرعاً معتبر نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی مرحوم نے اپنی ساری جائیداد منقولہ وغیر منقولہ بھتیجوں کے نام منتقل کرنے کی وصیت تحریر کی ہو تو اس کی وفات کے بعد اس کے شرعی ورثا کو پورے مال میں وصیت نافذ کرنے یا نہ کرنے کا حق حاصل ہے یعنی اس کے ورثا ایک تہائی سے زائد مال میں اپنا حق وصول کر سکتے ہیں، اگرچہ وصیت کرنے والے کی وفات سے پہلے انہوں نے اجازت دی ہو یا دستخط کیے ہوں۔

چنانچہ صرف ایک تہائی حصہ میں وصیت نافذ ہوگی اور ترکہ (اموال منقولہ وغیر منقولہ) شرعی طور پر یوں تقسیم ہوگا کہ جائیداد کا ایک تہائی حصہ مرحوم کے بھتیجوں کو بطور وصیت ملے گا اور بقیہ ترکہ کو تین حصوں میں تقسیم کر کے دو تہائی حصہ مرحوم کی بیٹیوں میں مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا جب کہ بقیہ ایک تہائی حصہ مرحوم کے حقیقی بھائی وسیم اللہ کو بطورِ عصبہ ملے گا، اور بھتیجوں (کلیم اللہ مرحوم کے بیٹوں) کو وصیت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ملے گا، اس لیے کہ چچا (وسیم اللہ) کی موجودگی میں بھتیجے محروم ہوتے ہیں۔

والدلیل علی ذلک:

(وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث ذلك لا الزيادة عليه إلا أن تجيز ورثته بعد موته) ولا تعتبر إجازتهم حال حياته أصلا بل بعد وفاته.

قال ابن عابدینؒ: قوله (ولا تعتبر) أي لأنها قبل ثبوت الحق لهم، لأن ثبوته عند الموت فكان لهم أن يردوه بعد وفاته، بخلاف الإجازة بعد الموت، لأنه بعد ثبوت الحق.(۱)

ترجمہ:

اور مانع کی عدم موجودگی میں اجنبی کے لیے وصیت کرنا جائز ہے، اگرچہ ورثا اس کی اجازت نہ دیں، نہ کہ ثلث پر زیادت، مگر یہ کہ موصی کی وفات کے بعد اس کے ورثا اجازت دے دیں اور اس (موصی) کی زندگی میں ان کی اجازت بالکل معتبر نہیں، بلکہ اس کی وفات کے بعد (ورثا کی اجازت معتبر ہوگی)

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: شارح کا یہ قول کہ (موصی کی زندگی میں ورثا کی اجازت دینے کو) اعتبار نہیں دیا جائے گا یعنی ان کے حق ثابت ہونے سے پہلے، اس لیے کہ ان کا حق موصی کی موت کے وقت ثابت ہوتا ہے، پس ان کے لیے یہ حق موجود ہے کہ وہ موصی کی وفات کے بعد اپنا حق واپس کریں۔ بخلاف اس اجازت کے جو موت کے بعد ہو، اس لیے کہ یہ اجازت حق ثابت ہونے کے بعد دی گئی ہے (لہٰذا موت کے بعد وصیت کی اجازت دینے کے بعد ورثا کو دوبارہ اپنا حق واپس کرنے کے مطالبے کا حق نہیں)۔

❁❁❁

بعض ورثا کو محروم کرکے دوسرے بعض کے لیے کل مال کی وصیت

سوال نمبر(320):

میرے خاوند نے مرنے سے پہلے بینک میں جمع شدہ رقم (چالیس لاکھ روپے) اپنی پہلی مرحومہ بیوی کے تین بیٹوں کے نام دینے کا وصیت نامہ لکھا کہ یہ تین بیٹے میرے شرعی وارث ہیں اور میرے مرنے کے بعد بینک میں میری جمع شدہ رقم ان کو ادا کردی جائے، چنانچہ اسی وصیت کے مطابق بینک نے چالیس لاکھ روپے صرف ان تین ورثا کو دے دیے، حالانکہ مجھ سے بھی اُس کے چھ بیٹے بیٹیاں ہیں، جن سے نہ تو کوئی اجازت لی گئی ہے اور نہ ان کو کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ وصیت شرعی طور پر صحیح ہے یا نہیں؟ نیز باقی ورثا کا اس رقم میں کوئی حق ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الوصایا: ۱۰/ ۳۳۹، ۳۴۰

الجواب وباللہ التوفیق:

ہر شخص کے لیے اپنی مملوکہ اشیا کو اپنی زندگی میں شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے خرچ کرنے کا حق حاصل ہے، لیکن کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بعض ورثا کو اپنا تمام مال دینے کی وصیت کرکے دوسرے ورثا کو اپنی میراث سے محروم کردے، کیونکہ موت کے بعد تمام ترکہ مرحوم کی ملکیت سے نکل کر ورثا کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جو اُصولِ میراث کے تحت تقسیم ہوتا ہے۔

چنانچہ اگر واقعی آپ کے شوہر نے بینک میں موجود رقم صرف بعض ورثا کو دینے کی وصیت کی ہو تو یہ وصیت شرعاً معتبر نہیں، کیونکہ اس میں دوسرے بعض ورثا کو محروم کیا گیا ہے، لہٰذا مرحوم کے ترکہ سے قرضہ وغیرہ حقوق کی ادائیگی کے بعد اس کو اس طرح سے تقسیم کیا جائے گا کہ اس کے کل مال کا آٹھواں حصہ بیوہ کو دیا جائے گا اور بقیہ ترکہ مرحوم کی تمام اولاد میں اس طرح سے تقسیم ہوگا کہ ہر بیٹے کو بیٹی سے دُگنا حصہ مل جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

(ولا تجوز لوارثه) لقوله عليه السلام : " إن الله أعطى كل ذي حق حقه ، ألا لا وصية للوارث" ؛ ولأنه يتأذى البعض بإيثار البعض ، ففي تجويزه قطعية الرحم ؛ ولأنه حيف .(۱)

ترجمہ:

موصی کا وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان مبارک کی وجہ سے کہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اپنا حق دے دیا۔ خبردار! کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں'' اور اس لیے کہ بعض ورثا کو ترجیح دینے سے دیگر کو اذیت وتکلیف پہنچتی ہے، چنانچہ اس طرح کرنے سے قطع رحمی ہوتی ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ یہ ظلم ہے۔

❁❁❁

خدمت کے اِعزاز میں وارث کو جائیداد دینے کی وصیت

سوال نمبر(321):

ایک شخص نے اپنی وصیت میں جائیداد کی تقسیم کے متعلق ایک وصیت نامہ یوں تحریر کیا کہ میری جائیداد کو تین

(۱) الهداية ، كتاب الوصايا: ٦٤٠،٦٣٩/٤

حصوں میں تقسیم کر کے دو حصے دو بیٹوں اور تیسرا حصہ پوتوں کو دیا جائے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا کہ میرے فلاں بیٹے کو اس کی خدمت گزاری کی وجہ سے فلاں گھر اور باغ بخش دیتا ہوں۔اب پوچھنا یہ ہے کہ جائیداد کو کس طرح تقسیم کیا جائے اور شریعت کی رُو سے خدمت کے اعزاز میں دی جانے والی جائیداد کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے کسی ایک وارث کے لیے امتیازی طور پر وصیت کرنا جائز نہیں، البتہ ایسے رشتہ دار کے لیے وصیت کرنا، جو میراث میں حصہ دار نہ ہو، بلاشبہ جائز ہے، تاہم یہ بات ملحوظ نظر رہے کہ وصیت ترکہ کے ایک تہائی حصہ سے زائد نہ ہو۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مرحوم کا اپنے پوتوں (جو باپ کی موجودگی میں اپنے دادا کی میراث میں حصہ دار نہیں) کے لیے اپنی جائیداد کے ایک تہائی حصہ کی وصیت کرنا درست ہے، اس لیے اس کی جائیداد کو اس کی وصیت کے مطابق تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ پوتوں کو دیا جائے گا اور باقی دو حصے ورثا میں اُصولِ میراث کے تحت تقسیم ہوں گے۔

جہاں تک خدمت کے اعزاز میں جائیداد وغیرہ دینے کی بات ہے، تو اس کے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ جو مال وجائیداد مرحوم نے اپنے ایک بیٹے کو خدمت کے صلہ میں دی ہے، اگر وہ موت سے پہلے ہی قبضہ میں دے دی ہو تو یہ انعام وہدیہ ہے جس میں دوسرے ورثا کا کوئی حق نہیں۔اور اگر ہبہ کیا ہو لیکن قبضہ نہ دیا ہو یا وصیت کی ہو کہ میرے مرنے کے بعد یہ جائیداد اس کو دی جائے تو یہ وصیت ہے جو وارث کے حق میں نافذ نہ ہوگی، بلکہ جائیداد کے ساتھ ملا کر تمام ورثا اس میں شریک ہوں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو أوصى لابن وارثه جاز.(١)

ترجمہ:

اگر موصی نے اپنے وارث کے بیٹے کے لیے وصیت کی تو جائز ہے۔

(ولا تجوز لوارثه) لقوله عليه السلام: "إن الله أعطى كل ذي حق حقه، ألا لا وصية

---

(١) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوصايا، الباب الأول في تفسيرها ......: ٩١/٦

للوارث .... إلا أن یجیزها الورثة .(۱)

ترجمہ: موصی کا وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان مبارک کی وجہ سے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اپنا حق دے دیا۔ خبردار کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں...... مگر یہ کہ اس وصیت کو دوسرے ورثا جائز قرار دیں۔

❁❁❁

منہ بولے بھائی کے لیے وصیت کرنا

سوال نمبر (322):

ایک شخص نے کچھ عرصہ قبل ایک وصیت نامہ لکھا تھا جس میں یہ وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری گروی رکھی گئی زمین کی رقم (چالیس ہزار روپے) زید کو دی جائے جو کہ مرحوم کا منہ بولا بھائی ہے اور اس کے والدین نے اس کو گود لے کر اس کی پرورش کی تھی۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ مرحوم کا سوائے ایک بھانجے کے کوئی حقیقی وارث موجود نہیں اور اس کی تجہیز و تکفین پر تقریباً دس ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں۔ بقیہ تیس ہزار روپے اور زمین کی از روئے شریعت تقسیم کس طرح ہوگی۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر مرحوم سے زید کا کوئی ایسا رشتہ نہ ہو جس کی وجہ سے اس کو میراث میں سے حصہ مل سکے تو پھر اجنبی کے لیے وصیت کی طرح یہ وصیت بھی ثلث مال تک محدود رہے گی، لہٰذا اگر مرحوم کی جائیداد بھی ہو اور یہ چالیس ہزار روپے اس جائیداد کے ثلث کے برابر ہوں تو وصیت پر عمل کر کے تمام رقم موصی لہ زید کو دی جائے گی، البتہ اگر اس کے علاوہ اور کوئی مال ترکہ میں نہ ہو تو پھر چالیس ہزار روپے میں تجہیز و تکفین کے اخراجات اور قرض کی ادائیگی کے بعد باقی رقم میں ثلثِ مال تک موصی لہ حق دار رہے گا اور باقی دو ثلث مال کا حق دار بھانجا ہوگا۔

---

(۱) الهداية، كتاب الوصايا: ٤/٦٣٩، ٦٤٠

والدلیل علی ذلك:

(وتجوز بالثلث للأجنبي) عندعدم المانع .(۱)

ترجمہ:

اور مانع کی عدم موجودگی میں اجنبی کے لیے وصیت کرنا جائز ہے۔

❁❁❁

تمام زیورات کو مسجد میں خرچ کرنے کی وصیت

سوال نمبر (323):

میری بہن نے موت سے پہلے اپنا سب ترکہ زیورات وغیرہ مسجد کو صدقہ کرنے کی وصیت کی، چنانچہ اس کی وفات کے بعد میں نے اس کے تمام زیورات مسجد میں صدقہ کے طور پر دے دیے، لیکن ایک انگوٹھی اور دو کنگن دوسری بہنوں نے لے لیے، اس لیے کہ یہ انگوٹھی اور کنگن مرحومہ کو ان بہنوں نے دیے تھے۔ اسی طرح مرحومہ کا مجھ پر قرض تھا، جس کو اس کی وفات کے بعد میں نے اس کی طرف سے مسجد میں صدقہ کر دیا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ انگوٹھی اور کنگن بھی صدقہ کرنا لازم ہے یا نہیں؟ نیز اس سے میرا قرضہ ادا ہوا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجوابُ وباللّٰہ التّوفیق:

مرحومہ کی وفات کے بعد اس کے کل ترکہ کے ثلث سے زائد میں وصیت کا اجرا ورثا کی اجازت پر موقوف ہوگا، لہٰذا اگر اس کے ورثا میں کوئی نابالغ نہ ہو اور سب متفقہ طور پر کل ترکہ میں وصیت کے نفاذ کی اجازت دے دیں تو تمام ترکہ زیورات اور قرض کی رقم وغیرہ کو مسجد کے لیے صدقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر کوئی وارث نابالغ ہو یا ورثا کل ترکہ میں وصیت کے نفاذ پر راضی نہ ہوں تو مرحومہ کے ترکہ کے ایک تہائی میں وصیت جاری ہوگی اور باقی ترکہ ورثا میں شرعی اُصول کے تحت تقسیم کیا جائے گا۔

جہاں تک انگوٹھی اور کنگن کا تعلق ہے تو یہ اگر بہنوں نے مرحومہ کو عاریتاً دیے تھے تو ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے اس میں وصیت جاری نہ ہوگی اور بہنیں اُس کو لینے میں حق بجانب ہیں، لیکن اگر بہنوں نے مرحومہ کو ہبہ کر کے قبضہ دے

(۱) الدرالمختار، کتاب الوصایا: ۱۰/۳۳۹

دیا تھا تو پھر مرحومہ کی فوتگی کی بعد انہیں واپس لینے کا حق حاصل نہیں، لہٰذا اس میں بھی مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق وصیت جاری ہوگی۔

والدلیل علی ذلک:

(ولا تجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار) لأن الامتناع لحقهم وهم أسقطوه.(۱)

ترجمہ:

اور ثلث سے زائد کی وصیت کرنا جائز نہیں، مگر یہ کہ موصی کے مرنے کے بعد ورثا اس کی اجازت دے دیں، اس حال میں کہ (اجازت دینے والے ورثا) بڑے یعنی بالغ ہوں، اس لیے کہ (ثلث سے زیادہ وصیت کی) ممانعت ان کے حق کی وجہ سے تھا جو انہوں نے (خود ہی) ساقط کر دیا۔

❁❁❁

وارث کے لیے وصیت پر دوسرے ورثا کا راضی ہونا

سوال نمبر(324):

ایک شخص نے اپنے تین بیٹوں اور تین بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کے لیے پانچ مرلہ گھر دینے کی وصیت کی، جس پر باقی ورثا مکمل طور پر راضی ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ وصیت شریعت کی رُو سے صحیح ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عام طور پر موصی کی وصیت صرف ان لوگوں کے حق میں معتبر ہے، جو شرعاً اس کے وارث نہ ہوں۔ اگر موصی لہ پہلے سے وارث ہو تو اُس کے حق میں وصیت درست نہیں۔ البتہ اگر دیگر ورثا اپنی رضامندی سے اِس کی اجازت دے دیں تو پھر وارث کے حق میں بھی وصیت نافذ ہو جائے گی۔

صورتِ مسئولہ میں بھی والد کا اپنی بیٹی کے لیے وصیت کرنا دیگر ورثا کی رضامندی کے بغیر معتبر نہیں البتہ اگر واقعتاً باقی ورثا والد کی وفات کے بعد اُس کی وصیت کے مطابق ایک بہن کو مذکورہ پانچ مرلہ گھر باہم رضامندی سے

(۱) الهداية، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية مايجوز من ذلك: ٦٣٨/٤

دینا چاہتے ہوں اور ان میں کوئی نابالغ بھی نہ ہو تو شرعاً یہ وصیت نافذ ہو جائے گی۔

والدّلیل علی ذلک:
(ولا تجوز لوارثه) لقوله عليه السلام : " إن الله أعطى كل ذي حق حقه ، ألا لا وصية للوارث" ؛ ولأنه يتأذى البعض بإيثار البعض ، ففي تجويزه قطعية الرحم ؛ ولأنه حيف...الآن يجيزها الورثة.(۱)

ترجمہ: موصی کا وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان مبارک کی وجہ سے کہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اپنا حق دے دیا۔ خبردار! کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں'' اور اس لیے کہ بعض ورثا کو ترجیح دینے سے دیگر کو اذیت و تکلیف پہنچتی ہے، چنانچہ اس طرح کرنے سے قطع رحمی ہوتی ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ یہ ظلم ہے۔۔۔۔ البتہ اگر ورثا اس کی اجازت دے دیں تو پھر وصیت نافذ ہوگی۔

❁❁❁

یتیم پوتوں کے لیے وصیت

سوال نمبر(325):

میں نے ایک عالم صاحب سے سنا ہے کہ کسی شخص کی وفات کے وقت اگر اس کے بیٹے اور پوتے موجود ہوں، تو میراث بیٹوں کو مل جائے گی اور پوتے محروم رہیں گے، اگرچہ وہ یتیم کیوں نہ ہوں۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر دادا کی طرف سے اپنے یتیم پوتوں کے لیے وصیت کرنا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میراث کے شرعی اصول کے مطابق جب اصل موجود ہو تو فرع کو میراث میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا، لہٰذا آپ نے جو بات سنی ہے، کہ بیٹا موجود ہو تو پوتے میراث سے محروم ہوتے ہیں یہ بالکل درست اور شرعی اصول کے موافق ہے۔

جہاں تک وصیت کی بات ہے، تو اس کا اصول یہ ہے کہ جن لوگوں کو میراث میں حصہ ملتا ہے، ان کے لیے وصیت کرنے کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، لیکن جو لوگ میراث میں حصہ پانے سے محروم ہوں، ان کے حق میں وصیت کرنا درست اور جائز ہے۔

(۱) الهداية ، كتاب الوصايا: ٤/٦٣٩، ٦٤٠

پوتے چونکہ میت کے بیٹوں کی موجودگی میں میراث سے محروم ہیں،اس لیے ان کے لیے وصیت درست ہے۔ایسی صورت میں دادا کے لیے اپنے یتیم پوتوں پر شفقت کرتے ہوئے وصیت کرنا قرآنی آیت اور شرعی اُصول کے موافق مستحب اور قابل تحسین امر ہے،تاہم وصیت کو تمام مال کے تہائی حصے تک محدود رکھنا چاہیے تاکہ دوسرے ورثا کی حق تلفی نہ ہو۔

والدلیل علی ذلک:

وفريق يرثون بحال ويحجبون بحال و هذا مبني على أصلين: أحدهما هو أن كل من يُدلي إلى الميت بشخص لا يرث مع وجود ذلك الشخص.

قال الناقط: فابن الابن لا يرث مع الابن والجد لايرث مع الأب.(۱)

ترجمہ: اور(میراث سے محروم رہنے والے لوگوں میں سے)ایک فریق وہ ہے جو کبھی تو میراث لے لیتے ہیں اور کبھی مجوب(کسی کی موجودگی کی وجہ سے محروم)ہوجاتے ہیں اور یہ دواصولوں پر مبنی ہے:ایک اصل یہ ہے کہ ہر وہ رشتہ دار جو میت کی طرف کسی شخص کے واسطے سے منسوب ہو تو اس شخص(واسطے)کی موجودگی میں یہ وارث نہ ہوگا۔

ناقط لکھتے ہیں:پس پوتا بیٹے کی موجودگی اور دادا باپ کی موجودگی میں وارث نہ بن ہوگا۔

(ولا تجوز لوارثه) لقوله عليه السلام: "إن الله أعطى كل ذي حق حقه، ألا لا وصية للوارث .... إلا أن يجيزها الورثة .(۲)

ترجمہ: موصی کا وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔نبی کریم ﷺ کے اس فرمان مبارک کی وجہ سے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اپنا حق دے دیا۔خبردار!کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔۔۔۔۔مگر یہ کہ اس وصیت کو دوسرے ورثا جائز قرار دیں۔

﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ﴾(۳)

ترجمہ: اور جب میراث کی تقسیم کے وقت(میراث سے محروم)رشتہ دار،یتیم اور مساکین حاضر ہو جائیں تو ان کو اس(میراث)سے کچھ دے دو۔

(۱) السراجي في الميراث، باب الحجب: ص ۱٦

(۲) الهداية، كتاب الوصايا: ٤/٦٣٩،٦٤٠ (۳) النساء: ٨

کتاب الفرائض

(فرائض اور میراث کا بیان)

علم فرائض کی تعریف:

"هو علم بأصول من فقه وحساب تعرّف حق كل من التركة". (۱)

علم فرائض فقہ وحساب کے ان اصول کا علم ہے، جو میت کے ترکے میں سے ہر (شرعی) وارث کے حق کو واضح کرتا ہے۔

علم فرائض کی فضیلت:

علم فرائض بڑی اہمیت اور فضیلت والا علم ہے۔ جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر احکام مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ اجمالاً نازل فرمائے ہیں اور ان کی تفصیل نبی اکرم ﷺ کے ذریعے بیان فرمائی، جب کہ وراثت کی تمام تفصیلات باری تعالیٰ نے خود نازل فرمائی ہیں۔

علاوہ ازیں متعدد احادیث میں اس کے سیکھنے سکھانے کی ترغیب آئی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

" ياأباهريرة! تعلّموا الفرائض وعلّموها فانّها نصف العلم ". (۲)

اے ابو ہریرہؓ! تم لوگ علم فرائض خود بھی سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ، کیونکہ یہ نصف علم ہے۔

گویا اس فرمان میں فقط علمِ فرائض کو نصف علم قرار دیا گیا ہے۔

قانونِ میراث میں اسلام کا عدل واعتدال:

اسلام نے دولت وثروت کی تقسیم کا جو نظام قائم کیا ہے اس کا ایک حصہ "میراث" ہے اسلام سے قبل بعض مذاہب میں صرف مذکر ورثا کو ترکہ میں حصہ ملا کرتا تھا، جب کہ مؤنث ورثا میراث سے محروم رہتے۔ بعض مذاہب میں میراث کا حقدار صرف بڑا لڑکا ہوا کرتا تھا۔ خود عرب سماج میں میراث کے باب میں بڑی بے اعتدالی پائی جاتی تھی، یتیم بچوں کو بھی میراث سے محروم رکھا جاتا تھا۔ اسلام نے اس باب میں بھی ایک منصفانہ، متوازن اور مصالح سے ہم آہنگ قانون وضع کیا۔

---

(۱) الحصكفي، محمد علاء الدين، الدرالمختار على صدر ردالمختار، كتاب الفرائض، مكتبة امدادية ملتان: ۴۸۹/۱۰

(۲) سنن ابن ماجة، ابواب الفرائض، باب الحث على تعليم الفرائض، مير محمد كتب خانه، ص: ۱۹۹

جائیداد اور مال ودولت کی تقسیم کا ایک وسیع نظام قائم کر کے خاندان کے فقط ایک یا دو افراد کو اس کا حقدار مقرر نہیں کیا بلکہ والدین، اولاد اور میاں بیوی کو میراث کے لازمی ورثا قرار دیا گیا، جب کہ ان کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کو بھی بعض مواقع پر میراث میں حصہ دار رہنے کا حق دیا اور اس کے لیے ضابطہ یہ مقرر کیا گیا کہ نسبتاً قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں میت کے ساتھ دُور کا رشتہ رکھنے والا وارث، میراث میں حصہ پانے سے محروم رہے گا اور ہم درجہ رشتہ داروں کو میراث میں برابر کا حقدار ٹھہرایا گیا، البتہ اکثر مواقع پر عورت کے مقابلے میں مرد کا حصہ دوگنا رکھا گیا، اس لیے کہ عموماً عورت کی بہ نسبت مرد کی ذمہ داریاں دوگنی ہوا کرتی ہیں، چنانچہ اہل وعیال کی کفالت کا ذمہ دار مرد ہی ہے، لہٰذا زیادہ ذمہ داریوں کے حوالہ سے اِس کے حقوق بھی زیادہ رکھے گئے۔

اِسلام نے نظامِ میراث کے سلسلے میں جو انقلابی تصور دیا کہ عورتوں کو حق دلایا اور نظام میراث کو تقسیمِ دولت کا ایک وسیلہ بنایا، آج پوری دنیا میں اس کی بازگشت سنی جا سکتی ہے اور دنیا کا شاید ہی کوئی قانون ہو جس نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا ہو۔

اِصطلاحاتِ فرائض کی وضاحت:

قانونِ وراثت میں بعض ایسے اصطلاحات مقرر ہیں، جن کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے۔

﴿میت﴾......جس کا انتقال ہوا ہو اس کو میت کہتے ہیں۔

﴿ترکہ﴾......ترکہ سے مراد کسی میت کا وہ سارا مال وجائیداد ہے جو موت کے وقت اس کی ملکیت میں ہو، خواہ گھر میں ہو یا کسی کے پاس امانت ہو یا کسی کے ذمے قرض ہو۔

﴿ذوی الفروض﴾......فروض فرض کی جمع ہے۔ فرض کا معنی ہے: مقررہ حصہ۔ ذُو کا معنی صاحب یعنی وہ ورثا جن کا حصہ وراثت میت کے مال میں مقرر ہو، جیسا کہ ماں، باپ وغیرہ۔

﴿عصبات﴾......عصبات 'عصبہ' کی جمع ہے۔ عصبہ کا لفظی معنی: جماعت، حفاظت کرنے والا۔ جو وارث کسی دوسرے کا معاون بن سکتا ہو، اس کو عصبہ کہا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر عصبہ میت کے پدری رشتہ دار کو کہتے ہیں۔ وراثت میں ان کا درجہ یہ ہے کہ ذوی الفروض سے بچا ہوا سارا مال ان کو مل جاتا ہے اور ذوی الفروض نہ ہونے کی صورت میں بھی یہ میت کے تمام مال کے مستحق ہوتے ہیں، جیسا کہ بیٹا، بھائی وغیرہ۔

﴿ذوی الارحام﴾......ارحام رحم کی جمع ہے۔ رحم کا لفظی معنی وہ جگہ ہے جہاں بچے کی تخلیق ہوتی ہے۔ جب کہ عام اصطلاح میں اس کا اطلاق تمام نسبی قرابت داروں پر ہوتا ہے، مگر قانون وراثت میں ذوی الارحام سے مراد ہر وہ

وارث ہے جو نہ تو ذوی الفروض میں سے ہو اور نہ ہی عصبات کی فہرست میں شامل ہو، جیسا کہ نواسا، نواسی وغیرہ۔

﴿عینی﴾......سے مراد وہ بہن بھائی ہیں، جن کے ماں باپ ایک ہی ہوں۔اُن کو حقیقی بھائی بہن بھی کہا جاتا ہے۔

﴿علاتی﴾......اس سے مراد وہ بہن بھائی ہیں، جن کا باپ تو ایک ہو مگر ماں علیحدہ علیحدہ ہو۔

﴿اخیافی﴾......اس سے مراد وہ بہن بھائی ہیں، جن کی ماں ایک ہو اور باپ علیحدہ علیحدہ ہو۔

﴿ردّ﴾......اس کا لغوی معنی ہے لوٹانا، واپس کرنا اور قانونِ وراثت میں رد یہ ہے کہ ذوی الفروض کو حصے دینے کے بعد اگر کچھ مال بچے اور کوئی عصبہ بھی نہ ہو تو دوبارہ نسبی اصحابِ فرائض پر اُن کے حصوں کے مطابق اس بچے ہوئے مال کو لوٹایا جائے۔

﴿عول﴾......عول کا لغوی معنی زیادتی اور غلبہ کے ہیں اور قانونِ وراثت میں عول یہ ہے کہ مخرج سے حصوں کے بڑھ جانے کی صورت میں مخرج کے اجزا میں اضافہ کیا جائے، جیسے: ایک خربوزہ چار آدمیوں میں تقسیم کرنا ہو تو اس کے چار حصے کریں گے، لیکن اگر لینے والے پانچ ہو جائیں تو اس کے چار کے بجائے پانچ حصے کریں گے یہی مطلب مخرج کے اجزا میں اضافہ کا ہے اور اسی کو عول کہا جاتا ہے۔

﴿تصحیح﴾......تصحیح کا معنی ہے درست کرنا اور اصطلاحی معنی ہے کسر دور کرنا یعنی ایسا عدد تلاش کرنا جس سے ہر وارث کے حصے بغیر کسر کے نکل آئیں۔

﴿مناسخہ﴾......مناسخہ نسخ سے ماخوذ ہے بمعنی نقل کرنا۔قانونِ وراثت کی اصطلاح میں مناسخہ کہتے ہیں: تقسیم ترکہ سے پہلے کسی وارث کے مرجانے کی وجہ سے اُس کا حصہ اس کے ورثا کی طرف منتقل کرنا۔

ترکۂ میت سے متعلق چار حقوق:

متوفّی جو مال و جائیداد چھوڑ جائے اُس کے ساتھ بنیادی طور پر چار حقوق متعلق ہوتے ہیں، جن کی ترتیب یوں ہوگی:

(۱)......سب سے پہلے ترکہ سے واجبی اخراجات میں کمی اور زیادتی کے بغیر تجہیز و تکفین اور دفن کا انتظام کرنا ضروری ہے۔اگر تمام ورثا یا ان میں سے بعض اپنے ذاتی اخراجات سے تجہیز و تکفین کا انتظام کرلیں تو یہ بھی درست ہے۔ایسی صورت میں ترکہ ہی سے تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا ضروری نہیں۔

(۲)......اس کے بعد جو مال بچ جائے، اس سے سب سے پہلے وہ دَین اور قرض ادا کیا جائے جو متوفّی کے ذمہ لازم تھا،

اس میں بیوی کا مہر بھی داخل ہے اگر وہ زندگی میں ادا نہ کیا ہو۔

(۳)......اگر متوفی نے کوئی وصیت کی ہو تو قرض کی ادائیگی کے بعد بچ جانے والے مال کے ایک تہائی حصہ میں وصیت نافذ کی جائے گی۔ واضح رہے کہ وصیت تب نافذ ہوگی جب کہ حصہ دار وارث کے لیے نہ ہو، اس لیے کہ وارث تو ویسے بھی میراث کے مال میں حصہ دار ہے، لہٰذا اس کے لیے وصیت کا کوئی معنیٰ نہیں۔ ایسا ہی اگر وصیت ایک تہائی سے زیادہ مال میں کی گئی ہو اور تمام ورثا بالغ ہوں اور اِس کے نافذ کرنے پر متفق ہوں تو پھر ایک تہائی سے زیادہ میں بھی وصیت نافذ کرنا درست ہے، لیکن ناراضگی کی صورت میں ایک تہائی سے زائد مال میں کی گئی وصیت نافذ نہیں ہوگی۔

(۴)......اب اس کے بعد جو مال بچ جائے تو میت کے ورثا میں اِسے ضابطۂ میراث کے تحت تقسیم کیا جائے گا۔(۱)

ورثا میں ترتیب:

ورثا میں ترکہ درجہ ذیل ترتیب سے تقسیم ہوگا:

(۱)......ترکہ سب سے پہلے اصحاب فرائض کو ملے گا۔

(۲)......اصحاب فرائض کے بعد ترکہ عصبہ نسبی کو ملے گا۔

(۳)......اصحاب فرائض اور عصبہ نسبی کی عدم موجودگی میں ترکہ عصبہ سببی کو ملے گا (عصبی سببی مولی العتاقۃ یعنی غلام کو آزاد کرنے والا آقا ہے)

(۴)......اگر میت کو آزاد کرنے والا فوت ہوگیا ہو تو اُس کے عصبہ بنفسہٖ کو یعنی اس کے بیٹے، باپ، بھائی وغیرہ کو ترکہ ملے گا۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو اگر آزاد کرنے والا بھی پہلے کسی کا غلام تھا اور بعد میں اُسے آزاد کردیا گیا تھا تو اس کے آزاد کرنے والے آقا کو ترکہ ملے گا۔

(۵)......اگر عصبہ کی کوئی قسم بھی موجود نہ ہو تو ترکہ کا بقیہ مال دوبارہ نسبی ذوی الفروض پر اُن کے حصوں کے بقدر بطور رَدّ لوٹا کر تقسیم کیا جائے گا، البتہ زوجین پر رَد نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ نسبی وارث نہیں۔

(۶)......اگر ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی بھی وارث موجود نہ ہو تو ذوی الأرحام کو ترکہ ملے گا۔

(۷)......ذوی الارحام کی عدم موجودگی میں مولی الموالات کو ترکہ دیا جائے گا۔ عقدِ موالات یہ ہے کہ ایک لاوارث شخص دوسرے شخص سے یہ عقد کرلے کہ آپ میرے مولیٰ (کفیل) بن جائیں میں آپ کو اپنا وارث بناتا ہوں اور اگر مجھ سے کوئی موجبِ دیت جنایت ہوجائے تو آپ میری طرف سے دیت ادا کریں گے جب کہ دوسرا شخص اس کو قبول بھی

(۱) السجاوندي، محمد بن محمد، السراجي، مقدمة الكتاب، ص:۱-۳

کرے تو یہ عقدِ موالات ہے اور قبول کرنے والا مولیٰ الموالات ہے۔ یہ عقد جانبین سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں دونوں ایک دوسرے کے مولی الموالات اور وارث ہوں گے۔

(۸)......مذکورہ بالا ورثا میں سے کوئی بھی وارث نہ ہو تو وہ شخص وارث ہوگا جس کا نسب معروف نہ ہو اور متوفٰی نے اس کے نسب کا اقرار کیا ہو، جیسے: وہ کسی کے چچا اور بھائی ہونے کا دعویٰ کرے۔

(۹)......ان کی عدم موجودگی میں وہ شخص متروکہ کا مستحق ہوگا جس کے لیے متوفٰی نے پورے مال کی وصیت کی ہو۔

(۱۰)......اگر مذکورہ مستحقین میں سے کوئی بھی نہ ہو تو میت کا ترکہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔(۱)

فائدہ:

اِسلامی خزانہ (بیت المال) میں بے راہ روی یا اُس کی عدم موجودگی میں عصبہ اور ذوی الارحام اگر نہ ہوں تو میت کا ترکہ زوجین پر رَد ہوگا۔(۲)

موانعِ اِرث:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وارث سببِ وراثت کے پائے جانے کے باوجود اپنی ذات میں کسی اور وصف کے پائے جانے کی وجہ سے وراثت سے محروم ہو جاتا ہے اِن اوصاف کو موانعِ ارث کہتے ہیں۔ چار چیزیں موانعِ اِرث ہیں:

(۱) قتل:......یعنی قاتل مقتول کے مال میں وارث نہ ہوگا۔ قتل کی پانچ قسمیں ہیں: قتلِ عمد، شبہ عمد، خطا، شبہ خطا اور قتل بالسبب۔ پہلی چاروں قسموں میں قاتل مقتول کی وراثت سے محروم ہوتا ہے، جب کہ پانچویں قسم (قتل بالسبب) میں قاتل وراثت سے محروم نہیں ہوتا۔

۲) غلامی:......یعنی غلام اپنے اَقربا سے میراث نہیں پاسکتا، کیوں کہ اس میں مال کے مالک ہو جانے کی صلاحیت نہیں اس لیے کہ یہ خود مملوک ہے۔

۳) اختلافِ دین:......یعنی مسلمان غیر مسلم کا اور غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔

۴) اختلافِ دار:......دارُالحرب اور دارالاسلام یا دو مختلف دارُالحربوں میں بسنے والے کافروں کو ایک دوسرے کی وِراثت نہیں ملتی۔(۳)

(۱) السجاوندي، محمد بن محمد، السراجي، مقدمة الكتاب، مكتبة فاروقية، ص:٤، ٥

(۲) التهانوي، مولانا أشرف علي، إمدادالفتاوٰى، كتاب الفرائض، مكتبه دارالعلوم كراچي: ٤/٣٥٦

(۳) السجاوندي، محمد بن محمد، السراجي، فصل في الموانع، فاروقيه، ص:٥

نوٹ:......مسلمان چاہے جہاں ہوں اس کو اپنے رشتہ دار کی وراثت ملے گی۔ مسلمانوں کے مابین 'دار' کے مختلف ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ (۱)

ورثا کے اَحوال:

جو لوگ شرعاً میراث کے مستحق ہیں، ضروری نہیں کہ ہر حال میں ان کا حصہ یکساں ہو، مختلف حالات میں حصوں کی مقدار میں تفاوت ہوسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف رشتہ داروں کے حصوں کی تقسیم درجہ ذیل ہے:

اَصحابِ فرائض:

جن لوگوں کا حصہ شریعت میں متعین ہے اُن کو اصحاب فرائض کہا جاتا ہے۔ یہ کل بارہ افراد ہیں: چار مرد اور آٹھ عورتیں: (۱) باپ (۲) دادا (اگر چہ رشتے میں اوپر کا دادا ہو) (۳) ماں شریک اولاد (۴) شوہر (۵) بیوی (۶) بیٹی (۷) پوتی اگر چہ (رشتے میں نیچے کی پوتی ہو) (۸) حقیقی بہن (۹) باپ شریک بہن (۱۰) ماں شریک بہن (۱۱) ماں (۱۲) جدہ صحیحہ (یعنی دادی اور وہ نانی جس کی میت کے ساتھ رشتے میں جدِ فاسد (نانا) واسطہ نہ بنتا ہو)

اَصحابِ فرائض کے احوال:

(۱)......باپ:

باپ کی تین حالتیں ہیں:

(۱)۔۔۔۔۔اگر میت نے باپ کے ساتھ اپنی کوئی مذکر اولاد (بیٹا، پوتا، پڑپوتا رشتے میں نیچے تک) چھوڑی ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اس حالت کو فرضِ مطلق کہتے ہیں۔

(۲)۔۔۔۔۔اگر میت نے اپنے باپ کے ساتھ صرف مؤنث اولاد (بیٹی، پوتی، پڑپوتی رشتے میں نیچے تک) چھوڑی ہو تو باپ بطورِ فرض چھٹا حصہ پانے کے ساتھ عصبہ بھی ہوگا۔ اس حالت کو 'فرض مع التعصیب' کہتے ہیں۔

(۳)۔۔۔۔۔اگر میت کی کوئی مذکر و مؤنث اولاد یا مذکر اولاد کی اولاد (رشتہ میں نیچے تک) بھی نہ ہو اور صرف باپ ہی میت کا وارث ہو تو اس صورت میں پورا ترکہ اور دوسرے اصحاب فرائض موجود ہونے کی صورت میں ان کو دینے کے بعد بچا ہوا ترکہ پائے گا اس حالت کو 'تعصیبِ محض' کہتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الفرائض، الباب الخامس في الموانع، مكتبة رشيدية كوئٹه :٦/٤٥٤

(٢) السجاوندی، محمد بن محمد، السراجی، باب معرفة الفروض ومستحقيها، فاروقيه، ص:٦،٧

(۲)......دادا:

دادا کی چار حالتیں ہیں:

اگر متوفی کا باپ موجود ہو تو دادا محروم ہوگا، باقی تین حالتیں اس کی وہی ہیں جو باپ کی ہیں یعنی ان حالتوں میں دادا کو بھی وہی حصہ ملے گا جو باپ کو ملا کرتا تھا، البتہ چار صورتوں کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، جن کی تفصیل میراث کی کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔(۱)

(۳)......ماں شریک بہن بھائی:

ماں شریک اولاد کے تین احوال ہیں:

(۱)۔۔۔۔ایک ماں شریک بھائی یا بہن ہو تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا۔

(۲)۔۔۔۔ایک سے زیادہ ماں شریک بھائی یا بہن ہوں تو ان کو ترکہ کا ایک تہائی حصہ ملے گا۔(یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ماں شریک بھائی کے ساتھ ماں شریک بہن آجائے تو بھی ان کے مابین ترکہ برابر برابر تقسیم ہوگا یعنی جتنا ایک ماں شریک بھائی کا حصہ ہوگا، اتنا ہی ماں شریک بہن کا بھی حصہ ہوگا۔ بھائی کو بہن سے دوگنا نہیں دیا جائے گا)

(۳)۔۔۔۔اگر میت کی اولاد (مذکر ہو یا مؤنث) یا مذکر اولاد کی اولاد رشتے میں نیچے تک یا میت کے باپ، دادا رشتے میں اوپر تک موجود ہوں تو ماں شریک بھائی میراث نہیں پائے گا۔(۲)

(۴)......شوہر:

شوہر کی دو حالتیں ہیں:

(۱)۔۔۔۔اگر میت کی اولاد یا مذکر اولاد کی اولاد (اگرچہ رشتے میں نیچے تک ہوں) موجود نہ ہو تو شوہر کو ترکہ کا آدھا حصہ ملے گا۔

(۲)۔۔۔۔اگر میت کی اولاد یا مذکر اولاد کی اولاد (اگرچہ رشتے میں نیچے تک ہو) موجود ہو تو شوہر کو چوتھائی حصہ ملے گا۔(۳)

---

(۱) السجاوندی، محمد بن محمد، السراجی ،باب معرفة الفروض ومستحقيها، فاروقيه ،ص:۷

(۲) أيضاً

(۳) أيضاً

(۵)......بیوی:

بیویوں کی بھی دو حالتیں ہیں:

(۱)۔۔۔۔اگر میت کی اولاد یا مذکر اولاد کی اولاد (اگر چہ رشتے میں نیچے تک) نہ ہو تو بیویوں کو چوتھائی حصہ ملے گا۔

(۲)۔۔۔۔اگر میت کی اولاد یا مذکر اولاد کی اولاد (اگر چہ رشتے میں نیچے تک) ہو تو بیویوں کو آٹھواں حصہ ملے گا۔

نوٹ:

بیوی ایک ہو یا ایک سے زیادہ چوتھے اور آٹھویں حصہ میں سب برابر کی شریک ہوں گی۔ اسی طرح اولاد عام ہیں مذکر ہو یا مؤنث۔(۱)

(۶)......بیٹی:

بیٹیوں کی تین حالتیں ہیں:

(۱)۔۔۔۔اگر بیٹی ایک ہو تو اس کو آدھا حصہ ملے گا۔

(۲)۔۔۔۔اگر بیٹیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کو دو تہائی حصے ملیں گے جسے وہ آپس میں برابر برابر تقسیم کریں گے۔

(۳)۔۔۔۔اگر بیٹیوں کے ساتھ کوئی بیٹا بھی ہو تو وہ اُن کو عصبہ بنائے گا اور پورا ترکہ یا ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو مال بچا ہے، وہ ان کے مابین اس حساب سے تقسیم کیا جائے گا کہ ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے۔(۲)

(۷)......پوتی:

پوتی کی چھ حالتیں ہیں:

(۱)۔۔۔۔بیٹیوں کی عدم موجودگی میں پوتی اگر ایک ہے تو اس کو آدھا حصہ ملے گا۔

(۲)۔۔۔۔بیٹیوں کی عدم موجودگی میں پوتیاں اگر ایک سے زیادہ ہوں تو انہیں دو تہائی حصے ملیں گے جب کہ یہ دو تہائی حصے ان کے مابین برابر برابر تقسیم ہوں گے۔

(۳)۔۔۔۔اگر ایک صلبی بیٹی موجود ہو تو پوتیوں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

(۴)۔۔۔۔اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو اس صورت میں پوتیاں وراثت سے محروم ہوں گی۔

---

(۱) السجاوندي، محمد بن محمد ، السراجي ،باب معرفة الفروض ومستحقيها، فصل في النساء ،ص :۷،۸

(۲)أيضاً

(۵)۔۔۔۔البتہ اگر پوتیوں کے ساتھ پوتا یا پڑپوتا یا سکڑپوتا موجود ہو تو پوتیاں ان کے ساتھ عصبہ ہوں جائیں گی۔اس لیے ذوی الفروض کو دینے کے بعد بقیہ ترکہ ان کو ملے گا اور وہ باہم اس طرح تقسیم کریں گے کہ پوتے کو دوہرا اور پوتی کو اکہرا حصہ ملے گا۔

۶)۔۔۔۔اگر پوتیوں کے ساتھ میت کا کوئی بیٹا ہو تو پوتیاں اور پوتے سب محروم ہو جائیں گے،اس لیے کہ بیٹا زیادہ قریبی رشتہ دار ہے۔اسی طرح پڑپوتیوں کے ساتھ اگر کوئی پوتا ہو تو پڑپوتیاں اور پڑپوتے سب ساقط ہو جائیں گے،اس لیے کہ پوتا زیادہ قریبی وارث ہے۔(۱)

(۸)......عینی یا حقیقی بہن:

عینی یا حقیقی بہنوں کی پانچ حالتیں ہیں:

(۱)۔۔۔۔اگر حقیقی بہن ایک ہے تو اس کو آدھا حصہ ملے گا۔

(۲)۔۔۔۔اگر حقیقی بہنیں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو انہیں دو تہائی حصے ملیں گے۔

(۳)۔۔۔۔اگر حقیقی بہنوں کے ساتھ حقیقی بھائی ہو تو حقیقی بہنیں عصبہ ہوں گی اس لیے کہ رشتہ میں دونوں برابر ہیں اور ایک بھائی کو دو بہنوں کے برابر حصہ ملے گا۔

(۴)۔۔۔۔اگر حقیقی بہنوں کے ساتھ بیٹی،پوتی (رشتے میں نیچے تک) میں سے کوئی ہو تو حقیقی بہنوں کو (بیٹی اور پوتی وغیرہ تمام اصحاب الفروض کا حصہ دینے کے بعد) باقی ماندہ ترکہ ملے گا اس حالت کو عصبہ مع الغیر کہتے ہیں۔

(۵)۔۔۔۔حقیقی بہن اور بھائی بیٹے، پوتے نیچے تک اور باپ، دادا اوپر تک، کی موجودگی میں ساقط ہو جاتے ہیں۔(۲)

(۹)......باپ شریک بہن:

باپ شریک بہن کی سات حالتیں ہیں:

(۱)۔۔۔۔اگر حقیقی بہن نہ ہو اور باپ شریک بہن صرف ایک ہو تو اِسے آدھا حصہ ملے گا۔

(۲)۔۔۔۔اگر حقیقی بہن نہ ہو اور باپ شریک بہن دو یا دو سے زیادہ ہوں تو انہیں دو تہائی حصے ملیں گے۔

---

(۱) السجاوندي، محمد بن محمد ، السراجي، باب معرفة الفروض ومستحقيها، فصل في النساء، ص :۸

(۲) أيضاً ص : ۱۰،۱۱

(۳)۔۔۔۔اگر حقیقی بہن ایک ہو تو باپ شریک بہن کو چھٹا حصہ ملے گا۔

(۴)۔۔۔۔اگر باپ شریک بہن کے ساتھ دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنیں ہوں تو باپ شریک بہن ساقط ہو جائے گی، اس لیے کہ بہنوں کا کل حصہ دو تہائی ہے، جسے حقیقی بہنوں نے پالیا ہے۔

(۵)۔۔۔۔باپ شریک بہنوں کے ساتھ اگر باپ شریک بھائی بھی ہوں تو باپ شریک بہنیں بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہوں گی اور ذوی الفروض کی موجودگی میں بقیہ ترکہ اور عدم موجودگی میں سارا ترکہ ان کو بطور میراث ملے گا اور وہ آپس میں اس طرح تقسیم کریں گے کہ مذکر کو دوہرا اور مؤنث کو اکہرا ملے گا۔

(۶)۔۔۔۔اگر باپ شریک بہنوں کے ساتھ مؤنث اولاد (بیٹی، پوتی نیچے تک) میں سے کوئی ہوں تو باپ شریک بہنیں عصبہ بالغیر ہوں گی۔

(۷)۔۔۔۔باپ شریک بہن بھائی بیٹے، پوتے نیچے تک اور باپ، دادا کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں، نیز باپ شریک بہن بھائی حقیقی بھائی کی وجہ سے بھی میراث سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح حقیقی بہن کی وجہ سے بھی ساقط ہو جاتے ہیں جب کہ حقیقی بہن عصبہ مع الغیر ہو جائے۔(۱)

(۱۰)......ماں:

ماں کی تین حالتیں ہیں:

(۱)۔۔۔۔اگر ماں کے ساتھ میت کا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی (اگر چہ رشتہ میں نیچے تک ہو) میں سے کوئی موجود ہو یا میت کے تینوں قسموں حقیقی، علاتی واخیافی بہن بھائیوں میں سے دو یا دو سے زیادہ موجود ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

(۲)۔۔۔۔اگر میت کی کوئی اولاد یا بھائی بہنوں میں سے دو یا دو سے زیادہ نہ ہوں تو ماں کو ثلث الکل (پورے ترکہ کا تہائی حصہ) ملے گا۔

(۳)۔۔۔۔اگر میت کے پسماندگان میں ماں کے ساتھ باپ اور میاں بیوی میں سے کوئی ایک ہو تو ماں کو بیوی یا شوہر کا حصہ دینے کے بعد بچے ہوئے ترکہ کا تہائی حصہ ملے گا۔اسی کو ثلث باقی یا ثلث ما بقی کہا جاتا ہے۔(۲)

---

(۱) السجاوندي، محمد بن محمد، السراجي،باب معرفة الفروض ومستحقيها، فصل في النساء،ص: ۱۰،۱۱

(۲) أيضاً

(۱۱)......جدہ صحیحہ: (جدہ صحیحہ اُس مؤنث اصلِ بعید کو کہتے ہیں جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں جدِ فاسد (نانا) کا واسطہ نہ آئے، جیسے: باپ کی ماں، دادا کی ماں، ماں کی ماں وغیرہ)

جدہ صحیحہ کی دو حالتیں ہیں:

(۱)۔۔۔۔اگر کوئی حاجب نہ ہو تو جدہ صحیحہ کو چھٹا حصہ ملے گا، خواہ وہ دادی ہو یا نانی اور خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جداتِ فاسدہ نہ ہوں، بلکہ صحیحہ ہوں اور مرتبہ میں برابر ہوں یعنی اگر ایک جدہ ایک واسطہ سے نانی ہو تو دوسری بھی ایک ہی واسطہ سے دادی ہو۔ اگر ایک قریب کی ہو اور دوسری دور کی تو قریب والی وارث ہوگی اور دور والی ساقط ہو جائے گی۔

(۲)۔۔۔۔جدہ درج ذیل چار صورتوں میں ساقط ہو جاتی ہے:

(الف)......ماں کی وجہ سے تمام جدات ساقط ہو جاتی ہیں، خواہ پدری (دادی) ہو یا مادری (نانی)

(ب)......باپ کی وجہ سے صرف دادیاں ساقط ہو جاتی ہیں اور نانیاں ساقط نہیں ہوتیں۔

(ج)......دادا کی وجہ سے وہ دادیاں ساقط ہو جاتی ہیں جو دادا کی وساطت سے ہوں، مثلاً: دادا کی ماں دادا کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی، مگر دادا کی بیوی دادا کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگی، کیونکہ دادی کا میت سے رشتہ جوڑنے میں دادا کا واسطہ نہیں آتا۔ اسی طرح پردادا کی وجہ سے پردادا کی بیوی (دادا کی ماں) ساقط نہیں ہوگی، اسی طرح اوپر کی دادیوں کا حال سمجھ لینا چاہیے۔

(د)......قریب والی جدہ خواہ کسی رشتہ سے ہو، دور والی کو ساقط کر دیتی ہے، خواہ باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے اور قریب والی وارث ہو رہی ہو یا ساقط۔

(۱۲)......ماں شریک بہن:

ماں شریک بہن کے وہی احکام ہیں جو ماں شریک اولاد کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔(۲)

عصبات:

عصبہ میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کا حصہ قرآن وحدیث میں متعین نہیں ہیں بلکہ وہ تنہا ہونے کی صورت میں

(۱) السراجي، باب معرفة الفروض ومستحقيها، فصل في النساء، ص:۱۲، ۱۳

(۲) السراجي في الميراث، باب معرفة الفروض ومستحقيها، فصل في النساء، ص:۷

تمام ترکہ اور ذوی الفروض کے ساتھ باقی ماندہ ترکہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ عصبہ کی دو قسمیں ہیں: نسبی اور سببی

(۱)......عصبہ نسبی:

نسبی وہ عصبہ ہے، جن کا میت سے ولادت کا تعلق ہوتا ہے۔

عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) عصبہ بنفسہٖ (جو بذاتِ خود عصبہ ہوں)

(۲) عصبہ بغیرہ (جو دوسرے کی وجہ سے عصبہ ہوتے ہیں)

(۳) عصبہ مع غیرہ (جو دوسرے کے ساتھ مل کر عصبہ ہوتے ہیں)

(۱)......عصبہ بنفسہٖ:

ہر اُس مذکر رشتہ دار کو کہتے ہیں جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں مؤنث کا واسطہ نہ آئے عصبہ بنفسہٖ کی چار قسمیں ہیں:

(۱)۔۔۔۔ جزءِ میت: یعنی میت کی مذکر نسل یا مذکر کے فروع چاہے نچلے درجے میں ہوں جیسے لڑکے، پھر پوتے (نیچے تک) اس رشتہ کو "بُنُوَّت" کہا جاتا ہے۔

(۲)۔۔۔۔ اصلِ میت: یعنی میت کے مذکر اُصول چاہے اوپر درجہ کے ہوں جیسے باپ پھر دادا (اوپر تک) اس رشتہ کو "اُبُوَّت" کہا جاتا ہے۔

(۳)۔۔۔۔ جزءِ اب میت: یعنی میت کے باپ کی مذکر اولاد، جیسے حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی پھر حقیقی بھائی کے لڑکے (اسی طرح نیچے تک) حقیقی علاتی پر مقدم رہیں گے اس رشتہ کو "اُخُوَّت" کہا جاتا ہے۔

(۴)۔۔۔۔ جزءِ جدِ میت: یعنی میت کے دادا کی مذکر اولاد، جیسے حقیقی چچا پھر علاتی چچا پھر حقیقی چچا کے لڑکے پھر علاتی چچا کے لڑکے (اسی طرح نیچے تک) حقیقی ہمیشہ علاتی پر مقدم رہیں گے اس رشتہ کو "عُمُومَت" کہا جاتا ہے۔ (۱)

عصبہ بنفسہٖ کے مابین ترجیح کے اُصول:

عصبہ بنفسہٖ کی چار قسموں میں سے اگر ایک ہی قسم اور ایک ہی درجہ کے عصبہ موجود ہوں تو ترکہ کے مستحق صرف وہی ہوں گے۔ اِس صورت میں ترجیح کی ضرورت نہ ہوگی لیکن اگر چاروں قسم کے عصبات میں سے متعدد مستحقین جمع

(۱) السجاوندي، محمد بن محمد ، السراجي، باب العصبات ،ص: ١٤

ہوجائیں تو ان میں ترجیح کے تین طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: پہلی قسم والے عصبہ کو دوسری قسم والے عصبہ پر اور دوسری قسم والے کو تیسری قسم والے پر اور تیسری قسم والے کو چوتھی قسم والے عصبہ پر ترجیح دی جائے گی۔ یعنی لڑکے یا پوتے کی موجودگی میں باپ، دادا عصوبت کے طور پر میراث کے مستحق نہیں ہوں گے اور باپ دادا کی موجودگی میں بھائی میراث کے مستحق نہیں اور بھائی کی موجودگی میں چچا مستحق نہیں۔

دوسرا طریقہ: اگر عصبہ بنفسہ میں ایک ہی قسم کے متعدد افراد جمع ہوجائیں تو ان میں جو میت سے زیادہ قریب ہو، وہ عصوبت کے طور پر حصہ دار ہوگا اور دُور والا عصبی رشتہ دار میراث کے حصہ سے محروم رہے گا، مثلاً: میت کا بیٹا اور پوتا دونوں ہوں تو بیٹے کو میراث ملے گی جب کہ پوتا محروم ہوگا۔

تیسرا طریقہ: عصبہ بنفسہ کے مابین ترجیح دینے کا تیسرا طریقہ قوتِ قرابت ہے یعنی اگر برابر درجہ کے کئی عصبہ بنفسہ جمع ہوجائیں جن میں سے کوئی بھی دوسروں کی نسبت میت سے زیادہ قریب نہ ہو، تو رشتہ کی قوت کو مدنظر رکھتے ہوئے جس کا رشتہ زیادہ قوی ہوگا اس کو ترجیح ہوگی لہٰذا میت کے حقیقی بھائی کو علاتی بھائی پر، حقیقی بہن کو (جب وہ بیٹی یا پوتی کی وجہ سے عصبہ ہو) کو علاتی بہن پر، حقیقی چچا کو علاتی چچا پر، حقیقی بھتیجے کو علاتی بھتیجے پر ترجیح ہوگی۔

(۲)......عصبہ بغیرہ:

غیر کی وجہ سے عصبہ وہ عورتیں ہیں، جو اپنے بھائیوں کی وجہ سے عصبہ ہوتی ہیں۔ یہ کل چار عورتیں ہیں:

(۱) بیٹی (۲) پوتی (۳) حقیقی بہن (۴) علاتی بہن

یعنی بیٹی اگر بیٹے کے ساتھ، پوتی اگر پوتے کے ساتھ، حقیقی بہن اگر حقیقی بھائی کے ساتھ اور علاتی بہن اگر علاتی بھائی کے ساتھ ہو تو یہ عصبہ بالغیر ہوں گی اور دیگر ذوی الفروض کی موجودگی میں ان سے بچا ہوا اور عدم موجودگی میں سارا ترکہ ان کو مل جائے گا اور وہ آپس میں اس طرح تقسیم کریں گے کہ ہر مذکر کو دو مؤنث کے برابر حصہ ملے گا(۱)

(۳)......عصبہ مع غیرہ:

یہ وہ عورتیں ہیں جو مؤنث فروع (بیٹی، پوتی، پڑپوتی نیچے تک) کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں، یہ صرف دو عورتیں ہیں: حقیقی بہن اور علاتی بہن، جب ان کے ساتھ بیٹی یا پوتی (نیچے تک) میں سے کوئی ہو تو یہ عصبہ مع الغیر

(۱) السجاوندي، محمد بن محمد، السراجي في الميراث، باب العصبات، ص: ١٤

ہوجاتی ہیں اور بیٹی وغیرہ کو دینے کے بعد بچا ہوا ترکہ ان کو ملتا ہے۔ عصبہ مع غیرہ کو عصبہ مع الغیر بھی کہا جاتا ہے۔

نوٹ: جب حقیقی بہن عصبہ مع الغیر ہوتی ہے تو وہ حقیقی بھائی کے حکم میں ہوجاتی ہے، لہٰذا یہ علاتی بھائی اور علاتی بہن کو ساقط کردیتی ہے۔ نیز حقیقی بہن کی وجہ سے دور کے عصبات بھی ساقط ہوجاتے ہیں، جیسے: بھتیجے اور چچا وغیرہ۔

اسی طرح علاتی بہن جب عصبہ مع الغیر ہوتی ہے تو علاتی بھائی کے حکم میں ہوجاتی ہے یعنی اپنے سے دور والے عصبات کو ساقط کردیتی ہے، مثلاً: بھتیجے، چچا وغیرہ۔ (۲)

(۲)......عصبہ سببی:

عصبہ کی دوسری قسم عصبہ سببی ہے، یہ وہ عصبہ ہے جس کا میت سے عتاق (غلامی سے آزادی) کا تعلق ہوتا ہے اس کو "مولی العتاقہ" بھی کہا جاتا ہے۔ مولی العتاقہ کے معنی ہیں "آزاد کرنے والا آقا" غلام آزاد کرنے والے کو آزاد کرنے کے عوض میں آزاد شدہ غلام کی وراثت ملتی ہے، جب کہ غلام کے دیگر شرعی ورثا موجود نہ ہوں (۳)

حجب: حجب کے لغوی معنی ہیں 'روکنا' اور اصطلاح میں 'کسی وارث کا دوسرے وارث کی وجہ سے کل یا بعض حصہ میراث سے محروم ہوجانا۔ حجب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حجبِ نقصان (۲) حجبِ حرمان

(۱) حجبِ نقصان:

کسی وارث کا دوسرے وارث کی وجہ سے زیادہ حصے کی بجائے کم حصہ پانا حجبِ نقصان کہلاتا ہے۔ حجبِ نقصان پانچ افراد پر طاری ہوتا ہے: شوہر، بیوی، ماں، پوتی اور علاتی بہن۔

(۲) حجبِ حرمان:

"کسی وارث کا دوسرے وارث کی موجودگی میں وراثت سے بالکل محروم ہوجانا حجبِ حرمان کہلاتا ہے۔"

مکمل محروم ہونے کے اعتبار سے ورثا کی دو جماعتیں ہیں:

(۱) ایک وہ جو کبھی محروم نہیں ہوتی۔ یہ چھ افراد ہیں: زوجین، والدین، بیٹے اور بیٹیاں۔

(۲) دوسری جماعت اُن ورثا کی ہے جو کبھی مکمل محروم ہوتے ہیں اور کبھی نہیں۔ یہ درج ذیل افراد ہیں: دادا، دادی، حقیقی، علاتی اور اخیافی بھائی، حقیقی، علاتی اور اخیافی بہن، پوتا، پوتی، حقیقی اور علاتی چچا۔ نیز چچوں کے بیٹوں کو بھی اس میں شمار کیا جاتا ہے۔

دوسری جماعت کے محروم ہونے کے لیے دو قاعدے ہیں:

(۱)۔۔۔۔ذوالواسطہ واسطہ کے ہوتے ہوئے محروم ہوتا ہے، جیسے: باپ کی موجودگی میں میت کا دادا محروم ہوتا ہے، البتہ اخیافی بھائی اور بہن ماں کی وجہ سے محروم نہیں ہوتے۔

(۲)۔۔۔۔دور والا وارث قریب والے وارث کی موجودگی میں محروم ہوتا ہے، جیسے: بھائی کی موجودگی میں چچا کو اور حقیقی بھائی کی موجودگی میں باپ شریک بھائی کو حصہ نہیں ملے گا۔

ذوی الأرحام:

ذوی الأرحام میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کا حصہ قرآن وحدیث میں مقرر نہیں ہے، نہ اجماع سے ان کے حصے طے پا گئے ہیں اور نہ ہی وہ عصبات ہیں۔

استحقاق ارث کے اعتبار سے عصبات کی طرح ذوی الأرحام کی بھی چار قسمیں ہیں:

(۱)......وہ جن کی نسبت میت کی طرف ہے۔ان کی دو قسمیں ہے:

(الف) بیٹیوں کی اولاد (ب) پوتیوں کی اولاد

(۲)......وہ جن کی طرف میت کی نسبت ہے۔یہ بھی دو قسم پر ہیں:

(الف) جدِ فاسد (جس کا میت کے ساتھ رشتہ جوڑنے میں مؤنث کا واسطہ ہو)

(ب) جدہ فاسدہ (جس کا میت کے ساتھ رشتہ جوڑنے میں جدِ فاسد کا واسطہ ہو)

(۳)......وہ جن کی نسبت میت کے والدین کی طرف ہے۔ان کی تین قسمیں ہیں:

(الف) حقیقی، علاتی اور اخیافی بہنوں کی اولاد خواہ مذکر ہو یا مؤنث (یعنی بھانجے، بھانجیاں)

(ب) حقیقی اور علاتی بھائیوں کی مؤنث اولاد (یعنی بھتیجیاں اور اُن کی سب اولاد)

(ج) بھتیجوں کی مؤنث اولاد (د) اخیافی بھائیوں کی سب اولاد مذکر ہو یا مؤنث

(۴)......وہ جو میت کے اجداد وجدات کی طرف منسوب ہوں، جیسے: پھوپھیاں اور ان کی اولاد، اخیافی چچا اور ان کی اولاد، ماموں اور ان کی اولاد، خالائیں اور ان کی اولاد۔

مذکورہ چاروں قسمیں اور وہ تمام لوگ جو ان کے واسطے سے میت سے جڑتے ہیں، ذوی الارحام میں سے ہیں(۱)

(۱) السراجي في الميراث ،باب ذوي الأرحام ،ص :٣٥،٣٤

مسائل باب الترکہ

تجہیز وتکفین کے اخراجات

سوال نمبر(326):

ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے جو اخراجات میت کی تجہیز وتکفین وغیرہ پر کیے جاتے ہیں، شریعت کی رو سے اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی شخص کی فوتگی کے بعد اس کے ترکہ سے وابستہ ہونے والے حقوق میں سب سے پہلا حق اس کی تجہیز وتکفین ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص وفات پائے تو اس کے مال سے اس کے کفن، قبر، دفن وغیرہ کے اخراجات پورے کیے جائیں گے۔ تاہم اس میں میت کی حالت کے مطابق اعتدال کی رعایت ضروری ہے، چنانچہ ترکہ سے نہ تو ضروری اخراجات میں اسراف سے کام لینے کی اجازت ہے اور نہ ہی غیر ضروری اخراجات جیسے: مروجہ خیرات وغیرہ میں خرچ کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی شخص اس میں بے اعتدالی یا اسراف کرتا ہے تو اس کا بوجھ وہ خود برداشت کرے گا۔ ورثا پر اس کا بوجھ ڈالنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

التركة تتعلّق بها حقوقٌ أربعةٌ : جهازُ الميتِ ودفنه، والدّين والوصية، والميراث، فيبدأ أوّلاً بجهازه وكفنه وما يحتاج إليه في دفنه بالمعروف.(۱)

ترجمہ:

ترکہ کے ساتھ چار حقوق متعلق ہوتے ہیں: (۱) میت کی تجہیز وتکفین، (۲) قرض (۳) وصیت (۴) میراث۔ چنانچہ سب سے پہلے عرف کے مطابق تجہیز وتکفین اور دفن میں جس کی ضرورت پڑتی ہو، اس سے شروع کیا جائے گا۔

❁❁❁

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الفرائض، الباب الأوّل: ٤٤٧/٦

بینک اکاؤنٹ میں موجود رقم

سوال نمبر(327):

مرحوم ارشد علی چند سال پہلے فوت ہو گئے ہیں۔فوتگی سے ایک ماہ قبل مرحوم نے بینک کے ذریعہ تنخواہ نکالنے کے لیے اکاؤنٹ کھولا تھا اور اپنی غیر موجودگی میں اپنی بیوی کو اس میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔مرحوم کی وفات کے وقت اُس اکاؤنٹ میں چون ہزار روپیہ موجود تھا۔پوچھنا یہ ہے کہ یہ رقم مرحوم کا ترکہ شمار ہوگا یا اس کی بیوی کی ملکیت ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی چیز کے مالک بننے کے لیے اسبابِ ملک میں سے کسی سبب مثلاً: اِرث، بیع، ہبہ وغیرہ کا موجود ہونا ضروری ہے، ورنہ صرف کاغذی کارروائی سے کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہیں بنتا۔البتہ کسی کام کی انجام دہی میں قانونی کارروائی کے لیے وارث تو بجا، اجنبی بھی قائم مقام بن سکتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مذکورہ میں کھاتہ دار (اکاؤنٹ ہولڈر) کی عدمِ موجودگی میں اُس کی بیوہ صرف قانونی قائم مقام کی حیثیت رکھے گی اور اکاؤنٹ میں موجودہ رقم میت کا ترکہ شمار ہوگا جو اُس کے سب ورثا میں بقدرِ حصص تقسیم کیا جائے گا۔البتہ اگر بیوہ نے مرحوم کے بعد اِس اکاؤنٹ میں اپنی مملوکہ رقم رکھی ہو تو وہ رقم ذاتی ہونے کی وجہ سے صرف اُسی کی ملکیت شمار ہوگی۔

والدّلیل علی ذلك:

التركة في الاصطلاح : ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير.(۱)

ترجمہ:

ترکہ اصطلاح میں وہ تمام اموال ہیں جو مرتے وقت میت چھوڑ جائے اور اُن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الفرائض: ۱۰/۴۹۳

دیت کا مال مقتول کے ترکہ میں شمار کرنا

سوال نمبر(328):

دیت میں وصول شدہ رقم مقتول کا ترکہ شمار ہوگا یا نہیں؟ اور اس کا طریقہ تقسیم کیا ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قتلِ شبہ عمد، قتلِ خطا، جاری مجری خطا اور قتل بالسبب میں لازم ہونے والی دیت اور قتل عمد میں ورثا کے صلح سے لازم ہونے والا مال مقتول کا ترکہ شمار ہوتا ہے جو مقتول کے ورثا میں حسبِ اُصولِ میراث تقسیم کیا جائے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

واعلم :أنه يدخل في التركة الدية الواجبة بالقتل الخطاء أو بالصلح عن العمد .(۱)

ترجمہ: جان لو کہ قتلِ خطا میں واجب ہونے والی دیت اور قتل عمد سے صلح میں واجب ہونے والا مال ترکہ میں داخل ہوگا۔

❁❁❁

مرحومہ بیوی کا مہر ترکہ میں شمار کرنا

سوال نمبر(329):

ایک خاتون کا مہر اس کے شوہر کے ذمہ باقی ہو اور اس دوران بیوی کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ مہر مرحومہ کے ترکہ میں داخل ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجوابُ وباللہ التوفیق:

مرحومہ سے باقی ماندہ دیگر اشیا کی طرح اُس کا شوہر کے ذمہ جو مہر باقی ہے وہ بھی ترکہ میں شمار ہوگا اور ورثا پر اُن کے شرعی حصوں کے بقدر تقسیم کیا جائے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم ،كذلك يكون الدّين الذي له في ذمة أخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم. (۲)

---

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الفرائض: ۴۹۳/۱۰

(۲) شرح المجلة لسليم رستم باز،الفصل الثالث ،رقم المادة /۱۰۹۲ ،ص/ ۶۱۰

ترجمہ:

جس طرح میت کی متروکہ اشیا ورثا میں اُن کے شرعی حصوں کے بقدر مشترک ہوتے ہیں، اسی طرح میت کا دوسرے کے ذمہ جو قرض ہو وہ بھی ورثا میں ان کے حصوں کے بقدر مشترک ہوگا۔

❁❁❁

ترکہ میں تصرف کر کے حاصل شدہ منافع کا حکم

سوال نمبر(330):

زید صرافہ بازار میں ایک دکان کا مالک تھا جس میں وہ سونے چاندی کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا تھا۔ اُس کی وفات کے بعد اُس کے ورثا میں ایک بیوہ، چار بیٹے اور ایک بیٹی شامل تھی۔ ورثا نے مرحوم کے ترکہ کو تقسیم نہیں کیا بلکہ دو بھائی بہن کی اجازت کے بغیر مذکورہ دُکان میں کاروبار کرتے رہے جس کے منافع چار بھائی آپس میں تقسیم کرتے تھے، بہن کو منافع میں سے کچھ نہیں دیا۔ اب وہ کاروبار بہت آگے بڑھ چکا ہے اور بہن والد کے ترکہ میں اپنے حصہ کا مطالبہ کر رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب اگر جب تقسیم کی جائے گی تو بہن کو کاروبار کی اُس مالیت میں حصہ ملے گا جو والد کی وفات کے وقت تھی یا ابھی جو مالیت ہے، اُس میں حصہ ملے گا؟ نیز جو منافع ماہوار تقسیم ہوئے ہیں اُن میں بہن کا حصہ ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ مشترکہ مالِ میراث میں جب کوئی وارث باقی ورثا کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف کر کے نفع کمائے تو یہ نفع صرف اسی کا شمار ہوگا۔ باقی ورثا اس نفع میں شریک نہ ہوں گے۔ وہ صرف اصل ترکہ میں اپنے حصہ کے حق دار سمجھے جائیں گے۔ نیز اگر تصرف کرنے سے نفع کی بجائے نقصان ہو جائے تو تصرف کرنے والا ضامن ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی بھائیوں نے بہن کی اجازت کے بغیر متروکہ کاروبار میں محنت کر کے اِسے آگے بڑھا کر نفع کمایا ہو تو بہن کا اُس اضافی منافع میں کوئی حصہ نہیں بنتا۔ تاہم اصل ترکہ میں جس قدر جائیداد، سامان یا رقم موجود تھی اُسے تمام ورثا میں بقدرِ حصصِ میراث تقسیم کیا جائے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

إذا أخذ أحدُ الورثة مبلغاً من الدّراهم من التركة قبل القسمة بدونِ إذنِ الأخرين وعمل فيه

وخسر تكون الخسارة عائدة إليه كما أنه إذا ربح لايسوغ لبقية الورثة طلب حصة منه.(١)

ترجمہ:
جب کوئی ایک وارث دوسروں کی اجازت کے بغیر تقسیم سے قبل ترکہ میں سے کچھ دراہم لے لے اور اُس میں عمل کرے اور تاوان ہوجائے تو تاوان اُسی پر لوٹے گا، جیسا کہ اگر اُسے نفع ہوجائے تو باقی ورثا کو یہ حق نہیں کہ اُس سے حصہ کا مطالبہ کریں۔

❁❁❁

بیٹے کا باپ کی زندگی میں میراث کا مطالبہ کرنا

سوال نمبر(331):

ایک شخص اپنی زندگی میں اپنی جملہ جائیداد فروخت کرنا چاہتا ہے، مگر اس کا ایک بیٹا اُسے جائیداد فروخت کرنے سے روک رہا ہے اور اپنے حصے کا مطالبہ کرتا ہے۔ کیا شرعاً بیٹے کو یہ اختیار ہے کہ وہ باپ کی زندگی میں اس سے حصۂ میراث کا مطالبہ کرے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

باپ اپنی مملوکہ جائیداد میں خود مختار ہے۔ وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے۔ شرعاً کوئی بیٹا اس کو منع کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ ہی باپ کی زندگی میں اُس کی جائیداد میں اپنے حصے کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ ہاں اگر باپ خود ہی اپنی خوشی سے مال اپنے بیٹے کو دینا چاہے تو یہ اس کے دائرہ اختیار میں ہے اور اس صورت میں یہ اس کی طرف سے ہبہ، تبرع اور احسان شمار کیا جاتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

الإرث يثبت بعد موت المورث.(٢)

ترجمہ: میراث مورث کی وفات کے بعد ثابت ہوتا ہے۔

---

(١) شرح المجلة، المادة ١٠٩٠ : ٤/٢٩-٣٠

(٢) البحر الرائق، كتاب الفرائض :٩/٣٦٤

شہید پیکج کے تحت ملنے والی مراعات کا حکم

سوال نمبر(332):

میرا بیٹا ارشد مرحوم محکمہ پولیس میں بطورِ کانسٹیبل بھرتی تھا۔دورانِ ڈیوٹی شہید ہوا۔حکومت کی طرف سے شہید پیکج کے تحت مراعات دینے کا حکم ہوا۔شہید میں درج ذیل مراعات شامل تھے:

33لاکھ روپے نقد،16ہزار ماہوار،ایک عدد پلاٹ،جس کی قیمت 10لاکھ روپے ہے۔

شہید کے ورثا یہ ہیں:ایک بیٹی،ایک بیوہ،والد،والدہ۔ شہید پیکج میں سے کس وارث کو حصہ ملتا ہے اور کس کو نہیں؟اگر ملتا ہے تو ہر وارث کو علیحدہ حصہ لکھ دیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے میراث کے احکامات میت کے ترکہ میں جاری ہوتے ہیں یعنی جو اموال بوقت وفات میت کی ملکیت میں داخل ہوں وہ ورثا میں بقدرِ حصص تقسیم کیے جائیں گے اور جو مال بوقتِ وفات اُس کی ملکیت میں نہ ہو بلکہ اُس کی وفات کے بعد کسی پیکج وغیرہ کی صورت میں دیا گیا وہ ترکہ میں شمار نہ ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں حکومت کی طرف سے شہید پیکج میں جو مراعات ملتی ہیں اس میں میراث جاری نہیں ہوگا بلکہ حکومت کے قانون کے مطابق یہ مراعات ورثا میں سے جس جس کو ملیں،وہی اُن کا مالک ہوگا۔میت کے باقی ورثا اِس میں حق دار نہ ہوں گے۔قانون کے بارے میں جاننے کے لیے متعلقہ ادارہ کے باخبر ذمہ دار افسران سے رابطہ کریں۔

والدّلیل علی ذلک:

العطایا لا یورث عنه. (۱)

ترجمہ:

عطیات میں میراث جاری نہیں ہوتا۔

❁❁❁

(۱) شرح الأشباہ والنّظائر: ۲/۹۵ ؛

زندگی میں بیٹی کو بیٹوں کے برابر حصہ دینا

سوال نمبر(333):

ایک لڑکی سے اُس کے والدین راضی ہیں اور وہ دونوں چاہتے ہیں کہ اس بیٹی کو جائیداد میں بیٹوں کے برابر حصہ ملے۔ باقی ورثا کا بھی اِس پر کوئی اعتراض نہیں تو آیا اس کو بیٹوں کے برابر حصہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جب صاحبِ مال فوت ہو جائے تو اُس کا مال ترکہ شمار ہوتا ہے جو اُس کے ورثا میں قانونِ شرعی کے مطابق تقسیم کرنا ضروری ہے، البتہ اگر زندگی ہی میں کوئی شخص اپنا مال تقسیم کرتا ہو تو چونکہ یہ میراث نہیں بلکہ ہبہ ہے اس لیے مالک کے لیے اُفضل اور بہتر یہ ہے کہ اپنے مال کو ورثا میں بلا امتیازِ مرد و زن برابر برابر تقسیم کرے۔

صورتِ مذکورہ میں لڑکی کے والدین اگر زندگی ہی میں اولاد کو مال دینا چاہتے ہیں تو اُن کے لیے بہتر یہی ہے کہ بیٹی کو بیٹے کے برابر حصہ دیں۔ البتہ اگر والد کی وفات کے بعد تقسیم میراث کی کوئی صورت ہو تو پھر اُس کے جملہ مال کو قانونِ شرعی کے مطابق للذّکر مثل حظّ الانثیین کے اُصول پر تقسیم کیا جائے گا۔ یعنی اس طرح کہ بیٹے کو بیٹی کے حصے کا دوگنا ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو وهب رجل شيئًا لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض على البعض في ذلك لا رواية لهذا في الأصل عن أصحابنا، وروي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كانا سواء يكره، وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى: أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطى الابنة مثل ما يعطى للابن وعليه الفتوى.(۱)

ترجمہ:

اگر کوئی آدمی اپنی صحت میں اولاد کو کچھ ہبہ کرتا ہو اور اس میں بعض کو بعض پر ترجیح دینا چاہے تو اس کے بارے

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الهبة، باب في الهبة لصغير: ۳۹۱/۴

میں ہمارے حضرات حنفیہ رحمہم اللہ سے (کتاب) ''الأصل'' میں کوئی روایت نہیں۔البتہ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ اگر یہ ترجیح کسی دینی فضیلت کی وجہ سے ہوتو کوئی حرج نہیں،لیکن اگر دینداری میں دونوں برابر ہوں تو ایک کو ترجیح دینا مکروہ ہے۔معلی میں امام ابویوسفؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ اگر کسی کو ضرر دینے کا ارادہ نہ ہوتو کسی ایک کو ترجیح دینا جائز ہے،ورنہ سب کو برابر برابر حصہ دے گا۔چنانچہ بیٹی کو بیٹے جتنا حصہ دیا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

❁❁❁

ہبہ میں صرف کاغذی کارروائی کی حیثیت

سوال نمبر(334):

فضل حسین نے اپنی زندگی میں چھوٹے بیٹے (عابد حسین) کو اپنے گھر کا ۳/۴ حصہ دے دیا اور بیٹے نے انتقال کا سرکاری کاغذ بھی بنالیا۔مگر بعد میں فضل حسین نے بڑے بیٹے اور بیٹیوں کو کہا کہ یہ کام میں نے نہیں کیا اور مرتے دم تک اس گھر میں رہائش پذیر رہا۔باپ کی وفات کے بعد عابد حسین اور بڑے بھائی مسعود نے مشورہ سے بہنوں کی اجازت کے بغیر اس گھر کو فروخت کردیا جس میں مسعود نے ۱/۴ اور عابد حسین نے ۳/۴ حصے کے بقدر رقم وصول کی۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس گھر میں بہنیں (جن کی تعداد پانچ ہے) حقدار ہیں یا نہیں؟اور سرکاری کاغذ میں انتقال کرنا شرعی قبضہ ہے یا نہیں؟جب کہ عملی طور پر باپ نے قبضہ نہیں دیا تھا۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب کوئی شخص اپنی زندگی میں ہوش وحواس کے ہوتے ہوئے بغیر کسی دباؤ کے اپنی مملوکہ جائیداد کسی کو دے دے تو یہ شرعاً ہبہ کہلاتا ہے۔ہبہ کے تام ہونے کی شرط یہ ہے کہ موہوب لہ موہوبہ چیز کو قبض کرلے۔چنانچہ اگر موہوب لہ کا موہوبہ چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے پہلے ہبہ کرنے والا فوت ہوجائے تو موہوبہ چیز موہوب لہ کی ملک شمار نہ ہوگی،بلکہ میراث میں شامل ہوکر تمام ورثا اس میں شریک ہوں گے۔نیز یاد رہے کہ جہاں کہیں عملاً قبضہ نہ ہو تو محض کاغذی کارروائی سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔سرکاری کاغذات میں انتقال کروانا محض قانونی کارروائی ہے،مستقل قبضہ نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں اگر واہب (فضل حسین) نے بصدقِ دل اپنی جائیداد کا مخصوص حصہ اپنے بیٹے (عابد حسین) کے نام کرایا ہو اور ساتھ ہی قبضہ بھی دیا ہو تو پھر باقی ورثا کا اس جائیداد میں حق نہیں رہتا ہے،لیکن اگر حسبِ سوال

واقعتاً واہب نے مکمل قبضہ نہ دیا ہو بلکہ صرف سرکاری کاغذات میں انتقال کروایا گیا ہو تو محض اِس کارروائی سے بیٹا اِس مخصوص حصے کا مالک متصور نہیں ہوگا۔ لہٰذا مرحوم کی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد بشمول اِس مکان کے ورثا میں شرعی اُصولوں کے تحت تقسیم ہوگی، جس کی صورت یوں ہوگی:

میـــــــــــــ(۹)ـــــــــــــت

بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۲	۲	۱	۱	۱	۱	۱

بشرطِ صدق وثبوت اگر مرحوم (فضل حسین) کا مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ رشتہ دار نہ ہو تو اس کا کل مال ۹ حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک بیٹے کو ۲/۹، ۲/۹ اور ہر ایک بیٹی کو ۱/۹، ۱/۹ حصہ بطورِ عصوبت ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

(وركنها) هو (الإيجاب والقبول)..........(وتتم) الهبة (بالقبض) الكامل.(۱)

ترجمہ:

ہبہ کا رکن ایجاب اور قبول ہے..........اور یہ پوری طرح قبضہ کرنے سے تام ہوتا ہے۔

وأما لبنات الصلب فأحوال ثلث..........ومع الابن للذكر مثل حظ الأنثيين، وهو يعصبهن.(۲)

ترجمہ:

پس صلبی بیٹیاں تو (ان کی) تین حالتیں ہیں:......اور بیٹے کے ساتھ، مذکر کا مؤنث کے دو حصوں کے برابر حصہ ہے اور وہ اِن کو عصبہ بناتا ہے۔

❁❁❁

واہب کی وفات کے بعد اُس کے ورثا کا ہبہ سے رجوع کرنا

سوال نمبر (335):

جب دلاور خان مرحوم کا انتقال ہوا تو اس کے ورثا: بیوی، چھ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ تمام ورثا نے اتفاق

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الهبة: ۸/ ۴۹۰-۴۹۳

(۲) السراجي، باب معرفة الفروض ومستحقيها، فصل في النساء: ص/۸

سے کل ترکہ تقسیم کر کے ہر ایک کو اُس کا حصہ دے دیا، پھر بہنوں نے بھائیوں کو اپنا حصہ واپس کر کے بخش دیا۔ اب عرصہ ہوا کہ بہنیں وفات پا گئی ہیں اور اُن کی اولاد ماموں سے حصے کا مطالبہ کر رہی ہے تو کیا ازروئے شریعت ان کا یہ مطالبہ صحیح ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے جب کوئی چیز ذورحم محرم کو ہبہ کی جائے تو اس میں رجوع کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح واہب کی وفات کے بعد اس کے ورثا کے لیے موہوبہ چیز واپس لینا جائز نہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جب بہنوں نے اپنا حصہ میراث لینے کے بعد بھائیوں کو بخوشی دے دیا تھا تو یہ ہبہ ہے جس کے بعد نہ تو خود اُنہیں واپس لینے کا اختیار تھا اور نہ ہی اُن کی وفات کے بعد اُن کی اولاد کو مطالبہ کا حق ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ومن وهب لأصوله وفروعه، أو لأخيه أو أخته أو لأولادهما أو لعمه أو لعمته شيئا، فليس له الرجوع .(١)

ترجمہ:

جو آدمی (کوئی چیز) اپنے اصول (باپ دادا اوپر تک) اور فروع (بیٹا، پوتا نیچے تک) یا بھائی یا بہن یا اُن کی اولاد یا چچا یا پھوپھی کو ہبہ کرے تو اس کے لیے اُن سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔

إذا توفي الواهب، ليس لورثته استرداد الموهوب.(٢)

ترجمہ:

جب ہبہ کرنے والا فوت ہو جائے تو اس کے ورثا کے لیے موہوبہ چیز واپس لینے کا حق نہیں۔

❁❁❁

(١) شرح المجلة لخالد الاتاسي، الكتاب السابع فى الهبة ،الباب الثالث فى بيان احكام الهبة ،المادة /٨٦٦:٣/٣٨٥

(٢) شرح المجلة لسليم رستم باز،باب فى الهبة ،المادة /٨٧٢ :ص/٤٨٢

موروثہ جائیداد کی صحیح تقسیم کے بعد رُجوع

سوال نمبر(336):

میرے والد صاحب اور چچا کے درمیان دادا کی جائیداد کی تقسیم ہوئی تھی، جس پر وہ دونوں راضی تھے اور اپنے حصوں میں تصرفات بھی کرتے رہے۔ابھی وہ دونوں فوت ہوئے ہیں اور میرے چچا کے بیٹے حاجی سردار اور ان کے بھائی کہتے ہیں کہ دادا کی جائیداد کی تقسیم صحیح نہیں ہوئی ہے اس لیے کہ آپ کو اچھی زمین ملی ہے اور ہمیں خراب زمین، لہٰذا دوبارہ تقسیم کریں گے، حالانکہ اس تقسیم کے تقریباً چالیس سال ہوئے ہیں۔اب پوچھنا یہ ہے کہ ازرُوئے شریعت ان کو دوبارہ تقسیم کے مطالبہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ جب ورثا اپنے مورِث کی وفات کے بعد جائیداد وغیرہ کی آپس میں صحیح تقسیم کرکے راضی ہو جائیں تو بعد میں ان کو اِس تقسیم سے رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا اور جب ورثا کو یہ حق حاصل نہیں تو اُن کی اولاد کو بطریقِ اولیٰ یہ حق حاصل نہیں رہتا۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی سائل کے باپ اور چچا نے آپس میں باپ کی جائیداد تقسیم کی ہو اور اس پر وہ راضی ہوئے ہوں تو اُن کی وفات کے بعد اولاد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ سابقہ تقسیم پر اعتراض کرکے دوبارہ تقسیم کرنے کا مطالبہ کریں، البتہ اگر سابقہ تقسیم میں بہنوں کو حصہ نہیں دیا گیا ہو تو ان کو ان کا حصہ دینا لازمی ہے۔اگر وہ وفات ہوئی ہوں تو ان کے ورثا کو حصہ دیا جائے، اس لیے کہ میراث میں بھائیوں کی طرح بہنوں کا بھی مستقل حق ہے اور بہنوں کو میراث سے محروم کرنا ظلم اور سخت گناہ ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

بعدتمام القسمه لا یسوغ الرجوع. (۱)

ترجمہ: تقسیم کے تام ہونے کے بعد (اس سے) رجوع کرنے کی گنجائش نہیں۔

(۱) شرح المجلة لخالدالاتاسي ،الباب اني في بيان القسمة ،الفصل السابع في بيان فسخ القسمة ،المادة ۱۱۵۷/۴:۱۰۲

بیٹی کو جہیز میراث کی نیت سے دینا

سوال نمبر(337):

بیٹی کو جہیز کے موقع پر جو سامان دیا جاتا ہے، باپ وہ سامان میراث کی نیت سے دیتا ہے اور بعد میں بیٹی کو اپنے مال میں سے میراث نہ دینے کی وصیت کرتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس صورت میں باپ کے مرنے کے بعد یہ بیٹی اُس کی وراثت میں حق دار ہوگی یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں ورثا کو اپنے مال وجائیداد میں سے کچھ حصہ دیتا ہے تو اس کو تبرع واحسان کہہ سکتے ہیں، نہ کہ میراث، اس لیے کہ میراث کسی کے مرنے کے بعد اُس کے متروکہ مال کو کہا جاتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مذکورہ میں بیٹی باپ کے مرنے کے بعد اُس کی وراثت میں دوسرے ورثا کے ساتھ برابر کی حق دار ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

الإرث یثبت بعدالموت. (۱)

ترجمہ: میراث مورث کے مرنے کے بعد ثابت ہوتی ہے۔

❀❀❀

موروثی پلاٹ میں بعض ورثا کا تعمیر کرانا

سوال نمبر(338):

ایک شخص فوت ہوا۔ اُس کے ترکہ میں دیگر اموال کے ساتھ ایک پلاٹ بھی تھا جس پر اُس کے بیٹوں نے اُس کے مرنے کے بعد اپنی خرچ سے گھر تعمیر کرلیا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اس پلاٹ اور عمارت دونوں میں میراث جاری ہوگی یا صرف پلاٹ میں؟

بینوا تؤجروا

(۱) البحرالرائق ،کتاب الفرائض :۹/۳٦٤

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے وہ مال جو انسان کی ملکیت میں ہو، اُس کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو اور آدمی اس کو چھوڑ کر فوت ہو جائے تو وہ سب مال میراث اور ترکہ کہلاتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر میت صرف پلاٹ چھوڑ کر فوت ہو گیا ہے اور بیٹوں نے اپنی ذاتی رقم سے اس پر تعمیر کی ہے تو ایسی صورت میں صرف پلاٹ میں وراثت جاری ہو گی، عمارت میں نہیں۔ ہاں اگر تعمیر بھی ترکہ کی رقم سے ہوئی ہو تو پھر پلاٹ کے ساتھ عمارت میں بھی وراثت جاری ہو گی۔

والدّلیل علی ذلک:

التركة في الاصطلاح : ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال.(۱)

ترجمہ: ترکہ اصطلاح میں وہ تمام چیزیں ہیں جو مرتے وقت میت چھوڑ جائے، اُن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو۔

❁❁❁

﴿مسائل باب استحقاق الارث وعدمه﴾

بیمار مورِث کی جائیداد فروخت کرنا

سوال نمبر (339):

ایک شخص بیمار ہے۔ اُس کے ہوش وحواس برابر نہیں۔ ایسی صورت میں ورثا اس کی جائیداد فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب تک مالک زندہ ہوتا ہے مال وجائیداد پر اُس کی ملکیت برقرار رہتی ہے خواہ بیمار ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا رشتہ داروں

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الفرائض: ۴۹۳/۱۰

کا اُس کے مال میں تصرف کرنا جائز نہیں ہوتا۔

صورتِ مسئولہ میں ورثا کو جائیداد کی فروخت کا حق حاصل نہیں اِس لیے کہ مذکورہ جائیداد کے ساتھ ورثا کا حق تب متعلق ہوگا جب مورِث کا انتقال ہو جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

الإرث يثبت بعدالموت. (۱)

ترجمہ: میراث مورث کے مرنے کے بعد ثابت ہوتی ہے۔

❁❁❁

داماد کا سُسر کی میراث میں وِراثت کا اِستحقاق

سوال نمبر (340):

مدت خان جو کہ ظریف خان کا بھتیجا ہونے کے ساتھ داماد بھی ہے۔ظریف خان کی وراثت میں کتنے حصہ کا حق دار ہے۔واضح رہے کہ ظریف خان کی تین بیٹیاں ہیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

دَاماد کو داماد ہونے کی حیثیت سے وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملتا، کیونکہ داماد میں استحقاق ارث کے اسباب ثلاثہ (قرابت، زوجیت، اور ولا) میں سے کوئی سبب نہیں پایا جاتا۔

صورتِ مسئولہ میں مدت خان کو داماد ہونے کی حیثیت سے چچا ظریف خان کی وراثت میں حصہ نہیں ملتا، البتہ بھتیجا ہونے کی حیثیت سے بطورِ عصوبت اُس صورت میں حصہ ملے گا جب اِس سے زیادہ قریبی رشتہ دار کوئی نہ ہو۔ چنانچہ اگر ظریف خان کی صرف تین بیٹیاں ہوں اور اِن کے علاوہ کوئی قریبی وارث موجود نہ ہو تو مدت خان کو چچا کی میراث میں سے ۳/۹ حصہ بطورِ عصوبت ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة ،والسبب وهو الزوجية،

(۱) البحرالرائق ،كتاب الفرائض :۹/۳٦٤

والولاء.(۱)

ترجمہ:

تین خصلتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے وراثت کا استحقاق ہوتا ہے: نسب یعنی رشتہ قرابت اور سبب یعنی رشتۂ زوجیت اور ولاء۔

❁❁❁

دیور کا بھابی کی میراث میں وراثت کا استحقاق

سوال نمبر (341):

کیا دیور کو دیور ہونے کی وجہ سے بھابی کی میراث میں کوئی حصہ ملتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

دیور کو دیور ہونے کی حیثیت سے وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملتا اس لیے کہ دیور میں استحقاق اِرث کے اسباب ثلاثہ (قرابت، زوجیت اور ولاء) میں سے کوئی سبب نہیں پایا جاتا، جب کہ استحقاق میراث کے لیے مذکورہ تینوں اسباب میں سے کسی ایک سبب کا پایا جانا ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ویستحق الإرث بإحدی خصال ثلاث: بالنسب وھو القرابة، والسبب وھو الزوجیة، والولاء.(۱)

ترجمہ:

تین خصلتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے وراثت کا استحقاق ہوتا ہے: نسب یعنی رشتہ قرابت اور سبب یعنی رشتۂ زوجیت اور ولاء۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الفرائض، الباب الاول: ٦/٤٤٧

متبنّیٰ (لے پالک) کا میراث میں استحقاق

سوال نمبر(342):

زید نے ایک لڑکے کو متبنّیٰ (لے پالک) بنایا تھا۔ اب زید کا انتقال ہوا تو کیا زید کی وراثت میں اس متبنّیٰ لڑکے کا حق بنتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

استحقاق ارث کے اسباب تین ہیں: قرابت، زوجیت، اور ولاء۔ اِن اسباب میں سے کوئی سبب جس شخص میں پایا جائے، وہ مستحق وراثت ہوگا اور جس میں یہ اسباب نہ ہوں اُس کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں۔

چونکہ متبنّیٰ (لے پالک) لڑکے میں ان اسباب ثلاثہ میں سے کوئی بھی سبب نہیں پایا جاتا اس لیے وہ زید کی میراث کا مستحق نہیں۔ البتہ اگر زید مرحوم نے اپنی زندگی میں اُس کو تملیکاً کسی چیز کا قبضہ دیا ہو تو وہ اس کا مالک ہوگا اور مرحوم کا کوئی رشتہ دار اس میں وراثت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

والدّلیل علی ذلک:

ویستحق الإرث بإحدیٰ خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء.(۱)

ترجمہ:

تین خصلتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے وراثت کا استحقاق ہوتا ہے: نسب یعنی رشتہ قرابت اور سبب یعنی رشتہ زوجیت اور ولاء۔

بہو کا سسر کے مال میں سے بطورِ میراث حصہ

سوال نمبر(343):

بہو سسر کے مال میں میراث کی حق دار ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الفرائض، الباب الاول: ۴۴۷/۶

الجواب وباللہ التوفیق:

استحقاقِ ارث کے اسباب تین ہیں: نسب، سبب اور ولا چونکہ بہو اور سسر کے مابین ان تینوں اسباب میں سے کوئی بھی سبب نہیں پایا جاتا اس لیے بہو سسر کے مال وجائیداد میں وراثت کی حقدار نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

ویستحق الإرث بإحدیٰ خصال ثلاث: بالنسب وھو القرابة، والسبب وھو الزوجیة، والولاء.(۱)

ترجمہ:

تین خصلتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے وراثت کا استحقاق ہوتا ہے: نسب یعنی رشتہ قرابت، سبب یعنی رشتہ زوجیت اور ولاء۔

۞۞۞

جی پی فنڈ اور پنشن کی رقم میں میراث

سوال نمبر (344):

جی پی فنڈ اور پنشن میں وراثت جاری ہوتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے میراث کے احکام میت کے ترکہ میں جاری ہوں گے، یعنی جو چیز میت کی ملکیت ہوگی، وہ ورثا میں بقدرِ حصص تقسیم کی جائے گی اور جو مال میت کی ملکیت میں نہ ہو وہ میراث سے مستثنیٰ ہوگا۔ جی پی فنڈ چونکہ میت کی تنخواہ سے کٹوتی کی صورت میں جمع ہوتی ہے اس لیے یہ میت کے ورثا میں بقدرِ حصص تقسیم کی جائے گی اور جہاں تک پنشن کا تعلق ہے تو یہ حکومت کی طرف سے عطیہ ہوتا ہے اس لیے حکومت کے قانون کے مطابق پنشن جس کو بھی ملے، وہ اُسی کا ہوگا۔ اِس میں وراثت جاری نہ ہوگی۔

(۱) الفتاوی الھندیة، کتاب الفرائض، الباب الاول: ٦/٤٤٧

والدّلیل علی ذلک:

العطاء لا یورث عنه. (۱)

ترجمہ:

عطیہ میں میراث جاری نہیں ہوتی۔

التركة في الاصطلاح : ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال. (۲)

ترجمہ:

ترکہ اصطلاح میں وہ تمام مملوکہ اُموال ہیں جو مرتے وقت میت چھوڑ جائے، اور اُن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو۔

❁❁❁

بیٹے کی پرورش نہ کرنے پر باپ کا اُس کی میراث میں حصہ

سوال نمبر(345):

عبید نامی ایک شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہوا لیکن عبید نے اُس کی پرورش نہیں کی۔ علاقہ کے ایک صاحبِ خیر نے اُس کو پالا۔ اب اس لڑکے کا انتقال ہوا اور وراثت میں کچھ جائیداد چھوڑی ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ آیا مذکورہ صورت میں باپ کو اس کی میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ورثا میں سے باپ ایک قوی وارث ہے جو کسی دوسرے وارث کی وجہ سے مکمل طور پر محجوب ومحروم نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر میت کی کوئی مذکر ومؤنث اولاد یا اولاد کی اولاد نیچے تک نہ ہو، تو باپ کو تنہا ہونے کی صورت میں

---

(۱) الاشباہ والنظائر: ۲/۴۹۵

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الفرائض: ۱۰/۴۹۳

پورا ترکہ اور دوسرے اصحابِ فرائض کے ساتھ ہونے کی صورت میں اُن کو دینے کے بعد بچا ہوا ترکہ ملے گا۔ چاہے باپ نے بیٹے کی پرورش کی ہو یا نہ کی ہو، اس لیے کہ میراث کا حق کسی معاوضہ کے ساتھ مقید نہیں ہوا کرتا۔

والدّلیل علی ذلك:

أما الأب فله أحوال ثلاث......والتعصيب المحض ،وذلك عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل.(۱)

ترجمہ: باپ کی تین حالتیں ہیں۔۔۔۔۔(تیسری حالت) لڑکے لڑکی اور پوتے، پوتی اگر چہ (رشتہ میں) نیچے ہی ہوں، کے نہ ہونے کی صورت میں باپ عصبہ محض ہوگا۔

۞۞۞

باپ کی میراث میں بیٹی کا حق مانگنا

سوال نمبر(346):

میرا باپ وفات ہو چکا ہے۔ ورثا میں میں ایک بیٹی اور میرے دو بھائی باقی رہ گئے ہیں۔ باپ نے میراث میں سولہ جریب زمین، ایک پن چکی اور ایک گھر چھوڑا ہے۔ میرے بھائیوں نے مجھ سے چوری چھپے گیارہ جریب زمین اور پن چکی بیچ دی ہے اور تقریباً تین جریب زمین باقی ہے۔ اب میں چاہتی ہوں کہ باپ کی میراث میں سے اپنا حق وصول کروں۔ پوچھنا یہ ہے کہ شریعت کی رُو سے میں باپ کی میراث میں اپنا حق مانگ سکتی ہوں یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قرآن وسنت کی تعلیمات کی رُو سے مردوں کی طرح عورتیں بھی وراثت میں حقدار ہیں اس لیے جب باپ فوت ہو جائے تو بیٹوں کی طرح بیٹیاں بھی وراثت میں اپنے حق کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔

صورتِ مسئولہ میں آپ اپنے والد کی میراث میں اپنا حق مانگ سکتی ہیں، اگر موجودہ مال وجائیداد آپ کے حصۂ میراث کے لیے کافی ہو تو ٹھیک، ورنہ فروخت شدہ زمین میں آپ کے حصہ میں بیع کالعدم رہے گی۔

---

(۱) السراجي ،باب معرفة الفروض ومستحقيها:ص/٦

والدّلیل علی ذلک:

لقولہ تعالی ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوْضًا﴾.(۱)

ترجمہ:

مردوں کے لیے بھی (خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے) حصہ (مقرر) ہے، اس چیز سے جس کو (ان مردوں کے) ماں باپ اور (یا دوسرے) نزدیک قرابت دار (اپنے مرنے کے وقت) چھوڑ جاویں اور (اسی طرح) عورتوں کے لیے بھی (خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی) حصہ (مقرر) ہے، اس چیز میں سے جس کو (عورتوں کے) ماں باپ اور (یا دوسرے) بہت نزدیک کے قرابت دار (اپنے مرنے کے وقت) چھوڑ جاویں، خواہ وہ (چھوڑی ہوئی) چیز قلیل ہو یا کثیر (بہرحال حصہ ملے گا) حصہ (بھی ایسا جو) قطعی طور پر مقرر ہے۔

❁❁❁

مورث کی حیات میں وارِث کا مرجانا

سوال نمبر(347):

میری والدہ کی وفات کے دو ماہ بعد میری نانی کا انتقال ہوا اور اس کے زندہ ورثا میں چار بیٹیاں ہیں۔ نانی نے وراثت میں ایک مکان چھوڑا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ نانی کی میراث میں ہمارا کوئی حق ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے مورث کی زندگی میں فوت ہونے والا وارث میراث کا مستحق قرار نہیں پاتا۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کا نانی کی میراث میں حصہ نہیں، کیونکہ نانی کی وفات کے وقت آپ کی والدہ زندہ نہیں تھی۔

---

(۱) النساء :۷

والدلیل علی ذلک:

وشروطه ثلاثة ......وجود وارثه عند موته حیاحقیقة أو تقدیراً کالحمل.(۱)

ترجمہ:

استحقاقِ میراث کی تین شرائط ہیں:......ان میں سے ایک یہ ہے کہ مورث کی موت کے وقت وارث حقیقتاً یا تقدیراً موجود ہو۔تقدیراً موجود ہونے کی مثال حمل ہے۔

❁❁❁

سوتیلے بیٹوں کا میراث میں حصہ

سوال نمبر(348):

زینب نامی عورت کا انتقال ہوا ہے۔اُس کے ورثا میں سوتیلے بیٹے بھی ہیں تو کیا زینب مرحومہ کی میراث میں سوتیلے بیٹوں کا کچھ حق ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ استحقاق ارث کے اسباب تین ہیں: قرابت،زوجیت اور ولاء۔اِن میں سے کوئی سبب جن لوگوں میں پایا جائے وہ مستحق میراث ہوں گے اور جن لوگوں میں اِن اسباب میں سے کوئی ایک سبب بھی موجود نہ ہو وہ میراث کے مستحق نہیں ہوں گے۔چونکہ عورت کے سوتیلے بیٹوں کا اُس کے ساتھ مذکورہ اسباب میں سے کوئی بھی سبب نہیں پایا جاتا اس لیے وہ اُس کی میراث سے محروم رہیں گے۔

والدلیل علی ذلک:

ویستحق الإرث بإحدی خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة ،والسبب وهو الزوجية ، والولاء.(۲)

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الفرائض :۱۰/۴۹۱

(۲) الفتاوی الهندية ،کتاب الفرائض ،الباب الاول :۶/۴۴۷

ترجمہ:

تین خصلتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے وراثت کا استحقاق ہوتا ہے: نسب یعنی رشتہ قرابت، سبب یعنی رشتہ زوجیت اور ولاء ۔

❁❁❁

بیوہ کو کمپنی سے ملنے والی امدادی رقم میں میراث

سوال نمبر(349):

ایک شخص کسی پرائیویٹ کمپنی میں کام کر رہا تھا۔اس کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا میں بیوی اور بھائی ہیں۔ وفات کے بعد کمپنی نے بیوہ کو بطورِ امداد کچھ پیسے دیے۔پوچھنا یہ ہے کہ یہ پیسے صرف بیوہ کے ہوں گے یا مرحوم کے بھائی بھی اس میں شریک ہوں گے۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میراث کے احکام اُن اموال میں جاری ہوتے ہیں، جو میت کی زندگی میں اُس کی مملوک ہوں۔ چنانچہ جو چیز اُس کی ملک نہ ہو اس میں میراث کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

صورتِ مسئولہ میں جو رقم کمپنی نے مرحوم کی بیوی کو بطورِ امداد دی ہے، وہ مرحوم کی بیوی کے ساتھ مخصوص ہے، اس میں میراث کے احکام جاری نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ مرحوم کا ترکہ نہیں بلکہ کمپنی کی جانب سے عطیہ ہے اور میراث ترکہ میں جاری ہوتی ہے عطیہ میں نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

التركة في الاصطلاح: ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال.(۱)

ترجمہ: ترکہ اصطلاح میں وہ تمام اموال ہیں جو مرتے وقت میت چھوڑ جائے، اور اُن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو۔

(۱) رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۱۰/۴۹۳

العطاء لا یورث عنه .(۱)

ترجمہ: عطیہ میں میراث جاری نہیں ہوتی۔

۞۞۞

ماں کے قاتل کا صلح کے مال میں استحقاق

سوال نمبر (350):

ایک شخص نے اپنی ماں کو عمداً قتل کیا۔قتل کی وجہ سے یہ قاتل بیٹا باقی میراث سے تو محروم ہوتا ہے لیکن اس سے قصاص کے بدلے جو صلح کا مال لیا جائے، اس میں اس کا حق ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ اگر بیٹا ماں یا باپ کو عمداً قتل کرے تو جرم ثابت ہونے کے بعد دوسرے ورثا کے مطالبے پر قاتل بیٹے کو قصاصاً قتل کیا جائے گا البتہ اس وقت قصاص سے بری ہو سکتا ہے جب تمام یا بعض ورثا اس کو معاف کر دیں یا مال لے کر صلح کر دیں اور یہ صلح کا مال قاتل کے مال سے لیا جائے گا۔عاقلہ (رشتہ داروں) کی ذمہ داری نہیں، البتہ احساناً معاونت کر سکتے ہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر بیٹے نے عمداً اپنی ماں کو قتل کیا ہے اور دوسرے ورثا اس کے ساتھ مال کے عوض صلح کرنے پر راضی ہوں تو اس سے صلح کا مال لے کر مقتولہ کے ترکہ کے ساتھ شامل کیا جائے گا اور قاتل بیٹے کے علاوہ سب ورثا اس میں بقدر حصص شرعیہ حصہ دار ہوں گے۔قاتل بیٹا قتل کی وجہ سے باقی ترکہ کی طرح اس صلح کے مال میں بھی حصہ دار نہ ہوگا، کیونکہ یہ بھی میت کا ترکہ شمار ہوتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

واعلم أنه یدخل في الترکة الدیة الواجبة بالقتل الخطاء أو بالصلح عن العمد أو بانقلاب القصاص مالا بعفو بعض الأولیاء.(۲)

---

(۱) الاشباہ والنظائر: ۲/۴۹۵

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الفرائض: ۱۰/۴۹۳

ترجمہ:

جان لو کہ قتلِ خطا کی وجہ سے واجب ہونے والی دیت، یا قتلِ عمد سے صلح کے عوض لازم شدہ مال یا بعض اولیاء کا قصاص معاف کرنے کی وجہ سے قصاص کے بدلے لازم ہونے والا مال، یہ سب ترکہ میں داخل ہیں۔

❁❁❁

مجنون اور معتوہ شخص کا استحقاقِ میراث

سوال نمبر(351):

کیا مجنون اور معتوہ شخص کو اُس کے والد مرحوم کی جائیداد میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

موانعِ اِرث چار ہیں: غلامی، قتل، اختلافِ دین اور اختلافِ دار۔ چونکہ عتہ اور جنون ان میں سے نہیں ہیں اس لیے قانونِ شرع کے موافق مجنون اور معتوہ بھی اپنے والد مرحوم کے ترکہ میں سے حصہ میراث پاتے ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

المانع من الإرث أربعة : الرق......، والقتل واختلاف الدينين واختلاف الدارين.(۱)

ترجمہ: وراثت سے روکنے والی چیزیں چار ہیں: غلامی......، قتل، دینوں کا اختلاف، اور (دو کافروں کے درمیان) دار کا اختلاف۔

❁❁❁

لاوارث شخص کی میراث

سوال نمبر(352):

مسمی برأت کو انگریز کے دور میں انگریز حکومت نے لنڈی کوتل تحصیل میں کچھ زمین دی تھی۔ موصوف وفات ہو چکا

(۱) السراجي ،فصل في الموانع :ص/٥

ہے اوراس کے ورثا نہ ہونے کی وجہ سے آج کل وہ بے کار اور خالی پڑی ہوئی ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ زمین میں برات کی قوم کے لوگوں کا حق ہے یا یہ حکومت کی ملکیت شمار ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جو شخص مرجائے اوراس کے ورثا میں سے کوئی زندہ ہو تو شرعی قواعد کی رُو سے اس کی متروکہ جائیداد وغیرہ ورثا میں تقسیم ہوگی، لیکن اگر کوئی شخص لاوارث مرجائے یعنی اس کا قریب کا کوئی رشتہ دار ہو اور نہ دور کا اور نہ ہی اس نے کسی کے لیے وصیت کی ہو تو ایسے شخص کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد بیت المال یعنی اسلامی حکومت کے خزانہ میں نقل کردی جائے گی اور حکومت اس کو قبضہ میں لے کر غربا و مساکین کے منافع اور ضروریات میں خرچ کرے گی۔ چونکہ مذکورہ بالا علاقہ حکومت کے زیرِ اثر ہے، اس لیے مسمی برات کی وفات کے بعد اس کے ورثا موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کی جائیداد میں حکومت کا حق ثابت ہوگا اور قوم کا کوئی فرد اس کو اپنے طور پر قبضہ میں نہیں لے سکتا۔ قوم کے افراد حکومت کو اطلاع دیں تاکہ حکومت اس زمین کو آباد کرکے اس کی منفعت اس علاقے کے غربا و مساکین میں تقسیم کرے اور یا حکومت اس کو فروخت کرکے حاصل شدہ رقم مستحق افراد کی ضروریات اور منافع میں خرچ کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

مايوضع في بيت المال أربعة أنواع.........الرابع اللقطات هكذا في المحيط السرخسي. وما أخذ من تركة الميت الذي مات ولم يترك وارثا أوترك زوجا أوزوجة، وهذا النوع يصرف إلى نفقة المرضى، وأدويتهم، وهم فقراء، وإلى كفن الموتى الذين لا مال لهم، وإلى اللقيط، وعقل جنايته، وإلى نفقة من هو عاجز عن الكسب وليس له من تجب عليه نفقته، وماأشبه ذلك، كذا في شرح الطحاوي. (۱)

ترجمہ:

بیت المال میں جمع ہونے والے مال کی چار قسمیں ہیں:...... چوتھی قسم وہ مال ہے جو گرا پڑا ملے، اسی طرح محیط سرخسی میں بھی ہے اور ایسے میت کے ترکہ سے حاصل شدہ مال جس کا کوئی وارث نہ ہو یا صرف خاوند وارث ہو یا بیوی

---

(۱) الفتاوی الھندیة، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف، فصل مایوضع فی بیت المال: ۱/۱۹۱

اور یہ مذکورہ مال غریب مریضوں اور ان کی دواؤں پر خرچ کیا جائے گا اور ان مردوں کے کفن پر خرچ کیا جائے گا جن کا کچھ مال نہ ہو اور لقیط بچوں پر اور لقیط کی جنایت کے جرمانوں میں اور اس شخص پر خرچ کیا جائے گا جو کمانے سے عاجز ہو اور اس کا کوئی ایسا رشتہ دار نہ ہو جس پر اس کا نفقہ واجب ہوتا ہو اور اس طرح دوسرے مستحقین پر۔ اسی طرح طحاوی کی شرح میں بھی مذکور ہے۔

❁❁❁

اراضی شاملات میں بیٹی اور بہن کا حصہ

سوال نمبر(353):

بیٹی اور بہن کو شاملات والی اراضی میں حصہ ملتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے سب مملوکہ اموال اور جائیداد میں وراثت جاری ہوتی ہے، چنانچہ اگر شاملاتی زمین ایسی ہو کہ وہ کسی شخص کی ملکیت میں آگئی ہو، چاہے اس پر زیادہ وقت گزرا ہو یا کم، اُس میں وراثت جاری ہوگی اور جب وراثت جاری ہو تو مذکر وارث کی طرح مؤنث وارث بھی اُس میں اپنے حصے کے بقدر حق دار ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

الترکة في الاصطلاح : ما ترکه المیت من الأموال صافیا عن تعلق حق الغیر.(۱)

ترجمہ:

ترکہ اصطلاح میں وہ تمام اموال ہیں جو مرتے وقت میت چھوڑ جائے اور اُن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو۔

❁❁❁

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الفرائض : ۱۰/۴۹۳

میراث میں مطلقہ کا حصہ

سوال نمبر(354):

ایک شخص نے اپنی زوجہ کو سات، آٹھ سال قبل طلاق دی تھی۔ اب اس شخص کا انتقال ہوگیا تو کیا اُس مطلقہ عورت کا اس سابقہ شوہر کے ترکہ میں حصہ ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ مطلقہ عورت کی عدت کے بعد اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کو سابقہ شوہر کی میراث میں کچھ نہیں ملتا اس لیے کہ عدت گزرنے کے بعد یہ دونوں مکمل اجنبی ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا صورتِ مذکورہ میں چونکہ مرحوم کا انتقال طلاق کے آٹھ سال بعد ہوا ہے، اِس لیے یقیناً اِس مطلقہ بیوی کی عدت گزر گئی ہے اور اس کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

لو انقضت عدتها، ثم مات لم ترث.(۱)

ترجمہ:

اگر (مطلقہ عورت) کی عدت گزر گئی، پھر شوہر کا انتقال ہوا تو یہ میراث میں حقدار نہ ہوگی۔

❁❁❁

مطلقہ عورت کی بیٹی کا باپ کی میراث میں حصہ

سوال نمبر(355):

ہماری قوم میں جہانگیر نامی ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اُس کی اِس شوہر سے ایک بچی بھی تھی۔ طلاق کے وقت جہانگیر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر آج کوئی چیز لے جانا چاہتی ہو تو لے جاؤ ورنہ بعد میں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ بیوی نے کہا مجھے صرف اپنی بیٹی چاہیے۔ شوہر (جہانگیر) نے بیٹی دے دی۔ بیوی بیٹی

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الطلاق، الباب الخامس في طلاق المريض: ١/٤٦٢

ساتھ لے کر چلی گئی۔ کچھ عرصہ بعد جہانگیر کا انتقال ہوا۔ وفات کے بعد رشتہ داروں نے اُس کی جائیداد آپس میں تقسیم کی، جب جہانگیر کی بیٹی بالغ ہوئی تو وہ اپنے باپ کی جائیداد میں اپنا حصہ مانگنے آئی، لیکن کسی نے اُسے حصہ نہیں دیا۔ اب وہ دوبارہ اپنا حصہ مانگنے آئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا مذکورہ بیٹی کا جہانگیر کی جائیداد میں کوئی حصہ بنتا ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنا حصہ؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قرآن وحدیث کی رُو سے جو رشتہ دار وِراثت کے حق دار ٹھہرتے ہیں، اُن کے درمیان اُصولِ میراث کے تحت ترکہ تقسیم کرنا ضروری ہے۔ کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ مرنے سے قبل اپنے ورثا میں سے کسی کو میراث سے محروم کر سکے۔ 'بیٹی' چونکہ اُن ورثا میں سے ہے، جو کسی حالت میں میراث سے محروم نہیں ہوتی اِس لیے اُس کا میراث میں حصہ ضرور ہوگا خواہ اُس کی ماں مطلقہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ماں کو طلاق ملنے سے باپ سے اِس کا رشتہ ختم نہیں ہوجاتا، یہ بہرحال بیٹی ہی ہوتی ہے۔ اور جہاں تک بیوی کا مسئلہ ہے تو اُسے اگر شوہر نے طلاق دی ہو اور عدتِ طلاق ختم ہونے کے بعد شوہر مر جائے تو بیوی کو میت کے ترکہ میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

صورتِ مسئولہ میں جہانگیر مرحوم کے ترکہ میں جس طرح دوسرے ورثا کو حصہ ملے گا اِسی طرح اُس کی وہ بیٹی جو مطلقہ بیوی کے بطن سے ہے، وہ بھی باپ کی میراث میں حق رکھتی ہے۔ تاہم اُس کا حصہ متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام ورثا کی تفصیل لکھی جائے تب حصص متعین ہو سکتے ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ستة لایحجبون أصلاً: الأب والابن والزّوج والأمّ والبنت والزّوجة.(۱)

ترجمہ:

چھ ورثا ایسے ہیں جو کسی حالت میں محروم نہیں ہوتے: باپ، بیٹا، شوہر، ماں، بیٹی اور بیوی۔

❁❁❁

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الفرائض، البابُ الرّابع في الحجب: ۶/ ۴۵۲

متروکہ دُکان کا کرایہ

سوال نمبر(356):

ایک شخص فوت ہوا ہے۔اُس کی ملکیت میں صدر بازار میں ایک دُکان تھی۔وفات کے بعد اُس کے بیٹوں نے وہ دُکان کسی کو پانچ ہزار روپے کرایہ پر دی۔ورثا میں دو بیٹے اور ایک بیٹی زندہ ہیں۔سوال یہ ہے کہ بیٹی کا اِس دُکان کے کرایہ میں حصہ بنتا ہے یا نہیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جو اموال شرکتِ ملک کے ساتھ مشترک ہوں اُن سے حاصل ہونے والے منافع میں تمام شرکا بقدرِ حصص شریک ہوتے ہیں۔میراث کا مال بھی مورث کے مرنے کے بعد غیر اختیاری طور پر اُس کے ورثا کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے اور ورثا سب اُس میں شرکتِ ملک کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اس لیے کرایہ کی صورت میں اِس سے حاصل شدہ منافع میں سب بقدرِ حصصِ میراث شریک ہوتے ہیں۔

صورتِ مسئولہ میں مرحوم کے ترکہ میں جو دُکان رہ گئی ہے، بیٹوں کی طرح بیٹی بھی اُس میں حصہ دار ہے لہٰذا کرایہ میں اُسے بھی حصہ ملے گا۔سوال میں مذکور ورثا کے علاوہ اگر کوئی اور قریبی وارث موجود نہ ہو تو کرایہ اور اسی طرح دیگر سب ترکہ پانچ حصوں میں تقسیم ہو کر ہر بھائی کو ۲/۵ اور بہن کو ۱/۵ حصہ ملے گا۔

والدلیل علی ذلک:

الأموالُ المشترکة شرکة الملك تقسم حاصلاتها بین أصحابها علی قدرِ حصصِهم. (۱)

ترجمہ:

جو اموال شرکتِ ملک کے ساتھ مشترک ہوں اُن کے حاصلات (یعنی منافع) تمام مالکوں میں اُن کے حصص کے بقدر تقسیم ہوں گے۔

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المادة ۱۰۷۳ :ص/ ۶۰۰،۶۰۱

ترکہ کی تقسیم سے پہلے ایک وارث کا زیادہ حصہ پر جبراً قبضہ کرنا

سوال نمبر(357):

ایک شخص کا انتقال ہوا۔اس کا ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے ایک وارث ترکہ کی اکثر زمین پر جبراً قبضہ کر چکا ہے اور کسی قسم کی تقسیم پر آمادہ نہیں ہوتا۔آیا از روئے شریعت اس کا یہ فعل جائز ہے؟اور کیا دوسرے ورثا باقی ترکہ آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

میت سے جو جائیداد منقولہ وغیر منقولہ رہ جائے،وہ اُس کے ورثا پر حسبِ حصصِ شرعیہ تقسیم کی جائے گی۔تقسیم سے پہلے کسی وارث کا زیادہ حصہ پر جبراً قابض ہو جانا غصب کے زمرے میں داخل ہو کر سراسر ظلم اور گناہ ہے،کیونکہ اس صورت میں دوسرے ورثا کی حق تلفی ہوتی ہے۔لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جس وارث نے اپنے استحقاق سے زائد زمین پر جبراً قبضہ جمایا ہے اُس پر لازم ہے کہ اپنا ناجائز قبضہ اُٹھا کر تمام ورثا کے مابین ترکہ اُصولِ میراث کے تحت تقسیم کر دے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت مجرم ہوگا۔بصورتِ دیگر باقی ورثا کے لیے جائز ہے کہ تمام شرعی مستحقینِ میراث کے حصے معلوم کر کے باقی ماندہ ترکہ سے اپنا حق وصول کر لیں اور یہ مغصوبہ زمین غاصب وارث کے حصے میں چھوڑ دیں۔اُس میں جو حصہ غاصب کے حق سے زائد ہو وہ اُس کے ذمے لوٹانا واجب رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

المغصوب إن کا ن عقارا یلزم الغاصب ردّه إلی صاحبه من دو ن أن یغیره ، وینقصه.(۱)

ترجمہ:

اگر غصب کی ہوئی چیز زمین ہو تو غاصب پر بغیر کسی تغیر و تنقیص کے اسے اپنے مالک کو واپس کرنا لازم ہے۔

(۱) شرح المجلة لخالد الاتاسی،الکتاب الثامن،المادہ ۳:۹۰۰/۴۴۰

بیوی کی زمین پر شوہر کے بھتیجوں کا قبضہ کرنا

سوال نمبر(358):

میرے دادا کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا میں ایک بیوی اور ایک بیٹا رہ گیا۔بیوی (ہماری دادی) کی ملکیت میں پچاس کنال زمین تھی، پھر اُس کا بھی انتقال ہوا،اس سے ایک بیٹا رہ گیا،اس کے بعد اس بیٹے کا بھی انتقال ہوا،اس کے ورثا میں ایک بیٹا اور بیوی موجود ہے۔دادی کی ملکیت میں جو پچاس کنال زمین تھی اب اس پر دادی کے بھتیجوں نے قبضہ کر رکھا ہے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ زمین ہمارا حق ہے،اس میں آپ کا کوئی حصہ نہیں۔آیا شریعت کی رُو سے ان کا یہ دعویٰ درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ عصبات میں سے قریب تر رشتہ دار بیٹا ہے۔اِس لیے بیٹے کی موجودگی میں بھائیوں یا بھتیجوں کا میراث میں کوئی حصہ نہیں بنتا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ قطعہ اراضی واقعتاً آپ کی دادی کی ملکیت ہو تو چونکہ اُس کا وارث اُس کا بیٹا ہے اِس لیے بھتیجوں کا اس پر قبضہ جمانا غاصبانہ اقدام ہے۔مرحومہ کی وفات کے بعد یہ زمین اُس کے بیٹے اور بیٹے کی وفات کی صورت میں اُس کے بیٹے اور بیوی کو بقدرِ حصص میراث ملے گی۔

والدّلیل علی ذلک:

فیبدأ بذي الفرض ،ثم بالعصبة النسبية، ثم بالعصبية السببية. (١)

ترجمہ:

(میراث کی تقسیم میں) صاحبِ فرض سے شروع کیا جائے گا، پھر نسبی عصبہ میں میراث تقسیم ہوگی، پھر سببی عصبہ کو میراث میں حصہ ملے گا۔

---

(١) الفتاوی الهندية ،كتاب الفرائض ،الباب الاول :٦/٤٤٧

بیوی کی وراثت پر شوہر کے رشتہ داروں کا دعوی

سوال نمبر (359):

ایک شخص لاپتہ ہے۔اُس کا مال عدالت نے محفوظ کرلیا اور اس پر بہت عرصہ گزرنے کے بعد اس کی موت کا حکم جاری کر کے اس کا کل ترکہ چار حصوں میں تقسیم کر کے تین حصے قریبی رشتہ داروں کو اور ایک حصہ اس کی والدہ کو دے دیا گیا، حالانکہ اس کی والدہ اس پر موت کا حکم جاری ہونے سے پہلے فوت ہو چکی تھی۔اب والدہ (جس کا کوئی وارث نہیں ہے) کی ملکیت پر اُس کے شوہر کے رشتہ دار دعوی کر رہے ہیں۔آیا ان کا یہ دعوی از روئے شریعت درست ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بشرطِ صدق وثبوت اگر صورتِ مسئولہ میں عدالت نے مفقود کی کل جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کو محفوظ کرنے کے اتنا عرصہ بعد اُس پر موت کا حکم جاری کیا ہو کہ اُس کے تمام ہم عمر فوت ہو چکے ہوں اور خود مفقود کے مرجانے کا بھی قوی گمان ہو تو حکم بالموت کے وقت اُس کے جتنے ورثا موجود ہوں ان پر اس کی جائیداد تقسیم ہوگی۔چنانچہ والدہ جو پہلے فوت ہوئی ہے اُس کا اِس بیٹے کی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں بنتا۔حکومت کا مرحومہ کے نام جائیداد انتقال کرنے سے اُس کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی، لہٰذا باقی جائیداد کے ساتھ ساتھ والدہ کے نام انتقال شدہ زمین بھی مفقود کے دوسرے زندہ ورثا میں حسبِ حصص شرعیہ تقسیم ہوگی۔البتہ مرحومہ کی اپنی ذاتی ملکیت شوہر کے ورثا کو نہیں دی جائے گی بلکہ شرعی ورثا (ذوی الفروض، عصبات، ذوی الأرحام وغیرہ) موجود نہ ہونے کی صورت میں حکومت کے نام اس کی جائیداد منتقل ہوگی۔

والدلیل علی ذالک:

إن المفقود يعتبر حيّاً في ماله ، ميّتاً في مالِ غيره حتّى ينقضي من المدّة مايعلم أنّه لايعيش إلى مثل تلك المدّة أو تموت أقرانه وبعد ذلك يعتبر ميّتاً في ماله يومَ تمّتِ المدّة أو ماتَ الأقرانُ. (١)

ترجمہ: مفقود اپنے مال میں زندہ اور دوسروں کے مال میں مردہ شمار ہوگا، یہاں تک کہ اتنی مدت گزر جائے کہ اُتنی مدت تک اُس کا زندہ نہ رہنا (ظنِ غالب سے) معلوم ہو یا اُس کے ہم عمر مر جائیں۔اِس کے بعد اُس دِن سے وہ اپنے مال میں بھی مردہ شمار کیا جائے گا جس دِن یہ مدت پوری ہوئی یا اُس کے ہم عمر سب مر گئے۔

(١) الفتاوى الهندية ، كتاب الفرائض ،الباب الثامن في المفقود...:٦/٤٥٦

يبدأ بذي الفرض ،ثم بالعصبة النسبية،ثم بالعصبية السببية......ثم ذوی الأرحام......ثم بيت المال.(۱)

ترجمہ: (میراث کی تقسیم میں) صاحب فرض سے شروع کیا جائے گا، پھر نسبی عصبہ میں میراث تقسیم ہوگی، پھر سببی عصبہ کو میراث میں حصہ ملے گا...... پھر ذوی الارحام کو میراث دی جائے گی...... پھر (آخر میں) بیت المال میں میراث جمع ہوگی۔

❁❁❁

مسائل موانع الإرث

اختلاف دارین مسلمان کے حق میں

سوال نمبر(360):

اختلاف دارین کافروں کی طرح مسلمانوں کے حق میں بھی مانع ارث ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسلمان چاہے جہاں ہوں، ان کو اپنے رشتہ داروں کی وراثت ملے گی، مسلمانوں کے درمیان دار کے مختلف ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

هذ الحكم في حق أهل الكفرلا في حق المسلمين ،حتى لو مات مسلم في دار الحرب ،يرث ابنه الذي في دارالإسلام.(۱)

ترجمہ:

یہ حکم (اختلاف دارین کا) کافروں کے حق میں ہے، مسلمانوں کے حق میں نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں وفات پا جائے تو اس کا وہ بیٹا جو دارالاسلام میں رہتا ہے، وارث ہوگا۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندية ،كتاب الفرائض ،الباب الخامس في الموانع :٦/٤٤٧

(۲) ایضاً

اِختلاف دین کا مانع ارث ہونا

سوال نمبر(361):

مسلمان غیر مسلم کا اور غیر مسلم مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

استحقاقِ وراثت سے مانع بننے والے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وارث اور مورث کا دین مختلف ہو۔ چنانچہ مسلمان غیر مسلم کا اور غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔

والدّلیل علی ذلک:

قوله عليه السلام : لايرث المسلم الكافر ولاالكافر المسلم .(۱)

ترجمہ: مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔

❋❋❋

ارتداد سبب حرمان میراث

سوال نمبر(362):

ایک آدمی مرتد ہوجائے (العیاذ باللہ) تو وہ اپنے مسلمان رشتہ داروں کی وراثت کا حقدار ہوتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مرتد کسی کا وارث نہیں ہوسکتا۔ نہ مسلمان کا اور نہ ہی کسی دوسرے مرتد یا کافر کا۔ بطورِ سزا شریعت اس کو وراثت کی نعمت سے محروم کرتی ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

المرتد لايرث من مسلم ولا من مرتد مثله .(۲)

ترجمہ: مرتد مسلمان کا اور نہ اپنے مثل کسی مرتد کا وارث ہوتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری ، كتاب الفرائض ،باب لايرث المسلم الكافرولاالكافرالمسلم :۲/۱۰۰۱

(۲) الفتاوی الهندية ، كتاب الفرائض ،الباب السادس فی الميراث أهل الكفر :٦/٤٥٥

قادیانیت سبب حرمان میراث

سوال نمبر(363):

ایک مسلمان آدمی فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں دو بیٹے ہیں: ایک سنی مسلمان ہے اور دوسرا قادیانی تو کیا مرحوم باپ کی میراث میں قادیانی بیٹے کو حصہ ملے گا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قادیانی چونکہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اور کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا اس لیے صورتِ مسئولہ میں مرحوم باپ کی میراث صرف مسلمان بیٹے کو ملے گی۔ قادیانی بیٹا اس کی وراثت سے محروم رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

قوله علیه السلام : لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم .(۱)

ترجمہ: مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔

❁❁❁

سنی مسلمان کا شیعہ کی میراث میں استحقاق

سوال نمبر(364):

ایک سنی مسلمان اپنے شیعہ وارث کی میراث میں استحقاق رکھتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

موانع ارث میں سے ایک مانع اختلافِ دین بھی ہے، لہٰذا جو شیعہ حضرت علیؓ کی الوہیت، تحریفِ قرآن، حضرت سیدنا عائشہؓ پر تہمت باندھنے اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی صحبت سے انکار جیسے کفریہ عقائد رکھتا ہو، وہ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم: ۱۰۰۱/۲

کسی سنی مسلمان سے اور سنی مسلمان اُس سے میراث کا حق دار نہیں۔ البتہ جو محض تفضیلی شیعہ ہو اور کفریہ عقائد نہ رکھتا ہو تو چونکہ بدعت مانع ارث نہیں اس لیے وہ سنی مسلمان کا اور سنی مسلمان اُس کا وارث بنے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

المانع من الإرث أربعة: الرق..........والقتل واختلاف الدينين واختلاف الدارين.(١)

ترجمہ:

مانع ارث چار ہیں: غلامی......قتل، دو دینوں کا اختلاف، (اور دو کافروں کے درمیان) دار کا اختلاف۔

❁❁❁

قاتل کا مقتول کی میراث میں استحقاق

سوال نمبر (365):

اگر کوئی شخص اپنے باپ یا بھائی کو قتل کرے، تو یہ اُن کی میراث میں سے حصہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر کوئی شخص مورث کو بغیر کسی حق شرعی کے قتل کرے تو یہ شخص مقتول کی وراثت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قاتل اپنے باپ یا بھائی کی متروکہ جائیداد میں حصہ لینے کا حق دار نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

القاتل بغير حق لا يرث من المقتول شيئا عندنا سواء قتله عمدا أو خطأ. (٢)

ترجمہ:

بغیر کسی شرعی حق کے قتل کرنے والا ہمارے (احناف کے) نزدیک مقتول کی کسی چیز کا وارث نہیں ہوتا۔ برابر ہے کہ اس (قاتل) نے (مقتول) کو عمداً قتل کیا ہو یا خطاءً۔

---

(١) السراجي ،فصل في الموانع :ص/٥

(٢) الفتاوىٰ الهندية ،كتاب الفرائض ،الباب الخامس في الموانع :٦/٤٥٤

نابالغ اور مجنون قاتل کا مقتول سے میراث کا استحقاق

سوال نمبر(366):

اگر کوئی بچہ یا پاگل شخص اپنے مورِث کو قتل کرے تو یہ اُس کی میراث میں استحقاق رکھتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ استحقاقِ میراث سے مانع وہ قتل ہے جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص یا کفارہ لازم ہوتا ہو۔ چنانچہ جس قتل میں نہ قصاص ہو نہ کفارہ، وہ مانعِ ارث نہیں۔ نابالغ اور مجنون چونکہ احکامِ شریعت کے مکلف نہیں اس لیے اگر وہ اپنے مورِث کو قتل کرے تو اس پر نہ قصاص لازم ہے نہ کفارہ، لہٰذا یہ میراث سے محروم بھی نہ ہوں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

قوله:(الموجِبُ للقوَدِ والكفّارة)......خرج القتل مباشرةً من الصبيِّ والمجنونِ لعدمِ وجوبِ القصاص والكفّارة. (۱)

ترجمہ:

شارح کے قول: ”وہ قتل جس کے نتیجے میں قصاص یا کفارہ واجب ہو“ سے بچے اور مجنون کا خود قتل کرنا (موانعِ ارث سے) خارج ہوا، کیونکہ اِس میں نہ قصاص واجب ہے نہ کفارہ۔

❀❀❀

(۱) ردّ المحتار علی الدرّ المختار، کتاب الفرائض: ۱۰/۵۰٤

مسائل باب الحجب والحرمان

بہنوں کو میراث نہ دینے کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(367):

ہم کئی بھائی بہن ہیں، ہمارے والد صاحب جب فوت ہوگئے تو ان کی ساری جائیداد ہم نے آپس میں تقسیم کردی، لیکن معاشرہ کے رسم ورواج کے مطابق ہم نے بہنوں کو کچھ نہیں دیا اور نہ انھوں نے ہم سے کوئی مطالبہ کیا۔اب مسئلہ یہ ہے کہ ان کا حصہ ہمارے ساتھ ہے اور کئی سال سے اُسے کھا بھی رہے ہیں تو کیا ان کا حصہ دینا ضروری ہے یا نہیں جب کہ ہم نے زمین وغیرہ میں بہت ساری تبدیلیاں بھی لائی ہیں۔نیز گذشتہ سالوں میں ہم نے ان کا جو حصہ کھایا ہے اس کا کیا ہوگا۔

نیز میں اگر میرے دوسرے بھائی سب یا بعض میرے ساتھ اتفاق نہ کریں اور بہنوں کو اُن کا حصۂ میراث دینے سے قطعاً انکار کردیں تو میرے لیے بہنوں تک ان کا حصہ میراث پہنچادینے کی کیا صورت ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

احکامِ اسلام پر عمل نہ کرنا ایک سخت گناہ ہے لیکن گناہ کو گناہ نہ سمجھنا اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے۔بیٹیوں اور بہنوں کو میراث میں حصہ نہ دینا بھی ایسا جرم ہے کہ معاشرہ کی بگاڑ کی وجہ سے اب ان بیچاریوں کا حق دبانا گناہ بھی نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ قرآن وحدیث میں دوسرے مسلمان کا مال ناجائز طریقے سے کھانے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَیۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ﴾.(۱)

ترجمہ:

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر مت کھاؤ۔

اور جو ناحق دوسروں کی زمین پر قابض ہو اُس کے لیے حدیث میں سخت وعید مذکور ہے۔

(۱) النساء /۲۹

بخاری و مسلم میں حضور اقدس علیہ کا ارشاد مبارک منقول ہے:

من ظلم قيد شبر من الأرض ، طوّقه من سبع أرضين .(١)

ترجمہ:

جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین ظلماً لے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اس کی گردن میں ڈالے گا۔

اور مشکوٰۃ شریف میں دوسروں کے حصۂ میراث دبانے والے کے متعلق رسول اللہ علیہ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: من قطع ميراث وارثه ،قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة .(١)

ترجمہ:

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول علیہ نے فرمایا: جو شخص اپنے وارث کی میراث کاٹے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت میں سے اس کی میراث کاٹے گا۔

بعض علاقوں میں محض رسمی طور پر بیٹیوں اور بہنوں کو میراث میں حق دینے کی پیش کش کی جاتی ہے۔ شرماشرمی میں ان کی طرف سے معافی کے الفاظ سن کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے ان کا حق ادا کر دیا حالانکہ اس طرح کی معافی شرعاً معتبر نہیں۔ البتہ اگر بیٹیوں اور بہنوں کے قبضہ میں ان کا حق دے دیا جائے پھر وہ اپنی چاہت سے اپنا حق معاف کر کے واپس کر دیں تو اِس صورت میں واپس کرنا دل سے اپنا حق معاف کرنا سمجھا جائے گا۔

صورتِ مسئولہ میں سب بھائیوں کی ذمہ داری ہے کہ بہنوں کو باپ سے ملنے والی میراث کے حصہ سے محروم نہ رکھیں۔ اب تک بہنوں کا جو حصہ کھایا ہے، اس کی معافی کی صورت یہ ہے کہ اس کا تاوان ادا کیا جائے اور یا وہ خوشی سے معاف کر دیں، کیونکہ حقوق العباد میں معافی صاحب حق ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے، محض دعا و استغفار یہاں کافی نہیں۔ تاہم اگر سب بھائی بہنوں کو میراث دینے کے لیے راضی نہ ہوں تو بعض بھائیوں کے لیے بری الذمہ ہونے کی یہ صورت ہے کہ وہ اپنے حصہ میں آئے ہوئے مال و جائیداد میں سے بہنوں کا حصہ ان کو دے دیں۔

❁❁❁

---

(١) صحيح البخاري ،ابواب المظالم والقصاص ،باب إثم من ظلم شياء من الارض :١/٣٣٢

(٢) مشكوٰة المصابيح ،كتاب الفرائض ،باب الوصايا،الفصل الثالث :١/٢٦٦

عاق کیے گئے بیٹے کا میراث میں استحقاق

سوال نمبر(368):

کوئی شخص اپنے بیٹے کو نافرمانی کی وجہ سے اپنی جائیداد سے عاق کر کے محروم کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے اس طرح کیا تو مرنے کے بعد بیٹا اُس کی وراثت میں حقدار ہوگا یا نہیں؟ بینوا تؤجروا

الجواب وبا لله التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے استحقاقِ اِرث ایک اضطراری حق ہے اِس لیے کوئی شخص اپنی طرف سے اس حق کو ختم نہیں کرسکتا چنانچہ باپ کے مرنے کے بعد عاق شدہ بیٹا بھی میراث کا حقدار ہے۔تاہم اگر باپ نے زندگی میں اپنی سب جائیداد دوسرے ورثا میں تقسیم کر کے ان کو قبضہ دے دیا ہو اور عاق کردہ بیٹے کو محروم کیا ہو تو پھر باپ کے مرنے کے بعد عاق شدہ بیٹے کو مطالبہ کا حق نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

الإرث جبریّ لا یسقط بالإسقاط .(۱)

ترجمہ: وراثت اضطراری حق ہے، یہ کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔

❁❁❁

اپنی جائیداد پوتوں کو دے کر بیٹے کو محروم کرنا

سوال نمبر(369):

باغی شاہ نامی ایک شخص نے اپنے بیٹے مسمّی مظفر کو اپنی جائیداد سے محروم کر کے پوری جائیداد پوتوں میں تقسیم کردی۔ پوتوں نے دادا کی زندگی میں اُس پر قبضہ بھی کیا۔ بعد میں پوتوں نے اپنے محروم باپ کو جائیداد میں سے کچھ حصہ اپنی طرف سے دے دیا۔ کچھ عرصہ بعد باپ نے ان کی عدم موجودگی میں موقع پا کر اپنے بیٹوں کا حصہ فروخت کردیا۔ اب پوچھنا یہ ہے مظفر کا اس طرح تصرف کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور بیٹے اس سے اپنے حق کا مطالبہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

واضح رہے کہ مظفر سے اس کا والد ناراض تھا، اس لیے اس کو جائیداد سے محروم کردیا تھا۔

---

(۱) تکملة ردّ المحتار، کتاب الدعوی، باب التحالف: ۶۷۸/۱۱

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جائیداد میں تصرف کرکے کسی کو ہبہ کرے یا اپنی اولاد میں سے کسی کے ساتھ اس کی دینداری یا خدمت کی وجہ سے ترجیحی سلوک اختیار کرکے اس کو زیادہ حصہ دے دے، البتہ اگر باپ دوسرے بیٹوں کو ضرر پہنچانے کے لیے کسی ایک کو ترجیح دیتا ہے تو قضاءً اگرچہ یہ نافذ ہے، مگر باپ اس تصرف کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ ہبہ قبضہ سے تام ہوتا ہے، جب تک موہوب لہ موہوبہ چیز پر واہب کی زندگی میں قبضہ نہ کرے، اُس وقت تک موہوبہ چیز پر موہوب لہ کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

صورتِ مسئولہ میں اگر باپ نے اپنے نافرمان بیٹے کو محروم کرکے تمام جائیداد اپنے پوتوں کو دے دی ہو اور انہوں نے دادا کی زندگی ہی میں اس پر قبضہ بھی کیا ہو تو دادا کا یہ ہبہ نافذ ہوکر پوتے اس جائیداد کے مالک ہوں گے اور اس میں ان کو ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہوگا اس کے علاوہ مظفر کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بیٹوں کی عدم موجودگی میں ان کی بقیہ زمین فروخت کرے، یہ تصرف بیٹوں کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگا، تاہم اگر بیٹے اس ناجائز تصرف پر چشم پوشی کرکے صبر وتحمل سے کام لیں تو یہ عین ادب ہے۔ باپ جتنا بھی قصوروار ہو وہ ہر حال میں اولاد کے لیے قابل احترام ہے اس لیے اخلاقاً بیٹوں کا اُس سے اپنے حق کا مطالبہ کرنا مناسب نہیں، البتہ شرعاً ان کو مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو وهب جميع ماله من ابنه جاز، وهو آثم، نص عليه محمد، ولو خصّ بعض أولاده لزيادة رشده لابأس به ، وإن كانا سواء لا يفعله. (۱)

ترجمہ: اگر کسی شخص نے اپنا تمام مال اپنے (ایک) بیٹے کو ہبہ کردیا تو جائز ہے، البتہ گناہ گار ہوگا، اس بات پر امام محمدؒ نے تصریح کی ہے اور اگر اولاد میں سے بعض کو اس کی دینداری کی وجہ سے خاص کرکے ترجیح دے دی تو کوئی مضائقہ نہیں، ہاں اگر وہ تمام (دینداری میں) برابر ہوں تو پھر ایسا ترجیحی سلوک نہ کرے۔

(وركنها) هو (الإيجاب والقبول)...... (وتتم) الهبة (بالقبض) الكامل. (۲)

ترجمہ: ہبہ کا رکن ایجاب اور قبول ہے اور ہبہ کامل قبضہ سے تام ہوتا ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاویٰ الخانية على الفتاویٰ الهندية ، كتاب الهبة ،فصل في جوازها:۶/۲۳۷

(۲) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الهبة :۸/ ۴۹۰ـ۴۹۳

قطع تعلق کی بنا پر بیوی کو شوہر کی میراث سے محروم کرنا

سوال نمبر (370):

زید نے دو شادیاں کی تھیں، پہلی بیوی شامرہ سے قطع تعلق کر کے دوسری بیوی زبیدہ سے تعلق قائم رکھا۔اب زید کا انتقال ہو گیا ہے۔بعض ورثا کہتے ہیں کہ چونکہ شامرہ کے ساتھ شوہر کا قطع تعلق تھا، اس لیے وہ شوہر کی میراث میں حقدار نہیں ہے۔کیا یہ بات از روئے شریعت صحیح ہے؟ واضح رہے کہ زید کی دونوں بیویوں سے اولاد بھی ہے۔

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

بیوی شوہر کی میراث سے تب محروم ہوتی ہے جب شوہر اس کو حالتِ صحت میں طلاق دیدے، یا حالتِ مرض میں طلاق دے اور وہ عدت گزار دے۔اس کے علاوہ صرف قطع تعلق کی بنا پر عورت شوہر کی میراث سے محروم نہیں ہوتی۔

صورتِ مسئولہ میں اگر زید نے شامرہ کو مرتے دم تک طلاق نہ دی ہو تو محض شوہر کی قطع تعلقی کی وجہ سے وہ میراث سے محروم نہیں ہوتی۔لہٰذا اولاد کے ہوتے ہوئے شامرہ اپنی سوکن (زبیدہ) کے ساتھ مل کر شوہر کی میراث میں آٹھواں حصہ لینے کی حقدار ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾.(۱)

ترجمہ: اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو (اس صورت میں) ان (بیویوں) کو تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔

❁❁❁

بیوہ کو نکاحِ ثانی کی وجہ سے وراثت سے محروم کرنا

سوال نمبر (371):

ایک عورت بیوہ ہونے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے تو کیا اس نکاح ثانی کی وجہ سے وہ اپنے پہلے شوہر کی میراث سے محروم ہوگی؟

بینوا توجروا

---

(۱) النساء:۱۲

الجواب وباللہ التوفیق:

بیوہ عورت جب عدت کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرے تو اس کی وجہ سے وہ اپنے مرحوم شوہر کی وراثت سے محروم نہیں ہوتی، کیونکہ نکاحِ جدید موانعِ ارث میں سے نہیں۔ لہٰذا وہ دوسرے ورثا کی طرح حق دار ہوگی۔

والدلیل علی ذلک:

المانع من الإرث أربعة : الرق......والقتل واختلاف الدينين واختلاف الدارين.(۱)

ترجمہ: مانع ارث چار ہیں: غلامی......قتل، دین کا اختلاف، (اور دو کافروں کے درمیان) دار کا اختلاف۔

❁❁❁❁❁

مسائل ذوی الفروض والعصبات وذوی الأرحام

ورثا میں صرف بیٹی ہو

سوال نمبر(372):

ایک آدمی کے مرنے کے بعد اس کے ورثا میں صرف اس کی ایک بیٹی ہو اس کے علاوہ اور کوئی وارث موجود نہ ہو، از روئے شریعت مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر میت کے ورثا میں صرف ایک بیٹی باقی ہو اور اس کے علاوہ ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث تمام متروکہ مال و جائیداد بیٹی کو مل جائے گا، جس میں سے آدھا حصہ بطورِ فرضیت اور آدھا حصہ بطورِ ردّ دیا جائے گا۔

والدلیل علی ذلک:

وأما النساء :فالأولى البنت ، ولها النصف إذا انفردت . (۲)

---

(۱) السراجي ،فصل في الموانع :ص/٥

(۲) الفتاوى الهندية ، كتاب الفرائض ،الباب الثاني في ذوي الفروض :٦/٤٤٨

ترجمہ: (ذوی الفروض) عورتوں میں پہلے نمبر پر بیٹی ہے، بیٹی جب اکیلی ہوتو اس کو آدھا حصہ ملے گا۔

واعلم أن جميع من يرد عليه سبعة : الأم ،والجدة ،والبنت.....(۱)

ترجمہ:

جان لو کہ سات قسم کے افراد پر (میراث کا) ردّ کیا جاتا ہے: ماں، دادی، بیٹی.....

۞۞۞

ورثا میں صرف ایک بیٹا ہو

سوال نمبر(373):

ایک شخص کے والدین فوت ہو چکے ہیں، ورثا میں صرف ایک بیٹا محمد شریف زندہ ہے۔ان کے میراث کا حقدار کون ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے اگر ورثا میں صرف ایک بیٹا محمد شریف زندہ ہو اور اس کے علاوہ ذوی الفروض اور عصبات میں سے اور کوئی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث تمام متروکہ مال و جائیداد متروکہ محمد شریف کو ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

العصبات : وهم كل من ليس له سهم مقدر ، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال.(۲)

ترجمہ: عصبہ وہ تمام ورثا ہیں جن کے لیے (قرآن وحدیث میں) کوئی (مخصوص) حصہ مقرر نہ ہو اور وہ ذوی الفروض کے حصوں سے بچا ہوا مال لیتے ہیں، جب کہ تنہا ہونے کی صورت میں پورا مال سمیٹ لیتے ہیں۔

۞۞۞

---

(۱) الفتاوی الهندية ،كتاب الفرائض ،الباب الرابع عشر في الرد وهو ضد العول :٦/٤٦٩

(۲) الفتاوی الهندية ،كتاب الفرائض ،الباب الثالث في العصبات :٦/٤٥١

ورثا میں صرف بہن ہو

سوال نمبر(374):

ایک شادی شدہ عورت وفات پاچکی ہے جس کے ورثا میں صرف بہن باقی ہے۔ از روئے شریعت مرحومہ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بشرطِ صدقِ ثبوت اگر مرحومہ کے ورثا میں صرف ایک بہن زندہ ہو اور اس کے علاوہ ذوی الفروض اور عصبات میں سے اور کوئی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث تمام متروکہ مال وجائیداد بہن کو ملے گا، جس میں آدھا حصہ بطورِ فرضیت اور آدھا حصہ بطورِ ردّ ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُختٌ فَلَهَا نِصفُ مَا تَرَكَ .(۱)

ترجمہ: اگر کوئی آدمی مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس کو میراث میں آدھا حصہ ملے گا۔

واعلم أن جميع من يرد عليه سبعة : الأم ،والجدة ، والبنت، وبنت الابن والأخوات من الأبوين، والأخواتُ لأبٍ وأولادُ الأم.(۲)

ترجمہ: جان لو کہ سات قسم کے افراد پر ردّ کیا جاتا ہے: ماں، دادی، بیٹی، پوتی، عینی بہنیں، علاتی بہنیں اور اولادِ اُم۔

❁❁❁

بیوی کا شوہر کی میراث میں حصہ

سوال نمبر(375):

بیوی کو شوہر کی جائیداد میں کتنا حصہ ملتا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا

(۱) النساء:۱۷۶

(۲) الفتاوی الهندية ، كتاب الفرائض ،الباب الرابع عشر في الردوهوضدالعول :٦/٤٦٩

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر شوہر فوت ہوجائے اور اس کی اولاد موجود ہوتو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا اور اگر اولاد موجود نہ ہوتو بیوی کو شوہر کے مال کا چوتھائی حصہ ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

قولہ تعالیٰ:﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾.(۱)

ترجمہ:

اور بیویوں کو تمہارے ترکہ کا چوتھائی حصہ ملے گا اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو ان (بیویوں) کو تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔

❁❁❁

شوہر کا بیوی کی میراث میں حصہ

سوال نمبر(376):

شوہر کو اپنی بیوی کی جائیداد میں کتنا حصہ ملتا ہے؟ از روئے شریعت وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

زوجین ایک دوسرے کے وارث ہیں اور کسی حال میں بھی محروم نہیں ہوتے۔ اگر بیوی کی اولاد نہ ہو تو شوہر کو نصف حصہ ملے گا اور اگر اولاد موجود ہو تو پھر شوہر کو چوتھائی حصہ ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

قولہ تعالیٰ:﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ﴾.(۲)

(۲،۱) النساء:۱۲

ترجمہ:

اور تم کو تمہاری بیویوں کے ترکے کا آدھا حصہ ملے گا اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو اور اگر بیویوں کی کوئی اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ کا چوتھا حصہ ملے گا۔

❁❁❁

کلالہ کی تعریف

سوال نمبر(377):

کلالہ کسے کہتے ہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس مرنے والے کے اصول وفروع نہ ہوں اس کو کلالہ کہا جاتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

والکلالة من لیس له ولد ولا والد.(۱)

ترجمہ:

اور کلالہ وہ ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ والد۔(یعنی نہ فروع ہوں نہ اُصول)

❁❁❁

ورثا میں ایک بھتیجی اور باپ کے چچا کے بیٹے ہوں

سوال نمبر(378):

شریف خان فوت ہو چکا ہے۔اس کے ورثا میں ایک بھتیجی اور باپ کے چچا کے بیٹے زندہ ہیں۔ان کے علاوہ کوئی قریبی وارث نہیں تو اس کی میراث کا حق دار کون ہے؟

بیّنوا توجروا

(۱) المبسوط للسرخسي، الدعوی، شهادة أهل الذمة في الميراث: ۵۳/۱۷

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ میراث کے باب میں اصول یہ ہے کہ سب سے پہلے ذوی الفروض کو میراث ملے گی اور اگر ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو تو پھر عصبات میراث کے مستحق ہوں گے اور اگر عصبات بھی نہ ہوں تو پھر ذوی الارحام کو میراث ملے گی۔

صورتِ مسئولہ میں باپ کے چچا کے بیٹے عصبات میں سے ہیں اور بھتیجی ذوی الارحام میں سے ہے، لہٰذا شریف خان کی میراث کے مستحق اس کے چچا کے بیٹے ہوں گے، بھتیجی نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

فيبدأ بذي الفرض ،ثم بالعصبة النسبية،ثم بالعصبية السببية...... ثم ذوي الأرحام .(١)

ترجمہ:

(میراث کی تقسیم میں) صاحبِ فرض سے شروع کیا جائے گا، پھر نسبی عصبہ میں میراث تقسیم ہوگی، پھر سببی عصبہ کو میراث میں حصہ ملے گا...... پھر ذوی الارحام میراث کے مستحق ہوں گے۔

❁❁❁

چچا کی میراث میں بھتیجے اور بھتیجیوں کا حصہ

سوال نمبر (379):

میری والدہ صاحبہ کا چچا جوانی میں فوت ہوا اور اس کے ورثا میں ایک میری ماں، ایک میری خالہ اور ایک میرا ماموں زندہ ہے۔ اب ماموں کا کہنا ہے کہ آپ لوگوں کو (یعنی دونوں بہنوں کو) چچا کی میراث میں سے ازروئے شریعت کچھ حصہ نہیں ملتا ہے جب کہ مرحوم نے میراث میں تین کنال زمین چھوڑی ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا میرے ماموں کا یہ کہنا صحیح ہے کہ بھتیجیوں کو چچا کی میراث میں سے کچھ حصہ نہیں ملتا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت کی رُو سے میراث میں وہ خواتین بعض حالات میں عصبہ بنتی ہیں جو ذوی الفروض ہوں یعنی

---

(١) الفتاوى الهندية ،كتاب الفرائض ،الباب الاول :٤٤٧/٦

قرآن وحدیث میں اُن کے لیے کوئی حصہ مقرر ہو۔جن کے حصے قرآن وحدیث میں مقرر نہیں، وہ عصوبت کے طور پر بھی حصہ نہیں پاسکتیں اگرچہ ان کا بھائی عصوبت کی وجہ سے میراث میں حصہ پا رہا ہو۔

بھتیجی بھی چونکہ اصحاب فروض میں سے نہیں اس لیے بھتیجا تو بطورِ عصوبت میراث کا مستحق ہوگا لیکن بھتیجیاں (سائل کی والدہ اور بہن) وراثت سے محروم رہیں گی۔

والدّلیل علی ذلک:

ومن لافرض لها من الإناث ، وأخوها عصبة لاتصير عصبة بأخيها كالعمّ والعمة ، كان المال كله للعمّ دون العمة.(۱)

ترجمہ: اور وہ عورتیں جن کا کوئی حصہ (قرآن وحدیث میں) مقرر نہیں ہے اور اس کا بھائی عصبہ ہو رہا ہو تو وہ (عورت) اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ نہیں ہوگی، جیسے چچا اور پھوپھی (جب جمع ہوجائیں تو) پورا مال چچا کا ہوگا نہ کہ پھوپھی کا۔

❁❁❁

داداکے محروم ہونے کی صورت

سوال نمبر(380):

دادا پوتے اور پوتی کی میراث سے کب محروم ہوتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جب باپ زندہ ہو تو اُس وقت دادا پوتے اور پوتی کی میراث سے محروم ہوتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

فأقرب العصبات الابن ثمّ ابن الابن وإن سفل ثم الأب ،ثم الجد أب الأب وإن علا.(۲)

ترجمہ: عصبات میں قریب تر رشتہ دار بیٹا ہے، پھر پوتا اگرچہ رشتے میں نیچے ہو، پھر باپ، پھر دادا اگرچہ رشتہ میں اوپر ہو۔

(۱) السراجي ،باب العصبات :ص/ ۱۵

(۲) الفتاوی الهندية ،كتاب الفرائض ،الباب الثالث فی العصبات :٦/ ٤٥١

شوہر، بیٹی، سوتیلے بیٹوں اور بیٹیوں میں میراث کی تقسیم

سوال نمبر(381):

ایک عورت فوت ہوچکی ہے،اس کے ورثا میں شوہر، بیٹی، سوتیلے بیٹے اور بیٹیاں موجود ہیں۔ مرحومہ کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

میت ــــــــــــ (۴) ــــــــــــ ت

شوہر	حقیقی بیٹی	سوتیلے بیٹے	سوتیلی بیٹیاں
۱	۳	محروم	محروم

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہوتو بعداز ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چار (۴) حصوں میں تقسیم ہوکر چوتھائی (۱/۴) حصہ شوہر کو بطورِ فرضیت ملے گا اور ۳/۴ حصے بیٹی کو ملیں گے۔ جس میں ۲/۴ حصے بطورِ فرضیت اور ۱/۴ حصہ بطورِ ردّ ملے گا۔ جب کہ سوتیلے بیٹے اور بیٹیاں وراثت سے محروم رہیں گے کیونکہ اُن کا میت سے استحقاقِ ارث کا کوئی رشتہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ویستحق الإرث بإحدی خصال ثلاث: بالنسب وهوالقرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء.(۱)

ترجمہ:

تین خصلتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے وراثت کا استحقاق ہوتا ہے؛نسب یعنی رشتہ قرابت اور سبب یعنی رشتہ زوجیت اور ولاء ۔

❁❁❁

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الفرائض، الباب الاول:٦/٤٤٧

بیوی اور بھتیجے کے درمیان میراث کی تقسیم

سوال نمبر(382):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں بیوی اور ایک بھتیجا رہ گیا ہے۔ مرحوم کی میراث ان میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میت ــــــ (٤) ــــــ ت

بھتیجا	بیوی
۳	۱

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چار (۴) حصوں میں تقسیم ہو کر بیوی کو ۱/۴ اور بھتیجے کو ۳/۴ حصے ملیں گے۔

والدلیل علی ذلک:

فأقرب العصبات الابن......ثم الأخ لأب وأم ، ثم الأخ لأب ، ثم ابن الأخ لأب وأم .(۱)

ترجمہ: عصبات میں قریب تر رشتہ دار بیٹا ہے......پھر (پانچویں درجہ میں) حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی، پھر حقیقی بھائی کا بیٹا (بھتیجا)

❁❁❁

ماں، باپ اور بہن بھائیوں میں میراث کی تقسیم

سوال نمبر(383):

ایک عورت فوت ہو چکی ہے، اس کے ورثا میں ماں، باپ، ایک بہن اور دو بھائی موجود ہیں۔ مرحومہ کی میراث ان میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا توجروا

(۱) الفتاوی الهندية ،كتاب الفرائض ،الباب الثالث في العصبات :٦/٤٥١

الجواب وباللہ التوفیق:

م———(٦)———ت

ماں	باپ	بہن	بھائی	بھائی
١	٥	محروم	محروم	محروم

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چھ(٦) حصوں میں تقسیم ہو کر ماں کو ١/٦ حصہ اور باپ کو ٥/٦ حصے ملیں گے، جب کہ بہن، بھائی باپ کی موجودگی کی وجہ سے وراثت سے محروم رہیں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

وأما للأم: فأحوال ثلث: السدس مع الولد أو ولد الابن وإن سفل أو مع الاثنين من الإخوة، والأخوات فصاعدا من أي جهة كانا.(١)

ترجمہ: اور ماں کی تین حالتیں ہیں: (پہلی حالت) چھٹا حصہ ہے اولاد کے ساتھ یا بیٹے کی اولاد کے ساتھ چاہے (رشتہ میں) نیچے ہوں، یا دو یا زیادہ بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ خواہ دونوں (رشتہ میں) کسی بھی جہت سے ہوں۔

أما الأب: فله أحوال ثلث......والتعصيب المحض، وذلك عندعدم الولد، وولد الابن وإن سفل.(٢)

ترجمہ: باپ کی تین حالتیں ہیں......(تیسری حالت) بیٹے، بیٹی اور پوتے پوتی اگرچہ (رشتہ میں) نیچے ہوں، کے نہ ہونے کی صورت میں عصبہ محض ہوگا۔

وبنو الأعيان والعلات كلهم يسقطون بالابن وابن الابن وإن سفل، وبالأب بالاتفاق.(٣)

ترجمہ: اور حقیقی بھائی بہن اور علاتی بھائی بہن سب کے سب ساقط ہو جاتے ہیں، لڑکے اور پوتے کی وجہ سے، اگرچہ (رشتے میں) نیچے (کا) ہو اور باپ کے ساتھ بالاتفاق (مذکورہ سب ساقط ہو جاتے ہیں)۔

❀❀❀

---

(١) السراجي ،باب معرفة الفروض ومستحقيها:ص/١١، ١٢

(٢) أيضاً

(٣) أيضاً

شوہر، بیٹی اور بھائی کے درمیان میراث کی تقسیم

سوال نمبر(384):

ایک عورت فوت ہو چکی ہے، اس کے ورثا میں شوہر، ایک بیٹی اور ایک بھائی موجود ہیں۔ مرحومہ کی میراث ان میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میـــــــ(٤)ـــــــت

شوہر	بیٹی	بھائی
۱	۲	۱

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چار حصوں میں تقسیم ہو کر ایک ایک حصہ شوہر اور بھائی کو اور دو حصے بیٹی کو ملیں گے۔

والدلیل علی ذلک:

قولہ تعالیٰ: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ﴾.(۲)

ترجمہ:

اور تم کو تمہاری بیویوں کے ترکے کا آدھا حصہ ملے گا اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو اور اگر بیویوں کی کوئی اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ کا چوتھائی حصہ ملے گا۔

قولہ تعالیٰ ﴿وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾.(۲)

ترجمہ:

اور اگر ایک ہی لڑکی ہو، تو اس کو (کل ترکہ کا) آدھا حصہ ملے گا۔

(۱) النساء: ۱۲

(۲) النساء/ ۱۱

فاقرب العصبات الابن......ثم الأخ لأب وأم.(۱)

ترجمہ: عصبات میں قریب تر رشتہ دار بیٹا ہے......پھر (پانچویں درجہ میں) حقیقی بھائی۔

❁❁❁

شوہر اور بیٹی میں میراث کی تقسیم

سوال نمبر(385):

ایک عورت فوت ہو چکی ہے،اس کے ورثا میں شوہر اور بیٹی موجود ہیں۔مرحومہ کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

میـــــــــــــ(٤)ـــــــــــــت

بیٹی	شوہر
۳	۱

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چار حصوں میں تقسیم ہو کر شوہر کو ۱/۴ اور بیٹی کو ۳/۴ حصے ملیں گے،جن میں سے ۲/۴ حصے بطورِ فرضیت اور ۱/۴ حصہ بطورِ ردّ ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

والثالث:أن یکون مع الأول من لایرد علیه ،فأعط فرض من لا یرد علیه من أقل مخارجه ،فإن استقام الباقي علی رؤوس من یرد علیه فبها کزوج وثلاث بنات.(۲)

ترجمہ: اور تیسرا (قاعدہ) یہ ہے کہ پہلے (یعنی من یرد علیہ کی جنس) کے ساتھ من لا یرد علیہ ہو تو من لا یرد علیہ کا حصہ اس کے اقل مخرج سے دے دو۔اب اگر باقی من یرد علیہ کے رؤوس کے برابر ہو تو بہت اچھا! جیسے شوہر اور تین لڑکیاں۔

(۱) الفتاوی الهندیة ،کتاب الفرائض ،الباب الثالث فی العصبات :۶/۴۵۱

(۲) السراجي ،باب الرد :ص/۲۸

بیٹی، علاتی بہن اور بھائی میں میراث کی تقسیم

سوال نمبر(386):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں ایک بیٹی، ایک علاتی بہن اور ایک علاتی بھائی موجود ہے۔ مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چھ حصوں میں تقسیم ہو کر بیٹی کو تین، علاتی بہن کو ایک اور علاتی بھائی کو دو حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

والأخوات لأب كالأخوات لأب وأم، ولهن أحوال سبع......أن يكون معهن أخ لأب، فيعصبهن الباقي بينهم للذّكر مثل حظّ الانثيين.(١)

ترجمہ:

اور علاتی بہنیں حقیقی بہنوں کی طرح ہیں۔ان کی سات حالتیں ہیں......(پانچویں حالت یہ ہے کہ اگر) ان کے ساتھ علاتی بھائی ہو تو وہ ان کو عصبہ بنالے گا اور (دیگر ورثا سے) بچا ہوا مال ان کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ مذکر کو دو مؤنث کے حصوں کے بقدر حصہ ملے گا۔

❁❁❁

(١) السراجي، باب معرفة الفروض ومستحقيها، فصل في النساء: ص/١١

بیوی، بھتیجی اور بھتیجی کی بیٹی کے درمیان میراث کی تقسیم

سوال نمبر(387):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے،اس کے ورثاء میں بیوی، بھتیجی اور بھتیجی کی بیٹی موجود ہے۔مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چار حصوں میں تقسیم ہو کر بیوی کو ایک اور بھتیجی کو تین حصے ملیں گے، جب کہ بھتیجی کی موجودگی کی وجہ سے بھتیجی کی بیٹی وراثت سے محروم رہے گی۔

والدّلیل علی ذلک:

الصنف الثالث وهم أولاد الأخوات ،وبنات الإخوة ،وبنو الإخوة لأم.(١)

ترجمہ: ذوی الارحام کی تیسری قسم (حقیقی، علاتی اور اخیافی) بہن کی (مذکر اور مؤنث) اولاد، (حقیقی، علاتی اور اخیافی) بھائیوں کی لڑکیاں اور اخیافی بھائیوں کے لڑکے ہیں۔

❀❀❀

ایک بہن اور دو چچوں کے درمیان میراث کی تقسیم

سوال نمبر(388):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے،اس کے ورثا میں ایک بہن اور دو چچے موجود ہیں۔مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں

(١) الفتاوىٰ الخانية على هامش الفتاوىٰ الهندية ،كتاب الفرائض ،فصل في ذوي الأرحام :٦/٤٥٨

کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میــــــــــــ(٤)ــــــــــــت

بہن	چچا	چچا
۲	۱	۱
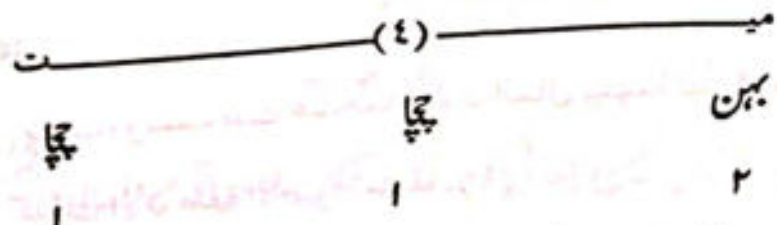
بشرط صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہوتو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چار حصوں میں تقسیم ہوکر بہن کو دو حصے اور ہر ایک چچا کو ایک ایک حصہ ملے گا۔

والدلیل علی ذلک:

وأما الأخوات لأب وأم، فأحوال خمس: النصف للواحدة.(۱)

ترجمہ: اور حقیقی بہنوں کی تین حالتیں ہیں: (پہلی حالت) ایک کے لیے (ترکہ کا) آدھا حصہ ہے۔

❀❀❀

ورثا میں ایک نواسا اور تین نواسیاں ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر(389):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں ایک نواسا اور تین نواسیاں موجود ہیں۔ مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میــــــــــــ(٥)ــــــــــــت

نواسا	نواسی	نواسی	نواسی
۲	۱	۱	۱

(۱) السراجي، باب معرفة الفروض ومستحقيها، فصل في النساء: ص/۱۰
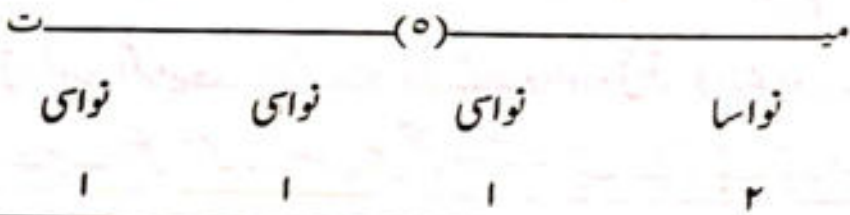
بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ پانچ حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک نواسی کو 1/5 اور نواسے کو 2/5 حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

إذ اترك ابن بنت، وبنت بنت عندهما يكون المال بينهما للذّكر مثل حظّ الانثيين، باعتبار الأبدان،وعند محمدؒ كذلك ؛لأن صفة الأصول متفقة.(۱)

ترجمہ: اگر کوئی شخص ایک نواسا اور ایک نواسی چھوڑے (تو امام ابو یوسفؒ اور حسن ابن زیادؒ) کے نزدیک ان دونوں کے درمیان ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ مذکر کو دو مؤنث کے حصوں کے برابر ملے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے اس لیے کہ اصول کی صفت (ذکورت وانوثت) ایک ہے۔

❀❀❀

ورثا میں چار بیٹے اور ایک پوتا ہو تو تقسیم وراثت

سوال نمبر(390):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں چار بیٹے اور ایک پوتا موجود ہے۔ مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میـــــــــــــــ(٤)ـــــــــــــــت

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	پوتا
۱	۱	۱	۱	محروم

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چار حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک بیٹے کو ایک ایک حصہ ملے گا، جب کہ بیٹوں کی

(۱) السراجي،باب ذوي الأرحام،فصل في الصنف الأول :ص/۳۷

موجودگی میں پوتا حق وراثت سے محروم رہے گا۔

والدلیل علی ذلك:

فأقرب العصبات الابن، ثم ابن الابن.(۱)

ترجمہ: عصبات میں قریب تر رشتہ دار بیٹا ہے، پھر پوتا۔

❁❁❁

ورثا میں تین بھائی اور تین بہنیں ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر(391):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں تین بھائی اور تین بہنیں موجود ہیں، مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میت ———(۹)——— ت

بھائی	بھائی	بھائی	بہن	بہن	بہن
۲	۲	۲	۱	۱	۱

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ نو (۹) حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک بھائی کو دو دو حصے اور ہر ایک بہن کو ایک ایک حصہ ملے گا۔

والدلیل علی ذلك:

قولہ تعالیٰ ﴿وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾.(۲)

ترجمہ: اور اگر وارث بھائی اور بہنیں ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے حصوں کے برابر ملے گا۔

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات :٦/٤٥١

(۲) النساء:١٧٦

ورثا میں شوہر، ماں اور باپ ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر(392):

خدیجہ نامی عورت فوت ہوچکی ہے، اس کے ورثا میں شوہر اور ماں باپ موجود ہیں۔ مرحومہ کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

میـــــــــــــــــــــ(٦)ـــــــــــــــــــت

شوہر	باپ	ماں
۳	۲	۱
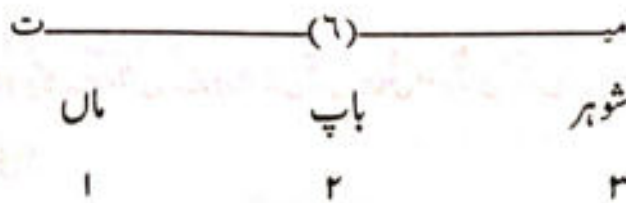
بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چھ حصوں میں تقسیم ہوکر شوہر کو ۳/۶، ماں کو ۱/۶ اور باپ کو ۲/۶ حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

وأما للأم فأحوال ثلث:...... وثلث مابقي بعد فرض أحد الزوجين.(۱)

ترجمہ: اور ماں کی تین حالتیں ہیں:......(تیسری حالت) میاں بیوی میں سے ایک کا حصہ دینے کے بعد (ماں کو) بچے ہوئے مال کا ایک تہائی حصہ ملے گا۔

وأما الأب فله أحوال ثلث:......والتعصیب المحض وذلك عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل.(۲)

ترجمہ: اور باپ کی تین حالتیں ہیں:......(تیسری حالت) اولاد اور بیٹوں کی اولاد اگرچہ (رشتہ میں) نیچے ہوں، کے نہ ہونے کی صورت میں باپ عصبہ محض ہوگا۔

❁❁❁

(۱) السراجي ،فصل في النساء :ص/۱۱،۱۲

(۲) السراجي ،باب معرفة الفروض ومستحقيها:ص/۶،۷

ورثا میں دو بیٹیاں اور تین بہنیں ہوں تو تقسیمِ وراثت

سوال نمبر(393):

ایک عورت فوت ہوچکی ہے، اس کے ورثا میں دو بیٹیاں اور تین بہنیں موجود ہیں۔ مرحومہ کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میــــــــ(۹)ــــــــت

بیٹی	بیٹی	بہن	بہن	بہن
۳	۳	۱	۱	۱

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ نو (۹) حصوں میں تقسیم ہوکر ہر ایک بیٹی کو ۹/۳ حصے، جب کہ ہر ایک بہن کو ۹/۱ حصہ ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

أما الأخوات لأب وأم فأحوال خمس:...... ولهن الباقي مع البنات أو بنات الابن.(۱)

ترجمہ: اور حقیقی بہنوں کی پانچ حالتیں ہیں:...... (چوتھی حالت) اور ان کے لیے بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ بچا ہوا مال ہے۔

❁❁❁

ورثا میں بیوی، ماں، باپ، بیٹی اور دو بیٹے ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر(394):

ایک شخص فوت ہوچکا ہے، اس کے ورثا میں بیوی، ماں، باپ، بیٹی اور دو بیٹے موجود ہیں۔ مرحوم کی میراث

(۱) السراجي ،باب معرفة الفروض ومستحقيها:ص/۱۱،۱۰

مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میت ــــــــــــ(۱۲۰)ــــــــــــ ت

بیوی	ماں	باپ	بیٹا	بیٹا	بیٹی
۱۵	۲۰	۲۰	۲۶	۲۶	۱۳

بشرط صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ ایک سو بیس (۱۲۰) حصوں میں تقسیم ہو کر بیوی کو ثمن کل جائداد ۱۲۰/۱۵، ماں، باپ میں سے ہر ایک کو سدس کل جائداد ۱۲۰/۲۰، اور بقیہ اولاد میں تقسیم ہو کر ہر ایک بیٹے کو ۱۲۰/۲۶، اور بیٹی کو ۱۲۰/۱۳ حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

قوله تعالی ﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾.(۱)

ترجمہ: میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے ترکہ کا چھٹا حصہ مقرر ہے، اگر میت کی کوئی اولاد ہو۔

❁❁❁

ورثا میں دو بیویاں، تین بیٹیاں، دادی اور دو چچا ہوں تو تقسیم وراثت

سوال نمبر (395):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں دو بیویاں، تین بیٹیاں، دادی اور دو چچا موجود ہیں۔ مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) النساء: ۱۱

الجواب وباللہ التوفیق:

(۱۴۴)
میت

بیوی	بیوی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	دادی	چچا	چچا
۹	۹	۳۲	۳۲	۳۲	۲۴	۳	۳

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ ایک سو چوالیس (۱۴۴) حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک بیوی کو ۹/۱۴۴، ہر ایک بیٹی کو ۳۲/۱۴۴، دادی کو ۲۴/۱۴۴، اور ہر ایک چچا کو ۳/۱۴۴ حصے ملیں گے۔

والدلیل علی ذلک:

وللجدة السدس لأم كانت أو لأب، واحدة كانت،أو أكثر إذا كن ثابتات متحاذيات في الدرجة.(۱)

ترجمہ:
اور جدہ کے لیے چھٹا حصہ ہے، ماں کی طرف سے ہو یا باپ کی طرف سے۔ ایک ہو یا زیادہ، جب کہ وہ صحیحہ ہوں اور مرتبے میں برابر ہوں۔

❁❁❁

ورثا میں دو بیویاں، دو چچازاد بھائی اور دو بھانجے ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر(396):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں دو بیویاں، دو چچازاد بھائی اور دو بھانجے موجود ہیں۔ مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) السراجي ،باب معرفة الفروض ومستحقيها:ص/۱۳،۱۲

الجواب وباللہ التوفیق:

میــــــــــــــــــــــ(۸)ــــــــــــــــــــــت

بیوی	بیوی	چچازاد بھائی	چچازاد بھائی	بھانجا	بھانجا
۱	۱	۳	۳	محروم	محروم

بشرط صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ آٹھ (۸) حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک بیوی کو ۱/۸، اور ہر ایک چچازاد بھائی کو ۳/۸ حصے ملیں گے اور بھانجے چونکہ ذوی الارحام میں سے ہیں اس لیے عصبہ (چچازاد بھائی) کی موجودگی میں حق وراثت سے محروم رہیں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

قولہ تعالیٰ: ﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ﴾ (۱)

ترجمہ: اور اُن (بیویوں) کو تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی حصہ ملے گا اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔

فأقرب العصباتِ الابنُ ثم ابن الابن......ثمّ ابن العمّ لأبٍ وأمٍّ.(۲)

ترجمہ: عصبات میں قریب تر بیٹا ہے، پھر پوتا......پھر حقیقی چچا کا بیٹا۔

❁❁❁

ورثا میں بھانجے کا بیٹا اور دو چچازاد بھائی ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر (397):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں ایک بھانجے کا بیٹا اور دو چچازاد بھائی موجود ہیں۔ مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) النساء: ۱۱

(۲) الفتاوی الهندية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات: ۶/۴۵۱

الجواب وباللہ التوفیق:

میـــــــــــــــــــ(۲)ـــــــــــــــــــت

چچازاد بھائی	چچازاد بھائی	بھانجے کا بیٹا
۱	۱	محروم

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ دو (۲) حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک چچازاد بھائی کو ایک ایک حصہ ملے گا، چونکہ بھانجے کا بیٹا ذوی الارحام میں سے ہے، اس لیے وہ عصبہ (چچازاد بھائی) کی موجودگی میں وراثت سے محروم رہے گا۔

والدلیل علی ذلک:

فيبدأ بذي الفرض ،ثم بالعصبة النسبية،ثم بالعصبية السببية..........ثم ذوی الأرحام.(۱)

ترجمہ:

(میراث کی تقسیم میں) صاحبِ فرض سے شروع کیا جائے گا، پھر نسبی عصبہ میں میراث تقسیم ہوگی، پھر سببی عصبہ کو میراث میں حصہ ملے گا...... پھر ذوی الارحام کو میراث دی جائے گی۔

❀❀❀

دوماں شریک بھائی، پانچ چچازاد بھائی اور دو چچازاد بہنیں ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر (398):

ایک عورت فوت ہو چکی ہے، اس کے ورثا میں دوماں شریک بھائی، پانچ چچازاد بھائی اور دو چچازاد بہنیں موجود ہیں۔ مرحومہ کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱) الفتاوی الھندیۃ، کتاب الفرائض، الباب الاول :۶/۴۴۷

الجواب وباللہ التوفیق:

(۳۰)

ماں شریک بھائی	ماں شریک بھائی	چچازاد بھائی	چچازاد بھائی	چچازاد بھائی
۵	۵	۴	۴	۴

چچازاد بھائی	چچازاد بھائی	چچازاد بہن	چچازاد بہن
۴	۴	محروم	محروم

بشرط صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ تیس (۳۰) حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ماں شریک بھائی کو ۵/۳۰، اور ہر ایک چچازاد بھائی کو ۴/۳۰ حصے ملیں گے، جب کہ چچازاد بہنیں وراثت سے محروم رہیں گی۔

والدّلیل علی ذلک:

وباقي العصبات ينفرد بالميراث ذكورهم دون أخواتهم، وهم أربعة أيضاً: العمّ، وابن العم، وابن الأخ، وابن المعتق. (۱)

ترجمہ: باقی عصبات میں سے صرف مذکر (بھائی) میراث کے مستحق ہوں گے، ان کی بہنیں نہیں اور یہ چار افراد ہیں: چچا، چچا کا بیٹا، بھتیجا اور آزاد کرنے والے کا بیٹا۔

❁❁❁

ورثا میں ایک عینی بہن، تین عینی بھائی اور پانچ علاتی بھائی ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر (399):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں ایک عینی بہن، تین عینی بھائی اور پانچ علاتی بھائی موجود ہیں۔ مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات: ٦/٤٥١

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئلہ (۷)

عینی بھائی	عینی بھائی	عینی بھائی	عینی بہن	پانچ علاتی بھائی
۲	۲	۲	۱	محروم

بشرط صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ ۷ حصوں میں تقسیم ہو کر بہن کو ۱/۷، اور ہر ایک بھائی کو ۲/۷ حصے ملیں گے، جب کہ علاتی بھائی اعیانی بھائیوں کی موجودگی کی وجہ سے وراثت سے محروم رہیں گے۔

والدلیل علی ذلک:

ویسقط بنو العلات أیضا بالأخ لأب وأم، وبأخت لأب وأم إذا صارت عصبة. (۱)

ترجمہ: اور علاتی بہن بھائی، حقیقی بھائی اور حقیقی بہن کی موجودگی کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں، جب کہ حقیقی بہن عصبہ (مع الغیر) ہو۔

❁❁❁

ورثا میں بیوی، بہن، تین بھتیجے اور دو بھتیجیاں ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر (400):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں بیوی، بہن، تین بھتیجے اور دو بھتیجیاں موجود ہیں۔ مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئلہ (۱۲)

بیوی	بہن	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجی	بھتیجی
۳	۶	۱	۱	۱	محروم	محروم

(۱) السراجي، باب معرفة الفروض ومستحقيها: ص/۱۱

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ ۱۲ حصوں میں تقسیم ہو کر بیوی کو ۱۲/۳، بہن کو ۱۲/۶، اور ہر ایک بھتیجے کو ۱۲/۱، حصہ ملے گا، جب کہ بھتیجیاں (جو کہ ذوی الارحام میں سے ہیں) بھتیجوں (جو کہ عصبہ ہیں) کی موجودگی میں وراثت سے محروم رہیں گی۔

والدّلیل علی ذلک:

فيبدأ بذي الفرض ، ثم بالعصبة النسبية، ثم بالعصبية السببية......ثم ذوي الأرحام .(۱)

ترجمہ:

(میراث کی تقسیم میں) صاحب فرض سے شروع کیا جائے گا، پھر نسبی عصبہ میں میراث تقسیم ہوگی، پھر سببی عصبہ کو میراث میں حصہ ملے گا...... پھر ذوی الارحام میراث کے مستحق ہوں گے۔

❁❁❁

ورثا میں دو بہنیں، تین چچازاد بھائی ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر (401):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں دو بہنیں اور تین چچازاد بھائی موجود ہیں۔ مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

میـــــــــــــــــ(۹)ـــــــــــــــــت

بہن	بہن	چچازاد بھائی	چچازاد بھائی	چچازاد بھائی
۳	۳	۱	۱	۱

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ نو (۹) حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک بہن کو ۹/۳، اور ہر ایک چچازاد بھائی کو ۹/۱ حصہ ملے گا۔

(۱) الفتاوی الهندية ، كتاب الفرائض ،الباب الاول :٦/٤٤٧

والدلیل علی ذلک:

قوله تعالی ﴿فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ﴾.(۱)

ترجمہ: پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو ترکہ کا دو تہائی حصہ ملے گا۔

❀❀❀

ورثا میں شوہر، ماں اور دو عینی بہنیں ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر(402):

نصرت نامی ایک عورت فوت ہو چکی ہے۔اس کے ورثا میں شوہر، ماں اور دو عینی بہنیں موجود ہیں۔ مرحومہ کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ آٹھ (۸) حصوں میں تقسیم ہو کر شوہر کو ۳/۸، ماں کو ۱/۸، اور ہر ایک عینی بہن کو ۲/۸ حصے ملیں گے۔

والدلیل علی ذلک:

أمّا الستة فإنها تعول إلیٰ عشرة وتراً وشفعاً.(۲)

ترجمہ: پس چھ دس تک عول کرتا ہے چاہے طاق ہو یا جفت ہو۔

---

(۱) النساء/۱۷۶

(۲) السراجی، باب العول: ص/۱۹

ورثا میں دو بیٹیاں، سات پوتے اور تین پوتیاں ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر(403):

ایک عورت فوت ہوچکی ہے، اس کے ورثا میں دو بیٹیاں، سات پوتے اور تین پوتیاں موجود ہیں۔ مرحومہ کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میـ ——— (۵۱) ——— ...

بیٹی	بیٹی	پوتا	پوتا	پوتا	پوتا
۱۷	۱۷	۲	۲	۲	۲

... ——— ت

پوتا	پوتا	پوتا	پوتی	پوتی	پوتی
۲	۲	۲	۱	۱	۱

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ اکیاون (۵۱) حصوں میں تقسیم ہوکر ہر ایک بیٹی کو ۵۱/۱۷، ہر ایک پوتے کو ۵۱/۲، اور ہر ایک پوتی کو ۵۱/۱ حصہ ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

وبنات الابن کبنات الصلب، ولهن أحوال ست......ولا یرثن مع الصلبیتین إلاأن یکون بحذائهن أو أسفل منهن غلام ، فیعصبهن والباقي بینهم للذّکر مثل حظّ الأنثیین. (۱)

ترجمہ: اور پوتیاں صلبی بیٹیوں کی طرح ہیں اور ان کی چھ حالتیں ہیں:...... (چوتھی حالت) دو صلبی بیٹیوں کے ساتھ پوتیاں وارث نہیں ہوتیں۔ (پانچویں حالت) مگر یہ کہ رشتہ میں ان کے برابر یا ان سے نیچے کوئی لڑکا ہو تو وہ لڑکا ان سب کو عصبہ (بالغیر) بنائے گا اور باقی مال ان کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ مذکر کو دو مؤنث کے حصوں کے بقدر ملے گا۔

---

(۱) السراجي ،باب معرفة الفروض ومستحقیها:ص/۸

ورثا میں چار بیٹیاں، بھتیجے کا بیٹا اور بھتیجے کی بیٹی ہو تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر(404):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں چار بیٹیاں، بھتیجے کا بیٹا اور بھتیجے کی بیٹی موجود ہے۔ مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میت ——— (٦) ——— ت

بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بھتیجے کا بیٹا	بھتیجے کی بیٹی
۱	۱	۱	۱	۲	محروم

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چھ(٦) حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک بیٹی کو ٦/١، اور بھتیجے کے بیٹے کو ٦/٢ حصے ملیں گے، جب کہ بھتیجے کی بیٹی (جو کہ ذوی الارحام میں سے ہے) بھتیجے کے بیٹے (جو کہ عصبہ ہے) کی موجودگی کی وجہ سے وراثت سے محروم رہے گی۔

والدّلیل علی ذلک:

وباقي العصبات ينفرد بالميراث ذكورهم دون أخواتهم ، وهم أربعة أيضاً: العم ، وابن العم ، وابن الأخ ، وابن المعتق.(١)

ترجمہ:

باقی عصبات میں سے صرف مذکر (بھائی) میراث کا مستحق ہوگا، اُس کی بہنیں مستحق نہیں اور یہ چار افراد ہیں: چچا، چچا کا بیٹا، بھتیجا اور آزاد کرنے والے کا بیٹا۔

❁❁❁

(١) الفتاوىٰ الهندية ،كتاب الفرائض ،الباب الثالث في العصبات :٦/٤٥١

ورثا میں تین بیویاں، دودادیاں، چار بیٹیاں اور سات چچے ہوں تو تقسیم میراث

سوال نمبر(405):

ذاکر نامی ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کے ورثا میں تین بیویاں، دودادیاں، چار بیٹیاں اور سات چچے موجود ہیں۔ مرحوم کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میـــ (۱۶۸) ...

بیوی	بیوی	بیوی	دادی	دادی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۷	۷	۷	۱۴	۱۴	۲۸	۲۸	۲۸

... ت

بیٹی	چچا	چچا	چچا	چچا	چچا	چچا	چچا
۲۸	۱	۱	۱	۱	۱	۱	۱

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ ایک سو اٹھاسٹھ (۱۶۸) حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک بیوی کو ۱۶۸/۷، ہر ایک دادی کو ۱۶۸/۱۴، ہر ایک بیٹی کو ۱۶۸/۲۸، اور ہر ایک چچا کو ۱۶۸/۱ حصہ ملے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

وللجدة السدس لأم كانت أو لأب واحدة كانت أو أكثر إذا كن ثابتات متحاذيات في الدرجة.(۱)

ترجمہ:

اور جدہ کے لیے چھٹا حصہ ہے، ماں کی طرف سے ہو یا باپ کی طرف سے، ایک ہو یا زیادہ، جب کہ وہ صحیحہ ہوں اور مرتبے میں برابر ہوں۔

(۱) السراجي ،باب معرفة الفروض ومستحقيها:ص/۱۳،۱۲

ورثا میں حقیقی بہن، اخیافی بھائی، علاتی بھائی اور تین بھتیجے ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر (406):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں حقیقی بہن، اخیافی بھائی، علاتی بھائی اور تین بھتیجے موجود ہیں۔ مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میــــــــــــ(۶)ــــــــــــت

حقیقی بہن	اخیافی بھائی	علاتی بھائی	تین بھتیجے
۳	۱	۲	محروم

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چھ (۶) حصوں میں تقسیم ہو کر حقیقی بہن کو ۶/۳، اخیافی بھائی کو ۶/۱، اور علاتی بھائی کو ۶/۲ حصے ملیں گے، جب کہ علاتی بھائی کی موجودگی میں بھتیجے وراثت سے محروم رہیں گے۔

والدلیل علی ذلک:

قولہ تعالیٰ ﴿إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَّلَـهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَاتَرَكَ﴾.(۱)

ترجمہ:

اگر کوئی آدمی مر گیا اور اس کی کوئی اولاد نہیں ہے اور صرف ایک بہن ہے تو اس کو ترکہ کا آدھا حصہ ملے گا۔

وأما لأولاد الأم فأحوال ثلث: السدس للواحد.(۲)

ترجمہ:

اخیافی بہن بھائیوں کی تین حالتیں ہیں: (پہلی حالت) ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔

❁❁❁

(۱) النساء:۱۷۶

(۲) السراجي، باب معرفة الفروض ومستحقيها:ص/۷

ورثا میں تین بھتیجے، دو بھتیجیاں، چار بھانجے اور پانچ بھانجیاں ہوں

سوال نمبر(407):

ایک شخص فوت ہو چکا ہے، اس کے ورثا میں تین بھتیجے، دو بھتیجیاں، چار بھانجے اور پانچ بھانجیاں موجود ہیں۔ مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میـــــــــــــــــــ(۳)ـــــــــــــــــــت

بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	دو بھتیجیاں	چار بھانجے	پانچ بھانجیاں
۱	۱	۱	محروم	محروم	محروم

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ تین (۳) حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک بھتیجے کو ایک ایک حصہ ملے گا، جب کہ بھتیجیاں، بھانجے اور بھانجیاں (جو کہ ذوی الارحام میں سے ہیں) بھتیجوں (جو کہ عصبات میں سے ہیں) کی موجودگی میں وراثت سے محروم رہیں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

فيبدأ بذي الفرض ،ثم بالعصبة النسبية،ثم بالعصبية السببية......ثم ذوي الأرحام .(۱)

ترجمہ:

(میراث کی تقسیم میں) صاحبِ فرض سے شروع کیا جائے گا، پھر نسبی عصبہ میں میراث تقسیم ہوگی، پھر سببی عصبہ کو میراث میں حصہ ملے گا۔۔۔۔۔۔پھر ذوی الارحام میراث کے مستحق ہوں گے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندية ،كتاب الفرائض ،الباب الاول :٦/٤٤٧

ورثا میں دو بہنیں، ایک بھانجا اور ایک بھانجی ہو تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر(408):

ایک عورت فوت ہوچکی ہے، اس کے ورثا میں دو بہنیں، ایک بھانجا اور ایک بھانجی موجود ہے۔ مرحومہ کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میـــــــــــــــــــ(۲)ـــــــــــــــــــت

بہن	بہن	بھانجا	بھانجی
۱	۱	محروم	محروم

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ دو (۲) حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک بہن کو ایک ایک حصہ ملے گا، جب کہ بھانجا اور بھانجی بہنوں کی وجہ سے وراثت سے محروم ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وإنما يرث ذوي الأرحام إذا لم يكن أحد من أصحاب الفرائض ممن يرد عليه، ولم يكن عصبة. (۱)

ترجمہ: ذوی الأرحام اُس وقت وارث ہوتے ہیں جب وہ اصحابِ فروض موجود نہ ہوں جن پر رد کیا جاتا ہے اور عصبہ بھی نہ ہوں۔

❁❁❁

ورثا میں بیوی، بیٹی، چچا کا پوتا، چچازاد بہن اور چچا کی پوتیاں ہوں تو میراث کی تقسیم

سوال نمبر(409):

ایک شخص فوت ہوچکا ہے، اس کے ورثا میں بیوی، بیٹی، چچا کا پوتا، چچازاد بہن اور تین چچا کی پوتیاں موجود ہیں۔

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الفرائض، الباب العاشر في ذوي الأرحام: ٤٥٩/٦

مرحوم کی میراث مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسـ ـــ(۸)ـــ ـت

بیوی	بیٹی	چچا کا پوتا	چچازاد بہن	تین چچا کی پوتیاں
۱	۴	۳	محروم	محروم

بشرطِ صدق وثبوت اگر میت کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعداز ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ آٹھ (۸) حصوں میں تقسیم ہوکر بیوی کو ۸/۱، بیٹی کو ۸/۴، اور چچا کے پوتے کو ۸/۳ حصے ملیں گے، جب کہ چچا کی بیٹی اور پوتیاں ذوی الارحام ہیں جو عصبہ (چچا کے پوتے) کی وجہ سے وراثت سے محروم رہیں گی۔

والدّلیل علی ذلک:

الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة أعني أولهم بالميراث جزء الميت......ثم أصله ......ثم جزء أبيه......ثم جزء جده أي الأعمام ،ثم بنوهم وإن سفلوا.(۱)

ترجمہ:

قریب تر رشتہ دار پھر (اس سے) قریب تر، ان کو (میراث کی تقسیم میں) قرب درجہ کی وجہ سے ترجیح دی جائے گی، یعنی ان (ورثا) میں میراث کا سب سے زیادہ حقدار میت کی فرع ہے (یعنی بیٹے، پوتے...)...... پھر میت کی اصل (یعنی باپ، دادا...)...... پھر میت کے باپ کی فرع (یعنی بھائی، بھتیجے...)...... پھر میت کے دادا کی فرع یعنی چچے پھران کے لڑکے اگرچہ (رشتے میں) نیچے ہوں۔

❁❁❁❁❁

(۱) السراجي،باب العصبات :ص/۱٤

مناسخہ کے مسائل

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(410):

ستارہ نامی عورت کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا:شوہر احسان، بیٹا منور خان، بیٹی ماہ جبین، دوسری بیٹی نورین اور تیسری بیٹی عنبرین ہیں، پھر شوہر احسان کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا:بیٹا منور خان، بیٹی ماہ جبین، دوسری بیٹی نورین اور تیسری بیٹی عنبرین ہیں۔ستارہ کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میـــــــــ(ستارہ)ـــــ(۲۰)ـــــــــت

شوہر	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی
احسان	منور خان	ماہ جبین	نورین	عنبرین
۵	۶	۳	۳	۳

میـــــــــ(احسان)ـــــــــت

بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی
منور خان	ماہ جبین	نورین	عنبرین
۲	۱	۱	۱

المبـــــ۲۰ـــــلغ

الأحیـــــــــــــــاء

منور خان	ماہ جبین	نورین	عنبرین
۸	۴	۴	۴

بشرطِ صدق وثبوت اگر ستارہ مرحومہ کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور

اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث مرحومہ کا کل ترکہ بیس (۲۰) حصوں میں تقسیم ہوکر منور خان کو ۸/۲۰ اور ماہ جبین، نورین، عنبرین میں سے ہر ایک کو ۴/۲۰، ۴/۲۰ حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلك:

قولہ تعالیٰ ﴿یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ﴾.(۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے حق میں حکم دیتا ہے کہ مذکر کا حصہ دو مؤنث کے حصوں کے برابر ہے۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(411):

امان اللہ نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا واجد اور دوسرا بیٹا اختر ہیں۔پھر بیٹا واجد کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا فہیم اور دوسرا بیٹا نعیم ہے۔پھر دوسرے بیٹے اختر کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا حیدر علی، دوسرا بیٹا احمد علی، تیسرا بیٹا حمید، بیٹی فاطمہ، بھتیجا فہیم اور دوسرا بھتیجا نعیم ہیں۔امان اللہ کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟　　　　　　　　　　　　　　　　　　　**بینوا توجروا**

الجواب وباللہ التوفیق:

میــــــــــ(امان اللہ)ــــــ(۲۸)ــــــــــت

بیٹا	بیٹا
واجد	اختر
۱۴	۱۴

میـــــــــــ(واجد)ـــــــــــت

بیٹا	بیٹا
فہیم	نعیم
۷	۷

(۱) النساء:۱۱

بشرط صدق وثبوت اگر امان اللہ مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں، تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ اٹھائیس (۲۸) حصوں میں تقسیم ہو کر فہیم اور نعیم میں سے ہر ایک کو ۲۸/ ۷، حیدرعلی، احمدعلی اور حمید میں سے ہر ایک کو ۲۸/۴، اور فاطمہ کو ۲۸/۲ حصے ملیں گے۔

والدلیل علی ذلک:

العصبات : وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال.........فأقرب العصبات الابن.........ثم ابن الأخ لأب وأم.(۱)

ترجمہ:

عصبہ ہر وہ وارث ہے، جس کے لیے (قرآن وحدیث میں) کوئی (مخصوص) حصہ مقرر نہ ہو اور اصحاب فرائض سے بچے ہوئے مال کا مستحق ہوتا ہے، جب کہ تنہا ہونے کی صورت میں پورا مال سمیٹ لیتا ہے......عصبات میں قریب تر رشتہ دار بیٹا ہے......پھر (ساتویں درجہ میں) بھتیجا۔

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات: ۶/ ۴۵۱

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(412):

حسن نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا حسین اور بیٹی جمیلہ ہیں۔ پھر جمیلہ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا انس اور بھائی حسین ہیں۔پھر بیٹا حسین کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا عمران اللہ، دوسرا بیٹا امین اللہ، تیسرا بیٹا قدرت اللہ اور چوتھا بیٹا خلیفۃ اللہ ہے۔حسن کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میـــــــــت (حسن) (٦)

بیٹا	بیٹی
حسین	جمیلہ
۴	۲

میـــــــــت (جمیلہ)

بیٹا	بھائی
انس	حسین
۲	محروم

میـــــــــت (حسین)

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا
عمران اللہ	امین اللہ	قدرت اللہ	خلیفۃ اللہ
۱	۱	۱	۱

انس	عمران اللہ	امین اللہ	قدرت اللہ	خلیفۃ اللہ
المبلغ (٦)				
الأحیاء				
۲	۱	۱	۱	۱

بشرطِ صدق وثبوت اگر حسن مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو تو بعد از ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چھ(٦) حصوں میں تقسیم ہو کر انس کو ۲/٦ حصے اور عمران اللہ، امین اللہ، قدرت اللہ اور خلیفۃ اللہ میں سے ہر ایک کو ١/٦ حصہ ملے گا۔

والدلیل علی ذلك:

قوله تعالی: ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾.(١)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے حق میں حکم دیتا ہے کہ مذکر کا حصہ دو مؤنث کے حصوں کے برابر ہے۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(413):

سرفراز نامی شخص کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا: بیٹا خالد، بیٹی میمونہ، دوسری بیٹی سکینہ، تیسری بیٹی پروین اور چوتھی بیٹی زاہدہ ہیں۔ پھر بیٹی میمونہ کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا: بھائی خالد، بہن سکینہ، دوسری بہن پروین اور تیسری بہن زاہدہ ہیں۔ پھر سکینہ کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا: بھائی خالد، بہن پروین اور دوسری بہن زاہدہ ہیں۔ مرحوم سرفراز کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔ اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
میت (سرفراز) (٦٠)				
خالد	میمونہ	سکینہ	پروین	زاہدہ
۲۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰

(١) النساء: ١١

بشرطِ صدق وثبوت اگر سرفراز مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ ساٹھ (۶۰) حصوں میں تقسیم ہو کر خالد کو ۶۰/۳۰، اور پروین اور زاہدہ میں سے ہر ایک کو ۶۰/۱۵ حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

قولہ تعالی:﴿وَإِنْ كَانُوْٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾.(۱)

ترجمہ:

اور اگر وارث چند بھائی بہنیں ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے حصوں کے برابر ملے گا۔

❁❁❁

(۱) النساء:۱۷۶

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(414):

عبدالصمد نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیوی محسنہ، بیٹا اسلم، دوسرا بیٹا جاوید، بیٹی نورین، دوسری بیٹی فوزیہ، تیسری بیٹی حامدہ اور چوتھی بیٹی فائزہ ہیں۔ پھر بیٹی فائزہ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: شوہر امان اللہ، ماں محسنہ، بیٹا عدنان، دوسرا بیٹا نعمان، تیسرا بیٹا ذیشان اور بیٹی کریمہ ہیں۔ عبدالصمد مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مســـــــــ(عبدالصمد)ــــ(۷۶۸)ــــــــــــت

بیوی	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
محسنہ	اسلم	جاوید	نورین	فوزیہ	حامدہ	فائزہ
۹۶	۱۶۸	۱۶۸	۸۴	۸۴	۸۴	۸۴

مســـــــــــــــ(فائزہ)ــــــــــــــــت

شوہر	ماں	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی
امان اللہ	محسنہ	عدنان	نعمان	ذیشان	کریمہ
۲۱	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷

المبـــــــ۷۶۸ـــــــلغ

الاحیـــــــــــــــــــــــــــــــاء

محسنہ	اسلم	جاوید	نورین	فوزیہ	حامدہ
۱۱۰	۱۶۸	۱۶۸	۸۴	۸۴	۸۴

امان اللہ	عدنان	نعمان	ذیشان	کریمہ
۲۱	۱۴	۱۴	۱۴	۷

بشرطِ صدق وثبوت اگر عبدالصمد مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعداز ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ سات سو اٹھاسٹھ (۷۶۸) حصوں میں تقسیم ہو کر محسنہ کو ۷۶۸/۱۱۰، اسلم اور جاوید میں سے ہر ایک کو ۷۶۸/۱۶۸، نورین، حامدہ اور فوزیہ میں سے ہر ایک کو ۷۶۸/۸۴، امان اللہ کو ۷۶۸/۲۱، عدنان، نعمان اور ذیشان میں سے ہر ایک کو ۷۶۸/۱۴، اور کریمہ کو ۷۶۸/۷ حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

قوله تعالى ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾. (۱)

ترجمہ:

اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو ان (بیویوں) کو تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر (415):

عبدالرحمٰن نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیوی زبیدہ، بیٹا زاہد، دوسرا بیٹا اقبال اور بیٹی عائشہ ہیں۔پھر بیوی زبیدہ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا زاہد، دوسرا بیٹا اقبال اور بیٹی عائشہ ہیں۔عبدالرحمٰن کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

میــــــــــ(عبدالرحمن)ــ(۴۰)ــــــــــت

بیوی	بیٹا	بیٹا	بیٹی
زبیدہ	زاہد	اقبال	عائشہ
۵	۱۴	۱۴	۷

(۱) النساء:۱۲

بشرطِ صدق وثبوت اگر عبدالرحمٰن کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چالیس (۴۰) حصوں میں تقسیم ہو کر زاہد اور اقبال میں سے ہر ایک کو ۴۰/۱۶، اور عائشہ کو ۴۰/۸ حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

العصبات : وهم كل من ليس له سهم مقدر ،ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذجميع المال.(۱)

ترجمہ:

عصبہ ہر وہ وارث ہے جس کے لیے (قرآن وحدیث میں) کوئی (مخصوص) حصہ مقرر نہ ہو اور اصحاب فروض سے بچے ہوئے مال کا مستحق ہوتا ہے، جب کہ تنہا ہونے کی صورت میں پورا مال سمیٹ لیتا ہے۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(416):

عبدالقیوم نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیوی شبنم، بیٹا جمال اور بیٹی عاتکہ ہیں۔پھر بیٹا جمال کا انتقال

(۱) الفتاوى الهندية ،كتاب الفرائض ،الباب الثالث في العصبات :٦/٤٥١

ہوا۔اس کے ورثا: بیوی خورشیدہ، ماں شبنم، بیٹا حسن، دوسرا بیٹا حسین، تیسرا بیٹا محسن، چوتھا حسان، پانچواں بیٹا انس، بیٹی زلیخہ، دوسری بیٹی جمیلہ اور بہن عاتکہ ہیں۔ پھر بیوی شبنم کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹی عاتکہ اور دوسرے شوہر سے بیٹا اسحاق ہیں۔ عبدالقیوم مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میــــــ(عبدالقیوم)ــــ(۳٤٥٦)ــــت

بیوی	بیٹا	بیٹی
شبنم	جمال	عاتکہ
۴۳۲	۲۰۱۶	۱۰۰۸

میــــــ(جمال)ــــــت

بیوی	ماں	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بہن
خورشیدہ	شبنم	حسن	حسین	محسن	حسان	انس	زلیخہ	جمیلہ	عاتکہ
۲۵۲	۳۳۶	۲۳۸	۲۳۸	۲۳۸	۲۳۸	۲۳۸	۱۱۹	۱۱۹	محروم

میــــــ(شبنم)ــــــت

بیٹا	بیٹی
اسحاق	عاتکہ
۵۱۲	۲۵۶

المبــــــ۳٤٥٦ــــــلغ

الاحیـــــــــــــاء

عاتکہ	خورشیدہ	حسن	حسین	محسن
۱۲۶۴	۲۵۲	۲۳۸	۲۳۸	۲۳۸
حسان	**انس**	**زلیخہ**	**جمیلہ**	**اسحاق**
۲۳۸	۲۳۸	۱۱۹	۱۱۹	۵۱۲

بشرطِ صدق وثبوت اگر عبدالقیوم مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ تین ہزار چار سو چھپن (۳۴۵۶) حصوں میں تقسیم ہو کر عاتکہ کو ۱۲۶۴/۳۴۵۶، خورشیدہ کو ۲۵۲/۳۴۵۶، حسن، حسین، محسن، حسان اور انس میں سے ہر ایک کو ۲۳۸/۳۴۵۶، زلیخہ اور جمیلہ میں سے ہر ایک کو ۱۱۹/۳۴۵۶، اور اسحاق کو ۵۱۲/۳۴۵۶ حصے ملیں گے۔

والدلیل علی ذلک:

قولہ تعالیٰ ﴿یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾.(۱)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے حق میں حکم دیتا ہے کہ مذکر کا حصہ دو مؤنث کے حصوں کے برابر ہے۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(417):

فیض الرحمٰن نامی شخص کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا: بیوی رقیہ، ماں تنزیلہ، باپ جاوید، بیٹا اسلم، دوسرا بیٹا اکرم، تیسرا بیٹا اصغر، چوتھا بیٹا اظہر، پانچواں بیٹا اطہر، بیٹی سلمٰی اور دوسری بیٹی طیبہ ہیں۔ پھر بیوی رقیہ کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا: ماں طاہرہ، باپ عبدالودود، بیٹا اسلم، دوسرا بیٹا اکرم، تیسرا بیٹا اصغر، چوتھا بیٹا اظہر، پانچواں بیٹا اطہر، بیٹی سلمٰی اور دوسری بیٹی طیبہ ہیں۔ فیض الرحمٰن مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔ اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مـ ——(فیض الرحمن)——(۲۸۸)—— ت

بیوی	ماں	باپ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
رقیہ	تنزیلہ	جاوید	اسلم	اکرم	اصغر	اظہر	اطہر	سلمٰی	طیبہ
۳۶	۴۸	۴۸	۴۸	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶	۱۳	۱۳

(۱) النساء: ۱۱

میـــــــــــــــ(رقیہ)ــــــــــــــت

ماں	باپ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	
طاہرہ	عبدالودود	اسلم	اکرم	اصغر	اظہر	اطہر	سلمیٰ	طیبہ
۶	۶	۴	۴	۴	۴	۴	۲	۲

المبـــــــــ۲۸۸ـــــــــلغ

الاحیـــــــــــــــــــــــــــاء

تنزیلہ	جاوید	اسلم	اکرم	اصغر	اظہر
۴۸	۴۸	۳۰	۳۰	۳۰	۳۰

اطہر	سلمیٰ	طیبہ	طاہرہ	عبدالودود
۳۰	۱۵	۱۵	۶	۶

بشرطِ صدق وثبوت اگر فیض الرحمٰن کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ دوسواٹھاسی (۲۸۸) حصوں میں تقسیم ہوکر تنزیلہ اور جاوید میں سے ہر ایک کو ۲۸۸/۴۸، اسلم، اکرم، اصغر، اظہر اور اطہر میں سے ہر ایک کو ۲۸۸/۳۰، سلمیٰ اور طیبہ میں سے ہر ایک کو ۲۸۸/۱۵، اور طاہرہ اور عبدالودود میں ہر ایک کو ۲۸۸/۶ حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلك:

قوله تعالی ﴿یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ﴾.(۱)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے حق میں حکم دیتا ہے کہ مذکر کا حصہ دو مؤنث کے حصوں کے برابر ہے۔

قوله تعالی ﴿وَلِاَبَوَیْہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ﴾.(۲)

ترجمہ:

میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے ترکہ کا چھٹا حصہ مقرر ہے، اگر میت کی کوئی اولاد ہو۔

(۲،۱) النساء: ۱۱،۱۲

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(418):

طارق نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیوی عائشہ، بیٹی خالدہ، دوسری بیٹی سعیدہ، تیسری بیٹی سعدیہ اور چچا اعزاز ہیں۔ پھر چچا اعزاز کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا عمران، دوسرا بیٹا جبران اور بیٹی سمیہ ہیں۔ طارق مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میت (طارق) (۷۲)

بیوی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	چچا
عائشہ	خالدہ	سعیدہ	سعدیہ	اعزاز
۹	۱۶	۱۶	۱۶	۱۵

میت (اعزاز)

بیٹا	بیٹا	بیٹی
عمران	جبران	سمیہ
۶	۶	۳

المبلغ ۷۲

الاحیاء

عائشہ	خالدہ	سعیدہ	سعدیہ	عمران	جبران	سمیہ
۹	۱۶	۱۶	۱۶	۶	۶	۳

بشرطِ صدق وثبوت اگر طارق مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعداز ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ بہتر (۷۲) حصوں میں تقسیم ہوکر عائشہ کو ۷۲/۹، خالدہ، سعیدہ اور سعدیہ میں سے ہر ایک کو ۷۲/۱۶، عمران اور جبران میں سے ہر ایک کو

۲/۷، ۶، اور سمیہ کو ۲/۷، ۳ حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلك:

قوله تعالی: ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾.(۱)

ترجمہ: اور اگر (اولاد میں) صرف لڑکیاں ہی ہوں، گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی حصہ ملے گا، اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ کر مرا ہے۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(419):

ریحانہ نامی عورت کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: شوہر عباس، بیٹی نوشین اور ماں شکیلہ ہیں۔پھر بیٹی نوشین کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: باپ عباس، بیٹا عمران اور دادی شکیلہ ہیں۔عباس مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

میـــــــــ(ریحانہ)ـــ(۳۲)ـــــــــت

شوہر	بیٹی	ماں
عباس	نوشین	شکیلہ
۸	۱۸	۶

میـــــــــ(نوشین)ـــــــــت

باپ	بیٹا	دادی
عباس	عمران	شکیلہ
۳	۱۵	محروم

(۱) النساء:۱۱

المبــــــــــــــــ۳۲ـــــــــــــــــلغ

الاحیـــاء

عباس	عمران	شکیلہ
۱۱	۱۵	۶

بشرطِ صدق وثبوت اگر ریحانہ مرحومہ کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ بتیس (۳۲) حصوں میں تقسیم ہو کر عباس کو ۱۱/۳۲، عمران کو ۱۵/۳۲، اور شکیلہ کو ۶/۳۲ حصے ملیں گے۔

والدلیل علی ذلک:

قوله تعالى ﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾.(۲)

ترجمہ:

میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے ترکہ کا چھٹا حصہ مقرر ہے، اگر میت کی کوئی اولاد ہو۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر (420):

عمر خان نامی شخص کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا: چھ بیٹے (اسلم، ایوب، رستم، خلیل، جلیل، ظہیر) اور دو بیٹیاں (سائرہ، نگہت) ہیں۔ پھر بیٹا اسلم کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا: پانچ بھائی (ایوب، رستم، خلیل، جلیل، ظہیر) اور دو بہنیں (سائرہ، نگہت) ہیں۔ عمر خان کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔ اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بینوا تؤجروا

---

(۱) النساء: ۱۱

الجواب وباللہ التوفیق:

میـــــــــ(عمر خان)ـــــــــ(۸۴)ـــــــــت

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
اسلم	ایوب	رستم	خلیل	جلیل	ظہیر	سائرہ	نگہت
۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۶	۶

میـــــــــ(اسلم)ـــــــــت

بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بہن	بہن
ایوب	رستم	خلیل	جلیل	ظہیر	سائرہ	نگہت
۲	۲	۲	۲	۲	۱	۱

المبـــــــــ۸۴ـــــــــلغ

الأحیـــــــــــــــــــاء

ایوب	رستم	خلیل	جلیل	ظہیر	سائرہ	نگہت
۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

بشرطِ صدق وثبوت اگر عمر خان مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چوراسی (۸۴) حصوں میں تقسیم ہو کر ایوب، رستم، خلیل، جلیل اور ظہیر میں سے ہر ایک کو ۱۴/۸۴، اور سائرہ اور نگہت میں سے ہر ایک کو ۷/۸۴، حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

قوله تعالیٰ ﴿وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾.(۱)

ترجمہ: اور اگر وارث بھائی اور بہنیں ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے حصوں کے برابر ملے گا۔

(۱) النساء: ۱۷۶

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(421):

یعقوب نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیوی صفیہ، بیٹا سلیم خان، بیٹی کریمہ، دوسری بیٹی عارفہ اور تیسری بیٹی زینب ہیں۔پھر بیٹی کریمہ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: ماں صفیہ، بھائی سلیم خان، بہن عارفہ اور دوسری بہن زینب ہیں۔پھر بیوی صفیہ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا سلیم خان، بیٹی عارفہ اور دوسری بیٹی زینب ہیں۔یعقوب مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میت (یعقوب) (۹۶۰)

بیوی	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی
صفیہ	سلیم خان	کریمہ	عارفہ	زینب
۱۲۰	۳۳۶	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸

میت (کریمہ)

ماں	بھائی	بہن	بہن
صفیہ	سلیم خان	عارفہ	زینب
۲۸	۷۰	۳۵	۳۵

میت (صفیہ)

بیٹا	بیٹی	بیٹی
سلیم خان	عارفہ	زینب
۷۴	۳۷	۳۷

المبـــــــــــــ۹۶۰ـــــــــــــلغ

الاحیـــــــــــــــــــــــــــــــــــــاء

سلیم خان	عارفہ	زینب
۴۸۰	۲۴۰	۲۴۰

بشرطِ صدق وثبوت اگر یعقوب مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ نوسو ساٹھ (۹۶۰) حصوں میں تقسیم ہو کر سلیم خان کو ۹۶۰/۴۸۰، اور عارفہ اور زینب میں سے ہر ایک کو ۹۶۰/۲۴۰ حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلك:

قولہ تعالی ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾.(۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے حق میں حکم دیتا ہے، کہ مذکر کا حصہ دو مؤنث کے حصوں کے برابر ہے۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر (422):

عبدالوہاب نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بھائی عبدالعزیز، دوسرا بھائی عبدالمجید، بہن ہدٰی، دوسری بہن نوشین اور تیسری بہن تنزیلہ ہیں۔ پھر بہن ہدیٰ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا جمیل، دوسرا بیٹا جلیل، تیسرا بیٹا رشید، چوتھا بیٹا ظہیر، بیٹی طیبہ، دوسری بیٹی سعدیہ، تیسری بیٹی سدرہ، بھائی عبدالعزیز، دوسرا بھائی عبدالمجید، بہن نوشین اور دوسری بہن تنزیلہ ہیں۔ پھر دوسری بیٹی نوشین کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بھائی عبدالعزیز، دوسرا بھائی عبدالمجید، اور بہن تنزیلہ ہیں۔عبدالوہاب مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) النساء: ۱۱

الجواب وباللہ التوفیق:

میـــــ(عبدالوہاب)ـــ(۳۸۵)ـــــت

بھائی	بھائی	بہن	بہن	بہن
عبدالعزیز	عبدالمجید	ہدیٰ	نوشین	تنزیلہ
۱۱۰	۱۱۰	۵۵	۵۵	۵۵

میـــــ(ہدیٰ)ـــــ...

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
جمیل	جلیل	رشید	ظہیر	طیبہ	سعدیہ
۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۵	۵

...ـــــت

بیٹی	بھائی	بھائی	بہن	بہن
سدرہ	عبدالعزیز	عبدالمجید	نوشین	تنزیلہ
۵	محروم	محروم	محروم	محروم

میـــــ(نوشین)ـــــت

بھائی	بھائی	بہن
عبدالعزیز	عبدالمجید	تنزیلہ
۲۲	۲۲	۱۱

المبـــــ۳۸۵ـــــلغ

الاحیـــــاء

عبدالعزیز	عبدالمجید	تنزیلہ	جمیل	جلیل
۱۳۲	۱۳۲	۶۶	۱۰	۱۰
رشید	ظہیر	طیبہ	سعدیہ	سدرہ
۱۰	۱۰	۵	۵	۵

بشرطِ صدق وثبوت اگر عبدالوہاب مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعداز ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ تین سو پچاسی (۳۸۵) حصوں میں تقسیم ہو کر عبدالعزیز اور عبدالمجید میں سے ہر ایک کو ۱۳۲/۳۸۵، تنزیلہ کو ۶۶/۳۸۵، جمیل، جلیل، رشید اور ظہیر میں سے ہر ایک کو ۱۰/۳۸۵، اور طیبہ، سعدیہ اور سدرہ میں سے ہر ایک کو ۵/۳۸۵ حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلك:

وبنو الأعیان والعلات کلهم یسقطون بالابن وابن الابن وإن سفل ،وبالأب بالاتفاق.(۱)

ترجمہ: اور حقیقی بھائی بہن اور علاتی بھائی بہن سب کے سب ساقط ہوتے ہیں بیٹے اور پوتے کی وجہ سے، اگرچہ (رشتے میں) نیچے ہوں اور باپ کے ساتھ بھی بالاتفاق مذکورہ سب ساقط ہوجاتے ہیں۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر (423):

عبدالغفور نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا عبدالحمید، دوسرا بیٹا عبدالکریم، تیسرا بیٹا عبدالرحیم، بیٹی سمیرہ اور دوسری بیٹی عالیہ ہیں۔ پھر بیٹا عبدالحمید کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بھائی عبدالکریم، دوسرا بھائی عبدالرحیم، بہن سمیرہ اور دوسری بہن عالیہ ہیں۔ پھر بیٹی سمیرہ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا ندیم، بیٹی صغریٰ، بھائی عبدالکریم، دوسرا بھائی عبدالرحیم اور بہن عالیہ ہیں۔عبدالغفور مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

میـــــ(عبدالغفور)ــــــ(۷۲)ـــــــت

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
عبدالحمید	عبدالکریم	عبدالرحیم	سمیرہ	عالیہ
۱۸	۱۸	۱۸	۹	۹

(۱) السراجي ،باب معرفة الفروض ومستحقیها:ص/ ۱۲،۱۱

مـــــــــــــــــــــــ(عبدالحمید)ـــــــــــــــــــــــت

بھائی	بھائی	بہن	بہن
عبدالکریم	عبدالرحیم	سمیرہ	عالیہ
۶	۶	۳	۳

مـــــــــــــــــــــــ(سمیرہ)ـــــــــــــــــــــــت

بیٹا	بیٹی	بھائی	بھائی	بہن
ندیم	صغریٰ	عبدالکریم	عبدالرحیم	عالیہ
۸	۴	محروم	محروم	محروم

المبـــــــــــــــــ۷۲ـــــــــــــــــلغ

الاحیـــــــــــــــــــــــــــــــــــاء

عبدالکریم	عبدالرحیم	عالیہ	ندیم	صغریٰ
۲۴	۲۴	۱۲	۸	۴

بشرطِ صدق وثبوت اگر عبدالغفور مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ بہتر (۷۲) حصوں میں تقسیم ہو کر عبدالکریم اور عبدالرحیم میں سے ہر ایک کو ۷۲/۲۴، عالیہ کو ۷۲/۱۲، ندیم کو ۷۲/۸، اور صغریٰ کو ۷۲/۴ حصے ملیں گے۔

والدلیل علی ذلک:

وبنو الأعیان والعلات کلهم یسقطون بالابن وابن الابن وإن سفل ،وبالأب بالاتفاق.(۱)

ترجمہ:

اور حقیقی بھائی بہن اور علاتی بھائی بہن سب کے سب ساقط ہوتے ہیں بیٹے اور پوتے کی وجہ سے، اگرچہ (رشتے میں) نیچے ہو اور باپ کے ساتھ بھی بالاتفاق مذکورہ سب ساقط ہو جاتے ہیں۔

(۱) السراجی ،باب معرفة الفروض ومستحقیها:ص/۱۲،۱۱

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(424):

حمید اللہ نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیوی زاہدہ، بیٹی رخسانہ، دوسری بیٹی صالحہ، بھائی جہانزیب اور بہن عارفہ ہیں۔پھر بھائی جہانزیب کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بہن عارفہ، بھتیجی رخسانہ، اور دوسری بھتیجی صالحہ ہیں۔پھر بیوی زاہدہ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹی رخسانہ اور دوسر بیٹی صالحہ ہیں۔پھر بیٹی صالحہ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا عبداللہ، دوسرا بیٹا عبدالرحمٰن، تیسرا بیٹا عبدالرحیم، چوتھا بیٹا عبدالوہاب، پانچواں بیٹا عبدالرزاق، چھٹا بیٹا عبدالغفار، ساتواں بیٹا عبدالسلام، آٹھواں بیٹا عبدالرؤف، نواں بیٹا عبدالوحید، بہن رخسانہ اور پھوپھی عارفہ ہیں۔حمید اللہ مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میــــــــــــ(حمیداللہ)ــــــــ(٤٣٢)ــــــــــــت

بیوی	بیٹی	بیٹی	بھائی	بہن
زاہدہ	رخسانہ	صالحہ	جہانزیب	عارفہ
۵۴	۱۴۴	۱۴۴	٦٠	۳٠

میــــــــــــ(جہانزیب)ــــــــــــت

بہن	بھتیجی	بھتیجی
عارفہ	رخسانہ	صالحہ
٦٠	محروم	محروم

میــــــــــــ(زاھدہ)ــــــــــــت

بیٹی	بیٹی
رخسانہ	صالحہ
۲۷	۲۷

مـــــــ (صالحہ) ـــــــ...

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا
عبداللہ	عبدالرحمٰن	عبدالرحیم	عبدالوہاب	۷ عبدالرزاق	عبدالغفار
۱۹	۱۹	۱۹	۱۹	۱۹	۱۹

...ـــــــــــــــــــــت

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بہن	پھوپھی
عبدالسلام	عبدالرؤف	عبدالوحید	رخسانہ	عارفہ
۱۹	۱۹	۱۹	محروم	محروم

المبــــــ ۴۳۲ ــــــلغ

الاحیـــــــــــــاء

رخسانہ	عارفہ	عبداللہ	عبدالرحمٰن	عبدالرحیم	عبدالوہاب
۱۷۱	۹۰	۱۹	۱۹	۱۹	۱۹

عبدالرزاق	عبدالغفار	عبدالسلام	عبدالرؤف	عبدالوحید
۱۹	۱۹	۱۹	۱۹	۱۹

بشرطِ صدق وثبوت اگر حمید اللہ مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہواور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چار سو بتیس (۴۳۲) حصوں میں تقسیم ہو کر رخسانہ کو ۴۳۲/۱۷۱، عارفہ کو ۴۳۲/۹۰، اور عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدا لرحیم، عبدالوہاب، عبدالرزاق، عبدالغفار، عبدالسلام، عبدالرؤف اور عبدالوحید میں سے ہر ایک کو ۴۳۲/۱۹ حصے ملیں گے۔

والدلیل علی ذلک:

قولہ تعالی ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾.(۱)

ترجمہ: اور اگر (اولاد میں) صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں، تو ان لڑکیوں کو دو تہائی حصہ ملے گا، اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ کر مرا ہے۔

(۱) النساء:۱۱

واعلم أن جميع من يرد عليه سبعة: الأم، والجدة، والبنت، وبنت الابن والأخوات من الأبوين، والأخواتُ لأب وأولادُ الأم.(۲)

ترجمہ: جان لو کہ سات قسم کے افراد پر رد کیا جاتا ہے: ماں، دادی، بیٹی، پوتی، عینی بہنیں، علاتی بہنیں اور اولادِ اُم۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(425):

حاجی غلام علی نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیوی ثوبیہ، بیٹا عبدالقیوم اور بیٹی رفعت ہیں۔پھر بیوی ثوبیہ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا عبدالقیوم اور ایک بیٹی رفعت ہیں۔پھر بیٹی رفعت کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹی زینت، دوسری بیٹی شگفتہ، تیسری بیٹی جمیلہ، چوتھی بیٹی نور جہان، پانچویں بیٹی عائشہ اور بھائی عبدالقیوم ہیں۔پھر بیٹا عبدالقیوم کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا محمد عمران، دوسرا بیٹا امین اللہ، تیسرا بیٹا عطاء اللہ، چوتھا بیٹا کفایت اللہ، پانچواں بیٹا عبدالوحید، بیٹی سلمیٰ، دوسری بیٹی صائمہ اور تیسری بیٹی شاہدہ ہیں۔حاجی غلام علی مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

میـــــــت (غلام علی) (۴۶۸۰)

بیوی	بیٹا	بیٹی
ثوبیہ	عبدالقیوم	رفعت
۵۸۵	۲۷۳۰	۱۳۶۵

میـــــــت (ثوبیہ)

بیٹا	بیٹی
عبدالقیوم	رفعت
۳۹۰	۱۹۵

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الفرائض، الباب الرابع عشر في الرد: ٦/٤٦٩

میــــــــــــــــــ(رفعت)ـــــــــــــــــــت

بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بھائی
زینت	شگفتہ	جمیلہ	نورجہان	عائشہ	عبدالقیوم
۲۰۸	۲۰۸	۲۰۸	۲۰۸	۲۰۸	۵۲۰

میــــــــــــــــــ(عبدالقیوم)ـــــــــــــــــــت

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی
محمد عمران	امین اللہ	عطاء اللہ	کفایت اللہ	عبدالوحید	سلمٰی	صائمہ	شاہدہ
۵۶۰	۵۶۰	۵۶۰	۵۶۰	۵۶۰	۲۸۰	۲۸۰	۲۸۰

المبـــــ ۴۶۸۰ ـــــلغ

الاحیـــــــــــــــــــــــــاء

زینت	شگفتہ	جمیلہ	نورجہان	عائشہ	محمد عمران	امین اللہ
۲۰۸	۲۰۸	۲۰۸	۲۰۸	۲۰۸	۵۶۰	۵۶۰

عطاء اللہ	کفایت اللہ	عبدالوحید	سلمٰی	صائمہ	شاہدہ
۵۶۰	۵۶۰	۵۶۰	۲۸۰	۲۸۰	۲۸۰

بشرطِ صدق وثبوت اگر غلام علی مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ (۴۶۸۰) حصوں میں تقسیم ہو کر زینت شگفتہ، جمیلہ، نورجہان اور عائشہ میں سے ہر ایک کو ۴۶۸۰/۲۰۸ محمد عمران امین اللہ، عطاء اللہ، کفایت اللہ اور عبدالوحید میں سے ہر ایک کو ۴۶۸۰/۵۶۰، اور سلمٰی، صائمہ اور شاہدہ میں سے ہر ایک کو ۴۶۸۰/۲۸۰ حصے ملیں گے۔

والدلیل علی ذلک:

قولہ تعالی ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ (۱)

ترجمہ: اور اگر (اولاد میں) صرف لڑکیاں ہی ہوں، گو دو سے زیادہ ہوں، تو ان لڑکیوں کو دو تہائی حصہ ملے گا، اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ کر مرا ہے۔

(۱) النساء: ۱۱

العصبات : وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذجميع المال......فأقرب العصبات الابن..........ثم ابن الأخ لأب وأم.(۱)

ترجمہ:

عصبہ ہر وہ وارث ہے جس کے لیے (قرآن وحدیث میں) کوئی (مخصوص) حصہ مقرر نہ ہواور اصحاب فروض سے بچے ہوئے مال کا مستحق ہوتا ہے، جب کہ تنہا ہونے کی صورت میں پورا مال سمیٹ لیتا ہے......عصبات میں قریب تر رشتہ دار بیٹا ہے......پھر (ساتویں درجہ میں) بھتیجا۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(426):

شوکت علی نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا یعقوب، دوسرا بیٹا ابراہیم، تیسرا بیٹا اسحاق اور بیٹی سعیدہ ہیں۔پھر بیٹے ابراہیم کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بھائی یعقوب، دوسرا بھائی اسحاق اور بہن سعیدہ ہیں۔پھر دوسرے بیٹے یعقوب کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیوی شگفتہ، بیٹا سبز علی، دوسرا بیٹا غلام نبی، بیٹی کلثوم اور دوسری بیٹی صائمہ ہیں۔پھر اسحاق کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا اسماعیل، بیٹی حبیبہ، دوسری بیٹی صالحہ اور تیسری بیٹی زبیدہ ہیں۔شوکت علی مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

(۱) الفتاوی الهندية ، كتاب الفرائض ،الباب الثالث في العصبات:٦/٤٥١

میت (ابراہیم) ت

بھائی	بھائی	بہن
یعقوب	اسحاق	سعیدہ
۴۸۰	۴۸۰	۲۴۰

میت (یعقوب) ت

بیوی	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بھائی	بہن
شگفتہ	سبز علی	غلام نبی	کلثوم	صائمہ	اسحاق	سعیدہ
۲۱۰	۴۹۰	۴۹۰	۲۴۵	۲۴۵	محروم	محروم

میت (اسحاق) ت

بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بہن
اسماعیل	حبیبہ	صالحہ	زبیدہ	سعیدہ
۶۷۲	۳۳۶	۳۳۶	۳۳۶	محروم

المبلغ ٤٢٠٠

الاحیاء

سعیدہ	شگفتہ	سبز علی	غلام نبی	کلثوم
۸۴۰	۲۱۰	۴۹۰	۴۹۰	۲۴۵
صائمہ	اسماعیل	حبیبہ	صالحہ	زبیدہ
۲۴۵	۶۷۲	۳۳۶	۳۳۶	۳۳۶

بشرط صدق وثبوت اگر شوکت علی مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ ۴۲۰۰ حصوں میں تقسیم ہو کر سعیدہ کو ۴۲۰۰/۸۴۰، شگفتہ کو ۴۲۰۰/۲۱۰، سبز علی اور غلام نبی میں سے ہر ایک کو ۴۲۰۰/۴۹۰، کلثوم اور صائمہ میں سے ہر ایک کو ۴۲۰۰/۲۴۵، اسماعیل کو ۴۲۰۰/۶۷۲، اور حبیبہ، صالحہ اور زبیدہ میں سے ہر ایک کو ۴۲۰۰/۳۳۶ حصے ملیں گے۔

والدّليل على ذلك:

قوله تعالى ﴿وَإِنْ كَانُوْا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾.(۱)

ترجمہ: اور اگر وارث بھائی اور بہنیں ہوں، تو مرد کو دو عورتوں کے حصوں کے برابر ملے گا۔

وبنو الأعيان والعلات كلهم يسقطون بالابن وابن الابن وإن سفل ،وبالأب بالاتفاق.(۲)

ترجمہ: اور حقیقی بھائی بہن اور علاتی بھائی بہن سب کے سب ساقط ہو جاتے ہیں، بیٹے اور پوتے کی وجہ سے، اگرچہ (رشتے میں) نیچے ہوں اور باپ کے ساتھ بھی بالاتفاق ساقط ہو جاتے ہیں۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(427):

فیض محمد نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: پانچ بیٹے حماد، سعید، سعدان، عبدان اور عثمان ہیں۔پھر بیٹا حماد کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا: دو بیٹے نصیر اور منصور ہیں۔ پھر دوسرے بیٹے سعید کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا: بیوی شہبازہ، چار بیٹیاں نورین، حدیقہ، سدرہ، سعدیہ، تین بھائی سعدان، عبدان، عثمان ہیں ۔پھر تیسرے بیٹے سعدان کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: ایک بیٹا عرفان اور چار بیٹیاں عالیہ، صائمہ، ثوبیہ، طیبہ ہیں۔ پھر چوتھے بیٹے عبدان کا انتقال ہوا۔اس کا صرف ایک وارث بھائی عثمان ہے۔فیض محمد مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

میـــــت ـــــ(فیض محمد)ـــــ(۲۱۶۰)ـــــ

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا
حماد	سعید	سعدان	عبدان	عثمان
۴۳۲	۴۳۲	۴۳۲	۴۳۲	۴۳۲

(۱) النساء:۱۷۶ (۲) السراجي ،باب معرفة الفروض ومستحقيها:ص/۱۱،۱۲

میــــــــ(حماد)ـــــــت

بیٹا	بیٹا
نصیر	منصور
۲۱۶	۲۱۶

میــــــــ(سعید)ـــــــت

بیوی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بھائی	بھائی	بھائی
شہبازہ	نورین	حدیقہ	سدرہ	سعدیہ	عبدان	سعدان	عثمان
۵۴	۷۲	۷۲	۷۲	۷۲	۳۰	۳۰	۳۰

میــــــــ(سعدان)ـــــــت

بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
عرفان	عالیہ	صائمہ	ثوبیہ	طیبہ
۱۵۴	۷۷	۷۷	۷۷	۷۷

میــــــــ(عبدان)ـــــــت

بھائی
عثمان
۴۶۲

المبــــــــ۲۱۶۰ـــــــلغ

الاحیــــــــــــــــــاء

عثمان	نصیر	منصور	شہبازہ	نورین	حدیقہ
۹۲۴	۲۱۶	۲۱۶	۵۴	۷۲	۷۲

سدرہ	سعدیہ	عرفان	عالیہ	صائمہ	ثوبیہ	طیبہ
۷۲	۷۲	۱۵۴	۷۷	۷۷	۷۷	۷۷

بشرط صدق وثبوت اگر فیض محمد مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور

اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ ۲۱۶۰ حصوں میں تقسیم ہو کر عثمان کو ۲۱۶۰/۹۲۴، نصیر اور منصور میں سے ہر ایک کو ۲۱۶۰/۲۱۶، شہبازہ کو ۲۱۶۰/۵۴، نورین، حدیقہ، سدرہ اور سعدیہ میں سے ہر ایک کو ۲۱۶۰/۷۲، عرفان کو ۲۱۶۰/۱۵۴، اور عالیہ، صائمہ، ثوبیہ، اور طیبہ میں سے ہر ایک کو ۲۱۶۰/۷۷ حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال.........فأقرب العصبات الابن.........ثم ابن الأخ لأب وأم.(۱)

ترجمہ:

عصبہ ہر وہ وارث ہے جس کے لیے (قرآن وحدیث میں) کوئی (مخصوص) حصہ مقرر نہ ہو اور اصحاب فروض سے بچے ہوئے مال کا مستحق ہوتا ہے، جب کہ تنہا ہونے کی صورت میں پورا مال سمیٹ لیتا ہے......عصبات میں قریب تر رشتہ دار بیٹا ہے......پھر (ساتویں درجہ میں) بھتیجا۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(428):

عدنان نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا عبدالقدیر، دوسرا بیٹا عبدالقادر، تیسرا بیٹا عبدالوہاب ہیں۔ پھر بیٹا عبدالقادر کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: عبدالعزیز، دوسرا بیٹا عبدالمجید اور بھائی عبدالوہاب ہیں۔پھر تیسرا بیٹا عبدالوہاب کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: فضل الرحمن، دوسرا بیٹا فضل قادر، تیسرا بیٹا غلام قادر، بیٹی کریمہ اور دوسری بیٹی عائشہ ہیں۔پھر عبدالقدیر کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیوی شاہین، بیٹی غزالہ، دوسری بیٹی نرگس، بھتیجا عبدالعزیز دوسرا بھتیجا عبدالمجید، تیسرا بھتیجا فضل قادر، چوتھا بھتیجا فضل الرحمن اور پانچواں بھتیجا غلام قادر ہیں۔عدنان مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات:٦/٤٥١

الجواب وباللہ التوفیق:

میت (عدنان) (۷۲) ت

بیٹا	بیٹا	بیٹا
عبدالقدیر	عبدالقادر	عبدالوہاب
۲۴	۲۴	۲۴

میت (عبدالقادر) ت

بیٹا	بیٹا	بھائی
عبدالعزیز	عبدالمجید	عبدالوہاب
۱۲	۱۲	محروم

میت (عبدالوہاب) ت

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
فضل الرحمٰن	فضل قادر	غلام قادر	کریمہ	عائشہ
۶	۶	۶	۳	۳

میت (عبدالقدیر) ...

بیوی	بیٹی	بیٹی	چچازاد بھائی
شاہین	غزالہ	نرگس	عبدالعزیز
۳	۸	۸	۱

... ت

چچازاد بھائی	چچازاد بھائی	چچازاد بھائی	چچازاد بھائی
عبدالمجید	فضل الرحمٰن	فضل قادر	غلام قادر
۱	۱	۱	۱

المبلغ ۷۲

الاحیاء

عبدالعزیز	عبدالمجید	فضل الرحمن	فضل قادر	غلام قادر
۱۳	۱۳	۷	۷	۷
کریمہ	عائشہ	شاہین	غزالہ	نرگس
۳	۳	۳	۸	۸

بشرط صدق وثبوت اگر عدنان مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ بہتر (۷۲) حصوں میں تقسیم ہو کر عبدالعزیز اور عبدالمجید میں سے ہر ایک کو ۷۲/۱۳، فضل الرحمٰن، فضل قادر اور غلام قادر میں سے ہر ایک کو ۷۲/۷، کریمہ، عائشہ اور شاہین میں سے ہر ایک کو ۷۲/۳، اور غزالہ اور نرگس میں سے ہر ایک کو ۷۲/۸ حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلك:

العصبات : وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال..........فأقرب العصبات الابن..........ثم ابن الأخ لأب وأم.(۱)

ترجمہ:

عصبہ ہر وہ وارث ہے جس کے لیے (قرآن وحدیث میں) کوئی (مخصوص) حصہ مقرر نہ ہو اور اصحاب فروض سے بچے ہوئے مال کا مستحق ہوتا ہے، جب کہ تنہا ہونے کی صورت میں پورا مال سمیٹ لیتا ہے......عصبات میں قریب تر رشتہ دار بیٹا ہے......پھر (ساتویں درجہ میں) بھتیجا ہے۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر (429):

حاجی ابرار نامی شخص کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا طارق، دوسرا بیٹا عبدالمنان، بیٹی زاہدہ اور دوسری بیٹی

(۱) الفتاویٰ الهندية ، كتاب الفرائض ،الباب الثالث في العصبات:٦/٤٥١

شازیہ ہیں۔ پھر بیٹی زاہدہ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: شوہر عبیداللہ، بیٹا گل زمان، بھائی طارق، دوسرا بھائی عبدالمنان، اور بہن شازیہ ہیں۔ پھر دوسری بیٹی شازیہ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بھائی طارق اور دوسرا بھائی عبدالمنان ہیں۔ پھر بیٹا عبدالمنان کا انتقال ہوا۔اس کا وارث: بھائی طارق ہے۔ پھر دوسرا بیٹا طارق کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا منظور، دوسرا بیٹا مقبول، تیسرا بیٹا ظہیر، چوتھا بیٹا ظہور، بیٹی پروین، دوسری بیٹی صفیہ، اور تیسری بیٹی صغریٰ ہیں۔ حاجی ابرار صاحب مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بشرطِ صدق وثبوت اگر حاجی ابرار مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ دوسو چونسٹھ (۲۶۴) حصوں میں تقسیم ہو کر عبداللہ کو ۲۶۴/۱۱، گل زمان کو ۲۶۴/۳۳، منظور، مقبول، ظہیر اور منظور میں سے ہر ایک کو ۲۶۴/۴۰، اور پروین، صفیہ اور صغریٰ میں سے ہر ایک کو ۲۶۴/۲۰، حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذجميع المال.........فأقرب العصبات الابن.........ثم ابن الأخ لأب وأم.(۱)

ترجمہ:

عصبہ ہر وہ وارث ہے جس کے لیے (قرآن وحدیث میں) کوئی (مخصوص) حصہ مقرر نہ ہو اور اصحاب فروض سے بچے ہوئے مال کا مستحق ہوتا ہے، جب کہ تنہا ہونے کی صورت میں پورا مال سمیٹ لیتا ہے.....عصبات میں قریب تر رشتہ دار بیٹا ہے.....پھر (ساتویں درجہ میں) بھتیجا ہے۔

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات:٦/٤٥١

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر(430):

سمیہ نامی عورت کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: عینی بہن نعیمہ، دوسری عینی بہن کلثوم، علاتی بہن عارفہ، دوسری علاتی بہن سائرہ، علاتی بھائی خورشید، دوسرا علاتی بھائی محمد نواز اور تیسرا علاتی بھائی سفیان ہیں۔ پھر عینی بہن نعیمہ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹی طاہرہ، حقیقی بہن کلثوم، علاتی بہن عارفہ، دوسری علاتی بہن سائرہ، علاتی بھائی خورشید، دوسرا علاتی بھائی محمد نواز اور تیسرا علاتی بھائی سفیان ہیں۔ پھر دوسری عینی بہن کلثوم کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: علاتی بہن عارفہ، دوسری علاتی بہن سائرہ، علاتی بھائی خورشید، دوسرا علاتی بھائی محمد نواز اور تیسرا علاتی بھائی سفیان اور بھانجی طاہرہ ہیں۔ مرحومہ سمیہ کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میــــــــــــ(سمیہ)ــــــ(۴۸)ــــــــــــت

عینی بہن	عینی بہن	علاتی بہن	علاتی بہن	علاتی بھائی	علاتی بھائی	علاتی بھائی
نعیمہ	کلثوم	عارفہ	سائرہ	خورشید	محمد نواز	سفیان
۱۶	۱۶	۲	۲	۴	۴	۴

میــــــــــــ(نعیمہ)ــــــــــــت

بیٹی	عینی بہن	علاتی بہن	علاتی بہن	علاتی بھائی	علاتی بھائی	علاتی بھائی
طاہرہ	کلثوم	عارفہ	سائرہ	خورشید	محمد نواز	سفیان
۸	۸	محروم	محروم	محروم	محروم	محروم

میــــــــــــ(کلثوم)ــــــــــــت

علاتی بہن	علاتی بہن	علاتی بھائی	علاتی بھائی	علاتی بھائی	بھانجی
عارفہ	سائرہ	خورشید	محمد نواز	سفیان	طاہرہ
۳	۳	۶	۶	۶	محروم

المبـــــــــــــــــــ۴۸ـــــــــــــــــلغ

الاحیــاء

عارفہ	سائرہ	خورشید	محمد نواز	سفیان	طاہرہ
۵	۵	۱۰	۱۰	۱۰	۸

بشرطِ صدق وثبوت اگر مسمیہ مرحومہ کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ اڑتالیس (۴۸) حصوں میں تقسیم ہو کر عارفہ اور سائرہ میں سے ہر ایک کو ۴۸/۵، خورشید، محمد نواز، اور سفیان میں سے ہر ایک کو ۴۸/۱۰، اور طاہرہ کو ۴۸/۸ حصے ملیں گے۔

والدّليل على ذلك:

والأخوات لأب كالأخوات لأب وأم ،ولهن أحوال سبع:......أن يكون معهن الأخ لأب، فيعصبهن ،والباقي بينهم للذّكر مثل حظّ الانثيين.(۱)

ترجمہ:

اور علاتی بہنیں حقیقی بہنوں کی طرح ہیں اور ان کی سات حالتیں ہیں: (پانچویں حالت یہ ہے کہ) ان کے ساتھ علاتی بھائی ہو، تو وہ ان کو عصبہ بنالے گا اور (دیگر ورثا سے) بچا ہوا مال ان کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ مذکر کو دو مؤنث کے حصوں کے بقدر حصہ ملے گا۔

❁❁❁

مناسخہ کی ایک صورت

سوال نمبر (431):

عبد القیوم نامی شخص کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا: بیٹا الٰہی بخش، دوسرا بیٹا محمد کریم، بیٹی صفیہ اور دوسری بیٹی کلثوم ہیں۔ پھر بیٹا الٰہی بخش کا انتقال ہوا۔ اس کے ورثا: بیٹا جمال، دوسرا بیٹا صابر، بھائی محمد کریم، بہن صفیہ، دوسری بہن کلثوم ہے۔ پھر محمد کریم کا انتقال ہوا اُس کے ورثا میں بیٹی نعیمہ، بہن صفیہ، دوسری بہن کلثوم، بھتیجا جمال اور دوسرا بھتیجا صابر

(۱) السراجي ،باب معرفة الفروض ومستحقيها،فصل في النساء:ص/۱۱

ہیں۔ پھر بیٹی صفیہ کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا محمد یوسف، دوسرا بیٹا الطاف اور بہن کلثوم ہیں۔ پھر دوسری بیٹی کلثوم کا انتقال ہوا۔اس کے ورثا: بیٹا محمد ناصر، دوسرا بیٹا نور محمد اور تیسرا بیٹا محمد مظفر ہیں۔ عبدالقیوم مرحوم کا ترکہ اب تک تقسیم نہیں ہوا۔اس کا ترکہ اس کے مذکورہ ورثا میں کس حساب سے تقسیم ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

میــــــــــــ(عبدالقیوم)ــــــــ(۲٤)ــــــــت

بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
الٰہی بخش	محمد کریم	صفیہ	کلثوم
۸	۸	۴	۴

میــــــــــــ(الٰہی بخش)ــــــــت

بیٹا	بیٹا	بھائی	بہن	بہن
بلال	صابر	محمد کریم	صفیہ	کلثوم
۴	۴	محروم	محروم	محروم

میــــــــــــ(محمد کریم)ــــــــت

بیٹی	بہن	بہن	بھتیجا	بھتیجا
نعیمہ	صفیہ	کلثوم	جمال	صابر
۴	۲	۲	محروم	محروم

میــــــــــــ(صفیہ)ــــــــت

بیٹا	بیٹا	بہن
محمد یوسف	الطاف	کلثوم
۳	۳	محروم

بشرطِ صدق وثبوت اگر عبد القیوم مرحوم کے مذکورہ بالا ورثا کے علاوہ اور کوئی قریبی زندہ وارث موجود نہ ہو اور اموات بھی درجہ بالا ترتیب سے ہوں تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث میت کا کل ترکہ چوبیس (۲۴) حصوں میں تقسیم ہو کر جمال، صابر، اور نعیمہ میں سے ہر ایک کو ۴/۲۴، محمد یوسف اور الطاف میں سے ہر ایک کو ۳/۲۴، اور محمد ناصر، نور محمد اور محمد مظفر میں سے ہر ایک کو ۲/۲۴ حصے ملیں گے۔

والدّلیل علی ذلك:

وبنو الأعيان والعلات كلهم يسقطون بالابن وابن الابن وإن سفل، وبالأب بالاتفاق.(١)

ترجمہ:

اور حقیقی بھائی بہن اور علاتی بھائی بہن سب کے سب ساقط ہو جاتے ہیں، بیٹے اور پوتے کی وجہ سے، اگرچہ (رشتے میں) نیچے ہوں اور باپ کے ساتھ بھی بالاتفاق مذکورہ ساقط ہو جاتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

(١) السراجي، باب معرفة الفروض ومستحقيها: ص/١١، ١٢

متفرق مسائل

میاں بیوی دونوں ایکسیڈنٹ میں اکٹھے مرجائیں تو میراث کا حکم

سوال نمبر(432):

جب میاں بیوی دونوں اکٹھے ایکسیڈنٹ میں مرجائیں اور کسی کو یہ معلوم نہ ہوسکے کہ کون پہلے اور کون بعد میں فوت ہوا ہے تو اس صورت میں تقسیم میراث کی کیا صورت ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر چند رشتہ دار ایک ساتھ کسی حادثہ میں مرجائیں اور کسی کو یہ معلوم نہ ہوسکے کہ کون پہلے اور کون بعد میں فوت ہوا ہے (تقدیم وتاخیر ایک لمحہ کی بھی ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا) تو دوسرے زندہ ورثا میں ان کی وراثت تقسیم کردی جائے گی جب کہ یہ لوگ (ایک حادثہ میں مرنے والے) ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ دیگر زندہ ورثا میں ان کی وراثت تقسیم کردی جائے گی۔

والدّلیل علی ذلك:

إذامات جماعة ،ولایدری أیهم مات أوّلا جعلوا کأنّهم ماتوامعا، فمال کل واحد منهم لورثته الأحیاء، ولایرث بعض الأموات من بعض هذا هوالمختار.(۱)

ترجمہ:

جب پوری جماعت (ایک ساتھ) مرجائے اور یہ معلوم نہ ہوسکے کہ ان میں سے کون پہلے مرا ہے تو ان کو ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا وہ سب ایک ساتھ مرے ہیں لہٰذا ان میں سے ہر ایک کا مال اس کے زندہ ورثا کو ملے گا اور (یہ ایک ساتھ مرنے والے) بعض مردے بعض کے وارث نہیں ہوں گے، یہی مختار مذہب ہے۔

❁❁❁

(۱) السراجي ،فصل في الغرقیٰ والحرقیٰ والهدمیٰ :ص/۵۹

مفقود الخبر کی میراث کا حکم

سوال نمبر(433):

میرا بھائی لطیف خان چالیس سال سے لاپتہ ہے اور کافی تلاش کے بعد بھی اس کا کوئی پتہ معلوم نہ ہوا۔اس کی میراث کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے ورثا میں اس کی میراث تقسیم کر دی جائے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے مفقود الخبر شخص نوے سال تک زندہ اور اپنے مال وجائیداد کا مالک متصور ہوتا ہے، اس لیے جب تک مفقود الخبر کی عمر نوے سال نہ ہو جائے اور مسلمان حاکم اس کی موت کا فیصلہ صادر نہ کرے اس وقت تک اس کے مال وجائیداد کو تقسیم نہیں کیا جائے گا، جب بھی مسلمان حاکم یا قاضی کی طرف سے اس کی موت کی تصدیق یا فیصلہ ہو جائے تو اس وقت جو ورثا موجود ہوں، ان کے درمیان ان کے حصص کے بقدر اس کی جائیداد بطورِ میراث تقسیم ہوگی اور جو ورثا مذکورہ مدت (۹۰ سال) سے قبل فوت ہو چکے ہیں، وہ اس کی میراث سے محروم ہوں گے۔

صورتِ مسئولہ میں لطیف خان کی عمر جب نوے سال ہو جائے تو اس وقت موجود ورثا میں ان کی میراث تقسیم ہوگی۔

والدّلیل علی ذلك:

المفقود حيّ في ماله، حتى لايرث منه أحد، وميت في مال غيره حتى لا يرث من أحد، ويوقف ماله حتى يصح موته أو تمضي عليه مدة، واختلف الروايات في تلك المدة.........قال بعضهم:تسعون سنة، وعليه الفتوى. (۱)

ترجمہ: مفقود اپنے مال میں (حکماً) زندہ سمجھا جاتا ہے۔لہٰذا کوئی دوسرا اس کا وارث نہیں ہو سکتا اور دوسرے کے مال میں (حکماً) مردہ سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ کسی کا وارث نہیں ہوتا اور اس کا مال موقوف رکھا جائے گا، یہاں تک کہ اس کی موت ثابت ہو جائے یا ایک طویل مدت گزر جائے۔طویل مدت کے بارے میں روایات مختلف ہیں......بعض نے کہا ہے کہ اس کی مدت نوے سال ہے۔اسی پر فتویٰ ہے۔

---

(۱) السراجي ، فصل في المفقود:ص/۵۶،۵۷

حمل کی میراث کا حکم

سوال نمبر (434):

چار بھائی ہیں، ان چار بھائیوں میں بڑا بھائی انتقال کر چکا، اس کی وفات کے بعد اس کا ایک لڑکا پیدا ہوا، ازروئے شریعت اس بچے کا اپنے والد اور اس کی والدہ کا مرحوم شوہر کی میراث میں کوئی حصہ ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ اس کی ماں نانا کے گھر میں ہے۔ تقریباً نو، دس سال کے عرصہ میں چچوں کی طرف سے زمین اور آٹے کی مشین کی آمدنی سے کوئی حصہ نہ بچے کو ملا ہے اور نہ اس کی ماں کو ملا ہے۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

والد کی وفات کے بعد اگر کوئی بچہ اکثر مدتِ حمل (دوسال) گزرنے سے پہلے پیدا ہوجائے، تو اس کو والد کی میراث میں حصہ ملے گا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر یہ بچہ والد کی وفات کے بعد دوسال پورے ہونے سے پہلے پیدا ہوگیا ہو تو اس کو اپنے والد کی میراث میں حصہ ملے گا۔ اس صورت میں مرحوم کا کل ترکہ منقولہ وغیر منقولہ آٹھ حصوں میں تقسیم ہوکر مرحوم کی بیوہ کو بطورِ فرضیت ۸/۱ اور بیٹے کو بطورِ عصوبت ۸/۷ حصے دیے جائیں گے، بشرطیکہ ان کے علاوہ اور کوئی قریبی وارث زندہ موجود نہ ہو اور اس نو مولود بچہ کی وجہ سے مرحوم کے بھائی اس کے ترکہ میں حصہ لینے سے محروم رہیں گے، کیونکہ عصبات میں جو سب سے زیادہ قریب ہو اُس کو ترجیح ہوتی ہے اور بیٹا بھائیوں سے نزدیک تر وارث ہے۔ لہٰذا اگر مذکورہ زمین اور آٹے کی مشین صرف مرحوم بھائی کی ملکیت ہو تو یہ سب کچھ مرحوم کے بیٹے اور بیوی کو دیا جائے گا اور اگر یہ چیزیں بھائیوں کی آپس میں مشترک تھیں تو مرحوم کے حصہ کی بقدر اس کی بیوی اور بیٹے کو دیا جائے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

الحمل یرث ،ویوقف نصیبه بإجماع الصحابة ، فإن ولد إلی سنتین حیاً ورث ،وهذا إذا کان الحمل من المیت.(۱)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے حمل (والا بچہ) وارث ہوگا اور اس کا حصہ روکا جائے گا، پس اگر وہ

(۱) الفتاویٰ الهندیة ، کتاب الفرائض ،الباب السابع في میراث الحمل :٦/ ٤٥٥

دوسال تک زندہ پیدا ہو، تو وارث ہوگا، یہ (مذکورہ بالا حکم) اس وقت، جب حمل میت سے ہو (یعنی شوہر کی وفات ہوئی ہو اور بیوی حاملہ ہو)۔

❁❁❁

کفار کے ہاں قید شخص کی میراث

سوال نمبر (435):

اگر کسی مسلمان کو جنگ میں کفار قید کرلیں تو اس کی وراثت کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کسی مسلمان کو جنگ میں کافر قید کرلیں اور وہ اسلام کی حالت پر برقرار رہے تو میراث میں اس کا حکم دیگر مسلمانوں کی طرح ہے، یعنی اس کی وفات کے بعد مسلمان ورثا اس کی میراث کے وارث ہوں گے اور وہ اپنے رشتہ دار کا وارث ہوگا اور اگر وہ اسلام سے پھر جائے، تو اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے اور اگر کفار اسے ایسی جگہ قید کردیں، جہاں سے اس کی موت وحیات کا علم نہ ہوسکے اور نہ یہ معلوم ہو کہ وہ اسلام پر برقرار ہے یا مرتد ہو چکا ہے، تو اس وقت اس پر مفقود کے احکام جاری ہوں گے۔

والدّلیل علی ذلك:

حكم الأسير كحكم سائر المسلمين في الميراث ما لم يفارق دينه ، فإن فارق دينه، فحكمه حكم المرتد ،فإن لم تعلم ردته ولا حياته ،ولا موته ،فحكمه حكم المفقود.(۱)

ترجمہ:

میراث میں قیدی کا حکم عام مسلمانوں کی طرح ہے، جب تک دین سے نہ پھرے، اگر دین سے پھر گیا تو اس کا حکم مرتد کی طرح ہے اور اگر اس کے ارتداد اور موت وحیات کے بارے میں کوئی علم نہ ہو تو پھر وہ مفقود کے حکم میں ہے۔

(۱) السراجي ،فصل في الأسير:ص/۵۹

گاؤں کے منافع، حریم اور چراگاہ میں وراثت

سوال نمبر(436):

چند افراد کا باپ غربت کی وجہ سے ایک گاؤں جا کر وہاں مقیم ہوا۔اس گاؤں میں عوام الناس کے اتفاق سے یہ ترتیب چلی آرہی ہے کہ وہاں کے منافع، حریم اور چراگاہ اس میں رہنے والے لوگوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔پوچھنا یہ ہے کہ وہ چند افراد، جن کا باپ اس گاؤں میں آکر مقیم ہوا،اس گاؤں کے منافع وغیرہ کی تقسیم میں حق رکھتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ اس گاؤں کے معتزز لوگوں نے ان کے ساتھ وعدہ بھی کیا تھا کہ آپ ہمارے ساتھ حصہ دار ہوں گے، لیکن ابھی تک انہوں نے اپنے اس وعدہ پر عمل درآمد نہیں کیا ہے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

گاؤں کے منافع، حریم، مرعیٰ مبہم الفاظ ہیں۔اگر اس سے مراد وہ اشیا ہوں، جو عوام الناس کے فائدے کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور ہر آدمی کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہو، جیسے: پانی، گھاس وغیرہ، تو پھر شرعاً اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔

اور اگر قومی املاک کا حصہ ہو کر کوئی زمین وغیرہ آپس میں شریک ہو تو دیگر متروکہ جائیداد کی طرح یہ مشترکہ جائیداد بھی شرکا میں باقاعدہ تقسیم ہوگی، ایسی صورت میں ہر اس شخص کو اس میں حصہ ملے گا، جو اس قوم کا ہو، صرف وہاں پر رہائش اختیار کرنا ملک کی ثبوت کے لیے کافی نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

شركة الإباحة: وهي اشتراك العامة في حق تملك للأشياء المباحة التي ليست في الأصل ملكا لأحد كالماء.(۱)

ترجمہ:

شرکت الاباحۃ عوام کا مباح الاصل اشیا جیسے پانی وغیرہ کی ملکیت میں شریک ہونے کو کہتے ہیں۔

❁❁❁
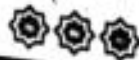
(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز،باب في شركة الملك،رقم المادة:۱۰۴۵،ص/۵۹۵

بیوی کا کفن کس کی ذمہ داری

سوال نمبر(437):

ایک عورت فوت ہو جائے، تو اس کا کفن اس کے ترکہ کے مال سے خرید اجائے گا یا یہ شوہر کی ذمہ داری ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مفتی بہ قول کے مطابق بیوی کا کفن شوہر کے ذمہ لازم ہے اگر چہ عورت ترکہ چھوڑ جائے۔

والدّلیل علی ذلك:

وعلى قول أبي يوسفؒ:يجب الكفن على الزوج ،وإن تركت مالا،وعليه الفتوى.(۱)

ترجمہ: امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق (عورت) کا کفن شوہر کے ذمہ واجب ہے، اگر چہ عورت نے ترکہ میں مال چھوڑا ہو اور فتوی بھی اس قول پر ہے۔

❁❁❁

ولی کا یتیم کو اس کا مال حوالہ کرنے کی مدت

سوال نمبر(438):

میرے بھائی کو انتقال ہوئے تیرہ سال گزر گئے۔اس وقت اس کے بچے کم عمر تھے، اب ان کی عمریں یہ ہیں: بڑا لڑکا اکیس سال، چھوٹا لڑکا تیرہ سال، بڑی لڑکی اٹھارہ سال، دوسری لڑکی سولہ سال، تیسری لڑکی پندرہ سال کی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ولی ان کو باپ کی وراثت کا مال حوالہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نابالغ بچے پر کم سنی کی وجہ سے جو ولایت حاصل ہوتی ہے، وہ بلوغ سے زائل ہو جاتی ہے۔ بچے کے بلوغ کی کم سے کم مدت بارہ سال ہے، جب کہ بچی کا نو سال ہے اور دونوں کے بلوغ کا زیادہ سے زیادہ عرصہ پندرہ سال ہے۔

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية ،كتاب الصلاة ،الباب الحادي والعشرون في الجنائز،الفصل الثالث في التكفين:۱/۱۶۱

اگر کم مدت بلوغ مکمل ہونے پر نابالغ اپنے بلوغ کا اقرار کرے تو اس کا اقرار معتبر ہو کر اسے بالغ شمار کیا جائے گا، ورنہ پندرہ سال مکمل ہونے پر از روئے شریعت بالغ شمار ہوگا۔ چاہے وہ اقرار کرے یا نہ کرے۔

صورتِ مسئولہ میں جن بچوں کی عمر پندرہ سال یا اس سے زائد ہے، چونکہ وہ اکثر مدت بلوغ تک پہنچ چکے ہیں، اس لیے شرعاً یہ بالغ سمجھیں جائیں گے اور اب ان پر کسی کو ولایت حاصل نہیں، لہٰذا ان کا مال ان کو حوالہ کرنا چاہیے، البتہ جس بچے کی عمر تیرہ سال بتائی گئی ہے، اگر اس نے بلوغ کا اقرار کیا ہے تو وہ بھی بالغ شمار ہو کر اس کا مال اس کو حوالہ کر دینا چاہیے لیکن اگر ابھی تک اس نے بلوغ کا اقرار نہیں کیا ہے تو فی الحال وہ نابالغ متصور ہو کر اس کا مال ولی کے پاس رہے گا۔

والدلیل علی ذلك:

أمّا الصبي: فالذي يرفع الحجر عنه شيئان: أحدهما إذن الولي إياه بالتجارة، والثاني بلوغه.(۱)

ترجمہ: بچہ سے پابندی اٹھانے والی دو چیزیں ہیں: اوّل: ولی کا اس کو تجارت کی اجازت دینا اور دوم: اس کا بالغ ہونا۔

بلوغ الغلام بالاحتلام أو الإحبال، أو الإنزال، والجارية بالاحتلام أو الحيض أو الحبل كذا في المختار، والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا إليه خمس عشرة سنة عند أبي يوسف و محمد، وهو رواية عن أبي حنيفة، وعليه الفتوى.(۲)

ترجمہ: لڑکے کا بالغ ہونا احتلام، انزال یا (کسی عورت سے جماع کر کے اُس کو) حاملہ کرنے سے ہے اور لڑکی کا بالغ ہونا احتلام، حیض یا حاملہ ہونے سے ہے، اسی طرح مختار میں مذکور ہے اور (بلوغ کی علامات نہ پائے جانے کی صورت میں) وہ عمر جس تک پہنچ کر لڑکے اور لڑکی کے بلوغ کا حکم کیا جائے گا وہ ابو یوسفؒ اور محمدؒ کے نزدیک پندرہ سال ہے اور یہی ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت ہے اور اسی قول پر فتوی ہے۔

❁❁❁

بعض ورثا کا ترکہ سے کچھ لے کر اپنے حصۂ وراثت سے دست بردار ہونا

سوال نمبر (439):

ہمارے والد صاحب فوت ہو چکے ہیں، جن کے ورثا میں تین بیٹے، آٹھ بیٹیاں اور ایک بیوی زندہ ہے۔

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الحجر، فصل في بيان مايرفع الحجر: ۹۰/۱۰

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الحجر: ۶۱/۵

وراثت میں والد صاحب نے کچھ جائیداد، گھر اور چند دکانیں چھوڑی ہیں۔ ہمارے ایک بھائی کا مطالبہ ہے کہ مجھے آدھی دُکان اور تین لاکھ روپے دے دیں تو میں اپنے حصہ وراثت سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ کیا ہم اپنی رضامندی سے اس کا یہ مطالبہ مان سکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اگر کوئی وارث ترکہ میں سے کوئی مناسب متعین چیز لے کر اپنے حصہ وراثت سے دست بردار ہونا چاہے اور دوسرے ورثا بھی بطیب خاطر ایسا کرنے پر راضی ہوں تو ایسا کرنا جائز ہے۔ خواہ وہ دکان، مکان، باغ اور اراضی وغیرہ میں سے کسی چیز پر راضی ہو یا نقد رقم لینے پر۔

اس لیے صورتِ مسئولہ میں اگر ایک بیٹا ایک معین چیز کے عوض اپنے حصہ وراثت سے دست بردار ہونے پر راضی ہو اور دوسرے ورثا بھی اس پر راضی ہوں تو ازروئے شریعت اس معاملہ میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

التخارج ......أن یتصالح الورثة علی إخراج بعضهم عن المیراث بشيء معلوم من الترکة، وهو جائز عند التراضي.(۱)

ترجمہ: تخارج کہتے ہیں...... ایک یا چند وارثوں کا ترکہ میں سے باہمی رضامندی سے کوئی معین چیز دے کر باقی ترکہ سے کسی کو دست بردار کرنے کو، جو کہ جانبین کی باہمی رضامندی کی صورت میں جائز ہے۔

❁❁❁

تخارج کی ایک صورت

سوال نمبر(440):

میرے والد صاحب تقریباً دس سال پہلے وفات ہوئے، اس نے وراثت میں ایک مکان چھوڑا۔ اس وقت اس مکان کی قیمت جب لگوائی گئی تو تقریباً ساڑھے تین لاکھ روپے تھی، چند وجوہات کی بنا پر وہ مکان اس وقت نہ بک سکا۔ ہم تین بہن اور ایک بھائی اس کے حصہ دار ہیں، میری ایک بہن بہت غریب ہے، اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اس مکان میں اس کا جتنا حصہ بنتا ہے اس کو اس کی قیمت ادا کروں، لہٰذا میں نے اس طرح کیا چنانچہ اس نے

(۱) السیدالشریف علی الجرجاني،السراجیة شرح السراجي،باب التصحیح،فصل في التخارج :ص/۷۳

رضامندی سے وہ پیسے وصول کیے اور کہا کہ میں نے اپنا حصہ وصول کرلیا، میں نے اس وقت اس معاملہ کو لکھوایا نہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ لکھوانے کے بغیر مذکورہ معاملہ کرنے کی وجہ سے میں اس کے حصہ کا حقدار ہوں یا نہیں؟ اور میرے ذمہ اس کا مقررہ حصہ لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر کوئی وارث دیگر ورثا سے مصالحت کرکے کچھ مال لے کر اپنے حصۂ میراث سے دستبردار ہوجائے، تو شرعاً اس قسم کا صلح کرنا جائز ہے، پھر اگر ورثا نے اس وارث کو یہ مال اپنی طرف سے دیا ہو تو اس کا حصہ ان ورثا پر برابر برابر تقسیم ہوگا اور اگر مال متروکہ سے دیا ہو تو پھر اس وارث کا حصہ دوسرے ورثا پر ان کے میراث کے حصوں کے بقدر تقسیم ہوگا۔ البتہ اگر مصالحت کرنے والا وارث ورثا میں سے کسی خاص وارث سے مصالحت کرے تو یہ بھی صحیح ہے، ایسی صورت میں اس کا حصہ صرف اس خاص وارث کو ملے گا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی آپ کی بہن آپ سے مصالحت کرتے ہوئے رقم لے کر گھر میں موجود اپنے حصہ میراث سے دستبردار ہوگئی ہے تو اس گھر میں موجود اس کے حصے کے آپ ہی حقدار ہوچکے ہیں، چاہے آپ نے اپنی بہن کے ساتھ ہونے والا معاملہ لکھوایا ہو یا نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

(ولو أخرجوا واحدا) من الورثة (فحصته تقسم بين الباقي على السواء إن كان ماأعطوه من مالهم غير الميراث ،وإن كان) المعطى (ممّا ورثوه ،فعلى قدر ميراثهم) يقسم بينهم.قوله (على السواء) أفادأن أحدا لورثة إذا صالح البعض دون الباقي يصح، وتكون حصته له فقط.(۱)

ترجمہ: اگر ورثا نے ایک وارث کو(کچھ مال وغیرہ دیکر وراثت سے) نکال دیا، تو اس کا حصہ باقی ورثا پر برابر برابر تقسیم ہوگا اگر ورثا نے اس کو میراث کے مال کے علاوہ اپنے مال سے دیا ہو، اور اگر میراث کے مال سے دیا ہو تو پھر اس کا حصہ ورثا میں ان کے حصوں کے بقدر تقسیم ہوگا۔ ”علی السواء“ کی قید سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر مصالحت کرنے والا کسی خاص وارث سے مصالحت کرے تو یہ بھی صحیح ہے (اس صورت میں) اس کا حصہ اس خاص وارث ہی کو ملے گا۔

❁❁❁

(۱) ردالمحتارعلی الدرالمختار، کتاب الصلح :۸/۴۲۷،۴۲۸

ایک بہن کا کچھ رقم لے کر اپنا حصہ چھوڑ دینا

سوال نمبر(441):

شیر افضل مرحوم نے دو بیویاں چھوڑی ہیں جن میں سے ایک بیوی سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور دوسری بیوی سے ایک بیٹا اور سات بیٹیاں ہیں۔اب پوچھنا یہ ہے کہ دوسری بیوی کی ایک بیٹی دس ہزار روپے کے عوض میراث میں اپنا حصہ چھوڑتی ہے تو شریعت کی رو سے اس بیٹی کا حصہ صرف اس کے عینی بہن بھائیوں میں تقسیم ہوگا یا علاتی میں بھی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

باپ کے مرنے بعد سب اولاد(خواہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں) کا میراث میں استحقاق ہوتا ہے،لیکن اگر کوئی وارث کسی چیز کے عوض اپنا حق چھوڑنا چاہتا ہو تو اِسے تخارج کہتے ہیں۔تخارج کی صورت میں اگر باقی ورثا راضی ہوں تو نکلنے والے کو کوئی چیز دے کر باقی ماندہ ترکہ باقی ورثا میں اُن کے حصص کے بقدر تقسیم ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر مرحوم کی ایک بیٹی دس ہزار روپے کے عوض میراث میں سے اپنا حصہ چھوڑنا چاہتی ہو اور اِس پر باقی وارث راضی ہوں تو اِسے دس ہزار روپے دے کر باقی ترکہ سب بہن بھائیوں میں للذکر مثل حظّ الأنثیین کے تحت تقسیم ہوگا جس میں عینی وعلاتی کا کوئی فرق نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

ولو أخرجوا واحداً من الورثة ، فحصته تقسم بين الباقي على السواء إن كان ما أعطوه من مالهم الخاص أي غير الميراث ، وإن كان ماأعطوه مما ورثوه ، فعلى قدر ميراثهم يقسم بينهم. (۱)

ترجمہ:

اگر ورثا نے ایک وارث کو(کچھ مال وغیرہ دے کر) میراث سے نکال دیا تو اس کا حصہ ان کے درمیان برابر تقسیم ہوگا اگر ورثا نے میراث کے علاوہ مال سے کوئی چیز دی ہو اور اگر میراث میں ملے ہوئے مال سے دی ہو تو پھر میراث میں حصصِ میراث کے حساب سے اِن میں تقسیم ہوگا۔

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب الحادي عشرفي الو كالة ،الباب الرابع :رقم المادة:۱۵۷۱:ص/۸۵۷

مراجع ومصادر

نمبرشمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر
		الف	
۱	إرشاد السّاري إلى مناسك الملاعلي القاري	حسين بن محمدسعيد عبدالغني المكي	دار الكتب العلمية بيروت
۲	أحكام القرآن	ظفرأحمد العثماني (۱۳۹۴هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراجى
۳	أحكام القرآن	أبو بكر أحمد بن علي الرازي الجصاص الحنفي (۳۷۰هـ)	سهيل اكيڈمى لاهور
۴	إسلامى تهذيب وتمدن اردوترجمه "التشبه في الإسلام"	قارى محمد طيب قاسمي (۱۴۰۳هـ)	إداره إسلاميات لاهور
۵	إعلاء السنن	ظفرأحمد العثماني (۱۳۹۴هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
۶	إعلام الموقّعين	ابن القيم الجوزية (۷۵۱هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
۷	الإتقان في علوم القرآن	جلال الدين السيوطي (۹۱۱هـ)	سهيل اكيڈمى لاهور
۸	الاختيارلتعليل المختار	أبوالفضل عبد الله الموصلي (۶۸۳هـ)	دارالمعرفة بيروت لبنان
۹	الاستصناع	سعودبن مسعد الثبيتي	دارابن حزم بيروت
۱۰	الاعتصام	أبوإسحاق إبراهيم الشاطبي (۷۹۰هـ)	مكتبه رشيديه پشاور
۱۱	الأشباه والنظائر	زين الدين بن إبراهيم ابن نجيم (۹۷۰هـ)	ايچ ايم سعيد كراجى
۱۲	البحر الرائق	ابن نجيم (۹۷۰هـ)	دارالكتب العلمية بيروت

۱۳	البداية والنهاية	إسماعيل ابن كثير (۷۷٤هـ)	دارالفكر بيروت
۱٤	الترغيب والترهيب	زكي الدين عبدالعظيم بن عبدالقوي المنذري (٦٥٦هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
۱٥	التشريع الجنائي الإسلامي	عبدالقادر عودة	مؤسسة الرسالة بيروت
۱٦	التعليق الصّبيح	محمد إدريس الكاندهلوي (۱۳۹٤هـ)	المكتبة العثمانية لاهور
۱۷	التعليق الميسر على حاشية الروض الأزهر في شرح الفقه الاكبر	الشيخ الوهبي سليمان الغاوجي	دار البشائر الإسلامية بيروت
۱۸	التفسيرالكبير	فخر الدين الرازي (٦۰٦هـ)	دارإحياء التراث العربي لبنان
۱۹	التلخيص الحبير	ابن حجر العسقلاني (۸٥۲هـ)	المكتبة الا ثرية شيخو پوره
۲۰	الجامع لأحكام القرآن للقرطبي	محمد القرطبي (٦۷۱هـ)	دارإحياء التراث العربي لبنان
۲۱	الجوهرة النيرة	أبوبكربن علي بن محمدالزبيدي (۸۰۰هـ)	دارالكتب العلمية لبنان
۲۲	الحيلة الناجزة	أشرف على التهانوي (۱۳٦۲هـ)	دارالإشاعت كراچی
۲۳	الدّرالمختار مع ردالمحتار	محمد بن علي الحصكفي (۱۰۸۸هـ)	مکتبہ إمدادیہ ملتان
۲٤	الدّرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر	ملا علي بن سلطان القاري (۱۰۱٤هـ)	دار احياء التراث العربي بيروت لبنان
۲٥	الزهد الكبيرللبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (٤٥۸هـ)	دارالجنان بيروت لبنان
۲٦	الشريفية شرح السراجية	السيدالشريف علي الجرجاني (۸۱٦هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
۲۷	السنن الكبرى للنسائي	أحمد النسائي (۳۰۳هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت لبنان

۲۸	السنن الکبریٰ للبیهقي	أبوبکر أحمد بن الحسین البیهقي (۴۵۸هـ)	دارالفکر بیروت لبنان
۲۹	السّراجی فی المیراث	محمدبن عبدالرشید السحاوندیؒ (۶۰۰هـ)	المیزان لاهور
۳۰	السّعایة	محمد عبدالحي اللکهنوي (۱۳۰۴هـ)	سهیل اکیڈمی لاهور
۳۱	الشمائل المحمدیة للترمذي	محمد بن عیسی الترمذي (۲۷۹هـ)	دار الکتب العلمیة بیروت لبنان
۳۲	العرف الشذي	أنورشاه الکشمیري (۱۳۵۲هـ)	دار إحیاء التراث العربي بیروت
۳۳	العقائد الإسلامیة	سید سابق (۱۴۲۰هـ)	دار الکتاب العربي
۳۴	العقیدة فيِ الله	عمرسلیمان الأشقر (۱۴۳۳هـ)	مکتبة الفلاح الکویت
۳۵	العنایة علی هامش فتح القدیر	أکمل الدین محمدبن محمد البابرتي (۷۸۶هـ)	المکتبة الحقانیة پشاور
۳۶	الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی الهندیة	محمد بن شهاب الکردي (۸۲۷هـ)	مکتبه رشیدیه کوئٹه، دارالکتب العلمیة بیروت
۳۷	الفتاوی الخانیة علی هامش الفتاوی الهندیة	فخرالدین حسن بن منصور الأوزجندي (۵۹۲هـ)	مکتبه رشیدیه کوئٹه
۳۸	الفتاوی الکاملیة في الحوادث الطرابلسیة	محمدکامل بن مصطفی الطرابلسي (۱۳۱۵هـ)	المکتبة الحقانیة پشاور
۳۹	الفتاوی الهندیة (العالمگیریة)	شیخ نظام وجماعة من علماء الهند	مکتبه رشیدیه کوئٹه
۴۰	الفتاویٰ التاتارخانیة	عالم بن العلاء الدهلوي (۷۸۶هـ)	دارإحیاء التراث العربي بیروت
۴۱	الفقه الحنفي وأدلته	أسعد محمد سعید الصاغرجي	دارالکلم الطیب بیروت لبنان

٤٢	الفقه الإسلامي وأدلته	د.وهبة الزحيلي (١٤٣٦هـ)	دارإحسان دمشق
٤٣	القاموس الجديد	وحيد الزمان قاسمي كيرانوي (١٤١٥هـ)	إداره إسلاميات لاهور كراچی
٤٤	الكفاية على هامش فتح القدير	جلال الدين الخوارزمي(٧٦٩هـ)	مكتبه حقانيه پشاور
٤٥	المبسوط للسرخسي	شمس الأئمة السرخسي (٤٨٣هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
٤٦	المبسوط للشيباني	محمد بن الحسن الشيباني (١٨٩هـ)	دارالمعارف النعمانية لاهور
٤٧	المجموع شرح المهذب	محي الدين أبوزكريا يحيیٰ بن شرف النووي (٦٧٦هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٤٨	المحيط البرهاني في الفقه النعماني	محمودبن أحمدبن عبدالعزيز عمربن مازة البخاري (٦١٦هـ)	المكتبة الغفارية كوئته
٤٩	المختصرللقدوري	أبوالحسين أحمد القدوري (٤٢٨هـ)	الميزان لاهور
٥٠	المدخل	محمدبن محمد العبدري المالكي المعروف بابن الحاج (٧٢٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٥١	المسامرة على المسايرة	كمال الدين محمد بن محمد ابن أبي الشريف (٩٠٦هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٥٢	المستدرك على الصحيحين	أبوعبدالله محمدبن عبدالله الحاكم النيسابوري (٤٠٥هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٥٣	المسلك المتقسط في المسلك المتوسط على هامش إرشادالساري	الملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٥٤	المصنف لابن أبي شيبة	الإمام أبوبكر عبد الله بن محمد ابن أبي شيبة (٢٣٥هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی، طيب إكادمي ملتان

٥٥	المعجم الأوسط	الحافظ سليمان الطبراني(٣٦٠هـ)	مكتبة المعارف الرياض
٥٦	المعجم الكبيرللطبراني	الحافظ أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني (٣٦٠هـ)	شركة معمل و مطبعة الزهراء الحديثة المحدودة عراق
٥٧	المغني على الشرح الكبير	للإمامين موفق الدين(٦٢٠هـ) و شمس الدين ابني قدامة(٦٨٣هـ)	المكتبة التجارية المكةالمكرمة
٥٨	المفهم شرح صحيح مسلم	أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي (٦٥٦هـ)	دارابن كثيردمشق، دارالكلم الطيب بيروت لبنان
٥٩	المنجد في اللغة والأعلام	جماعة علماء المستشرقين	دار المشرق بيروت لبنان
٦٠	الموافقات في أصول الأحكام	أبو إسحاق إبراهيم بن موسى اللخمي الشاطبي (٧٩٠هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٦١	الموسوعة الفقهية الكويتية	وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت	طباعة ذات السلاسل الكويت
٦٢	الموضوعات الكبرىٰ	ملاعلي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	مكتبه دارالسلام پشاور
٦٣	النبراس شرح شرح العقائد	عبد العزيز فرهاروي (١٢٣٩هـ)	المكتبة الحقانية ملتان
٦٤	النتف في الفتاوىٰ	علي بن الحسين السغدي (٤٦١هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت دار الفرقان عمان
٦٥	النّهر الفائق	عمر بن إبراهيم بن نجيم (١٠٠٥هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
٦٦	الوجيز	عبد الكريم زيدان (١٤٣٥هـ)	فاران اكيڈمی لاهور
٦٧	الوسيط في شرح القانون المدني	عبدالرزاق السنهوري (١٣٩١هـ)	دارإحياء التراث العربي، بيروت
٦٨	الهداية	برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني (٥٩٣هـ)	مكتبه رحمانيه لاهور

٦٩	اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة	جلال الدين عبد الرحمن السيوطي (٩١١هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٧٠	الأحكام السلطانية	علي بن محمد الماوردي (٤٥٠هـ)	نفيس اكيڈمی کراچی
٧١	كفاية الأخيار في حل غاية الاختصار	تقي الدين أبوبكر بن محمد الحصيني (٨٣٩هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٧٢	الإتقان في علوم القرآن	جلال الدين عبدالرحمن السيوطي (٩١١هـ)	سہیل اکیڈمی لاہور
٧٣	الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف	علاؤالدين علي بن سليمان المرداوي (٨٨٥هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
٧٤	إمدادالفتاوىٰ	أشرف علي التهانوي (١٣٦٢هـ)	مكتبه دارالعلوم کراچی
٧٥	أوجز المسالك	محمدزكريا الكاندهلوي (١٣٠٢هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
٧٦	اوزان شرعيه	مفتي محمد شفيع (١٣٩٦هـ)	إدارة المعارف کراچی
٧٧	آكام المرجان في أحكام الجان	بدر الدين أبوعبد الله محمد بن عبد الله الشبلي (٧٦٩هـ)	کارخانه تجارت کتب کراچی
٧٨	أشرف التوضيح	نذير أحمد (١٤٢٥هـ)	مكتبة العارفي فيصل آباد

ب

٧٩	بدائع الصّنائع في ترتيب الشّرائع	علاء الدين أبوبكربن مسعود الكاساني (٥٨٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٨٠	بداية المجتهد ونهاية المقتصد	ابن رشد محمدبن أحمد القرطبي (٥٩٥هـ)	مكتبة نزار مصطفىٰ الباز مكة المكرمة
٨١	بذل المجهود في حل أبي داؤد	خليل أحمد السهارنفوري (١٣٤٦هـ)	دار اللوىٰ للنشر و التوزيع الرياض

ت

۸۲	تاريخ التشريع الإسلامي	منّاع القطان (۱٤۲۰هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت لبنان
۸۳	تبصرة الحكّام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام	إبراهيم بن علي ابن فرحون المالكي (۷۹۹هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
۸٤	تبيين الحقائق في شرح كنزالدّقائق	فخرالدين عثمان بن علي الزيلعي (۷٤۳هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
۸٥	تحفة الفقهآء	علاء الدين السمر قندي (٥۷٥هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
۸٦	تفسير المظهري	محمد ثناء الله پانی پتی (۱۲۲٥هـ)	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان
۸۷	تفسيرالقرآن الكريم	عمادالدين إسماعيل بن كثير (۷۷٤هـ)	مکتبہ إمدادیہ مكة المكرمة
۸۸	تفسير أبي السعود	أبو السعود محمد بن محمد (۹۸۲هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
۸۹	تقرير ترمذي	محمد تقي العثماني	میمن إسلامك پبلشرز کراچی
۹۰	تقريرات الرافعي	محمدرشيد بن عبداللطيف البيساري الرافعي(۱۳۲۳هـ)	مکتبہ إمدادیہ ملتان
۹۱	تقلید کی شرعی حیثیت	محمد تقي العثماني	میمن إسلامك پبلشرز کراچی
۹۲	تكملة البحرالرائق	محمدبن حسين بن علي الطوري (۱۱۳۸هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
۹۳	قرة عيون الأخيار تكملة ردالمحتار	محمدعلاء الدين بن محمدأمين ابن عابدين (۱۳۰٦هـ)	مکتبہ إمدادیہ ملتان
۹٤	تكملة عمدة الرعاية على شرح الوقاية	مولانا فتح محمد التائب (۱۳۲۷هـ)	مکتبہ رحمانیة اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

۹۵	تكملة فتح الملهم	محمدتقي العثماني	مكتبه دارالعلوم كراچي
۹۶	تنوير الأبصار مع الدرالمختار	محمد بن عبدالله بن أحمد التمرتاشي (۱۰۰٤هـ)	مكتبه إمداديه ملتان

ج، ح، خ، د

۹۷	جامع البيان المعروف تفسيرالطبري	أبو جعفر محمدبن جرير الطبري (۳۱۰هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
۹۸	جامع الترمذي	أبوعيسیٰ محمدبن عيسى الترمذي (۲۷۹هـ)	الميزان، لاهور
۹۹	جامع الرموز	شمس الدين محمد القهستاني (۹۵۳هـ)	ايچ۔ ايم۔ سعيد كراچی
۱۰۰	جوا هرالفقه	مفتي محمد شفيع (۱۳۹٦هـ)	مكتبه دارالعلوم كراچی
۱۰۱	حاشية الشلبي على تبين الحقائق	شهاب الدين أحمد بن يونس الشلبي (۱۰۱۰هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
۱۰۲	حاشية الموسوعة الفقهية الكويتية	وزارة الأوقاف والشوون الإسلامية	طباعة ذات السلاسل الكويت
۱۰۳	حاشية الهداية	محمد عبد الحيّ اللكهنوي (۱۳۰٤هـ)	مكتبه رحمانيه لاهور
۱۰٤	حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح	أحمد بن محمد الطحطاوي الحنفي (۱۲۳۱هـ)	المكتبةالعربية كوئٹه
۱۰۵	حاشية على البناية في شرح الهداية	ناصرالإسلام محمد عمر رامفوري (۱۲۹۵هـ)	مكتبة رشيديه كوئٹه
۱۰٦	حجة الله البالغة	شاه ولي الله أحمد الدهلوي (۱۱۷٦هـ)	المكتبة السلفيةلاهور

۱۰۷	خلاصه التحقيق في حكم التقليد والتلفيق	عبد الغني النابلسي (۱۱۴۳هـ)	مكتبة الحقيقة استنبول، تركيا
۱۰۸	خلاصة الفتاوىٰ	طاهربن أحمد البخاري (۵۴۲هـ)	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۱۰۹	درر الحكام شرح مجلة الأحكام	علي حيدر (۱۲۵۴هـ)	المكتبة العربية كوئٹہ

ر، س، ش

۱۱۰	رحمة الأمة في اختلاف الآئمة	أبو عبد الله محمد بن عبد الرحمن قاضي صفد (۷۸۰هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
۱۱۱	ردّالمحتار على الدّرالمختار	محمدأمين ابن عابدين (۱۲۵۲هـ)	مکتبہ امدادیہ ملتان
۱۱۲	روح المعاني	شهاب الدين محمود الآلوسي البغدادي (۱۲۷۰هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان
۱۱۳	سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد	شمس الدين محمد بن يوسف الشامي (۹۴۲هـ)	دار الكتب العلمية بيروت، لبنان
۱۱۴	سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة	محمد ناصرالدين الألباني (۱۴۲۰هـ)	المكتب الإسلامي بيروت
۱۱۵	سنن الدارمي	عبدالله بن عبد الرحمن الدارمي (۲۵۵هـ)	قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۱۶	سنن النسائي	أبو عبد الرحمن أحمدبن شعيب الخراساني النسائي (۳۰۳هـ)	مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
۱۱۷	سنن أبي داؤد	سليمان بن الأشعث السجستاني (۲۷۵هـ)	ایچ ایم سعید کراچی
۱۱۸	سنن الدارقطني	علي بن عمر الدار قطني (۳۸۵هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان

۱۱۹	شرح السّنة	الحسين بن مسعود البغوي (۵۱۰هـ)	المكتب الإسلامي بيروت، لبنان
۱۲۰	شرح العقائد النّسفية	مسعود بن عمر التفتازاني (۷۹۳هـ)	مکتبہ حقانیہ پشاور
۱۲۱	شرح العقيدة الطحاوية	ابن أبي العزّ الحنفي (۷۹۲هـ)	قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۲۲	شرح المجلّة	سليم رستم باز اللبناني (۱۳۳۸هـ)	المكتبةالحبيبية كوئٹه
۱۲۳	شرح المجلة	خالد الأتاسي (۱۳۲۶هـ)	المكتبةالحقانية پشاور
۱۲۴	شرح النقاية	علي بن محمدسلطان القاري (۱۰۱۴هـ)	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۱۲۵	شرح الوقاية	عبيدا لله بن مسعود (۷۴۷هـ)	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۱۲۶	شرح صحيح البخاري لابن بطال	أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك (۴۴۹هـ)	مكتبة الرشد الرياض
۱۲۷	شرح عقود رسم المفتى لابن عابدين	محمدأمين الشهير بابن عابدين (۱۲۴۳هـ)	مكتبة البشرى كراچی
۱۲۸	شرح مسلم للنووي	يحيى بن شرف النووي (۶۷۶هـ)	مکتبہ دارالفکر بیروت لبنان
۱۲۹	شرح معاني الآثار	أحمدبن محمد الطحاوي (۳۲۱هـ)	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۱۳۰	شعب الإيمان للبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (۴۵۸هـ)	دارالكتب العلميه بيروت لبنان

ص، ع، غ

۱۳۱	صحيح ابن حبان	محمد بن حبان (۳۵۴هـ)	مكتبة دارالفكر بيروت لبنان

۱۳۲	صحیح البخاري	محمدبن إسماعیل البخاري (۲۵۶ھ)	قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۳۳	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج القشیري (۲۶۱ھ)	قدیمي کتب خانہ کراچي
۱۳٤	عقد الجید في أحکام الاجتهاد والتقلید	شاہ ولي اللہ الدهلوي (۱۱۷٦ھ)	دار الفتح الشارقه
۱۳٥	علوم الحدیث	عبیداللہ أسعدي	مجلس نشریات إسلام کراچي
۱۳٦	علوم القرآن	محمد تقي عثماني	مکتبہ دارالعلوم کراچي
۱۳۷	عمدة الرعایة حاشیة شرح الوقایة	محمد عبد الحي اللکهنوي (۱۳۰٤ھ)	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۱۳۸	عمدة القاري شرح صحیح البخاري	العلامة بدرالدین العیني (۸٥٥ھ)	دار إحیاء التّرا ث العربي بیروت لبنان
۱۳۹	عون المعبود شرح سنن أبي داؤد	محمدشمس الحق عظیم آبادي (۱۳۲۹ھ)	دارالفکربیروت، لبنان
۱٤۰	غمز عیون البصائر شرح الأشباه والنظائر	أحمدبن محمد الحموي (۱۰۹۸ھ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراچی
۱٤۱	غنیة الناسك في بغیة المناسك	محمد حسن شاہ المهاجر المکي (۱۳٤٦ھ)	مکتبة ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچي
۱٤۲	غنیةالمستملي المعروف بالحلبي الکبیري	إبراهیم الحلبي (۹٥٦ھ)	مکتبہ نعمانیہ کوئٹہ

ف

۱٤۳	فتاویٰ ابن تیمیه	تقي الدین ابن تیمیه (۷۲۸ھ)	تحت إشراف الرئاسة العامة لشئون الحرمین الشریفین
۱٤٤	فتاویٰ المرأة المسلمة	جماعة من علماء العرب	دارالفکر بیروت لبنان

١٤٥	فتاویٰ خیریة علیٰ هامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیة	خیر الدین الرملی (١٠٨١هـ)	مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان
١٤٦	فتاویٰ رشیدیه	رشیدأحمد گنگوهي(١٣٢٣هـ)	موتمرالمصنفین اکوڑہ خٹک
١٤٧	فتح الباري	أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)	دارالفکر بیروت، لبنان
١٤٨	فتح الغفار شرح المنار	زین الدین بن إبراهیم ابن نجیم(٩٧٠هـ)	مکتبہ اسلامیہ ،کوئٹہ
١٤٩	فتح القدیر الجامع بین فني الروایة والدرایة من علم التفسیر	محمد بن علي بن محمد الشوکاني (١٢٥٠هـ)	دار الفکر بیروت لبنان
١٥٠	فتح القدیر	ابن الهمام کمال الدین محمدبن عبدالواحد (٨٦١هـ)	مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان
١٥١	فتح الملهم شرح صحیح مسلم	شبیرأحمد العثماني(١٣٦٩هـ)	مکتبہ دارالعلوم کراچي
١٥٢	فقه السنة	السید السابق (١٤٢٠هـ)	دار ابن کثیر دمشق لبنان
١٥٣	فیض الباري علی صحیح البخاري	محمد أنورشاه الکشمیري (١٣٥٢هـ)	مکتبہ حقانیہ پشاور
١٥٤	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	محمد عبد الرؤوف المناوي (١٠٣١هـ)	دارالکتب العلمیة بیروت، لبنان

ق ،ک

١٥٥	قاموس الفقه	سیف الله رحماني	زم زم پبلشرز کراچي
١٥٦	کتاب التعریفات	سید شریف الجرجاني(٨١٦هـ)	دارالمنارللطباعة والنشر
١٥٧	کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة	عبدالرحمن بن محمدعوض الجزیري (١٣٦٠هـ)	وحیدي کتب خانه پشاور
١٥٨	کتاب الأموال	أبو عبید قاسم بن سلام (٢٢٤هـ)	دارالکتب العلمیة بیروت

۱۵۹	كشاف القناع عن متن الإقناع	منصور بن يونس البهوتي (۱۰۵۱هـ)	دار الكتب العلميه بيروت
۱۶۰	كشف الأسرار	أبوالبركات عبدالله بن أحمد حافظ الدين النسفي (۷۱۰هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
۱۶۱	كفايت المفتى	مفتى كفايت الله دهلوئ (۱۳۵۲هـ)	دارالاشاعت كراچى
۱۶۲	كنزالدّقائق	أبوالبركات عبدالله بن أحمد حافظ الدين النسفي (۷۱۰هـ)	ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى
۱۶۳	كنزالعمال	علاء الدين المتقي الهندي (۹۷۵هـ)	اداره تاليفات اشرفيه ملتان پاكستان

ل،م

۱۶۴	لسان الحكام	إبراهيم بن محمد، المعروف بابن الشحنة الحلبي (۸۸۲هـ)	البابي الحلبي القاهرة
۱۶۵	لسان العرب	محمد بن منظور الافريقي (۷۱۱هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
۱۶۶	ماهنامه العصرپشاور	مفتى غلام الرحمن	جامعه عثمانيه پشاور
۱۶۷	مجلة الأحكام العدلية	لجنة العلماء المحققين	مير محمد كتب خانه كراچى
۱۶۸	مجمع الأنهرشرح ملتقى الأبحر	عبدالله بن محمد بن سليمان دامادأفندي (۱۰۷۸هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
۱۶۹	مجمع الزوائد	نور الدين علي بن أبي بكرالهيثمي (۸۰۷هـ)	دار الكتب العلمية بيروت
۱۷۰	مجموعه قوانين اسلامى	ڈاكٹرتنزيل الرحمن	اداره تحقيقات اسلامى اسلام آباد
۱۷۱	مجموعة رسائل ابن عابدين	محمدأمين ابن عابدين (۱۲۴۳هـ)	سهيل اكيڈمي لاهور

١٧٢	مجموعة رسائل اللكهنوي	عبدالحي اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	إدارة القران كراچی
١٧٣	مرقاة المفاتيح	ملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
١٧٤	مسند الإمام أحمد	أحمد بن حنبل (٢٤١هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
١٧٥	مسند أبي عوانة	أبو عوانه يعقوب بن إسحاق الأسفرائيني (٣١٦هـ)	دار المعرفة بيروت
١٧٦	مسند أبي يعلى الموصلي	أحمدبن علي الموصلي(٣٠٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
١٧٧	مشكوة المصابيح	محمدبن عبدالله الخطيب التبريزي (٧٣٧هـ)	المكتبة الحقانيه بشاور
١٧٨	مصنف عبدالرزاق	أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني(٢١١هـ)	إدارة القران والعلوم الاسلاميه كراچی
١٧٩	معارف السنن	محمديوسف البنوري (١٣٩٧هـ)	ايچ۔ ايم ۔سعيد كراچی
١٨٠	معجم لغة الفقهاء	محمد رواس قلعه جی (١٤٣٥هـ)	دارالنفائس بيروت
١٨١	معين الحكام	علاء الدين علي بن خليل الطرابلسي (٨٤٤هـ)	مكتبة القدس كوئٹه
١٨٢	مغني المحتاج	محمدبن أحمد الخطيب الشربيني(٩٧٧هـ)	دارالذخائرللمطبوعات قم إيران
١٨٣	مفردات غريب القرآن	الحسين بن محمد الراغب الأصفهاني (٥٠٢هـ)	دارالقلم دمشق
١٨٤	منحةالخالق على البحرالرائق	محمدأمين ابن عابدين (١٢٤٣هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
١٨٥	منهاج السنن شرح جامع السنن	المفتي محمد فريد(١٤٣٢هـ)	مكتبه حقانيه پشاور

۱۸۶	موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان	نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي (۸۰۷ھ)	المطبعة السلفية و مكتبتها بيروت
۱۸۷	موسوعة الفقه الإسلامي المعاصر	عبد الحليم عويس (۱٤۳۳ھ)	دار الوفاء منصورة
۱۸۸	موطا الإمام مالك	مالك بن انس (۱۷۹ھ)	الميزان لاهور
۱۸۹	نفع المفتي والسائل	عبد الحي اللكهنوي (۱۳۰٤ھ)	ايج ايم سعيد كمپنى كراچي

ن

۱۹۰	نور الأنوار	ملاأحمدجيون (۱۱۳۰ھ)	مير محمد كتب خانه كراچى
۱۹۱	نيل الأوطار	محمدبن علي بن محمد الشوكاني (۱۲۵۰ھ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان